گھر کے ہر فرد کے لیے

پاکیزہ

کراچی

مئی 2014

سالگرہ نمبر 2

معراج رسول

عنیزہ سید اور رفعت سراج کے ناول دلچسپ موڑ پر

وہ آئے بزم میں ... لطف ملاقات

و دیگر معروف لکھاریوں کی [illegible] تحریریں



پبلشر و پروپرائٹر: ذیشان رسول ◆ مقامِ اشاعت: گراؤنڈ فلور C-63 فیز II ایکس ٹینشن، ڈیفنس، مین کورنگی روڈ کراچی 75500
پرنٹر: جمیل حسن ◆ مطبوعہ: ابنِ حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی



شعبہ اشتہارات
منیجر اشتہارات محمد شہزاد خان 0333-2256789 نمائندہ کراچی محمد رمضان خان 0333-2168391
نمائندہ لاہور سید افراز علی نازش 0332-4214400 رانا اے حمید 0323-2895528
ماڈل: دیا شاہ .... میک اپ: روز بیوٹی پارلر .... فوٹو گرافر: موسیٰ رضا
جلد 42 ◆ شمارہ 02 ◆ مئی 2014 ◆ زرِ سالانہ 700 روپے ◆ قیمت فی پرچہ پاکستان 60 روپے ◆
پتا: پوسٹ بکس نمبر 662 کراچی 74200 ◆ فون: 35895313(021) فیکس 35802551(021) E-mail:jdpgroup@hotmail.com

امانت

رفعت سراج

قسط 17

لہو سے سینچے پڑتے ہیں برگ و بار کے موسم
بظاہر یوں لگا دینا شجر آسان کتنا ہے
جنہوں نے دھوپ کی دشواریاں جھیلیں بتائیں گے
بدن پر سایۂ دیوار و در آسان کتنا ہے
شکست خاک سے لے کر نمو یابی کے منظر تک
ذرا دشوار ہے رستہ مگر آسان کتنا ہے

بات ایک امانت ہے، ذات ایک امانت ہے عفت ایک امانت ہے، زندگی خدا کی امانت ہے، زمین کے وجود پر سورج کی روشنی امانت ہے، تاروں کا نور ...... چاند کی چاندنی امانت...... امانت کو خیانت سے بدل دیا جائے تو چہار سو اندھیروں کا راج ہے۔ اسی اندھیرے میں امانت کی تابانیاں پھر سے روشنی کی کرنیں بکھیرتے ہوئے چہار سو اجالا کردیتی ہیں۔

امانت و خیانت کو واضح کرتی ایک پُردرد مگر خوب صورت تحریر



گزشتہ اقساط کا خلاصہ

ڈاکٹر مہر جان نیورو سرجن تھیں۔ اپنی بہن گل جان اور بیٹیوں رابعہ اور رومانہ کے لیے ایک سخت گیر بہن اور ماں تھیں۔ اصیل خان ان کے گھر کا ایک ملازم اور معتمدِ خاص تھا۔ کائناز اپنے دادا شاہ عالم کے ساتھ ڈاکٹر مہر جان کے پڑوس میں رہتی ہے وہ اور روما بیسٹ فرینڈز ہیں۔ ایس پی شاہ زمان خان، جابر علی کو اپنے قابو میں کرنے کے لیے اس کی بیٹی کی شادی کے لیے اپنے ایک شریکِ کاروبار وارث علی کا رشتہ دیتا ہے جو برہان کو نا قابلِ قبول ہوتا ہے۔ رابی، شاہ عالم کے ساتھ ان کے گھر چلی جاتی ہے۔ مہر جان کو ہوش آتا ہے تو گل جان کو پتا چلتا... کہ ان کا ذہن ماضی کی باتیں یاد کر رہا ہے اور وہ حال کو فراموش کر چکی ہیں۔ گل جان، شاہ عالم کو بتاتی ہے کہ وہ مہر جان کا علاج نہیں کرائے گی اور وہ روما کو بھی کچھ دن کے لیے اپنے گھر میں رہنے کی اجازت دے دیں جس پر شاہ عالم کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ ستارہ، برہان کو فون کر کے بتاتی ہے کہ شبینہ کی جگہ اس کی شادی ہوگئی ہے اور وہ اس سے ملنے اس کے گھر آسکتا ہے، گل جان، مہر جان کو اکیلا نہیں چھوڑتی ان کے ہی کمرے میں لیٹ کر ماضی میں گم ہو جاتی ہے۔ ستارہ، برہان کو بتاتی ہے کہ اب وہ اس گھر میں کبھی نہیں جائے گی۔ برہان اسے سمجھاتا ہے اور کہتا ہے کہ ہر مشکل میں وہ اس کے ساتھ ہے۔ صابرہ، ستارہ سے ملنے کے لیے بے چین ہوتی ہے۔ جابر علی، ایس پی سے ویسے کی بابت دریافت کرتا ہے تو وہ اسے جھوٹی تسلیاں دے کر مطمئن کر دیتا ہے۔ رابی، برہان کو دیکھ کر سوچ میں پڑ جاتی ہے کہ وہ کون ہے۔ روما، شاہ عالم کے گھر آجاتی ہے۔ ایس پی، جابر علی کو منع کرتا ہے لیکن جابر علی کہتا ہے کہ جو آرڈر اسے ملا ہے وہ اس پر عمل ضرور کرے گا۔ ایس پی شاہ زمان، وارث علی کو جابر علی کے ارادوں کے بارے میں بتاتا ہے۔ ستارہ، وارث علی کی بات پر حیران رہ جاتی ہے۔ جابر علی ستارہ سے اپنے ساتھ چلنے کو کہتا ہے تو وہ منع کر دیتی ہے۔ ستارہ منع کرتی ہے تو جابر علی ستارہ کو گولی مار دیتا ہے۔ برہان کو خبر ملتی ہے تو وہ فوراً اپنے گھر پہنچتا ہے۔ برہان، کائناز کو پڑھانے نہیں آتا اور نہ کوئی فون کرتا ہے تو شاہ عالم خود فون کرتے ہیں تو موبائل آف ملتا ہے۔ مہر جان، اصیل خان کو پہچانتی نہیں ہے اور اس سے پوچھتی ہے کہ وہ کون ہے اور اسے کس نے رکھا...... ایس پی شاہ زمان، جابر علی سے کہتا ہے کہ وہ مجسٹریٹ کے سامنے وارث علی کا نام نہ لے لیکن جابر علی اس کی بات ماننے سے انکار کر دیتا ہے۔ شاہ عالم اخبار میں قتل کی خبر میں برہان کا نام پڑھ کر چونکتے ہیں برہان، شاہ عالم کا فون دیکھ کر حیران ہوتا ہے، شبینہ، فائزہ کو بتاتی ہے کہ برہان اسپتال میں ہے کیونکہ ابھی ستارہ کا پوسٹ مارٹم نہیں ہوا برہان، شاہ عالم کا فون آنے پر انہیں بتاتا ہے کہ اس کی بہن کا مرڈر ہوگیا ہے وہ اب روما کو نہیں پڑھا سکے گا۔ شاہ عالم اسے تسلی دیتے ہیں اور اس کا ایڈریس پوچھتے ہیں تاکہ وہ اس کے گھر آسکیں۔ مہر جان اپنے مرحوم باپ کو صدائیں دیتی ہیں وہ گل جان سے کہتی ہیں کہ بابا ان سے ملے بغیر کبھی نہیں گئے تو اب کیسے چلے گئے۔ ایس پی، وارث علی کو خبردار کرتا ہے وہ جابر علی کی وجہ سے پھنس بھی سکتا ہے۔ رابی کو برہان کی بہن کے مرڈر کی خبر ہوتی ہے تو وہ سوچتی ہے کہ شاید اب وہ اسے نہیں دیکھ پائے۔ وہ تھوڑی دیر کے لیے اپنے گھر جاتی ہے۔ مہر جان، اصیل خان سے گل جان کے بارے میں پوچھتی ہیں لیکن وہ کوئی جواب نہیں دیتا۔ رابی کو دیکھ کر مہر جان اسے پہچانتی نہیں ہیں وہ ایسا تصور میں بھی نہیں سوچ سکتی تھی جو اُن کی حالت تھی۔ شاہ عالم، رابی کی ہمت بندھاتے ہیں وہ خود برہان کے گھر جاتے ہیں اسے تسلی دیتے ہیں۔ شائستہ بیگم، فائزہ کو کہتی ہیں کہ اب وہ شبینہ سے دوستی ختم کرے...... شبینہ، برہان سے جابر علی کے بارے میں پوچھتی ہے تو برہان کہتا ہے کہ وہ اب ان سے نہیں ملے گا۔ رابی، کائناز اور روما کو برہان کے ساتھ ہونے والے حادثے کے بارے میں بتاتی ہے تو وہ حیران رہ جاتی ہیں۔ جابر علی کا ماتحت اسے کہتا ہے کہ اگر وہ اس کی کوئی مدد کر سکتا ہے تو بتائے۔ جابر علی کہتا ہے کہ وہ اس کی اس عزت افزائی کو یاد رکھے گا۔ وارث علی، ایس پی سے کہتا ہے کہ جابر علی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ اس کی مقتولہ بیٹی کا شوہر ہے اور ابھی اس کی ایک بیٹی اور بیٹا زندہ ہیں۔ وارث علی، ایس پی شاہ زمان سے کہتا ہے کہ وہ جابر کے قبضے سے وہ فائل نکلوائے...... ستارہ کی تدفین ہو جاتی ہے۔ رابی شاہ عالم سے کہتی ہے کہ وہ کائناز کو بتا دیں کہ اب برہان انہیں پڑھانے نہیں آئے گا تو شاہ عالم کہتے ہیں کہ وہ برہان کو سمجھانے کی کوشش کریں گے۔ روما، کائناز کے ساتھ اپنے گھر جاتی ہے تو مہر جان اسے نہیں پہچانتیں، ایس پی جابر علی سے بات کرتا ہے کہ وہ فائل اسے دے دے مگر جابر علی، ایس پی کی کوئی بھی بات ماننے سے انکار کر دیتا ہے، وارث علی برہان کو فون کر کے کہتا ہے اسے ایک فائل چاہیے اور اگر وہ فائل اسے نہ ملی تو ان کے لیے اچھا نہیں ہوگا...... برہان فائل کے بارے میں شبینہ سے پوچھتا ہے تو وہ بھی پریشان ہو جاتی ہے، احمر شائستہ بیگم کی اس بات سے بہت ڈپریسڈ ہوتا ہے کہ فائزہ، شبینہ سے کوئی تعلق نہ رکھے۔ اصیل خان، گل جان سے کہتا ہے کہ اب روما اور رابی کو گھر واپس آجانا چاہیے۔

اب آگے پڑھیں

برہان گھر سے باہر چلا آیا تھا...... کیونکہ اس گھر کی چہار دیواری میں خود کو یوں محسوس کر رہا تھا... جیسے اس کی روح کو اُن دیکھی زنجیروں نے بری طرح جکڑ دیا ہو...... کوئی خیال دل میں آتا تھا تو اتنا بے معنی اور بے نتیجہ سا کہ وہ ان بے محل خیالات کی یلغار سے تقریباً بدحواس سا ہوگیا تھا۔

شبینہ اور صابرہ کے پاس صرف ایک موضوع تھا وہ اسی موضوع پر بات کرتی تھیں اور وہ خود اس موضوع سے راہِ فرار اختیار کرنے کی لاشعوری کوشش کرتا تھا۔ اس کے پاس بائیک نہیں تھی کار نہیں تھی کہ وہ سڑکوں پر دوڑاتا پھرتا...... بے سمت سا ایک سفر تھا جو اس نے اختیار کیا تھا...... اور روڈ کے کنارے چلتا چلا جا رہا تھا...... آس پاس سے گزرتے لوگ اسے سائے کی طرح محسوس ہو رہے تھے، اسے کسی چہرے کسی آواز میں دلچسپی نہیں تھی...... اسے خود بھی نہیں پتا تھا کہ آخر اب وہ کرنا کیا چاہتا ہے...... بس سر جھکائے چلتا جا رہا تھا۔ عام حالات میں وہ اتنا زیادہ پیدل چلتا تو شاید اب تک اس کی ٹانگیں اس سے مخاطب ہو چکی ہوتیں کہ کیوں ہمیں اتنا تنگ کر رہے ہو......؟ لیکن اسے تو جیسے اپنا ہوش ہی نہیں تھا۔ اس کا ذہن...... وقت اور خلا کے گہرے کنویں سے باہر آچکا تھا۔ آزاد اور وسیع بسیط فضاؤں میں اس کی روح سفر کر رہی تھی۔ مادی جسم روح کی اڑان کے ساتھ سفر کرنے سے قاصر تھا کہ اچانک ہی اسے وقت اور خلا کے جہان میں واپس آنا پڑا اس کی جیب میں پڑا ہوا موبائل وائبریٹ کر رہا تھا پہلا خیال تو اسے یہی آیا کہ شاید...... شبینہ یا صابرہ کو اس کا خیال آیا ہوگا وہ جاننا چاہتی ہوں گی کہ اس وقت وہ کہاں ہے؟

وہ چلتے چلتے رک گیا آس پاس ایک نگاہِ غلط بھی نہ ڈالی بس چپ چاپ اپنی جیب سے موبائل نکال کر کالر کا نام دیکھنے لگا اور کالر کے نام پر نظر پڑتے ہی اس کی ذہنی دنیا پھر تہ و بالا ہونے لگی۔ اسکرین پر وارث علی کا نام بلنک ہو رہا تھا۔

”اس شخص کی کال ریسیو کرنے کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ وقت کا زیاں ہے۔“

اس نے یہاں تک سوچ کر موبائل mute کر دیا اور جیب میں رکھ لیا۔ وائبریشن مسلسل ہو رہی تھی لیکن برہان نے تو جیسے کھڑے کھڑے قسم کھالی کہ اب وہ کبھی وارث علی کی کال ریسیو نہیں کرے گا۔ موبائل وقفے، وقفے سے وائبریٹ ہو رہا تھا اور برہان کے قدم نہ جانے کس نجات دہندہ کی تلاش میں محوِ سفر تھے۔

☆☆☆

جابر علی لاک اپ میں گھٹنوں میں سر دیے بیٹھا تھا شاید اس میں اپنے آس پاس دیکھنے کا حوصلہ نہیں بچا تھا کیونکہ اس کی ایک، ایک حس ہر آن اسے یہی بتاتی تھی کہ جو اس کے سامنے کھڑا ہے اور جو اس کے پیچھے ہے اور جو دائیں اور بائیں ہے سب اسی کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، اس کو بہت برے، برے ناموں سے یاد کر رہے ہیں...... تو پھر ایسے ظالموں کے چہرے دیکھنے کا فائدہ کیا...... اپنی موت کا ہی انتظار کرنا ہے تو وہ آنکھیں بند کر کے بھی کیا جا سکتا ہے لیکن......

”صاحب آپ نے روٹی کھائی......؟“ اچانک میر داد خان کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

”یاد نہیں شاید کھائی تھی......“ اس کی یہ پاگلوں والی کیفیت دیکھ کر میر داد خان ایک لمحے کے لیے خوفزدہ ہوگیا کیونکہ بولنے کی جرأت تو نہیں تھی...... لیکن دل میں تو دس دفعہ سوچ چکا تھا کہیں جابر علی کا ذہنی توازن تو نہیں بگڑ گیا تھا۔ اپنی اولاد کے خون سے ہاتھ رنگنا کوئی معمولی بات تو نہیں...... یہ عمل تو صریح دیوانگی کے زمرے میں آتا تھا۔

"تم جا کر اپنا کام کرو میر داد خان...... میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں...... میں تو اب ساری فکروں سے آزاد ہو گیا ہوں لیکن میرے جانے کے بعد جب بھی سوچنا تو یہی سوچنا کہ میں نے دیانت داری کی خاطر جان دی ہے۔"

"اس میں تو کوئی شک نہیں صاحب...... میں تو آپ کی ایمانداری کی گواہی میں قسم بھی کھا سکتا ہوں۔ میں نے اپنی پوری زندگی میں آپ جیسا ایماندار افسر نہیں دیکھا۔ لوگ رشوت خوروں کو برا بھلا کہتے ہیں، میں تو اس وقت حیران ہو جاتا تھا جب آپ کو آپ کی ایمانداری کی وجہ سے برا بھلا کہتے تھے کہ نہ خود کھاتا ہے اور نہ کھانے دیتا ہے گند کرتا ہے۔" میر داد خان کے منہ سے اپنی تعریف سن کر جابر علی کی گردن میں لاشعوری طور پر جیسے کلف سا لگ گیا...... اس نے اندر ہی اندر اپنے آپ کو شاباشی دی۔

"چلو کوئی تو میری ایمانداری کو مانتا ہے اور پھر مجھے کسی سے کیا لینا میرے اپنے اندر تو سکون ہے ناں کہ میں نے ہمیشہ ایمانداری سے کام کیا ہے اور آج بھی اپنی ایمانداری کی وجہ سے مصیبت میں پھنس گیا ہوں اور ایک دن اپنی ایمانداری کی وجہ سے جان بھی دے دوں گا۔ تمہارا بہت بہت شکریہ میر داد خان...... تم ایمانداری سے اپنی ڈیوٹی ادا کرو، میں تو سمجھو اپنے انجام تک پہنچ گیا...... اللہ تمہاری مدد کرے مگر یاد رکھو یہ راستہ بہت مشکل ہے کبھی raid پر اور کبھی پھانسی کے پھندے پر...... جان کسی بھی وقت جا سکتی ہے۔"

"صاحب میں آپ کا خادم ہوں، میں نے آپ سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ اپنی وردی کی لاج رکھوں گا آپ کے نقشِ قدم پر چلوں گا۔"

جابر علی نے اپنے ماتحت کی یہ بات سنی تو خوشی سے پھولا نہ سمایا اس کی انا تسکین پا کر جیسے کسی گھنے درخت کی چھاؤں میں سکون سے آنکھیں بند کر کے لیٹ گئی۔ کچھ دیر پہلے کا الجھا، الجھا تاثر چہرے سے مٹ چکا تھا اب اس کے چہرے پر گہرا سکون دکھائی دے رہا تھا۔

"سر...... اگر آپ غصہ نہ کریں تو آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔" میر داد خان نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"ہاں، ہاں پوچھو، تمہیں کوئی بات کہنے کے لیے میری اجازت کی ضرورت نہیں جو مرضی آئے پوچھو۔" جابر علی نے بے پناہ دریا دلی کا مظاہرہ کیا۔

"سر وہ آپ کے گھر سے ابھی تک کوئی نہیں آیا...... آپ کے گھر والے تو اسی شہر میں رہتے ہیں ناں......؟ کسی نے آپ کے لیے کوئی بھاگ دوڑ نہیں کی۔"

"بھاگ دوڑ......؟" جابر علی کے ہونٹوں پر ایک استہزائیہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ "یہ اس وقت ہوتا ہے میر داد خان جب بندہ ملزم ہوتا ہے، میں تو مجرم ہوں۔"

"لیکن صاحب ابھی مجسٹریٹ کے سامنے تو آپ کو پیش نہیں کیا گیا ناں...... ابھی آپ کا اقبالی بیان تو ریکارڈ نہیں ہوا۔" میر داد خان نے پھر ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"وہ بھی ہو جائے گا...... ان لوگوں کی مرضی بھلے مجھے ابھی مجسٹریٹ کے سامنے پیش کریں...... ایک ہی بات ہے میرے پاس صبح پوچھیں گے تو اقبالِ جرم کروں گا، شام کو پوچھیں گے تو بھی آدھی رات کو اٹھا کر پوچھیں گے تو بھی۔ بات وہ بدلتا ہے جس کے پاس دس باتیں ہوتی ہیں...... میرے بھائی میرے پاس تو ایک ہی بات ہے۔" جابر علی اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا تھا۔ اتنی دیر سے وہ دیوار سے ٹیک لگائے کافی فاصلے سے میر داد

خان سے ہم کلام تھا جو لاک اپ کی سلاخیں اپنی مٹھیوں میں دبوچے انتہائی دکھ اور ہمدردی سے جابر علی کو دیکھ رہا تھا اور جو کچھ ذہن میں آ رہا تھا وہ کہہ بھی رہا تھا۔

"صاحب......! آپ برا نہ مانیں، آپ کو کیا مصیبت آئی ہے کہ اقبالی بیان ریکارڈ کرائیں۔ کیس کو الجھا دیں سارا محکمہ آپ کی ایمانداری کی قسم کھاتا ہے کچھ بھی نہیں ہوگا آپ کو......"

"کیس کو الجھا دوں......؟" جابر علی نے بڑے کڑے تیور کے ساتھ اتنی دیر میں پہلی بار میر داد خان کو گھورا تھا۔

"کیوں الجھاؤں کیس کو......؟ نہ مجھے زندہ رہنے کی خواہش ہے اور نہ جھوٹ بول کر زندگی کی بھیک مانگنے کی تمنا...... اگر یہ سمجھتے ہیں کہ مجھے پھانسی چڑھنا چاہیے تو چڑھا دیں...... جھوٹ نہیں بولوں گا۔"

میر داد خان نے یہ سن کر ایک لمحے کے لیے اپنا سر جھکا لیا۔ جابر علی کی اس بہادری کو از حد عقیدت اور احترام سے محسوس کیا۔

"صاحب......! آپ میری بات پر غور ضرور کیجیے گا اگر آپ کیس کو الجھا دیں تو زیادہ بہتر ہے۔ برائی کو مٹانے کے لیے یہ بہت ضروری ہے۔ آپ تو پھانسی چڑھ جائیں گے لیکن وارث علی جیسا ناسور پلتا رہے گا، اسے اس کے انجام تک پہنچانے کے لیے ضروری ہے کہ آپ کیس کو الجھا دیں۔ ورنہ وہ بچ نکلے گا اور پھر کسی اور شریف خاندان میں واردات کرے گا۔"

"تم فکر نہیں کرو میر داد خان میرے پاس ایسے ثبوت ہیں کہ وارث علی بچ نہیں سکے گا اور اسے اس کے انجام تک پہنچانے کے لیے تو میں آج اس حال کو پہنچا ہوں، میری یہ قربانی رائگاں نہیں جائے گی۔" جابر علی کے انداز میں بلا کا اعتماد اور بے خوفی تھی اپنے ماتحت کو تسلی دیتے ہوئے اس کا سر جیسے فخر سے بلند ہو رہا تھا گویا اس دنیا میں سب سے عظیم کارنامہ انجام دینے والا واحد وہی ہو۔

"اس ملک میں بااثر بندے کو کچھ نہیں ہوتا صاحب...... آپ کا تجربہ مجھ سے زیادہ ہے، آپ کو تو یہ بات سمجھ آ جانی چاہیے۔"

"آتی ہے سمجھ میر داد خان بہت اچھی طرح سمجھ آتی ہے لیکن کچھ کیے بغیر تو میں بھی مرنے والا نہیں۔" جابر علی کے لہجے میں ایک عزم تھا، قوتِ ارادی کی مضبوطی تھی اور کچھ کر دکھانے کا پورا یقین تھا۔

☆☆☆

جھٹ پٹے کا وقت تھا، پرندے اپنے آشیانوں کی طرف لوٹ رہے تھے۔ ان کی آوازوں سے یوں لگتا تھا جیسے وہ دن بھر ہونے والی مصروفیات اور پیش آنے والے چھوٹے بڑے حادثات پر تبصرے کر رہے ہوں۔

گل جان سفید شلوار قمیص میں ملبوس تھی اور سفید ہی چادر سے اس نے اپنا سر ڈھانپا ہوا تھا...... برسوں گزر گئے یہ سفید رنگ اس کی ذات کا حصہ بن کر رہ گیا تھا۔ وہ خال، خال ہی کوئی اور رنگ پہنتی تھی۔ شام کے جھٹ پٹے میں سفید لباس میں لپٹا ہوا اس کا وجود بڑا پاکیزہ و مقدس دکھائی دے رہا تھا۔ ہاتھ میں موٹے، موٹے دانوں کی سفید ہی تسبیح تھی جس پر وہ اپنے معمول کے مطابق یاحیُ یا قیومُ کا ورد کر رہی تھی۔ معاً اس کی نظر اصیل خان پر پڑی...... جو ایک طرف جانماز بچھائے مغرب کی اذان کا انتظار کر رہا تھا۔ گل جان کو اچنبھا سا ہوا۔

"یہ آج مغرب کی نماز گھر پر کیوں پڑھ رہا ہے؟ یہ تو پانچوں نمازیں پڑھنے مسجد جاتا ہے...... اور یہ اس جگہ ہی کیوں جانماز بچھا کر بیٹھ جاتا ہے...... بی بی جان گھر کے اندر سے باہر آتی ہیں تو سب سے پہلے نظر اسی

جگہ پر پڑتی ہے...... اسے منع بھی کیا ہے کہ اپنے کوارٹر میں رہا کرے پھر بھی پتا نہیں کیوں یہ یہاں آ کر بیٹھ جاتا ہے۔" اس کی سوچ جھنجلاہٹ کا شکار ہونے لگی۔ وہ خود پر قابو نہ رکھ سکی اور بے اختیاری کیفیت میں اصیل خان کے قریب چلی آئی۔

"اصیل خان خیر تو ہے تم نماز پڑھنے مسجد نہیں گئے؟" اصیل خان نے گل جان کی طرف صرف ایک... سرسری سی نگاہ کی تھی۔

"وہ گل جان بی بی آج میری سیدھی ٹانگ کے گھٹنے میں بہت تکلیف ہے بڑے دنوں کے بعد اس تکلیف نے تنگ کیا ہے چلنے میں بہت دقت ہو رہی ہے۔"

"تو تم لگ کر علاج کیوں نہیں کراتے...... توتے کی طرح کیوں پال رہے ہو؟"

اصیل خان نے گل جان کی یہ بات سن کر اس کی طرف نہیں دیکھا بلکہ کسی خیال میں کھو گیا...... پھر آہستہ سے گویا ہوا۔

"گل جان بی بی بس جیسے پہلے ٹھیک ہو گئی تھی۔ اسی طرح اب بھی ہو جائے گی۔ ڈاکٹر کے پاس جاؤ تو بڑا خرچہ ہوتا ہے پندرہ بیس تو ٹیسٹ ہی کرا لیتے ہیں اور آپ کو پتا ہے کہ ایک ٹیسٹ پر ہی اچھا خاصا پیسہ اٹھتا ہے۔"

"پیسے مجھ سے لے لو......" گل جان نے اس کی بات مکمل ہوتے ہی کہا تھا۔

"نہیں جی بس...... ٹھیک ہے...... مہربانی آپ کی، اللہ کرم کرے گا۔"

"اصیل خان...... میں اصل میں یہ بات تم سے کہنا چاہتی ہوں کہ تم کیوں یہاں لان میں آ کر بیٹھ جاتے ہو...... بی بی جان کی سیدھی نظر اسی جگہ پر پڑتی ہے اور وہ آ کر اپنی باتیں شروع کر دیتی ہیں۔"

"آپ پریشان نہ ہوں گل جان بی بی، خوامخواہ کیوں ڈرتی ہیں؟ ڈاکٹر صاحبہ نے اگر مجھے پہچان بھی لیا تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" اصیل خان نے اپنی دانست میں اسے تسلی دی تھی۔

"کچھ برا بھی ہو سکتا ہے اصیل خان، ان کی حالت زیادہ خراب ہو سکتی ہے۔ مجھے اپنی بہن کو چند دن ہر غم سے دور دیکھنے کی تمنا ہے، وہ اب ہنستی بھی ہیں اور مسکراتی بھی ہیں اور ہاں تمہیں ایک بات بتاؤں اصیل خان......؟" گل جان کا آخری جملہ سوالیہ ہو گیا۔

اصیل خان نے نظریں اٹھانے کے بجائے گل جان کے بولنے کا انتظار کیا۔

"کبھی کبھی میں سوچتی ہوں......" گل جان کسی خیال میں کھو کر بول رہی تھی۔ اصیل خان نے بالکل نہیں پوچھا کہ وہ کیا سوچتی ہے۔

گل جان اس کی طرف سے اب قطعی مایوس ہو گئی اور اسے پورا یقین ہو گیا کہ کم از کم اصیل خان لب کشائی نہیں کرے گا۔ اس لیے اسے اپنی بات بلا توقف جاری رکھنی چاہیے۔

"میں سوچتی ہوں اصیل خان پاگل پن بہت بڑی نعمت ہے، انسان تمام شرعی، اخلاقی پابندیوں سے فارغ ہو جاتا ہے نہ رشتے بوجھ بنتے ہیں نہ پرانے زخموں سے آنچ آتی ہے۔" یہ کہہ کر گل جان نے گہری سانس لے کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔ اصیل خان یوں خاموش تھا جیسے وہ گل جان سے کچھ مزید سننے کی تمنا رکھتا ہو...... لیکن جب گل جان کی خاموشی گہری ہوتی گئی تو اس نے نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

"میں آپ کی بات کے سامنے اپنی بات نہیں رکھ سکتا گل جان بی بی...... مگر آپ دو معصوم بچیوں کی طرف

بھی دیکھیں......"

"وہ بہت سکون سے ہیں اصیل خان......" گل جان نے فوراً اس کی بات کاٹ کر کہا تھا۔

"کتنے دن تک......؟" اصیل خان کی طرف سے برجستہ سوال ہوا تھا۔

"شاہ صاحب ہمارے پڑوسی ہیں، رشتے دار نہیں ہیں گل جان بی بی۔"

"تم فکر نہیں کرو، میں ان دونوں کو آہستہ، آہستہ راہ پر لا رہی ہوں اور پھر ایک دن انہیں ساری حقیقت کھول کر بتا دوں گی...... کچھ نہیں چھپاؤں گی۔"

"ساری حقیقت......؟"

"ہاں ساری حقیقت......" گل جان کے چہرے پر ایک پُراسرار مسکراہٹ کھیلنے لگی اصیل خان بھی بے معنی انداز میں مسکرا دیا تھا۔

"کہاں سے شروع کریں گی؟"

"9 اگست 1960ء سے جب بی بی جان نے ایک عظیم الشان حویلی میں جنم لیا تھا۔ میں پورے چھ سال چھوٹی ہوں ان سے مگر...... میری سالگرہ ان سے ایک مہینے پہلے ہوتی ہے میں 2 جولائی کو پیدا ہوئی اور وہ 9 اگست کو...... بظاہر تو ایسا لگتا ہے کہ ہماری پیدائش میں صرف ایک مہینے کا فرق ہے۔" اتنا کہہ کر گل جان پھر بے معنی سا مسکرائی اور اس طرف دیکھا جہاں سے اسے مہر جان کے برآمد ہونے کے اندیشے لاحق تھے۔

"میں 2 جولائی کو اس دنیا میں نحوست پھیلانے کے لیے آئی...... میں تو نحوست کی نشانی ہوں اصیل خان...... آتے ہی ماں کو ہڑپ کر گئی۔"

"ایسا مت بولیں گل جان بی بی...... اللہ کو برا لگتا ہے، ہم اپنی طرف سے کون ہوتے ہیں منحوس اور مبارک کا فیصلہ کرنے والے یہ تو لکھنے والے کے ہاتھ میں ہے کہ اس نے ہمارے لیے کیا کام لکھے ہیں جو ہمیں اس دنیا میں آ کر کرنے ہوتے ہیں۔" اصیل خان کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی۔

"بہت اچھے کام کیے ہیں ہم نے...... کچھ سمجھ میں نہیں آتی کہ ایسا کیا تھا ہمارے خمیروں میں کہ ہمارے لیے دنیا اور آخرت میں جہنم لکھ دیا گیا۔"

"توبہ، توبہ......!" اصیل خان نے بے اختیار اپنے کانوں کی لوؤں کو چھوا۔ "وہ بڑا غفور الرحیم ہے۔ عیبوں پر پردہ ڈالنے والا ہے۔ ہمارے گناہ اس کی بخشش سے زیادہ تو نہیں ہو سکتے۔ بندے کو کبھی اپنے رب سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔" بولتے، بولتے اس کی اس کی آواز سے رقت جھلکنے لگی تھی یوں لگتا تھا وہ بس اب رو پڑے گا۔ وہ مزید گویا ہوا۔

"میں پھر آپ کو یہ کہوں گا جب تک پردہ پڑا ہے پڑا رہنے دیں بچیوں کو بتایا تو بچیوں پر ظلم ہوگا۔"

"سچائی کو ظلم کا نام مت دو اصیل خان، سچ تو ضرور بتاؤں گی اگر سچ بتانا ظلم ہے تو پھر ایک دن یہ ظلم ضرور ہوگا۔" یہ کہہ کر گل جان وہاں رکی نہیں تھی گھر کے اندر کی طرف بڑھ گئی تھی۔ اصیل خان کو آگ کے دریا میں ڈوب کر پھر تیرنے کا حکم دے کر۔

اصیل خان اپنی طرف سے پوری کوشش کرتا تھا کہ وہ ارادتاً گل جان کی طرف نہ دیکھے مگر بلا ارادہ تو نظر ایک بار اٹھ ہی جاتی تھی۔

☆☆☆

کائناز، رابی اور روما کو لیے لاؤنج میں بیٹھی تھی اور دو تین بڑے، بڑے سے البم اس کی گود میں دھرے تھے۔ ایک البم کھول کر وہ ایک، ایک تصویر پر انگلی رکھ کر اس تصویر کی گویا ہسٹری بھی بتا رہی تھی۔

روما اور رابی دونوں بڑی دلچسپی سے تصویریں دیکھ رہی تھیں۔ رابی کے چہرے پر گہری سوچ اور سنجیدگی تھی۔ وہ تصویریں دیکھتے ہوئے بالکل خاموش تھی جبکہ روما بار بار بول پڑتی تھی۔

''اللہ کائناز تم اپنی ممی کی گود میں کتنی کیوٹ لگ رہی ہو۔'' اس نے ایک فوٹو کو بہت شوق اور دلچسپی سے دیکھتے ہوئے بے ساختگی سے کہا تھا۔ کائناز نے مسکرا کر روما کی طرف دیکھا۔

''میں کیوٹ لگ رہی ہوں اور میری ممی؟''

''تمہاری ممی بھی بہت پیاری ہیں مگر یہ تو بہت چھوٹی عمر کی لڑکی لگ رہی ہیں ممی تو بالکل بھی نہیں لگ رہیں۔'' کائناز نے روما کی طرف یوں گھورا جیسے اسے اس کی بے وقوفی کا احساس دلا رہی ہو۔

''بے وقوف ایک چھوٹی سی بچی کی ممی اتنی ہی ایج کی ہوں گی ناں اگر وہ بوڑھی ہوتیں تو اب ہوتیں جب میں بڑی ہو چکی ہوں۔''

''کائناز ٹھیک کہہ رہی ہے لگتا ہے کہ کائناز کی ممی کی شادی کم عمری میں ہو گئی تھی۔''

''ہاں رابی آپا، میری ممی میرے پاپا سے پورے بارہ سال چھوٹی تھیں۔ یہ مجھے دادا جان نے بتایا تھا۔''

''ہوں...... لگ رہا ہے۔'' رابی نے ایک اور تصویر کی طرف توجہ کرتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔

''اللہ روما تمہارے تو پاپا بھی بہت ہینڈسم ہیں...... لگتا ہے فورس کے بندے کی تصویر ہے looks تو ایسی ہی ہیں۔ کیا وہ بھی فورس میں بھی رہے تھے؟''

''اوہ نو۔'' کائناز نے روما کی طرف عجیب انداز سے دیکھا۔ ''تمہیں سب کچھ پتا تو ہے۔ بزنس مین تھے میرے پاپا۔''

''اوہ سوری، میں بھول گئی تھی۔ تم نے مجھے بتایا تھا کہ تمہارے پاپا بزنس مین تھے لیکن وہ جو تمہارے پاپا کی تصویر ڈرائنگ روم میں لگی ہوئی ہے اُس میں اور اس تصویر میں بہت فرق ہے۔''

''یہ میرے پاپا کی بہت پرانی تصویر ہے اور وہ جو ڈرائنگ روم میں تصویر ہے ناں ان کی ڈیتھ سے کچھ دن پہلے کی ہے۔'' اب ایک دم سے کائناز کے چہرے پر اداسی اتر آئی تھی جیسے اس کا ذہن ماحول سے ہٹ کر اپنے مرحوم باپ کی طرف یکسو ہو گیا ہو۔

''تمہارے پاپا کو کیا ہوا تھا کائناز مجھے تو آج تک یہی نہیں پتا؟''

''رابی آپا میرے ممی، پاپا کی ڈیتھ ایک ساتھ ہوئی تھی روڈ ایکسیڈنٹ میں۔ پاپا کار ڈرائیو کر رہے تھے ممی ان کے ساتھ تھیں۔ وہ لوگ نوشہرو فیروز کسی تقریب میں جا رہے تھے۔ دادا جان بتاتے ہیں ان کے بزنس .... پارٹنر کی بیٹی یا بیٹے کی شادی تھی......''

''اوہ گاڈ!'' رابی کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔ ''دونوں ایک ساتھ ہی چلے گئے...... اوہ میرے خدایا......! دادا جان کی کیا حالت ہوئی ہوگی۔''

''رابی آپا میرے دادا جان بہت اسٹرانگ ہیں اور جتنے اسٹرانگ ہیں اتنے ہی دکھی بھی...... مگر وہ کبھی اپنے چہرے سے دکھ ظاہر نہیں کرتے ہمیشہ مسکراتے رہتے ہیں۔ شاید میری خاطر......'' کائناز اب ایک دم سے اداس نظر آنے لگی تھی۔

''چھوڑو کائناز اب یہ باتیں رہنے دو...... پھر تم رونے لگو گی تو تمہیں سنبھالنا مشکل ہو جائے گا...... رات تک تمہارا موڈ آف رہے گا۔'' روما نے جلدی سے کائناز کا ذہن اِدھر اُدھر کرنے کی کوشش کی، وہ کائناز کے ہر معاملے میں رابی سے زیادہ تجربے کار تھی اور ایسی سچویشن سے کئی بار نبرد آزما ہو چکی تھی۔

''ہاں...... دادا جان مجھے ہمیشہ یہی کہتے ہیں کہ بیٹا انسان اپنی زندگی اور موت پر قدرت نہیں رکھتا۔ جب اللہ چاہتا ہے دنیا میں بھیج دیتا ہے اور جب چاہتا ہے واپس بلا لیتا ہے۔ نہ کوئی اپنی مرضی سے آتا ہے نہ اپنی مرضی سے جاتا ہے۔ شاید میرے ممی، پاپا کی عمر ہی اتنی تھی۔'' کائناز ابھی تک اپنی سابقہ کیفیت میں ڈوبی ہوئی کہہ رہی تھی۔

''پھر بھی تم بہت خوش نصیب ہو کائناز موسٹ لکی...... کم از کم تم اپنے ماما، پاپا کی تصویریں دیکھتی ہو، ان کو یاد کرتی ہو، تمہیں اپنے پاپا کا چہرہ یاد رہتا ہے اور ہمیں دیکھو...... لگتا ہے ہم تو کسی درخت سے ٹوٹ کر گرے تھے۔ آج تک اپنے باپ کی تصویر نہیں دیکھی جب بھی اماں جان سے پوچھا یہی جواب ملا کہ تمہارا باپ اس لائق نہیں کہ اس کا ذکر کیا جائے۔ آئندہ مجھ سے اس کے بارے میں کوئی سوال جواب مت کرنا...... اب تم بتاؤ ہم اماں جان سے اپنے باپ کی بات کس طرح کرتے...... کس طرح ان کا پتا نشان پوچھتے......؟ مجھے تو خود پر بڑا ترس آتا ہے کہ اتنا سب کچھ ہے پھر بھی کچھ نہیں۔'' رابی کے کسی زخم کے ٹانکے بڑے کچے تھے لمحے بھر میں اُدھڑ گئے یوں جیسے تازہ تازہ زخم سے خون رِسنے لگتا ہے۔

''ہاں جب مجھے روما نے بتایا تھا کہ آپ لوگوں کے فادر کی ایک بھی تصویر گھر میں نہیں ہے تو مجھے بہت حیرت ہوئی تھی۔''

''ہم تو اتنا حیران ہو چکے ہیں کائناز کہ اب تو حیرت بھی ہمیں حیرت سے دیکھتی ہے۔'' یہ کہہ کر رابی نے ایک ایسا قہقہہ لگایا تھا جس میں وادیوں میں گونجنے والی بانسری کے میٹھے سُر نہیں تھے بلکہ ماتمی دُھن کی ابدی اداسی تھی۔

☆☆☆

مہر جان کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ گل جان اپنی دُھن میں کچھ سوچتی ہوئی تیز، تیز قدموں سے ان کے کمرے کی طرف آئی تھی۔ دروازہ کھلا دیکھ کر قدرے چونکی پھر قدموں کی رفتار خود بخود آہستہ ہو گئی اس نے محتاط انداز میں دروازے کی چوکھٹ تھام کر اندر جھانکا تو عجیب سی کیفیت ہو گئی۔

مہر جان ڈریسنگ کے آئینے کے سامنے کھڑی تھیں اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے خود کو بہت غور سے دیکھ رہی تھیں۔ ان کے چہرے پر بہت نرم اور محبت کی روشنی پھیلاتے ہوئے تاثرات تھے۔ یوں لگتا تھا کہ وہ کسی بہت حسین خیال میں کھوئی ہوئی ہیں اور اس خیال میں حسن اپنے اس کمال پر تھا کہ جس کمال پر کسی بھی شے کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے مہر جان کو رنگ و نور کے ہالے نے اپنے حصار میں لے لیا ہو۔ وہ بہت خوب صورت نظر آ رہی تھیں...... شاید نرمی میں ہی حسن کا کمال ہے، رعونت بھرے حسن سے تو سبھی ڈرتے ہیں اور جہاں خوف ہوتا ہے وہاں سے محبت سر پر پاؤں رکھ کر بھاگتی ہے۔

اس سے پیشتر کہ گل جان اندر قدم رکھتی اس کی سماعت سے مہر جان کی آواز ٹکرائی۔ آواز میں اتنی خوب صورت کھنک تھی کہ دور کہیں جھرنوں کی صدا یا آبشار کی جلترنگ سنائی دے رہی ہو۔

مہر جان کہہ رہی تھیں۔ ''کتنے دن ہو گئے تم نے فون نہیں کیا...... ظاہر تو ایسے کرتے ہو جیسے تمہیں میرے

بن ایک پل چین نہیں آتا، میرا جی چاہتا کہ تمہیں سامنے بٹھا کر وہ سب کچھ کہہ دوں جو میرے دل میں چھپا ہوا ہے، تم چلے جاتے ہو تو میں خود سے لڑتی ہوں کہ میں نے تم سے وہ کیوں نہیں کہا جو کہنا چاہیے تھا اور وہ کیوں کہہ دیا جو مجھے کہنا ہی نہیں تھا، کب تک انتظار کروں......؟'' یہ کہتے ہوئے مہر جان آئینے کے سامنے سے ہٹ گئی تھیں اُن کے چہرے پر پھیلی ہوئی نرمی اور چمک معدوم ہوگئی تھی اور چہرے سے گہری اداسی ٹپکنے لگی تھی۔

گل جان نے کمرے میں داخل ہونے کا ارادہ ترک کر دیا......اس کا خیال تھا کہ اس وقت اس کی بہن اتنی خوب صورت دنیا میں سیر کناں ہیں جہاں صرف فرشتوں کو جانا چاہیے۔

☆☆☆

شبینہ، صابرہ کے کمرے میں اس کے بستر پر بیٹھی تھی۔ اس کا سر ماں کے کندھے سے ٹکا ہوا تھا جبکہ صابرہ اپنے ہونٹ یوں بھینچے ہوئے تھی جیسے اسے خطرہ ہو کہ کہیں کوئی لفظ اس کے ہونٹوں سے پھسل نہ جائے ایسا لفظ جس کا وزن وہ خود بھی نہ سہہ سکے......طرح، طرح کے خیالات امر بیل کی طرح اس کے وجود سے لپٹے ہوئے تھے۔ دونوں ماں بیٹی شاید برہان کا انتظار کر رہی تھیں جسے گھر سے گئے ہوئے کافی دیر ہوگئی تھی۔

معاً اس جاں گسل سناٹے کو گھر میں گونجنے والی ڈور بیل نے توڑ کر رکھ دیا......دونوں اپنی اپنی جگہ چونک گئیں......شبینہ ایک دم سیدھی ہو کر بیٹھ گئی ماں کی طرف یوں دیکھنے لگی جیسے ماں اسے بتائے گی کہ اس وقت کون آسکتا ہے۔

''امی آپ بیٹھیں، میں دیکھتی ہوں...... پتا نہیں اس وقت کون آگیا، برہان بھائی کے پاس تو گیٹ کی چابی ہوتی ہے وہ تو خود ہی گیٹ کھول کر آجاتے ہیں۔''

''نہیں......نہیں...... تمہیں گیٹ پر جانے کی ضرورت نہیں ہے بیٹا......اللہ جانے کون ہے میں دیکھتی ہوں۔'' صابرہ کو تو اندیشوں کی بیماری ہوگئی تھی اور یہ بیماری وہ ہے جس کا علاج جڑی بوٹیاں نہیں بلکہ وقت کرتا ہے، اس سے پیشتر کہ شبینہ کچھ بولتی صابرہ خود کو سنبھالتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی تھی۔ شبینہ سے رہا نہ گیا وہ بھی ماں کے پیچھے، پیچھے چل پڑی لیکن وہ ماں کے پیچھے گیٹ تک نہیں گئی۔ صابرہ گیٹ پر پہنچی تو وہ اس سے قدرے فاصلے پر رک کر انتظار کرنے لگی کہ کس کی آواز آتی ہے اور کھوج ختم ہوتی ہے۔

''کون......؟'' صابرہ دروازے سے کان لگا کر سوال کر رہی تھی جیسے اگر وہ کان لگا کر نہیں سنے گی تو اسے آواز ہی نہیں آئے گی۔

''جی......! میں ہوں آپ کا خادم......'' آواز وارث علی کی تھی......شبینہ کو وارث علی کی آواز کی پہچان نہیں تھی وہ الجھ کر ماں کی طرف دیکھنے لگی......لیکن صابرہ نے فوراً پہچان لیا تھا کہ وارث علی کی آواز ہے......اس نے سہم کر بلا ارادہ شبینہ کی طرف دیکھا تھا۔

''میں پوچھ رہی ہوں......کون ہے......؟'' صابرہ نہ جانے کیوں انجان سی بن رہی تھی۔

''جی میں نے عرض کی ناں آپ کا خادم......وارث علی......'' بالآخر وارث علی نے اپنا نام بتا ہی دیا۔

''وارث علی......'' صابرہ کے منہ سے بے اختیار نکلا، اس کی آنکھوں میں اندیشے سرسرانے لگے۔ شبینہ بھی سہم کر رہ گئی تھی حالانکہ وارث علی سے وابستہ کوئی غلط بات یا اسکینڈل دونوں نے نہیں سنا تھا پھر بھی ان کے دل خوف سے یوں سمٹ گئے جیسے گھر پر وارث علی نہیں آیا ہو کوئی بری خبر آئی ہو۔

صابرہ نے چند لمحے سوچا تو اس وقفے کو وارث علی نے نہ جانے کیا سمجھا اور بڑی بے تابی سے بولا۔

''امی جان پلیز دروازہ کھولیں، میں وارث علی ہوں، شاید آپ پہچانی نہیں......آپ کی مرحومہ بیٹی کا شوہر......'' وارث علی کے انداز میں بلا کی شائستگی تھی بہت مؤدبانہ عرض کر رہا تھا۔ اس کے انداز میں ہی ایسا کچھ تھا کہ صابرہ کی سابقہ کیفیت خود بخود زائل ہوگئی اور اس نے بلا سوچے سمجھے گیٹ کھول دیا۔ گیٹ کھلتے ہی وارث علی اور صابرہ آمنے سامنے تھے۔

''السلام علیکم......امی جان!'' وارث علی نے سینے پر ہاتھ رکھ کر سر جھکا کر بڑی تابعداری سے صابرہ کو سلام پیش کیا۔

''وعلیکم السلام......'' صابرہ گومگو کی کیفیت میں تھی......وارث علی تو ایک افتاد کی طرح اس وقت نازل ہوا تھا۔

''کیا آپ مجھے اندر آنے کی اجازت نہیں دیں گی آخر رشتے داری ہے۔'' شبینہ تو گیٹ کھلتے ہی اوٹ میں چلی گئی تھی۔ وارث علی کے سامنے آنا نہیں چاہتی تھی لیکن وارث علی ماں سے کیا بات کرتا ہے، یہ سننے کا تجسس اسے فطری طور پر لاحق ہو چکا تھا۔

''ہاں......ہاں آپ تشریف رکھیے۔'' صابرہ نے برآمدے میں پڑی ہوئی پرانی وضع کی کرسیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یوں کہا جیسے کوئی مجبوری کا سودا کر رہی ہو۔

وارث علی تو جیسے اشارے کا منتظر تھا، بڑی بے تکلفی سے چلتا ہوا کرسی پر بیٹھ گیا۔ صابرہ نے گیٹ بند کیا اور پلٹ کر وارث علی کی طرف دیکھا جو کرسی پر بیٹھنے کے بعد اب صابرہ کے بیٹھنے کا انتظار کر رہا تھا۔

''خیریت تو ہے، آپ کس سلسلے میں تشریف لائے ہیں؟'' صابرہ کے انداز میں بلا کا تکلف تھا۔

شبینہ کی سماعتیں منتظر تھیں کہ وہ اپنے آنے کی کیا وجہ بتاتا ہے۔

''میں بہت شرمندہ ہوں امی جان......آنے میں دیر ہوگئی لیکن آپ کو پتا ہے ناں یہ اتنا بڑا حادثہ ہے......پولیس جان نہیں چھوڑتی......پولیس اسٹیشن اور اسپتال کے چکر لگا، لگا کر میں تو خود چکرا کر رہ گیا......شکر ہے کہ اس کی تدفین ہوگئی تو مجھے خیال آیا کہ مجھے اب آپ لوگوں کے پاس جانا چاہیے......ظاہر ہے جانے والی تو چلی گئی......لیکن آپ کا اور میرا رشتہ تو ابھی برقرار ہے۔''

''رشتہ......؟'' صابرہ نے چونک کر وارث علی کی طرف دیکھا......جابر علی سے قدرے عمر میں کم خضاب سے رنگے ہوئے بالوں کے ساتھ ایک ادھیڑ عمر مرد لڑکوں والے انداز میں اپنا رشتہ جتا رہا تھا۔

''جی امی جان......دیکھیے ناں آپ کی بیٹی میرے گھر میں تھی۔ رشتہ تو خود بخود بن گیا تھا اور میں اس رشتے کو کھونا نہیں چاہتا......برقرار رکھنا چاہتا ہوں......''

صابرہ کی سمجھ میں خاک نہیں آیا......بیٹی چلی گئی بچہ کوئی تھا نہیں اب یہ شخص کون سے رشتوں کی باتیں کر رہا ہے۔

''اصل میں میرا بیٹا برہان گھر پر نہیں ہے، بہتر ہے کہ آپ بعد میں تشریف لائیں، میرا مطلب ہے اس وقت تشریف لائیں، میں آپ سے کیا بات کروں......نہ میں آپ کی بات سمجھ پا رہی ہوں نہ خود سے کوئی بات کرنے کے قابل ہوں......'' صابرہ نے ٹوٹے ہوئے لہجہ میں بالآخر کہہ دیا۔

شبینہ نے سکون کی ایک گہری سانس لی کہ اس کی ماں نے وقت ضائع کرنے کے بجائے بہت مناسب بات کی۔

”میں بھی آپ کا بیٹا ہوں...... داماد بھی بیٹا ہی ہوتا ہے۔“ وارث علی نے کھکھیاتے ہوئے دانت نکوسے۔

صابرہ کو نہ جانے کیوں اس سے کراہیت محسوس ہو رہی تھی ساس اور داماد کی عمروں میں کوئی خاص فرق تو نہیں تھا...... ہوسکتا ہے وہ صابرہ سے سال بھر بڑا ہی ہو...... اس کی بیٹے اور داماد کی مسلسل تکرار نے صابرہ کی طبیعت میں ایک عجیب سا تکدر بھر دیا تھا۔ اسے وارث علی کی موجودگی کا ایک، ایک لمحہ یوں لگ رہا تھا جیسے کوہِ ہمالیہ اس نے کندھوں پر اٹھا رکھا ہو۔ معصوم بیٹی کی غیر طبعی اندوہ ناک موت نے تو ویسے ہی ذہن مفلوج کر دیا تھا۔

”میں آپ سے درخواست کرتی ہوں کہ آپ برہان کی موجودگی میں تشریف لائیں۔ میں آپ سے کوئی بات نہیں کر سکتی یوں سمجھیں کہ میں بات کرنے کے قابل ہی نہیں ہوں۔“

”یہ کیسی باتیں کر رہی ہیں امی جان......؟“ وارث علی نے پھر سر جھکا کر بڑی عاجزی اور مسکینی سے کہا تھا۔

”آپ برامت مانیے گا بیٹی کے ساتھ رشتے ختم ہوگئے جب بیٹی ہی نہیں رہی......“

”ایسی باتیں نہ کریں میرے دل پر چوٹ پڑتی ہے۔“ وارث علی نے فوراً صابرہ کی بات کاٹ دی تھی۔ ”وہ تو یوں میرے سامنے کھڑی رہتی ہے جیسے میرا سایہ بن گئی ہو۔ میں اسے کبھی نہیں بھلا سکتا...... افسوس کہ یہ خوشی مجھے راس نہیں آئی۔“ وارث علی کے ایک، ایک لفظ سے دکھ یوں ٹپک رہا تھا جیسے ستارہ کے جانے کا سب سے زیادہ دکھ اسی کو ہو۔

شبینہ کم عمر تھی نا تجربے کار تھی۔ انسانوں کے چہروں پر پڑے ہوئے نقاب اور اصلی چہرے میں فرق کرنے کی اہلیت نہیں رکھتی تھی مگر اسے بھی محسوس ہو رہا تھا جیسے وارث علی وہ نہیں جو وہ ظاہر کر رہا ہے جبکہ وہ اس کا چہرہ بھی نہیں دیکھ رہی تھی کہ اس کے تاثرات سے ہی کچھ اخذ کیا ہوتا...... لیکن وارث علی کی آواز جیسے ہی اس کی سماعت سے ٹکراتی تھی اس کے دل کو کچھ ہونے لگتا تھا، وہ اپنی جگہ دم سادھے کھڑی تھی اور وارث علی کے غم میں ڈوبے ہوئے جملے سن رہی تھی۔

”بس کیا کروں برباد ہوگیا ہوں، اب تو جی چاہتا ہے کہ یہ دنیا چھوڑ کر کسی کونے میں جا بیٹھوں...... میں اسے کبھی نہیں بھول پاؤں گا۔ وہ بہت اچھی بیوی تھی بہت نیک لڑکی تھی...... آپ یقین کریں جب تک اس کی تدفین نہیں ہوگئی، میں نے کھانا نہیں کھایا...... مجھے نیند نہیں آئی۔“

”بس پھر کیا کہہ سکتے ہیں جب آپ کی یہ حالت ہے تو میں تو ماں ہوں، روز کی موت مر رہی ہوں آپ کو اندازہ نہیں ہوگا کہ اس وقت میری کیا حالت ہے مجھے افسوس ہے میں آپ کی کوئی خاطر داری نہیں کر سکتی آپ کو بیٹھنے کے لیے نہیں کہہ سکتی۔ بہت معذرت کے ساتھ آپ کل تشریف لایئے گا اور بتا کر آیئے گا تاکہ آپ کی ملاقات برہان سے بھی ہو جائے۔“ صابرہ نے ایک ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔

”برہان سے تو میری اسپتال میں کئی بار ملاقات ہوئی۔ اصل میں تو میں آپ دونوں کے پاس تعزیت کے لیے آنا چاہتا تھا۔ آخر میرا فرض بنتا ہے۔“

”وہ تو ٹھیک ہے مگر اس سے پہلے آپ کبھی ہمارے گھر تشریف نہیں لائے، میں نے آپ سے کوئی بات چیت نہیں کی اس لیے اس وقت مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہی۔“ صابرہ نے بڑی بے بسی کی کیفیت میں اور اپنی فطری سادگی سے کہا تھا۔ وارث علی نے بڑی گہری نظر سے صابرہ کی طرف دیکھا تھا۔ اس نے کسی بہترین...... ڈکٹیٹر کی طرح حساب کتاب کرلیا تھا کہ اس عورت کو بے وقوف بنانے کے لیے زیادہ محنت نہیں کرنی پڑے گی۔

”ٹھیک ہے پھر میں اجازت چاہوں گا، اللہ آپ کو بھی اور مجھے بھی صبر عطا فرمائے، آمین۔“

”آپ برامت مانیے گا یہ سوگ کا گھر ہے، ہم نے تو کئی دن سے چولھا بھی نہیں جلایا۔“ صابرہ نے اٹھتے ہوئے بڑے دل گرفتہ انداز میں معذرت کی۔

”کیوں شرمندہ کر رہی ہیں آپ...... میں یہاں چائے پینے نہیں آیا تھا...... انشاء اللہ آپ سے بہت جلد ملاقات ہوگئی، خدا حافظ۔“ یہ کہہ کر وارث علی گیٹ کی طرف بڑھ گیا تھا اور صابرہ اتنی بے سکت ہوچکی تھی کہ اسے کرسی سے اٹھنا محال تھا۔

☆☆☆

”امی کیا ہوگیا تھا آپ کو......؟ آپ نے اسے اندر کیوں آنے دیا......؟“ برہان بری طرح جھنجلا رہا تھا...... غم و غصے کی کیفیت میں اپنی مٹھیاں بھینچ رہا تھا۔

”بیٹا تمہاری بدنصیب بہن کا شوہر ہے وہ...... اس گھر سے اس کا کوئی تعلق...... کوئی رشتہ تو ہے ناں...... تعزیت کے لیے آیا تھا۔“ صابرہ نے اپنی دانست میں برہان کو سمجھانے کی کوشش کی۔

”ہم کیا جانیں وہ کون ہے؟“ برہان جیسے پھٹ پڑا تھا۔ ”وہ تو خود مشکوک ہے آج تک اس کے کسی گھر والے میرا مطلب ہے فیملی ممبرز سے آپ ملی ہیں؟“

”تمہارے باپ نے اسے کسی قابل سمجھا تھا تو وہ نکاح کرنے آیا تھا بیٹا۔“ صابرہ نے برہان کو جیسے عقل کی بات سمجھائی۔ ”اور بیٹا چار آدمیوں کے سامنے تمہاری بہن کو قبول کر کے لے کر گیا تھا اس گھر سے... خدانخواستہ اٹھا کر تو نہیں لے کر گیا تھا...... تم کیوں غصہ کر رہے ہو، پہلے ہی پریشانیاں کیا کم ہیں جو اپنے بوجھ بڑھا رہے ہو، چھوڑو بس آیا تھا...... چلا گیا...... کچھ لے کر نہیں گیا ہم سے۔“

”کیا لے کر جاتا...... پہلے ہی سب ہی کچھ لے گیا، ہمارا سکھ چین، ہماری عزت...... سب ہی کچھ...... یہی وہ شخص ہے جس کی وجہ سے میرے باپ نے ٹھوکریں کھانے کے لیے مجھے گھر سے نکال دیا تھا اور امی جان یہی وہ شخص ہے جس نے ہماری معصوم سی بہن کو ہم سے چھین لیا...... آئندہ اگر وہ آئے، آپ ہرگز گیٹ نہیں کھولیں گی...... چاہے کچھ بھی ہو جائے...... چاہے پولیس بلوانی پڑے۔ سن رہی ہیں ناں امی...... آپ گیٹ نہیں کھولیں گی۔“

”اچھا بیٹا سن لیا...... نہیں کھولوں گی، میں کیا کروں میرا دماغ تو کام نہیں کرتا...... میرا بیٹا...... میرا چاند اپنے ذہن سے سارے بوجھ اتار پھینکو...... وہ جو دکھ ہمیں ملا ہے وہ اتنا بھاری ہے کہ ہمیں دوسرے بوجھ اٹھانے کی ضرورت نہیں۔“

”شبینہ کہاں ہے؟“ برہان کو ایک دم شبینہ کا خیال آیا کہ شبینہ کے حوالے سے وارث علی اس سے الٹی سیدھی باتیں کر چکا تھا۔ اس کا بی پی اس وقت شوٹ کر رہا تھا اسے یقین تھا کہ وارث علی کسی نئے منصوبے پر کام کرتا ہوا ان کے گھر تک آیا تھا اگر اس نے فون پر برہان کو دھمکیاں نہ دی ہوتیں تو شاید وہ اس کی آمد کو معمول کی آمد سمجھتا۔

”یہیں ہے بیٹا...... ہوسکتا ہے نماز پڑھ رہی ہو، میں دیکھتی ہوں۔“

"اچھا، اچھا ٹھیک ہے، میں نے تو ویسے ہی پوچھ لیا تھا۔" وہ بے دلی سے بولتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ صابرہ اسے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھیں اور سوچ رہی تھیں۔

"یا اللہ میرے بچوں پر رحم کرنا یہ دکھ تو بوڑھا کر دیتے ہیں۔"

☆☆☆

ایس پی شاہ زمان خان اپنے پسندیدہ ریسٹورنٹ میں وارث علی کے ساتھ بیٹھا ہوا فریش جوس پی رہا تھا۔

"اس زمین کا مالک تو سالوں سے روپوش ہے اپنی تینوں بیٹیوں کے ساتھ...... کوئی سن گن کوئی اتا پتا نہیں لیکن یہ سونے کی نہیں ڈائمنڈ کی زمین ہے۔ ever green بس اس کی اوریجنل فائل پر مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگانی ہے پھر اس فائل کی راکھ سمندر میں بہانی ہے تاکہ زندگی بھر کے لیے سکون ہو جائے کہ کوئی بھی حکومت آئے اور وقت کتنا ہی بدل جائے، ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہو۔" ایس پی جوس کا گھونٹ بھرتے ہوئے یوں ٹھہر ٹھہر کر بات کر رہا تھا جیسے ایک، ایک لفظ تول رہا ہو...... اور آئینے کے سامنے کھڑا ہوا اپنے آپ سے باتیں کر رہا ہوں۔

وارث علی کے چہرے پر بھی گہری سوچ کے تاثرات تھے۔ عمر کی چغلی کھاتی ہوئی لکیریں بہت واضح ہو چکی تھیں۔

"دیکھو ناں وہ لوگ زندہ ہیں تبھی تو وہ فائل جابر علی کے ہتھے چڑھی۔"

"لیکن سر آپ کو کیسے پتا چلا کہ یہ فائل جابر علی کے پاس پہنچ گئی ہے؟" وارث علی کی بات سن کر ایس پی بے ساختہ ہنس پڑا تھا اور معنی خیز انداز میں گویا ہوا تھا۔

"پولیس والوں سے یہ سوال کر رہے ہو وارث علی......؟"

"پھر بھی سر...... ہمیں بھی تو کچھ پتا چلے...... تھوڑی دیر کے لیے ہمیں بھی پولیس والا بنا دیں کیونکہ واقعی مجھے تو بالکل پتا نہیں وہ فائل جابر علی تک پہنچی کیسے اور جس کسی نے بھی وہ فائل جابر علی تک پہنچائی ہے وہ آخر کون ہے......؟ اگر اس بندے کا بھی پتا چل جائے ناں تو زمین کے مالک کا بھی پتا چل جائے گا...... کہ اس وقت وہ کہاں ہے اس ملک میں ہے یا ملک سے باہر ہے۔" وہ بڑے رازدارانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔

"سر جی دیکھیں ابھی تک ہم نے جو کچھ بھی ٹارگٹ کیا تھا یہ ہی ہمارا سب سے بڑا ٹارگٹ تھا۔ اس زمین نے سمجھو ہماری سات پشتوں کے لیے خزانے جمع کرنے ہیں...... لیکن جب تک...... زمین کی وہ اوریجنل فائل محفوظ ہے ہم بالکل غیر محفوظ ہیں دیوانی مقدمہ تو کسی بھی وقت کھڑا ہو سکتا ہے۔ دس سال بعد بھی اس زمین پر کلیم ہو سکتا ہے...... ہو سکتا ہے اس وقت کی گورنمنٹ ہمیں سپورٹ نہ کرے اور اس وقت ہم انڈر گراؤنڈ ہو چکے ہوں...... پھر تو یہ ساری محنت بیکار گئی ناں سر جی......" وارث علی غور و خوض کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"لگتا ہے کوئی خفیہ ہاتھ جابر علی کے کندھے پر تھا جس نے یہ کام کیا ہے۔ وہ تو انسپکٹر کرامت علی ایک میٹنگ میں بات کر رہے تھے تو باتوں، باتوں میں انہوں نے بتایا کہ لینڈ مافیا کے قبضے سے ایک بہت اہم زمین آزاد کرائی ہے اور تمہیں تو پتا ہی ہے ناں انسپکٹر کرامت علی، جابر علی کا جگری یار رہا ہے۔ وہ تو شکر ہے اس کی پوسٹنگ ہو گئی ورنہ جابر علی، کرامت علی کے ساتھ نظر آتا تو سمجھو...... کریلا نیم پر چڑھا ہوا تھا...... اچھا چھوڑو یہ فضول کی باتیں، یہ بتاؤ کہ آخر اس فائل کو جابر علی کے قبضے سے نکالنے کے لیے کیا، کیا جائے؟"

ایس پی پولیس افسر ہونے کے باوجود وارث علی جیسے مڈل کلاس شخص سے یوں مشورہ مانگ رہا تھا جیسے

پنچوں کے سرداروں میں سرداروں کے سرپنچ (سب سے بڑا سردار) سے بات کر رہا ہو۔

"ہوں......" وارث علی نے ہنکارا بھرا...... شاہ زمان خان کے انتہائی فکر انگیز کلام نے اسے خیالات کے سمندر میں اس بری طرح دھکیل دیا تھا کہ وہ باہر آنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا...... مگر کامیابی نہیں ہو رہی تھی۔

"وارث علی موتیوں کا ہار ٹوٹنے کا تصور کرو کیسے ٹپ، ٹپ موتی گرتے اور بکھرتے ہیں، ایک کیس بھی بن گیا تو ہمارے تمام سیکریٹ باہر آنے لگیں گے...... یار اس جاہل، پاگل کو زبردستی دھمکی دو...... اس کی جوان بیٹی کو اٹھانے کی دھمکی دے دو اور یہ سب کچھ کرنے، میں اس کے سامنے نہیں جاؤں گا، یہ کام تمہیں اور صرف تمہیں کرنا ہے۔" شاہ زمان نے مسئلے کا حل نکالا اور فیصلہ بھی صادر کر دیا۔

"سر جی یہ اتنا آسان ہوتا تو اتنا بڑا کھیل کرتے بھلا......؟" وارث علی نے بڑے ادب کے ساتھ ایس پی کا مذاق اڑایا تھا۔

"دیکھو وارث علی، ہم فائلیں اوپر نیچے کرا دیتے ہیں سمجھو یہ بھی بہت ہے اس سے آگے کا کام تو تم ہی کو کرنا ہے۔" شاہ زمان خان اپنے فیصلے پر پکا ہو چکا تھا اور وارث علی کو اس کی ڈیوٹی سمجھا رہا تھا۔ ساتھ ساتھ اس کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا یہ سب کچھ سننے کے بعد وارث علی کے کیا تاثرات ہوتے ہیں۔

وارث علی نے جب ایس پی کو اپنی جانب بہت غور سے دیکھتا پایا تو خود بخود خیالوں کی زنجیریں کٹ گئیں اور وہ اسی ماحول میں ان ہو گیا۔

"بیٹی اٹھانے کی دھمکی ہی نہیں دوں گا...... اٹھا بھی لوں گا......" اس نے بڑے اعتماد کے ساتھ یہ الفاظ ادا کیے تھے اور بڑے دلچسپ انداز میں شاہ زمان خان کے ہونٹوں پر وہ مسکراہٹ نظر آئی جو من پسند کامیابی کا مژدہ سن کر نمودار ہوتی ہے۔

"آدھی گھر والی کو پوری گھر والی بنائیں گے سر اور یہ......"

"اور کچھ نہیں......" ایس پی شاہ زمان نے فوراً وارث علی کی بات کاٹ کر کہا۔

"یہ اور...... اگر مگر...... یا بہت خطرناک ہوتے ہیں مجھے اور سے آگے کچھ نہیں سننا وکٹ تیار ہے...... کھیلتے کیوں نہیں؟ اس سے پہلے کہ بارش ہو جائے میچ ملتوی ہو جائے۔" ایس پی کی معنی خیز بات پر وارث علی نے مسکراتے ہوئے اپنا جوس کا گلاس یوں اٹھایا جیسے امرت پینے جا رہا ہو۔

☆☆☆

اصیل خان اپنے کوارٹر میں عشا کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد چٹائی پر چت لیٹا ہوا چھت کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یوں جیسے چھت نہ ہو کوئی اسکرین ہو اور کوئی بہت اچھی فلم چل رہی ہو...... اس کی محویت کا یہ عالم تھا کہ اس نے کافی دیر سے پلک نہیں جھپکی تھی لیکن اس کا ارتکاز دروازے پر پڑنے والی ہلکی سی دستک نے توڑ دیا تھا۔

وہ صرف چونکا نہیں بلکہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ دل انجانے اندیشوں میں الجھنے لگا...... ذہن فوراً مہر جان کی طرف گیا تو اس کے چہرے سے بے بسی کی کیفیت جھلکنے لگی...... "شاید گل جان بی بی کو نیند آ گئی ہے اور ڈاکٹر صاحبہ اپنے کمرے سے باہر چلی آئی ہیں۔" وہ یہ سوچتا ہوا اپنی جگہ سے اٹھا اور ہچکچاتے ہوئے دروازہ کھول دیا...... لیکن اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی...... اس کے سامنے روما کھڑی تھی۔ "اس وقت روما یہاں......؟" اس کا ذہن متعدد سوالات میں الجھنے لگا۔

''خیریت تو ہے بیٹا آپ اس وقت...... وہ شاہ صاحب کو بتا کر آئی ہیں ناں...... ایسا نہ ہو کہ آپ کو وہ گھر میں نہ پا کر پریشان ہو جائیں۔'' اصیل خان وہ کچھ بول گیا جو بولنا نہیں چاہتا تھا اور وہ سوال اندر ہی کہیں سر پٹختا رہ گیا جو لبوں پر آنے کے لیے مچل رہا تھا کہ ''آخر وہ اتنی رات کو کیوں آئی ہے؟''

''مجھے راستہ دیں بابا۔'' روما نے عجیب سی کیفیت میں اصیل خان سے کہا تھا۔ اصیل خان کیوں، کیا سے پہلے ہی ایک طرف ہو گیا...... جس طرح روما کا انداز بے ساختہ تھا اسی طرح اس کے ایک طرف ہونے میں بھی بڑی بے ساختگی تھی۔

''وہ...... بیٹا......''

''آپ چپ کریں بابا......! مجھ سے کوئی سوال نہ کریں، میں تو آپ سے سوال کرنے آئی ہوں...... بس میرے سوال کا جواب دے دیں ورنہ مجھے ساری رات نیند نہیں آئے گی۔'' روما کے انداز میں ایسا کیا تھا کہ اصیل خان اپنی جگہ پر تھرا کر رہ گیا اسے عجیب سے خطرے کی بو آنے لگی جیسے کوئی اور نیا امتحان اس کے سر پڑنے والا ہو...... اس کے منہ سے ایک لفظ نہ نکلا...... روما کی طرف بس دیکھتا رہ گیا۔

''بابا آپ ہمارے گھر کے سب سے پرانے ملازم ہیں، ہیں ناں......؟'' روما نے اچانک ہی پینترا بدل کر جیسے حملہ کر دیا تھا۔ اصیل خان جواب میں بالکل خاموش رہا...... بلکہ اس نے اپنی اٹھی ہوئی نظریں جھکا لیں۔

''آپ میری بات سن رہے ہیں ناں بابا......! آپ کو شاید اندازہ نہیں کہ اس وقت میری کیا حالت ہے، پتا نہیں کیوں آج میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں بہت سارا روؤں...... چیخیں مار مار کر روؤں...... اتنا روؤں اتنا روؤں کہ تھک کے بے ہوش ہو جاؤں مگر میرے آنسو نہ رکیں۔'' اتنا کہنے کے بعد روما ہچکیوں سے رونے لگی۔

''خیریت تو ہے بیٹا ایسا کیا ہو گیا...... میں بوڑھا آدمی ہوں میرا دل بہت کمزور ہے، جلدی سے بتا دیں...... خدانخواستہ...... کیا بات ہوئی ہے؟'' اصیل خان نے اپنا لرزتا کانپتا ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیا۔

''بابا...... مجھے صرف اتنا بتا دیں کہ میرے فادر کی ڈیتھ کب ہوئی تھی۔ میرا مطلب جب ان کی ڈیتھ ہوئی، میں کتنے سال کی تھی۔ مجھے تو ان کی ہلکی سی جھلک بھی یاد نہیں ہے۔ بابا...... آپ نے کوئی گھر ایسا دیکھا ہے جہاں بچوں کے باپ کی تصویر تک نہیں ہو...... اماں جان ان کا ذکر تک برداشت نہیں کرتی تھیں...... بھلا کیوں......؟ وہ چور تھے؟ ڈاکو تھے؟ اسمگلر تھے؟ آخر ایسی کیا بات ہے جو اماں جان ایک دم اتنی **irritate** ہو جاتی ہیں۔ نام تو کیا وہ تو ذکر سننا بھی پسند نہیں کرتیں......'' روما اب دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپائے ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ اصیل خان پریشان تو تھا ہی لیکن ایک بڑی الجھن نے اسے چاروں طرف سے ایسے گھیر لیا تھا جیسے کھڑے، کھڑے آگ لگ گئی ہو اور وہ شعلوں میں گھر گیا ہو۔

''بیٹا مجھ سے کچھ نہ پوچھو، میں انہیں نہیں جانتا......'' اصیل خان نے بڑی بے بسی کی کیفیت میں کہا تھا...... روما نے اپنے چہرے سے ہاتھ ہٹا کر اصیل خان کی طرف یوں دیکھا جیسے نظروں ہی نظروں میں اسے پرلے درجے کا جھوٹا کہہ رہی ہو۔

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا...... آپ اس گھر کے پرانے ملازم ہیں، ہمارے پیدا ہونے سے پہلے شاید یہاں ہوں...... ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ کو کچھ پتا نہیں ہو...... کیوں چھپاتے ہیں آپ...... اگر میرا باپ بہت برا انسان تھا تو دنیا میں بہت سے باپ بہت برے ہوتے ہیں...... مگر بچوں کو یہ تو پتا ہوتا ہے ناں کہ یہ ان کے باپ ہیں۔'' روما اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''بیٹا میں ملازم نہیں ہوں، مجھے تو آپ غلام سمجھیں غلام کی اپنی سوچ ہوتی ہے نہ زبان...... میں آپ کو کچھ نہیں بتا سکتا، مجھے آپ معاف کر دیجیے۔'' اصیل خان کے انداز میں کمال کی بے بسی تھی۔

''آپ جھوٹ بول رہے ہیں...... میرے سر پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائیں کہ آپ کچھ نہیں جانتے۔'' روما تو جیسے آج ...... تہیہ کر کے آئی تھی اس کے پاس...... اصیل خان کا کوئی جواب اسے مطمئن نہیں کر سکتا تھا۔ آج جب سے کائنات نے اسے اپنے ماں، باپ کی تصویریں دکھائیں، ان کی ڈھیروں باتیں کیں تو جیسے اس کے زخموں کے ٹانکے ادھیڑ کر رکھ دیے تھے۔

وہ تو روزانہ کے انداز میں معمول کے مطابق سونے کے لیے لیٹ گئی تھی لیکن ایسا ہوتا ہے ناں کہ جب انسان کو بستر پر لیٹنے کے بعد نیند نہیں آتی تو گزرے ہوئے دن کی ساری جھلکیاں آنکھوں میں چمکنے لگتی ہیں...... اچھا، برا سب ہی یاد آ جاتا ہے...... نیند بالکل ہی نہیں آ رہی ہو تو آج کے دن کے واقعات کی ترتیب ختم ہوتے ہی برسوں پرانا واقعہ فلم کی طرح آنکھوں کے سامنے چلنے لگتا ہے...... یہ کچھ اختیاری نہیں ہوتا...... جاگتے ذہن کو کوئی کام چاہیے بس......

اصیل خان تو روما کی بات سن کر یوں بدکا تھا جیسے اسے بڑی زور کا کرنٹ لگا ہو اور اس نے اپنے دونوں ہاتھ ... بے ساختہ انداز میں لہرا کر جیسے صاف، صاف انکار کیا تھا کہ وہ کچھ نہیں بتا سکتا اور اس سے مزید کوئی سوال نہ کیا جائے۔

''بابا...... آج میں یہیں بیٹھی رہوں گی، جب تک آپ کچھ بتائیں گے نہیں، آپ جو مرضی کر لیں۔'' روما کے انداز میں عجیب سی ہٹ دھرمی تھی جو اس کی ذات کا حصہ کبھی نہیں تھی...... مگر آج وہ سر سے پاؤں تک ایک اٹل چٹان کی طرح محسوس ہو رہی تھی...... جو کسی قیمت پر ٹس سے مس ہونے کو تیار نہیں تھی۔

''بی بی آپ گھر کے ایک بے اختیار غلام سے پوچھ رہی ہیں، میری زبان کٹی ہوئی ہے...... کہہ دیا ناں کہ میں کچھ نہیں بتا سکتا۔''

''تو پھر کون بتائے گا؟'' روما نے برجستہ سوال کیا تھا۔

''اماں جان سے جب پوچھا غصہ کرنے لگیں، خالہ جانی سے پوچھا تو رونے لگیں...... وہ بھی تو اماں جان سے ڈرتی ہوں گی...... دیکھیں، میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی کہ آپ نے مجھے کچھ بتا دیا ہے۔ بابا آپ مجھے بتائیں پلیز...... کہ میرا باپ کون تھا اور آپ نے اسے دیکھا ہے یا نہیں؟'' روما اسی طرح اپنی جگہ اڑی ہوئی تھی۔

''بیٹا اگر کوئی بتا سکتا ہے تو وہ آپ کی خالہ ہیں اگر وہ بتا دیں تو اچھی بات ہے اگر وہ نہیں بتاتیں تو آپ ضد نہ کریں۔''

''کیسے ضد نہ کروں......؟'' روما نے فوراً اصیل خان کی بات کاٹ کر غصے سے اس کی طرف گھورا تھا۔ اس نے آج تک اصیل خان سے اس طرح بات کی تھی جیسے وہ گھر کا بڑا ہو، ملازم نہ ہو لیکن آج تو اس نے مروت اور لحاظ بالائے طاق رکھ دیا تھا۔

اصیل خان اب بالکل خاموش ہو گیا ایک لفظ نہیں بولا...... روما اس کی خاموشی سے چڑ گئی۔

''اتنا تو بتا سکتے ہیں کہ آپ نے میرے باپ کو دیکھا ہے یا نہیں؟'' اصیل خان جواب میں پھر خاموش تھا۔

''بابا میں آپ سے پوچھ رہی ہوں...... آپ نے میرے باپ کو دیکھا ہے یا نہیں......؟ اور اگر نہیں دیکھا ہے تو یہ بات میرے سر پر ہاتھ رکھ کر بولیں...... میرے سر کی قسم کھا کر بولیں...... بتائیں، آپ نے میرے باپ کو دیکھا ہے؟''

اصیل خان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔ عجیب بے کسی اور بے بسی کا عالم تھا۔ اس کے منہ سے ایک لفظ کا نکلنا بہت بڑی قیامت تھا اور روما تھی کہ ٹلنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

''بابا میں آپ سے کچھ پوچھ رہی ہوں۔ آپ میری قسم کھائیں، میرے سر کی قسم کھائیں۔ اگر آپ نہیں بتائیں گے تو میں آپ کی جان کھاتی رہوں گی مگر اب آپ کا پیچھا نہیں چھوڑوں گی...... میرا دل کہتا ہے اگر کوئی مجھے بتا سکتا ہے تو وہ صرف آپ ہیں' بتائیں آپ نے میرے باپ کو دیکھا ہے یا نہیں؟ جلدی سے بتائیں۔'' روما نے اب بے اختیاری کیفیت میں اصیل خان کا بازو پکڑ کر زور زور سے جھنجوڑنا شروع کر دیا تھا۔ اس کی کیفیت دیوانوں کی سی تھی۔ اسے اپنی کیفیت کا اندازہ خود بھی نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ یہ دورہ تو آج اس پر پہلی بار پڑا تھا...... شاید اس لیے کہ خوف کے پہرے ٹوٹ گئے تھے...... خوف نے اعتماد کے تمام دروازے کھڑکیاں بند کی ہوئی تھیں۔ خوف جاتا رہا تو دروازے کھڑکیاں بھی کھل گئے اور ڈھیروں سوال ایک، ایک دروازے کھڑکی سے جھانکنے لگے۔

''جلدی سے بولیں بابا ورنہ میں یہیں سو رہی ہوں۔ آپ جا کر دادا جان کو بتا دیں کہ میں اِدھر ہوں۔'' روما یہ کہہ کر فرش پر بچھی ہوئی چٹائی کی طرف بڑھنے لگی...... تو اصیل خان گھبرا کر بولا تھا۔

''بیٹا! آپ جا کر آرام کیجیے۔''

''میں نے آپ سے کہا ناں کہ آپ مجھ سے کوئی بات نہیں کریں گے صرف میرے سوال کا جواب دیں گے کہ آپ نے میرے باپ کو دیکھا ہے یا نہیں؟''

اصیل خان نے سر جھکا لیا۔

''بیٹا آج تو آپ رابی بی بی سے زیادہ ضدی معلوم ہو رہی ہیں۔ میں بس آپ سے صرف اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ میں نے آپ کے باپ کو دیکھا ہے۔'' اصیل خان کے منہ سے یہ الفاظ سنتے ہی روما کے پورے وجود میں جیسے بجلیاں سی دوڑ گئیں۔ اس نے انتہائی جذباتی کیفیت میں اصیل خان کا بازو تھام لیا تھا۔

''دیکھا ہے...... کیسے تھے وہ......؟ کیا نام تھا ان کا......؟''

''میں نے کہا ناں آپ سے کہ میں صرف یہ بتا سکتا ہوں کہ میں نے انہیں دیکھا ہے اس کے علاوہ میں کچھ نہیں بتا سکتا...... بیٹا مجھے معاف کر دیں۔'' اصیل خان کے ایک، ایک لفظ سے بے بسی ٹپک رہی تھی۔ روما اب دم سادھے اصیل خان کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ اصیل خان نے اس کے ایک سوال کا جواب تو بالآخر دے ہی دیا تھا وہ اس کی آنکھوں کی طرف یوں دیکھ رہی تھی جیسے اسے اصیل خان کی آنکھوں میں اپنے باپ کی تصویر دکھائی دے گی کیونکہ یہ وہ آنکھیں ہیں جو گواہی دے رہی تھیں کہ ان آنکھوں نے روما کے باپ کو دیکھا ہے...... اصیل خان نظریں چرا کر دوسری طرف دیکھنے لگا تو روما بڑی بے اختیاری کیفیت سے بولی۔ انداز میں اب بھی بڑی بے کسی اور بے بسی تھی جو اصیل خان کے کلیجے میں شگاف ڈال رہی تھی۔

''بابا...... ہم نے تو...... فلموں میں، ڈراموں میں یہی دیکھا ہے کہ جب کوئی بیوی اپنے مرے ہوئے شوہر کا ذکر کرتی ہے تو کہتی ہے اللہ انہیں بخش دے، ان کی مغفرت کرے مرحوم بہت اچھے تھے۔ اپنے بچوں کو کبھی کوئی بیوہ بتا رہی ہوتی ہے اس کا باپ ایسا تھا ویسا تھا لیکن ہماری ماں تو جب ہمارے باپ کا ذکر آتا ہے تو غصے سے پھٹ جاتی ہے جیسے کسی نے بہت غلط بات کی ہو...... بابا! کیا میرے ابو اتنے برے تھے کہ وہ دنیا سے چلے گئے لیکن میری ماں نے انہیں معاف نہیں کیا......؟''

اتنا سننا تھا کہ اصیل خان نے اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا اور پھوٹ، پھوٹ کر رونے لگا۔ اس کے وجود پر لرزہ سا طاری تھا۔ روتے، روتے اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

اصیل خان کے اس طرح اچانک رونے کی وجہ سے روما سب کچھ بھول گئی اور اس کا چڑیا جیسا نازک دل سوکھے پتے کی طرح اس کے سینے کے قید خانے میں لرزنے لگا۔ روتے، روتے اصیل خان بے دم ہونے لگا اور روما کی یہ حالت تھی کہ وہ اس سے مزید بات کرنے کے قابل نہیں رہی تھی۔ اصیل خان کا یوں تڑپ، تڑپ کر رونا اسے حیران بھی کر رہا تھا اور پریشان بھی...... روتے، روتے وہ تھک گیا اور بھرائی ہوئی آواز میں روما سے مخاطب ہوا۔

''بیٹا! آپ جا کر آرام کریں بہت رات ہو گئی ہے' چلیں میں آپ کو چھوڑ آتا ہوں۔''

روما نے اصیل خان کی اس بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا اور چپ چاپ باہر کی طرف قدم بڑھا دیے۔ وہ جس کیفیت میں آئی تھی وہ کیفیت ختم ہو چکی تھی۔ اصیل خان کے تڑپ، تڑپ کر رونے سے جیسے وہ سہم کر رہ گئی تھی۔

☆☆☆

شبینہ نے برہان کی ہدایت کے مطابق صابرہ کو نیند کی گولی کھلا کر سلا دیا تھا۔ صابرہ کو سوئے ہوئے تقریباً ایک گھنٹا ہو چلا تھا لیکن شبینہ کی اپنی آنکھوں میں نیند کا دور، دور شائبہ تک نہ تھا۔ وہ تو صابرہ کے برابر میں بچھے پلنگ پر لیٹی نیند کا انتظار کر رہی تھی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ برہان اس وقت کیا کر رہا ہے۔ سو چکا ہے یا وہ بھی اس کی طرح جاگ رہا ہے...... معاً گھر کے سناٹے کو ٹیلی فون کی گھنٹی نے توڑ دیا تھا۔ وہ اس لیے عجلت میں اٹھی تھی کہ جلدی سے فون ریسیو کر لے کہیں گھنٹی کی آواز سے ماں کی نیند نہ ٹوٹ جائے۔ پھر انہیں سلانا بھی ایک مرحلہ تھا...... وہ گرتی پڑتی فون سیٹ کی طرف آئی تھی اور فوراً ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا تھا۔

''ہیلو!'' شبینہ نے ہیلو کہا اور دوسری طرف سے ابھرنے والی آواز کا انتظار کرنے لگی۔

''وارث علی بات کر رہا ہوں۔''

وارث علی کی آواز ائرپیس میں گونجی...... شبینہ کے پاؤں تلے زمین لرزنے لگی۔ اس نے بے ساختہ اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں جیسے یہ جاننا چاہ رہی ہو کہ وقت کیا ہو رہا ہے۔

''امی تو سو گئی ہیں اور شاید بھائی بھی سو گئے ہیں آپ صبح فون کیجیے گا۔'' یہ کہہ کر شبینہ نے دوسری طرف کی بات سنے بغیر جھٹ سے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا تھا۔

ریسیور کریڈل پر رکھ کر وہ فوراً ہی مڑی تھی لیکن اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا...... برہان نہ جانے کس لمحے اس کی پشت پر آ کھڑا ہوا تھا اور اسے احساس نہیں ہوا تھا۔

''کس کا فون تھا......؟'' برہان نے غور سے شبینہ کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔

''وہ...... وارث علی کا فون تھا میں نے انہیں کہہ دیا کہ امی بھی سو رہی ہیں اور بھائی بھی۔''

''پھر کیا بولا......؟''

''کچھ نہیں، میں نے ان کی بات ہی نہیں سنی۔ بس فوراً ریسیور رکھ دیا۔''

''اچھا کیا......'' برہان نے جیسے سکون کی سانس لے کر ایک طرح سے شبینہ کی سمجھ داری کو بھی سراہا تھا۔ شبینہ کچھ آگے بڑھ گئی۔ برہان نے بھی کچھ سوچ کر اس کے پیچھے قدم بڑھائے لیکن اتنے میں فون کی گھنٹی دوبارہ بجنے لگی۔ برہان نے جیسے ایک جست میں آگے بڑھ کر ریسیور کریڈل سے اٹھا لیا تھا اور بولنے کے

بجائے کچھ سننے کا منتظر ہوا۔

دوسری طرف سے وارث علی نے کال ریسیو ہوتے ہی بولنا شروع کر دیا تھا وہ کہہ رہا تھا۔ ''ارے آپ نے فوراً ہی فون بند کر دیا۔ فون کرنے والے سے اتنا تو پوچھ لینا چاہیے کہ اس نے کیوں فون کیا ہے؟ آپ کی امی سو رہی ہیں، بھائی بھی سو رہے ہیں تو کیا ہوا...... آپ سے تو بات ہو سکتی ہے۔ آخر آپ سے رشتے داری ہے' ہم تو چاہتے ہیں یہ رشتے داری اسی طرح چلتی رہے ویسے آپ کی آواز مرحومہ کی آواز سے بہت ملتی ہے۔ مرحومہ کی آواز بھی بہت پیاری تھی' کانوں میں گھنٹیاں سی بجنے لگتی تھیں۔ آپ کی آواز سنی تو اپنی مظلوم شریکِ حیات کا چہرہ نظروں کے سامنے گھومنے لگا...... بہت برا ہوا بے چاری کے ساتھ بلکہ ہم سب کے ساتھ لیکن جو قسمت میں لکھا تھا وہ ہو گیا...... آپ کے گھر گیا تو آپ سامنے ہی نہیں آئیں...... لیکن مجھے اندازہ ہے کہ آپ بھی ستارہ کی طرح بہت خوب صورت ہوں گی...... ستارہ کے جانے سے میرا گھر تو قبرستان بن گیا ہے...... سوچتا ہوں کہ اس وحشت سے چھٹکارا پانے کے لیے کیا کروں...... پھر خیال آیا ستارہ کا نعم البدل تو اس کی بہن ہی ہو سکتی ہے...... آپ اگر میرا ساتھ دیں تو سارے مسئلے حل ہو جائیں گے دیکھیں ناں...... غم منانے کی بھی ایک حد ہوتی ہے کل کو آپ کی بھی کہیں نہ کہیں شادی ہونی ہی ہے تو پھر نئے رشتے کیوں آزمائے جائیں جو رشتے بن چکے ہیں انہی کو نبھاتے رہیں۔ وقت کی بھی بچت ہے اور پیسے کی بھی جو کچھ آپ کی بہن کو دیا تھا وہ آپ ہی کا تو ہے...... آپ کچھ بولیں گی نہیں؟ میں ہی بولے جا رہا ہوں۔ لگتا ہے کہ آپ بہت کم بولتی ہیں۔ میرے لیے یہی بہت ہے کہ آپ میری بات سن رہی ہیں۔'' وارث علی کو بولتے، بولتے اچانک خیال آ گیا تھا کہ دوسری طرف بالکل خاموشی چھائی ہوئی ہے جبکہ لائن بھی منقطع نہیں ہوئی.... جس کا واضح مطلب ہے کہ دوسری طرف سے اس کی بات بہت توجہ سے سنی جا رہی ہے۔

برہان کی شریانوں میں تو جیسے خون کے بجائے شعلے متحرک تھے۔ وہ کمالِ ضبط سے کام لے رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کا فوری ردِعمل یا فوری جواب کیا ہونا چاہیے۔ ذہن بالکل برف کی طرح جم چکا تھا...... سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیت مفقود ہو رہی تھی، آنکھوں کے سامنے نیلے، پیلے، ہرے، لال دائرے ناچ رہے تھے۔ بصارت، سماعت سب ہی کچھ متاثر تھا۔

''اچھا ہوا آپ نے فون اٹینڈ کر لیا، آپ اپنے بھائی اور والدہ صاحبہ کو سمجھائیں کہ مجھ سے ٹکر لینے کی حماقت نہ کریں ابھی چھوٹا نقصان ہوا ہے...... پھر بڑے، بڑے ہو جائیں گے۔ اگر آپ نے میرا ساتھ دیا تو سب لوگوں کو آرام مل جائے گا اور میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کے والد کی ضمانت میں کراؤں گا...... کچھ بولیے ناں...... کمال کی بات ہے اتنی دیر میں آپ کی طرف سے ایک لفظ سننے کو نہیں ملا۔ محبت سے نہیں بول سکتیں تو نفرت ہی سے بول دیجیے۔'' وارث علی خباثت سے ایک، ایک لفظ چبا، چبا کر بول رہا تھا یوں جیسے محبت کی زبان میں خوفناک دھمکیاں دے رہا ہو۔

''میں تمہاری ساری بکواس سن چکا ہوں۔'' بالآخر برہان پھٹ پڑا اور برہان کی آواز سن کر وارث علی کے سر پر بم پھٹا تھا ایک لمحے کے لیے تو اس جیسا ڈھیٹ اور بے ضمیر انسان بھی چکرا کر رہ گیا۔

''اب تم فون بند کرو' آرام سے سو جاؤ اور ہاں سنو یہ ہماری طرف تمہارا آخری فون تھا...... کیا سمجھے آخری فون...... یاد رکھنا۔'' برہان نے یہ کہہ کر ریسیور رکھنے کا ارادہ کیا تو برہان کی سماعت سے وارث علی کی آواز ٹکرائی۔

''ٹھہرو، ٹھہرو ایک منٹ رکو۔ پہلے میری بات سن لو اس کے بعد فیصلہ ہو گا کہ یہ فون آخری تھا یا اس کے بعد بھی بات چیت جاری رہے گی۔''

''ٹھیک ہے تم اپنی بکواس مکمل کرو میں سن رہا ہوں۔ اس وجہ سے تاکہ تم رات بھر فضول میں گھنٹیاں نہ بجاتے رہو۔''

''دیکھیے مسٹر برہان! آپ ہمارے برابر کے نہیں ہیں۔ اپنے قد و قامت اور اپنی حیثیت کو دیکھ کر بات کریں۔ آپ جیسے بندوں کو تو ہم ایک گلاس ٹھنڈا پانی سمجھ کر پی جاتے ہیں۔ پتا بھی نہیں چلتا کہ کدھر گئے...... بات سمجھ آ رہی ہے ناں......!'' وارث علی کے لہجے میں ایک دم درندہ غرانے لگا اور اس نے اپنی بھرپور اصلیت کا مظاہرہ کیا۔

''آپ مجھے ایک گلاس پانی سمجھ کر ہی پی جائیں' مجھے یہ سودا منظور ہے۔'' یہ کہہ کر برہان نے ریسیور رکھنا چاہا تو اسے محسوس ہوا ائرپیس سے آواز آ رہی ہے۔

''ہیلو، ہیلو...... مسٹر برہان فون رکھنے سے پہلے میری ایک بات سن لیں ورنہ میں اسی وقت آپ کے گھر آ کر بات کروں گا۔''

برہان نے چند لمحے سوچ کر ریسیور پھر کان سے لگا لیا۔ بہرحال وہ یہ تو نہیں چاہتا تھا کہ وہ اپنی منحوس صورت لے کر یہاں آ جائے۔

''دیکھو برہان جب ایک بہن میرے گھر میں آ سکتی ہے، رہ سکتی ہے میرے ساتھ گزارہ کر سکتی ہے تو تمہاری دوسری بہن بھی میرے گھر میں خوش رہ سکتی ہے۔ انکار، اقرار کی تو بحث ہی نہیں...... فضول بات کرو گے تو آج ہی اسے اٹھا کر لے آؤں گا' خدا حافظ۔'' وارث علی نے فون بند کر دیا تھا لیکن ریسیور ابھی تک برہان کے کان سے لگا ٹوں، ٹوں کی آواز سنا رہا تھا۔ پوری کائنات گول گول دائروں میں یوں گھومنے لگی جیسے وہ کوئی ریت کا نظر نہ آنے والا ذرہ ہو جو کائنات کے اس چکر میں چکراتا پھر رہا ہو۔ اس نے بڑی بے اختیاری کیفیت میں پیچھے مڑ کر دیکھا تھا اس کا اندازہ درست نکلا۔ شبینہ چند قدم کے فاصلے پر ابھی تک کھڑی تھی شاید اسے بھی اندیشے ستا رہے تھے اور وہ صرف یہ جاننے کے لیے کہ برہان کی وارث علی سے کیا بات ہو رہی ہے وہاں رکی ہوئی تھی۔

برہان نے ایک گہری سانس لے کر ریسیور کریڈل پر رکھا اور ہلکی روشنی میں پرانی وضع کی دیوار گیر گھڑی کی طرف دیکھنے لگا۔ رات کا ایک بج رہا تھا۔ شبینہ نے اب برہان سے کوئی بات نہیں کی اور چپ چاپ سر جھکا کر اپنے کمرے کی طرف جانے لگی۔

''ایک منٹ شبینہ میری بات سنو۔'' برہان نے جاتی ہوئی شبینہ کو آواز دے کر روکا۔ شبینہ رک گئی اور سوالیہ نظروں سے بھائی کی طرف دیکھنے لگی۔

''وہ...... تم...... اپنے دو تین سوٹ اپنے بیگ میں رکھو، تمہیں اسی وقت میرے ساتھ کہیں جانا ہے۔'' برہان بالکل عام سے انداز میں طوفان اٹھا رہا تھا۔ شبینہ نے آنکھیں پھاڑ کر برہان کی طرف دیکھا تھا۔

''بھائی اس وقت؟ اس وقت مجھے لے کر آپ کہاں جائیں گے......؟'' اس کا دل خوف سے لرزنے لگا۔ پہلا خیال تو یہی آیا کہ برہان بھی اس وقت جابر علی کے قالب میں ڈھل گیا ہے اور اسے وارث علی کے ہاتھوں میں دینے جا رہا ہے۔

''شبینہ بالکل بھی وقت نہیں ہے امی گہری نیند سو رہی ہیں، دو تین گھنٹے سے پہلے ان کی نیند نہیں ٹوٹے گی۔''

"لیکن بھائی مجھے یہ تو بتا دیں کہ مجھے کہاں لے کر جا رہے ہیں......؟"

"شبینہ اس وقت سوال جواب کا وقت نہیں ہے اس طرح کے کرمنل لوگ راتوں کو جاگتے ہیں اور دن کو سوتے ہیں ان کے سارے ضروری کام رات کو ہوتے ہیں۔ اب میں کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا......ٹھیک ہے۔ میں مانتا ہوں کہ وارث علی کے سامنے میری اس وقت کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ کوئی چھوٹا موٹا مجرم نہیں ہے بہت بڑا کرمنل ہے۔ اتنا بڑا کرمنل کہ اس ملک کے بااثر لوگوں کی گود میں بیٹھتا ہے۔ یہ وہ چور ہیں جو ایک دوسرے کو سپورٹ کرتے ہیں۔ وہ بلاک ہیں جو مل کر کرپشن کی آسمان تک اونچی دیوار تعمیر کرنے کی کوشش کرتے ہیں...... جلدی کرو شبینہ میرے پاس وقت نہیں ہے۔"

"لیکن بھائی مجھے یہ تو بتا دیں کہ مجھے لے کر کہاں جا رہے ہیں......؟"

"میں تمہارا بھائی ہوں تمہاری حفاظت کرنا میرا فرض بھی ہے اور ذمے داری بھی...... امی اٹھ جائیں گی تو امی بھی تمہارے پاس آ جائیں گی۔ لیکن میں تمہیں صبح تک اس گھر میں نہیں رکھ سکتا۔ پلیز...... شبینہ میں جو کہہ رہا ہوں ویسے ہی کرو۔"

شبینہ نے بڑی بے بسی کی کیفیت میں دیکھا پھر چاروں طرف یوں نظریں دوڑائیں جیسے ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے اس ٹھکانے کو خدا حافظ کہہ رہی ہو۔

برہان کوئی بات سننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ بے بسی کی انتہا پر آ کر اسے بھائی کی بات ماننا ہی تھی۔ وہ من، من بھر کے قدم اٹھاتی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی جبکہ برہان اسی طرح اپنی جگہ کھڑا ہوا تھا...... اور بار بار غیر ارادی طور پر فون سیٹ کی طرف دیکھنے لگتا تھا۔

☆☆☆

"روما آخر بتاؤ تو سہی کیا ہوا ہے؟ رو رو کر آنکھیں سوجی ہوئی ہیں۔ تم اتنی رات کو گھر کیوں گئی تھیں؟ کیا مسئلہ ہے؟ بولتی کیوں نہیں؟" کائناز بہت پریشانی سے روما کی طرف دیکھتے ہوئے سوال پر سوال کیے جا رہی تھی جس کے جواب میں روما کی طرف سے بالکل خاموشی تھی۔

"روما پلیز مجھے بتاؤ ورنہ میں جا کر رابی آپا کو اٹھاتی ہوں وہ ہی تم سے پوچھیں گی۔" اب روما۔۔ نے ایک دم کائناز کی طرف دیکھا تھا پھر گلوگیر لہجے میں گویا ہوئی۔

"نہیں کائناز! رابی آپا کو مت اٹھاؤ۔ میں تو بس ویسے ہی خالہ جانی سے ملنے گئی تھی۔"

"مگر اتنی رات کو؟" کائناز نے تیزی سے اگلا سوال کر دیا۔ روما پھر خاموش ہو گئی۔

"کیا پوچھ رہی ہوں میں۔ اتنی رات کو تم خالہ جانی سے ملنے کیوں گئی تھیں؟ کوئی تو وجہ ہوگی ناں؟ اگر سمپل سی کوئی بات ہوتی تو ظاہر ہے تم صبح چلی جاتیں لیکن تمہاری آنکھوں سے لگتا ہے کہ تم بہت روئی ہو۔ میں بہت پریشان ہو رہی ہوں روما...... تم مجھ سے کچھ نہیں چھپاتیں...... اب کیا مسئلہ ہے؟" کائناز ازحد پریشانی کی کیفیت میں مبتلا ہو چکی تھی، ایک بے چینی تھی جو اس کے دل کو لاحق تھی اور بے چینی کی ہر لہر اسے سوال کرنے پر مجبور کر رہی تھی۔

"تم سو جاؤ کائناز بہت رات ہو گئی ہے۔ صبح کالج بھی جانا ہے۔ تم میری فکر نہ کرو میں ٹھیک ہو جاؤں گی۔"

"اُفوہ......" کائناز پھر جھنجلا گئی۔ "یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے روما...... میں تم سے یہ پوچھ رہی ہوں کہ آخر تم کس بات پر اتنا روئی ہو کہ تمہاری آنکھیں سوجی ہوئی ہیں؟"

"میں نے کہا ناں کوئی بات نہیں ہے کائناز...... پلیز تم سو جاؤ۔"

"میں تو نہیں سوتی جب تک تم میری بات کا جواب نہیں دو گی۔ میں بھی نہیں سوؤں گی چاہے صبح ہو جائے...... تمہارے ساتھ جاگتی رہوں گی۔" کائناز نے اپنا حتمی فیصلہ سنا دیا اور اپنے گھٹنوں کے گرد بازوؤں کا گھیرا باندھ کر گھٹنوں پر سر رکھ لیا۔ اس کی طرف سے یہ اعلانِ خفگی تھا۔

روما نے بڑی بے بسی کی کیفیت میں اس کی طرف دیکھا۔ چند لمحے کچھ سوچا پھر آہستہ آواز میں گویا ہوئی۔

"کائناز بس پتا نہیں کیوں مجھے نیند نہیں آ رہی تھی، آج تم نے اپنے ابو کی تصویریں دکھائیں ناں ان کے بارے میں باتیں کیں پتا نہیں میرے دل کو کیا ہوا۔ میرا دل چاہا کہ میں گھر جا کر اصیل بابا سے پوچھوں کہ میرا باپ کون تھا۔ میری ماں، باپ کے ذکر پر ناراض کیوں ہو جاتی تھیں...... اگر وہ برا آدمی بھی تھا تو ہمیں اتنا تو پتا چلنا چاہیے ناں کہ وہ کون تھے؟"

"اوہ مائی گاڈ......" کائناز نے اب اپنے دونوں ہاتھ سر پر رکھ لیے۔ "تو یہ بات تھی...... میرا ذہن تو اس طرف جا ہی نہیں سکتا تھا۔ یار! تم اتنی بڑی ہو گئیں...... آج تک تمہیں اپنے والد کے بارے میں کچھ معلوم نہیں...... تو بس اب باقی دن بھی چپ چاپ گزار لو۔"

"باقی دن......؟" روما نے کائناز کی طرف دیکھا۔ "باقی دن کا کیا مطلب ہوا؟"

"میرا مطلب یہ ہے بھئی کہ اب جتنی عمر رہ گئی ہے وہ بھی اسی طرح گزار لو۔ اگر پتا چلنا ہوتا تو پتا چل جاتا...... کون بتا سکتا ہے بھلا...... تمہاری اماں جان بتا سکتی ہیں یا خالہ جانی...... اچھا اصیل بابا نے تمہیں کیا بتایا۔ یہ تو تم نے مجھے بتایا ہی نہیں۔ یقیناً انہوں نے بھی تمہیں کچھ نہیں بتایا۔ اگر بتا دیا ہوتا تو تم مجھے بتاتیں اور سکون سے سو جاتیں...... ہے ناں؟" کائناز چھوٹی عمر میں بہت بڑی بات کر رہی تھی۔ شاید دوست کے دکھ نے اس کے ذہن کو آناً فاناً بہت اونچی اڑان دے دی تھی اور ان راستوں پر سفر کرا دیا تھا جو اس سے پہلے اس کی نظروں سے اوجھل تھے۔

"ہاں، بابا نے تو کچھ نہیں بتایا...... البتہ یہ ضرور بتا دیا کہ انہوں نے میرے بابا کو دیکھا تھا۔"

"اچھا......" کائناز کی آنکھیں اب حیرت اور خوشی سے چمکنے لگیں۔

"تھینک گاڈ اتنا تو پتا چلا...... کوئی تو ہے جو کہہ رہا ہے کہ اس نے تمہارے والد کو دیکھا ہے لیکن تم نے پوچھا نہیں کہ ان کا انتقال کیسے ہوا تھا یا انتقال سے پہلے تمہاری اماں جان کی اور تمہارے والد کی separation ہو گئی تھی؟ وغیرہ وغیرہ...... ویسے کوئی تو مسئلہ رہا ہوگا تبھی تو تمہاری اماں جان کو ان کے ذکر پر بھی غصہ آ جاتا ہے...... لگتا ہے کہ شادی فلاپ ہو گئی ہوگی۔" کائناز اب اندازوں کے گھوڑے دوڑانے لگی۔

"کچھ بھی تھا مگر یہ تو بتا دیتیں کہ ہمارا باپ کون ہے؟ اس کی کوئی تصویر تو دکھا دیتیں۔ یقین کرو مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے ساری زندگی باپ کا چہرہ تلاش کرتے کرتے گزر جائے گی دیکھو ناں کائناز ہر انسان چاہتا ہے کہ اسے اس کے ماں باپ کے بارے میں سب کچھ پتا ہو۔"

"ہاں، تم ٹھیک کہہ رہی ہو روما۔ ہر انسان اپنے parents کے بارے میں بہت حساس ہوتا ہے۔ تمہارا دکھ واقعی بہت بڑا دکھ ہے۔ اس لیے کہ تم نے تو آج تک اپنے ابو کی کوئی تصویر تک نہیں دیکھی...... جانتی ہوں کہ تم اکثر ان کے بارے میں سوچتی ہو گی۔" کائناز نے بڑے مدبرانہ انداز میں بات کی۔

"اکثر...... ہاں شاید پہلے کبھی اتنا خیال نہیں آیا لیکن...... اب سوچتی ہوں کہ آخر ایسی کیا بات ہے کہ میری

ماں میرے باپ کا ذکر سننا تک پسند نہیں کرتی اور نہ ہی ان کے بارے میں کچھ بتاتی ہے...... اب دیکھو...... گزشتہ زندگی کی طرح یہ رات بھی گزر جائے گی کوئی کچھ نہیں بتا رہا۔"

"تو تم اپنا ذہن بنالو...... اور پُرسکون ہو جاؤ پلیز روما اب اتنا مت رونا، تمہاری آنکھیں دیکھ کر میرا دل چاہ رہا ہے میں بھی روؤں۔"

"کائناز میں رونا نہیں چاہتی تھی، پتا نہیں اتنے سارے آنسو کہاں سے آگئے۔" بولتے بولتے روما کی آواز پھر بھرانے لگی۔ کائناز نے بے اختیار روما کا سر اپنے سینے سے لگا لیا اور اس کے بالوں پر یوں ہاتھ پھیرنے لگی جیسے کوئی ماں اپنے بچے کو بڑی شفقت سے بہلانے کی کوشش کر رہی ہو۔

☆☆☆

"شبینہ ٹیکسی آگئی ہے۔ جلدی سے آجاؤ۔" برہان نے گیٹ پار کر کے شبینہ کو آہستہ آواز میں اطلاع دی تھی۔ شبینہ بھی جیسے اس کی آواز ہی کی منتظر تھی۔ اپنے کمرے سے نکل کر باہر آگئی۔

"بھائی وہ ایک نظر امی کو دیکھ لوں سو رہی ہیں یا جاگ چکی ہیں۔" شبینہ نے کہا تو برہان نے بے ساختگی کے انداز میں فوراً کہا تھا۔

"اللہ نہ کرے کہ امی ابھی جاگیں...... بس تم جلدی سے آجاؤ انہیں دیکھ کر، میں ٹیکسی میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں اور دیکھو تم اپنی ضرورت کی تمام چیزیں رکھ لینا...... ٹھیک ہے۔"

"ٹھیک ہے بھائی لیکن آپ یہ تو بتا دیں ہم اتنی رات کو اس وقت جا کہاں رہے ہیں؟" وہ سرگوشی کے انداز میں پوچھ رہی تھی۔

"شبینہ سوال جواب کا وقت نہیں ہے جیسے میں تمہیں کہہ رہا ہوں، کرو۔ یوں سمجھو کہ بہت ایمرجنسی ہے تمہیں اب اس گھر میں ایک پل نہیں رکنا۔ جلدی سے آجاؤ۔" برہان یہ کہتا ہوا بڑی جلدی سے گیٹ پار کر گیا۔ شبینہ نے ایک گہری سانس لی، آگے بڑھ کر صابرہ کے کمرے کے دروازے سے اندر جھانکا...... صابرہ نیند کی گولی کے زیرِ اثر سوئی ہوئی تھی۔ شبینہ کے دل کو جانے کیا ہوا کمرے کے اندر چلی آئی اور سوئی ہوئی صابرہ کے چہرے پر نظریں دوڑانے لگی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے دل چاہا کہ جھک کر ماں کی پیشانی کو بوسہ دے مگر اس خیال سے کہ ماں کی نیند نہ ٹوٹ جائے اس نے یہ خواہش اپنے دل میں ہی دبا لی اور دبے پاؤں جلے پیر کی بلی بنی کمرے سے باہر نکل آئی۔

اپنے کمرے میں جا کر اس نے ایک چھوٹا سا بیگ اٹھایا جس میں اپنے کپڑے اور کچھ ضرورت کی چیزیں رکھی تھیں۔ بیگ اٹھا کر کمرے سے باہر آئی کمرے کا دروازہ بند کر کے گھر پر یوں نظر دوڑانے لگی جیسے گھر کی ایک، ایک شے کو خدا حافظ کہہ رہی ہو۔ حالانکہ برہان نے اس سے کوئی ایسی بات نہیں کی تھی جس سے اندازہ ہوتا کہ اس گھر میں ... دوبارہ نہیں آئے گی پھر بھی وہ جو کہہ رہا تھا سمجھ میں تو نہیں آرہا تھا بس احساسات کچھ اس طرح کے ہوگئے تھے جیسے وہ اس گھر کو ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے الوداع کہہ رہی ہو۔

☆☆☆

اصیل خان لان میں ایک سنگی بینچ پر بیٹھا ہوا تھا۔ پاؤں اٹھا کر اس نے بینچ پر رکھے ہوئے تھے۔ اس کی آنکھوں سے آنسو یوں بہہ رہے تھے جیسے جھڑی لگی ہوئی ہو، وہ رو رہا تھا اور خود کلامی میں مبتلا تھا۔ اس لیے کہ اس وقت اس کے پاس کوئی ایسا نہیں تھا جس سے وہ اپنے اوپر پڑنے والی افتاد کو کسی داستان کی طرح بیان کر سکے۔

اس کے دونوں ہاتھ دعا کے انداز میں بلند ہوئے اور اب سسکیاں لیتے ہوئے وہ اپنے پروردگار سے ملتجی تھا۔

"یا اللہ مجھ پر رحم کر...... میں اپنی ہی اولاد کو یہ نہیں بتا سکتا کہ میں بدنصیب گناہ گار تمہارا باپ ہوں۔ وہ لوگ جو اپنی اولاد کو اپنے گناہ کی نشانی سمجھ کر زمین کا پیوند بنا دیتے ہیں، میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں۔ میرے مالک میں اپنی بچیوں کو اپنی نظروں کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ میں اپنی بیٹیوں کو صبح، دوپہر، شام دیکھنا چاہتا ہوں ان کے معصوم چہرے دیکھ کر میرے دل کو جو سکون ملتا ہے وہ ہی سکون تو اب میری ساری جمع پونجی ہے۔ میں اپنی اس جمع پونجی سے دستبردار نہیں ہوسکتا۔ ورنہ کب کا یہاں سے چلا جاتا اور دنیا سے منہ چھپا کر زندگی گزار دیتا...... یا اللہ میں اس آس پر اپنی اولاد کے لیے تجھ سے دعا مانگتا ہوں، رحم و کرم کی بھیک مانگتا ہوں کہ میں گناہ گار سہی پر ایک باپ بھی ہوں شاید ایک باپ کی دعا اولاد کے حق میں قبول ہوجائے کوئی قبولیت کی گھڑی میرا نصیب بن جائے۔ آسمان سے فرشتے اتریں اور میری بچیوں کے سر پر ہاتھ رکھ دیں۔" اس سے زیادہ اصیل خان بول نہیں پایا۔ آنسوؤں کے پھندے گلے میں یوں پھنس گئے کہ آواز منہ سے نکالنا ممکن نہ رہا۔ اس نے دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر رکھ لیے اور بلک، بلک کر رونے لگا...... اس کے پورے وجود پر لرزہ طاری تھا۔ یوں لگتا تھا کہ آنسو صرف اس کی آنکھ سے نہیں بہہ رہے بلکہ اس کے جسم کے ایک، ایک خلیے سے خون کے آنسو ٹپک رہے ہوں۔

جانے وہ کتنی دیر تک ہچکیوں سے اسی طرح روتا رہا۔ اسے پتا بھی نہیں چلا کہ کب گل جان حسبِ معمول پورے گھر کا چکر لگاتی ہوئی بالکونی میں آ کھڑی ہوئی ہے۔ اس کی نظریں اصیل خان پر تھیں۔ وہ بنا پلکیں جھپکائے...... اصیل خان کو آنسو بہاتے دیکھے چلی جا رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے گل جان کے ہونٹوں پر ایک اداس مگر پُراسراری سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اس نے ایک گہری سانس لی پھر اصیل خان کی طرف دیکھتے ہوئے یوں بڑبڑائی...... جیسے باقاعدہ وہ اس سے ہم کلام ہو۔

"اصیل خان! ہمارے اجداد .... نے ترکِ اولیٰ کیا...... آنسوؤں کے سمندر بہائے اللہ سے دعا کی۔ اے اللہ ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔ اگر تو نے ہم پر رحم نہ کیا تو ہم گھاٹا پانے والوں میں سے ہوجائیں گے۔ خسارہ ہمارا مقدر ہوگا۔ اللہ کی رحمت جوش میں آگئی مگر گندم کی سزا آج تک باقی ہے۔ شاید ہم بھی اسی طرح مرتے دم تک سزا سے دوچار رہیں گے اس لیے کہ سزا پاک کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ اگر جانے سے پہلے پاک ہوجائیں تو کیا بات ہے۔" اس نے اصیل خان کی طرف سے نظریں ہٹا کر پلکیں جھپک، جھپک کر آنے والے آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کی...... سینے سے ایک نہیں کئی ٹھنڈی آہیں نکلیں اور بسیط و بے کراں فضا میں گم ہوگئیں۔

"لوگ کھٹ سے مرجاتے ہیں...... یا اللہ ہماری موت اب ہم سے کتنی دور رہ گئی ہے۔"

☆☆☆

شاہ عالم کا گارڈ نیند بھری آنکھوں میں از حد حیرت سموئے برہان اور شبینہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسے تو یہ مغالطہ ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہو۔

"ماسٹر صاحب آپ! آپ......؟"

"ہاں میں...... خان اندر کائنات بی بی کو بتاؤ کہ میں ان سے ملنے آیا ہوں۔" برہان، گارڈ سے مخاطب تھا اور شبینہ حیران پریشان برہان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"ماسٹر صاحب! کائنات بی بی کو بتاؤں یا صاحب کو......؟" گارڈ اب قدرے نیند کے حواس سے باہر آچکا تھا۔

''نہیں نہیں، شاہ صاحب کو نہ جگانا۔ انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ وہ دوائیں لیتے ہیں، مریض ہیں اور مریض کو رات کو اچانک ایسے نہیں اٹھانا چاہیے۔''

''ٹھیک ہے جی، کیا بولوں کائناز بی بی کو کہ ماسٹر صاحب آئے ہیں آپ سے ملنے کے واسطے؟''

''ہاں، ہاں...... بھئی یہ بولو...... جلدی کرو۔''

''ایک منٹ صاحب میں ابھی آتا ہوں۔'' گارڈ شبینہ اور برہان کی طرف حیرت اور الجھن سے دیکھتا ہوا اپنے کیبن میں لگے ہوئے انٹرکام کی طرف بڑھ گیا۔ پھر اس نے انٹرکام پر گھنٹی بجا کر دوسری جانب سے ریسیور اٹھائے جانے کا انتظار کیا۔ کوئی جواب نہیں آیا تو اس نے پلٹ کر برہان کی طرف دیکھا ریسیور ہنوز اس کے کان سے لگا ہوا تھا۔

''لگتا ہے صاحب، بی بی بہت گہری نیند سویا ہے۔ اس واسطے وہ بات نہیں کرتا۔''

''تم دوبارہ گھنٹی بجاؤ...... اٹھیں گی......'' برہان نے دوٹوک بات کی۔ شبینہ اسی طرح الجھی ہوئی اپنی جگہ کھڑی تھی۔ گارڈ نے دوبارہ اندر رِنگ دی اور انتظار کرنے لگا۔ آخر تیسری بار گھنٹی بجانے کے بعد کائناز نے ریسیور اٹھا لیا تھا...... شاید وہ گہری نیند میں تھی۔ برہان اور شبینہ گارڈ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ جو کہہ رہا تھا۔

''بی بی، ماسٹر صاحب آئے ہیں ان کے ساتھ کوئی لڑکی بھی ہے۔ ہمارے کو نہیں پتا وہ کون ہے؟ ماسٹر صاحب بولتے ہیں آپ سے ملنا ہے۔''

کائناز نے جانے اس سے کیا کہا۔ اس نے گردن ہلائی اور انٹرکام بند کر دیا۔

''ماسٹر صاحب! آپ اندر جا کر بیٹھو، بی بی آپ سے ملتا ہے۔'' گارڈ نے اجازت ملنے پر برہان کو اندر کا راستہ دکھایا۔ برہان نے شبینہ کی طرف دیکھا اور زمین پر رکھا ہوا بیگ اٹھا کر اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے اندر کی طرف جا رہے تھے۔ گارڈ اسی طرح فکر اور پریشانی کی کیفیت میں ان دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی تو ساری نیند ہوا ہو چکی تھی پھر اس نے اپنے ہاتھ کو حرکت دیتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

''پتا نہیں اس ٹیم کون سا پڑھائی ہوتا ہے......؟''

☆☆☆

کائناز بدحواسی کے انداز میں اپنے بستر سے اتر چکی تھی بار بار گھنٹی بجنے کی وجہ سے روما کی نیند بھی ٹوٹ گئی تھی۔

''کس کا فون تھا کائناز؟''

''کسی کا فون نہیں تھا روما...... گارڈ انٹرکام دے رہا تھا...... وہ سر برہان آئے ہیں۔ وہ کہہ رہا ہے کہ وہ مجھ سے ملنے آئے ہیں۔''

کائناز کا اتنا کہنا تھا کہ روما نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں جیسے وہ سوئی ہی نہیں تھی۔

''کیا کہہ رہی ہو؟ سر اس وقت تم سے ملنے آئے ہیں۔ ارے، یہ گارڈ کا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا...... پتا نہیں کون آ گیا ہے۔''

''نہیں، نہیں روما...... گارڈ انہیں اچھی طرح پہچانتا ہے۔ سر کوئی ایک دو دفعہ تو نہیں آئے تھے روز آ رہے تھے۔ ظاہر ہے گارڈ سے گزرے بغیر تو کوئی اندر نہیں آ سکتا ناں وہ سر کو پہچاننے میں غلطی نہیں کر سکتا۔ میں تو پریشان ہو رہی ہوں کہ وہ اس وقت کیوں آئے ہیں اور ہاں پتا ہے ان کے ساتھ کوئی لڑکی بھی ہے۔''

''ہائے میں مر جاؤں۔'' روما نے ایک دم سینے پر ہاتھ رکھ لیا اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ''لڑکی......؟ سر کے ساتھ...... کائناز سر کیس لڑکی کو لے کر آ گئے؟ اور تم سے ملنے کیوں آئے ہیں......؟''

''اچھا بس...... ابھی پتا چل جاتا ہے...... تم آ رہی ہو میرے ساتھ؟'' وہ تیزی سے باہر جاتے، جاتے روما کی طرف دیکھ کر گویا ہوئی۔

''ہاں، ہاں...... ظاہر ہے میری تو حالت خراب ہو رہی ہے۔ سر کس لڑکی کو اٹھا کر لے آئے ہیں؟''

''اب یہ تو ان سے ملنے کے بعد ہی پتا چلے گا کہ لڑکی کون ہے؟ اٹھا کر لائے ہیں یا خود چل کر آئی ہے؟'' کائناز بولتی ہوئی پریشانی کی کیفیت میں باہر نکل گئی۔ روما نے ایک طرف پڑا ہوا دوپٹا اٹھایا گلے میں اٹکایا اور سلیپر پاؤں میں پھنساتی ہوئی بھاگنے کے انداز میں کمرے سے باہر نکلی تھی۔

برہان اور شبینہ صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ برہان بار بار اپنی کلائی پر بندھی گھڑی میں ٹائم دیکھ رہا تھا اور بے قراری سے اس طرف دیکھ رہا تھا جہاں سے اسے کائناز کے آنے کا پورا، پورا یقین تھا اور پھر ایسا ہی ہوا...... کائناز اور روما گرتی پڑتی لاؤنج میں داخل ہوئیں۔ برہان کو شبینہ کے ساتھ دیکھ کر دونوں آنکھیں پھاڑ کر یوں اپنی جگہ جم گئیں جیسے پاؤں اٹھانے کی سکت ہی نہ رہی ہو۔ برہان اور شبینہ دونوں نے ان کی کیفیت بھانپ لی تھی۔ برہان نے ان دونوں کی حیرت توڑنے کے لیے ہی شاید آہستہ آواز میں سلام کیا تھا۔

''السلام علیکم!''

شبینہ ہکا بکا...... دونوں لڑکیوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''جی سر...... جی السلام علیکم سر......'' روما سے پہلے کائناز سنبھل گئی اور حیرت سے شبینہ کی طرف دیکھنے لگی...... برہان اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''کائناز میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا، یہ میری چھوٹی بہن شبینہ ہے یہ آج رات آپ کے پاس رکیں گی۔ صبح آپ دادا جان کو بتا دیجیے گا کہ میں انہیں چھوڑ کر گیا تھا۔ باقی بات صبح آ کر شاہ صاحب سے خود کر لوں گا، اوکے؟''

''لیکن سر، یہ آپ کی چھوٹی بہن......؟''

''بھئی یہ میری چھوٹی بہن ہے سگی بہن میری جس بہن کی ڈ-تھ ہوئی تھی ناں یہ اس سے بڑی ہیں لیکن مجھ سے چھوٹی ہیں...... ٹھیک ہے؟'' پھر شبینہ کی طرف متوجہ ہوا۔

''شبینہ دیکھو گھبرانا نہیں، تم سمجھو کہ تم بہت محفوظ جگہ پر ہو، یہاں نہ الٹے سیدھے فون آئیں گے نہ کوئی الٹے سیدھے فون کرنے والا کبھی یہاں آ سکتا ہے۔ تمہیں بالکل پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں صبح امی کے ساتھ یہاں آؤں گا...... ٹھیک ہے؟ باہر ٹیکسی میرا انتظار کر رہی ہے کیونکہ میں نے اس سے آنے جانے کی بات کی تھی۔'' پھر وہ کائناز کی طرف مڑا۔ ''ٹھیک ہے کائناز میں اب چلوں گا۔ پلیز شبینہ کا خیال رکھیے گا۔''

''سر وہ...... دادا جان کو اٹھاؤں کیا؟''

''نہیں...... نہیں قطعی نہیں، پہلے ہی وہ مریض ہیں انہیں اس طرح رات کو اچانک نہیں اٹھانا چاہیے۔ صبح بات کر لینا اور میں بھی آ کر ان سے تفصیلی بات کروں گا...... اوکے...... خدا حافظ۔'' برہان بڑی عجلت کے انداز میں یہ کہہ کر باہر نکل گیا تھا۔ شبینہ چند لمحے جاتے ہوئے برہان کی طرف دیکھتی رہی پھر آہستہ، آہستہ اس نے اپنی نظروں کا رخ ان دونوں کی طرف موڑا۔

نظر ملتے ہی کائناز تیزی سے اس کے قریب آگئی اور شبینہ کے دونوں ہاتھ تھام کر بولی۔

"آپ ہمارے کمرے میں آجائیں کیونکہ مجھے سمجھ ہی نہیں آرہی کہ میں اس وقت آپ کو...... کون سے کمرے میں لے کر جاؤں صبح دیکھتے ہیں۔ آپ بھی تھکی ہوئی لگ رہی ہیں آرام کریں۔ ویسے کیا آپ لوگ کہیں گئے ہوئے تھے یا کوئی مسئلہ ہوگیا تھا راستے میں...... آج کل حالات بھی تو ایسے ہی چل رہے ہیں ناں؟"

کائناز بولے جارہی تھی اور روما اپنی تمام حسیات کو اکٹھا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے شبینہ کے چہرے سے کچھ پڑھنے کی کوشش کررہی تھی لیکن اس میں شاید اتنی اہلیت نہیں تھی کہ وہ کچھ اخذ کرسکتی۔

"نہیں، نہیں کائناز ہم اپنے گھر سے آرہے ہیں۔ راستے میں کچھ نہیں ہوا۔"

"گھر سے؟" دونوں نے بیک وقت چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں...... میں آپ لوگوں کو زیادہ کچھ نہیں بتاسکتی۔ بس یہی بتاسکتی ہوں کہ بڑا مسئلہ ہورہا تھا۔ وہ...... ہمیں کوئی شخص بہت تنگ کررہا ہے threat دے رہا ہے۔ شاید ہمارے باجان کی اس سے کوئی دشمنی ہے۔"

"threat دے رہا ہے......؟" اس مرتبہ کائناز کے بجائے روما کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔ کائناز تو بس منہ کھول کر رہ گئی۔

"جی! مجھے یہ تو نہیں پتا کہ اس نے کیا کہا، برہان بھائی نے البتہ مجھے یہ بتایا کہ وہ دھمکیاں دے رہا ہے۔ شاید کوئی بلیک میلر ہے۔"

"او گاڈ......" کائناز نے خوف زدہ انداز میں شبینہ کی طرف دیکھا اور آگے بڑھ کر اسے بازوؤں کے گھیرے میں لے لیا۔

"پھر تو واقعی مسئلہ ہے۔ اچھا کیا سر آپ کو یہاں لے آئے۔ آپ لوگوں کے کوئی رشتے دار نہیں ہے ناں اس شہر میں......؟" کائناز نے یونہی سوال کردیا تھا۔

"نہیں...... اگر ہمارا کوئی رشتے دار اس شہر میں ہوتا تو شاید ہم لوگ وہاں جاتے، یہاں نہیں آتے۔"

"چلیں خیر کوئی بات نہیں، ہمیں اپنا رشتے دار ہی سمجھیں ہم تو سر کے جانے سے ویسے ہی پریشان ہوگئے ہیں آپ یہاں رہیں گی تو سر بھی ہماری پڑھائی مکمل کروادیں گے۔" کائناز کو ہاتھ کے ہاتھ اپنی پریشانیاں بھی یاد آگئی تھیں جنہیں بیان کرنا بھی اس نے ضروری خیال کیا تھا۔

"کائناز آؤ ناں کمرے میں لے کر چلتے ہیں کب تک انہیں لے کر کھڑی رہوگی۔" روما الجھی، الجھی کیفیت میں یوں بولی جیسے ذہنی طور پر وہ کہیں اور پہنچی ہوئی ہو۔

"ہاں، ہاں اوہ سوری...... آپ کا نام......؟" کائناز نے شبینہ کا ہاتھ تھام کر اب بڑے پیار سے پوچھا تھا۔

"شبینہ۔" اس کے تو اوسان ہی خطا تھے۔ غائب دماغی کی کیفیت میں اس نے نام بتایا۔

"ہاں...... ہاں سوری، وہ ابھی سر نے آپ کا نام تو لیا تھا۔ میں بھول گئی۔ چلیں آئیں آج آپ ہمارے ہی کمرے میں سوئیں گی پھر دیکھتے ہیں کہ صبح کو کیا ہوتا ہے...... ٹھیک ہے۔" کائناز، شبینہ کو لے کر آگے چل پڑی۔ روما ان کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی اور سوچ رہی تھی۔

"ہم تو سمجھتے ہیں ساری دنیا میں جیسے ہم ہی پریشان ہیں لیکن لوگ تو اتنے پریشان ہیں کہ اتنی رات کو اپنے گھر سے نکل جاتے ہیں اپنے گھر میں بھی لوگوں کو خوف محسوس ہوتا ہے۔ بڑی عجیب بات پتا چلی۔"

جاری ہے



بے چاری

صائمہ اکرم

"تمہاری نند بے چاری کا کچھ پتا......؟"

جیسے ہی یہ جملہ بندیا کی سماعتوں میں پہنچا، اس نے ہاتھ میں پکڑی جھاڑو، زمین پر پٹخی، تیوری چڑھا کر بھابی کی بہترین دوست شمیم آرا کو دیکھا جو اس وقت بلاشبہ روح افزا شربت کا تیسرا گلاس غٹا غٹ چڑھا رہی تھیں جبکہ جگ انہوں نے گود میں رکھا ہوا تھا۔

"آئے ہائے، اس بے چاری کی قسمت بھی بہت ہی ٹھنڈی ہے......" زیبا بھابی نے اتنے گرم موسم میں بڑی سرد آہ بھری۔

"کیوں میری قسمت کون سا اللہ تعالیٰ نے کسی برف کے کارخانے میں بیٹھ کر لکھی ہے......" یہ جملہ صرف وہ سوچ سکتی تھی کہنے کی صورت میں نقصِ امن کا اندیشہ تھا۔ اس نے غصے سے اپنی چپل اتار کر بھابی کے خرانٹ سے مرغے کو ماری جو بالکل پکی تھانے

دار کے اسٹائل میں اِدھر اُدھر گھوم رہا تھا۔ ککڑ نے بھی اس حملے پر احتجاجی چیخ ماری تو بھابی نے کھا جانے والی نظروں سے بندیا کو دیکھا۔

''بھابی یہ کیاری میں لگا آپ کا پودینہ کھا رہا تھا......'' اس نے دن دیہاڑے ککڑ پر جھوٹا الزام لگایا جو اپنی سرخ کلغی کو ہلاتے ہوئے اسے کینہ توز نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

''یار تمہارا مرغا تو بالکل سانڈ بنا پھر رہا ہے کون سا دیسی گھی کھلا رہی ہو اسے......؟'' ایسی گستاخی بھابی کی شمیم آرا ہی کر سکتی تھیں۔

''یہاں اس گھر میں دیسی گھی کے بس خواب ہی دیکھے جا سکتے ہیں۔ بناسپتی ہی مشکل سے ملتا ہے، تم کون سی دنیا کی باتیں کر رہی ہو۔'' بھابی کے سارے ہی دکھ ایک دم جاگ اٹھے تھے۔ اس کے بعد ان کو چپ کروانا انتہائی مشکل کام تھا۔

''تمہیں پتا تو ہے بندیا کے بھائی کا چائے کا چھوٹا سا کھوکا ہے، گرمیوں میں اس کی آمدن نہ ہونے کے برابر ہو جاتی ہے۔''

''ہاں تو سردیوں میں وہ کھوکا کون سا فائیو اسٹار ہوٹل کی طرح چلتا ہے......'' بندیا یہ جملہ بھی بس سوچ ہی سکتی تھی۔ اس نے بھابی کی اکلوتی دوست کے کھانے کے لیے پیاز کاٹنی شروع کر دی تھی کیونکہ یہ تو طے تھا شمیم آرا دوپہر کا کھانا کھائے بغیر یہاں سے ہلنے والی نہیں تھیں۔

''کیا پکانے لگی ہو......؟'' شمیم آرا کی رال ابھی سے ٹپکنے لگی۔

''جی مرغیوں کے پوٹے اور کلیجی......'' بندیا نے بیزاری سے انہیں اطلاع فراہم کی جسے سنتے ہی شمیم آرا کا منہ بن گیا۔

''شمیم، وہ جو تم پاپڑ کی فیکٹری میں کام کرنے والے لڑکے کا رشتہ بتا رہی تھیں۔ اس کا کیا بنا......؟'' بھابی نے لہسن چھیلتے ہوئے دلچسپی سے پوچھا۔

''دفع کرو ان منحوسوں کو، اس کم بخت کی چار تو خرانٹ قسم کی کنواری بہنیں ہیں۔ تمہاری نند...... بے چاری کا جینا حرام کر دیں گی وہ......'' شمیم آرا نے اپنے دوپٹے سے پنکھا جھلتے ہوئے ناک چڑھا کر بتایا۔ جسے سنتے ہی زیبا بھابی تڑپ اٹھیں۔

''ارے نہیں، بندیا بے چاری کا کیا قصور ہے۔ ایک تو یتیم، مسکین بچی، اوپر سے منہ میں زبان تو نہ ہونے کے برابر، اتنی میری اس نے خدمت کی ہے۔ میں اس کا برا کیوں سوچوں۔'' بھابی کی خدا خوفی پر اسے کبھی شک نہیں ہوا تھا۔ دونوں کے تعلقات بلاشبہ بہت اچھے تھے۔ اس میں زیادہ ہاتھ بھابی کی اچھی طبیعت اور بندیا کے دوستانہ مزاج کا تھا۔ اس نے کبھی بھی بھابی کی کسی بات پر نہ کرنا تو سیکھا ہی نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی، وہ اسے اپنے چاروں بچوں کی طرح ہی سمجھتی تھیں۔

''ارے واہ زیبا، تیرے جیسی بھابی تو پوری دنیا میں چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گی......'' شمیم آرا نے کھلے دل سے سراہتے ہوئے ایک دفعہ پھر شربت گلاس میں ڈالا۔

''میرے جیسی کا تو پتا نہیں، بس مجھے تو اللہ کا خوف مار دیتا ہے۔ کسی کے ساتھ برا کر کے اپنی قبر ضرور کالی کرنی ہے۔'' انہوں نے اب ادرک کاٹنا شروع کر دی تھی۔

''پھر بھی یہ خوف ہر کسی میں کہاں ہوتا ہے، لوگ تو خود خدا بنے پھرتے ہیں۔'' شمیم آرا اب نئے موضوع پر ایک لمبی تقریر کرنے کو تیار تھیں۔

بندیا نے جلدی، جلدی سالن پکنے کے لیے چولھے پر چڑھایا اور ساتھ ہی آٹا گوندھ لیا۔ اگلے ایک گھنٹے میں وہ کھانا پکا کر فارغ بھی ہو چکی تھی۔ بھابی اور ان کی سہیلی کے لیے کھانا ٹرے میں نکال کر رکھا تو اس کے چاروں بھتیجے اور بھتیجیاں اسکول سے شور مچاتے ہوئے گھر پہنچ گئے۔ ان چاروں کو کھانا کھلا

کر وہ آرام کرنے کے لیے جو لیٹی تو پھر شام چار بجے ہی آنکھ کھلی۔ باورچی خانے میں داخل ہوتے ہی اسے بھابی پر بے اختیار پیار آ گیا۔ دوپہر کے کھانے کے سب برتن دُھلے ہوئے ریک میں لگے ہوئے تھے۔ اس نے شام کی چائے کے لیے پانی چولھے پر رکھا تو پڑوس میں رہنے والی اس کی واحد سہیلی سونیا، اپنا لمبا سا پراندہ ہلاتی ہوئی آن پہنچی۔

☆☆☆

''دنیا میں مجھے ایک لفظ سے سخت نفرت ہے......'' سونیا کے ساتھ چائے کا کپ اٹھائے وہ چھت پر آ گئی، دونوں سہیلیاں اب آسمان پر اڑتی ہوئی رنگ برنگی پتنگوں کو دیکھ رہی تھیں۔

''مجھے معلوم ہے، وہ لفظ کون سا ہے......'' سونیا نے چھت کی چھوٹی سی منڈیر پر رکھے چائے کے کپ میں کیک رس بھگوتے ہوئے مزے سے کہا۔

''کون سا لفظ ہے وہ؟'' بندیا نے چڑ کر پوچھا۔

''یہ ہی ''بے چاری......'' سونیا کھلکھلا کر ہنسی۔

''قسم اللہ پاک کی دل کرتا ہے اردو کی لغت سے یہ لفظ ہی نکال دوں......'' بندیا نے برا سا منہ بنایا۔

''وہ کیوں......؟'' سونیا نے مزے سے اپنی بچپن کی سہیلی کا سرخ چہرہ دیکھا۔

''دیکھ ناں، جب میں پیدا ہوئی، اماں مر گئی، سارے محلے والوں نے کہنا شروع کر دیا، تابندہ بے چاری کو ماں کی گود ہی نصیب نہ ہوئی......'' بندیا شروع ہو چکی تھی۔

''اچھا......پھر......؟'' سونیا نے دلچسپی سے پوچھا۔

''اس کے بعد آٹھ سال کی تھی کہ دادی فوت ہو گئی۔ سب کہنے لگے، ہائے بندیا بے چاری پھر تنہا ہو گئی......'' بندیا نے ناک چڑھا کر مزید بتایا۔

''ہاں یہ تو ہے......'' سونیا نے چائے کا کپ منہ سے لگایا۔

''اس کے بعد جب جوان ہوئی تو ابا چل بسے پھر تو ''بے چاری'' کا ٹھپا مجھ پر پکا ہی لگ گیا۔ زہر لگتا ہے یہ لفظ مجھے......'' بندیا کو آج نہ جانے کیوں بہت غصہ آ رہا تھا۔

''بھئی لوگوں کو کیا پتا، یہ لفظ تیرے دل پر کیسی چھریاں چلاتا ہے......'' سونیا ہنسی۔

''ہاں اب تو دل کرتا ہے جو بھی یہ لفظ میرے لیے منہ سے نکالے، اس کی گردن پر چھرا چلا دوں......'' بندیا کا غصہ عروج پر تھا۔

''اچھا چل، دفع کر اس قصے کو، یہ بتا، کل اپنے پرانے اسکول میں ''مینا بازار'' ہے، وہاں چلے گی......؟'' سونیا کو اچانک یاد آیا۔

''چلی تو جاؤں لیکن کل جمعہ ہے اور کپڑے دھونے کے لیے مشین بھی لگانی ہے......'' بندیا کو اپنی ذمے داریوں کی لسٹ اچھی طرح یاد تھی۔

''یار، کل شام کو آ کر لگا لینا، اب تیرے بغیر وہاں مجھے کیا خاک مزہ آئے گا......'' سونیا نے اپنی واحد دوست کا ہاتھ پکڑ کر بھرپور اصرار کیا تو بندیا بھی زیادہ دیر تک مزاحمت نہیں کر سکی۔ بھائی اور بھابی کا زیادہ مسئلہ نہیں تھا کیونکہ انہوں نے کبھی بندیا پر غیر ضروری پابندیاں نہیں لگائی تھیں، یہی وجہ تھی، جب اس نے صبح بھائی سے اجازت مانگی تو اجازت کے ساتھ ہی اسے پانچ سو کا نوٹ بھی مل گیا۔ وہ ایک دم خوش ہو گئی۔

''یہ لے، یہ جھمکے پہن لے، لڑکیوں والے تو تیرے کوئی شوق ہی نہیں......'' بھابی نے پرانے لوہے کے ٹرنک سے اپنے سنہری جھمکے بھی لا کر تھما دیے۔

''بھابی ایسے ہی ٹھیک ہے......'' اس نے سامنے لگے شیشے میں گلابی لان کے سوٹ میں دمکتا ہوا اپنا وجود دیکھا۔ دبلی پتلی تو وہ تھی ہی، رنگ بھی صاف اور نین نقش تیکھے تھے، جو بھی پہن لیتی اس پر اچھا لگتا۔

''اوں...... ہوں...... تھوڑا خیال رکھا کر اپنا، آج کل لوگ بس دکھاوے پر ہی مرتے ہیں۔ تھوڑی

انسانی کمالات

انسانی کمالات کیا ہیں اور وہ کس طرح حاصل ہوتے ہیں؟ ایک شخص ایک مرتبہ نبی اکرم حضرت محمد ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا...... اور اس نے چند اہم اور ضروری سوالات کیے۔ وہ سوال کرتا جاتا اور حضورِ اقدس ﷺ بحسن خوبی اسے جوابات سے مطمئن کرتے جاتے تھے۔ اس شخص نے آپ ﷺ سے دریافت کیا۔

☆ ''اے اللہ کے نبی ﷺ میری خواہش ہے کہ میں بڑا عالم بن جاؤں۔'' ✖ آپ نے ارشاد فرمایا۔ ''تو اللہ سے ڈرتا رہ بس بڑا عالم بن جائے گا یعنی اللہ کا خوف اور اس کے احکام پر عمل...... علم و حکمت کے خزانے حاصل ہونے کا ذریعہ ہے۔'' ☆ ''میں چاہتا ہوں دولت مند بن جاؤں......؟'' ✖ ''آپ نے فرمایا تو قناعت اختیار کر مالدار ہو جائے گا۔'' ☆ سائل نے کہا۔ ''میری خواہش ہے کہ سب سے بہتر شخص بن جاؤں؟'' ✖ آپ نے فرمایا۔ ''سب سے بہتر شخص وہ ہے جو دوسروں کو نفع پہنچائے۔'' ☆ سائل نے کہا۔ ''میں سب سے عادل شخص بننا چاہتا ہوں؟'' ✖ آپ نے فرمایا۔ ''اگر تو سب کے لیے وہی پسند کرے جو تو اپنے لیے پسند کرتا ہے تو سب سے زیادہ منصف اور عادل شخص بن جائے گا۔'' ☆ سائل نے پوچھا۔ ''میں اللہ کے دربار میں مقرب بننا چاہتا ہوں؟'' ✖ آپ نے ارشاد فرمایا۔ ''ذکرِ الٰہی میں مصروف رہ، تیری خواہش پوری ہو جائے گی۔ ☆ ''میں اللہ کے دربار میں محسنوں اور نیکو کاروں میں اپنا نام درج کرانا چاہتا ہوں؟'' ✖ آپ نے ارشاد فرمایا۔ ''اللہ کی عبادت اس طرح کر، گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر یہ خیال رکھ کہ وہ تو تجھے دیکھ ہی رہا ہے۔'' ☆ ''میں چاہتا ہوں کہ میرا ایمان مکمل ہو جائے۔'' ✖ آپ نے فرمایا۔ ''اپنے اخلاق درست کر لے، تیرا ایمان مکمل ہو جائے گا۔'' ☆ ''میں اطاعت گزاروں میں سے بننا چاہتا ہوں؟'' ✖ آپ نے فرمایا۔ ''اپنے فرائض ادا کرتا رہ، تیرا شمار مطیع افراد میں ہوگا۔'' ☆ ''میں اللہ کے سامنے اس حال میں حاضر ہونا چاہتا

سی لپ اسٹک بھی لگا لے، چہرے پر رونق آ جائے گی۔'' بھابی نے ایک پرانی سے گلابی لپ اسٹک لا کر اس کے ہاتھ میں تھمائی۔

''آپ کو پتا تو ہے، مجھے ان چیزوں کا کہاں شوق ہے......'' اس نے سادہ سے لہجے میں کہا تو بھابی مسکرا دیں۔

''ہاں، ہاں پتا ہے تیرے اندر بڈھی روح گھسی ہوئی ہے، تجھ سے زیادہ تو تیری دس گیارہ سال کی بھتیجیاں چہرے پر لیپا پوتی کیے رکھتی ہیں۔'' بھابی کی ناگواری میں بھی ہلکا سا پیار چھپا ہوا تھا۔ بندیا مسکرا کر لپ اسٹک لگانے لگی۔

''ہائے اللہ، تو ابھی تک تیار نہیں ہوئی، میں نے کہا بھی تھا نو بجے نکلنا ہے۔'' سونیا اور نج کلر کے شیفون کے سوٹ میں گولا گنڈا بنی، اونچی ہیل میں ڈولتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

''دھیان سے، کہیں گر کر کوئی گوڈا گٹا نہ تڑوا لینا......'' بندیا نے اسے چھیڑا تو وہ اچھا خاصا برا منا گئی۔

''ظاہر ہے تمہارے گھر کے اونچے نیچے فرش پر بندہ گرے گا نہیں تو اور کیا کرے گا۔ کم از کم کالا فرش ہی ڈلوا لو......'' سونیا صحن میں لگے شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر بولی، وہ اب گھوم گھوم کر خود کو ہر زاویے سے دیکھ رہی تھی۔

''جب میرا بھائی بھی تیرے بھائی فراز کی طرح دبئی چلا جائے گا تو ہم بھی کالے فرش کی جگہ ٹائلیں لگوا لیں گے......'' بندیا نے دوپٹا اچھی طرح سے لیتے ہوئے اسے چھیڑا۔

''اچھا، اچھا، زیادہ باتیں نہ کر...... پہلے ہی اتنی دیر ہو گئی ہے۔'' سونیا نے اپنے چمکیلے سیاہ پرس سے سیل فون نکال کر افراتفری میں وقت دیکھا تو بوکھلا سی گئی۔ دونوں سہیلیاں عجلت بھرے انداز سے ایک دوسرے کے پیچھے دروازے سے نکل ہی رہی تھیں کہ سامنے آنے والی دو خواتین سے ٹکرا گئیں۔

ہوں کہ تمام گناہوں سے پاک ہوں۔'' ✖ آپ نے فرمایا۔ ''تو غسلِ واجب فوری ادا کیا کر...... اس کی برکت سے روزِ جزا گناہوں سے پاک اٹھے گا۔'' ☆ میری خواہش ہے کہ میں حشر میں نور کے ساتھ اٹھایا جاؤں؟'' ✖ آپ نے فرمایا ''کسی پر ظلم نہ کر، قیامت کے دن نور کے ساتھ اٹھے گا۔'' ☆ ''میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر رحم کرے؟'' ✖ آپ نے فرمایا۔ ''تو اپنی جان اور خلقِ خدا پر رحم کر، اللہ تجھ پر رحم کرے گا۔'' ☆ ''میں چاہتا ہوں کہ میرے گناہ کم ہوں؟'' ✖ آپ نے فرمایا۔ ''تو کثرت سے استغفار پڑھ لیا کر، تیرے گناہ کم ہو جائیں گے۔'' ☆ اس نے کہا ''میں بزرگ بننا چاہتا ہوں؟'' ✖ آپ نے فرمایا۔ ''مصیبت میں اللہ کی شکایت بندوں سے نہ کیا کر، بزرگ ہو جائے گا۔'' ☆ ''میں چاہتا ہوں کہ میرے رزق میں وسعت ہو؟'' ✖ آپ نے فرمایا۔ ''تو ہمیشہ باوضو رہا کر، تیرے رزق میں برکت ہوگی'' ☆ ''میں چاہتا ہوں اللہ اور اس کے رسول کا دوست بن جاؤں۔'' ✖ آپ نے فرمایا۔ ''جو چیزیں اللہ اور اس کے رسول کو پسند ہیں ان کو پسند کر اور جن سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو نفرت ہے ان سے نفرت کر۔'' ☆ ''کون سی نیکی اللہ کے نزدیک افضل ہے؟'' ✖ آپ نے فرمایا۔ ''مصیبتوں پر صبر اور اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر خوشی کا اظہار۔'' ☆ ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑی برائی کیا ہے؟'' ✖ آپ نے فرمایا۔ ''بدترین اخلاق، بخل اور کنجوسی۔'' ☆ سائل نے پوچھا۔ ''کون سا عمل اللہ کے غضب کو روکتا ہے؟'' ✖ آپ نے فرمایا۔ ''پوشیدہ طور پر صدقہ دینا اور قرابت داروں کا حق ادا کرنا اور ان سے حسنِ سلوک اور احسان سے پیش آنا۔'' ☆ ''جہنم کی آگ کو کون سی چیز بجھائے گی؟'' ✖ آپ نے فرمایا۔ ''نماز اور روزہ صرف خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے نہ کہ ریاکاری کی عبادت......''

نتیجہ: آئیں ہم سب اپنا اپنا محاسبہ کریں کہ ان میں سے کون سی باتوں پر ہم عمل پیرا ہیں۔

مرسلہ: بختاور بلوچ، لوہی، بلوچستان

''یہ زیبا کا گھر ہے ناں......؟'' گہرے رنگ کے برقع میں ملبوس ایک موٹی سی عورت نے بندیا کو دلچسپی سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''جی...... جی یہ انہی کا گھر ہے......'' بندیا نے نرمی سے جواب دے کر انہیں اندر آنے کا راستہ دیا۔

''تم اس کی نند ہو ناں......؟'' اس عورت نے تجسس بھرے انداز سے پوچھا تو بندیا نے ہاں میں سر ہلاتے ہوئے سونیا کو دیکھا، جو اس وقت مہمانوں کی اچانک آمد کی وجہ سے خاصی کوفت کا شکار لگ رہی تھی۔ اس وقت بھی وہ بے چینی سے گھڑی بار بار وقت دیکھ رہی تھی۔

''آپ لوگ اندر چلی جائیں۔ بھابی سامنے برآمدے میں کپڑے استری کر رہی ہیں۔'' بندیا نے دروازے سے نکلتے ہوئے انہیں اطلاع دی تو دونوں خواتین نے ایک دفعہ پھر مسکرا کر غور سے بندیا کو دیکھا اور ایک دوسرے کو بڑا معنی خیز سا اشارہ کیا۔

''یہ کیسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تمہیں دیکھ رہی تھیں......'' سونیا نے باہر گلی میں آتے ہی ناگواری سے کہا۔

''اب میں کسی کے دیکھنے پر پابندی تو نہیں لگا سکتی ناں......'' بندیا نے مسکرا کر جواب دیا تو وہ تجسس بھرے انداز میں پوچھنے لگی۔

''ویسے یہ تھیں کون......؟''

''اللہ جانے، بھابی کی ملنے والی ہوں گی، تمہیں پتا تو ہے ان کا حلقۂ احباب کتنا وسیع ہے......''

''لیکن پہلے تو کبھی نہیں دیکھا......'' سونیا کی تسلی ہی نہیں ہو پا رہی تھی۔

''چلو اب تو دیکھ لیا ناں......'' بندیا نے ہنستے ہوئے رکشا روکا تو دونوں سہیلیاں اس پر سوار ہو گئیں۔ مینا بازار میں وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا، جب وہ دونوں واپس آئیں تو دوپہر کے دو بج رہے تھے، سامنے زیبا بھابی اور جلیل بھائی بیٹھے دوپہر کا کھانا کھا رہے تھے۔ کچھ ہی فاصلے پر رشتہ کروانے

والی خالہ اکبری بیٹھی تھیں۔

''لو بھئی زیبا، تمہاری نند بے چاری کی بھی سنی ہی گئی......'' اپنی طرف سے خالہ اکبری نے مرغی کی ٹانگ جھنجوڑتے ہوئے بڑا خوشگوار جملہ کہا تھا لیکن لفظ ''بے چاری'' سنتے ہی بندیا کا دل چاہا کہ وہ خالہ کی گردن ہی مروڑ دے۔

''ارے خالہ، میری بہن کیوں بے چاری ہونے لگی، اللہ اس کی قسمت اچھی کرے......'' جلیل بھائی کے منہ سے نکلنے والے اس جملے نے بندیا کے جلتے دل پر ٹھنڈے پانی کی پھوار ڈالی تھی۔ وہ خالہ کو سلام کر کے بھابی کے پاس ہی چارپائی پر ٹک گئی تھی۔

''ماشاء اللہ، ساجد کی جامع کلاتھ میں اپنی اتنی بڑی کپڑے کی دکان ہے، ماں باپ سر پر نہیں، بہنیں بیاہی گئیں۔ اللہ اللہ تے خیر صلا، سمجھو اپنی بندیا کی تو قسمت جاگ اٹھی۔'' خالہ اکبری، بندیا کو دیکھتے ہی ایک دفعہ پھر شروع ہو گئیں۔

''اور تو اور دو بڑے بھائی اور وہ پہلے سے علیحدہ، لڑکے کا اپنا گھر، کاروبار...... اور کیا چاہیے ہوتا ہے کسی لڑکی کو......؟'' خالہ اکبری نے کھانا کھا کر بڑے اطمینان سے اپنی چادر سے ہاتھ پونچھے۔

''جا بیٹا، بھاگ کر ایک دودھ پتی کا کپ بنا لا میرے لیے، کھانا کھا کر چائے نہ پیوں تو دل کچا، کچا رہتا ہے۔'' خالہ اکبری کی فرمائش پر بندیا کو.... بادلِ ناخواستہ اٹھنا پڑا، ورنہ دل تو یہی چاہ رہا تھا کہ رشتے کی ساری تفصیل سن کر ہی اٹھے۔ اس محلے میں اس کی ہم عمر ساری لڑکیوں کی شادیاں اور منگنیاں ہو چکی تھیں اور جب سے سونیا کی بات بھی اپنی خالہ کے ہاں پکی ہو گئی تھی، بندیا کے دل میں یہ خواہش زور پکڑنے لگی تھی کہ اس کا بھی کوئی اپنا گھر ہو۔ وہ بھی اپنے منگیتر کی باتیں سہیلیوں کو بتائے۔

''بہت اچھا رشتہ لائی تھیں آج خالہ......'' رات کو بھا۔بی اس کے پاس ہی باورچی خانے کے فرش پر آ کر بیٹھ گئیں اور سبزی کاٹنے لگیں۔

''لڑکے کی بہنوں کو تم بہت پسند آئی ہو، وہ تو ہتھیلی پر سرسوں جمانا چاہتی ہیں......'' بھا۔بی خاصی خوش دکھائی دے رہی تھیں اس لیے اس کے سوال جواب کے بغیر ہی شروع ہو گئیں۔

''مجھے تو خود یہ رشتہ بہت دل کو لگا ہے، اچھا ہے ٹائم سے اپنے گھر کی ہو جاؤ گی تو پھر میں تمہاری بھتیجیوں کے لیے جہیز اکٹھا کرنا شروع کروں گی۔ روز بروز قد نکالتی جا رہی ہیں۔'' بھابی اب باریک باریک دھنیا کتر رہی تھیں۔

''لڑکا کتنا پڑھا ہوا ہے بھابی......؟'' بندیا نے دیگچی میں چمچ چلاتے ہوئے کچھ جھجک کر پوچھا۔

''ماشاء اللہ پوری بارہ جماعتیں پاس ہے۔ ویسے بھی لڑکوں کی تعلیم نہیں ان کی کمائی دیکھی جاتی ہے۔ اس کی تو اپنی ذاتی دکان ہے۔'' بھابی کے جواب سے بندیا کافی حد تک مطمئن ہو گئی تھی۔ وہ خود بھی میٹرک پاس تھی اور اس کی خواہش تھی اس کا منگیتر کم از کم میٹرک پاس تو ضرور ہو، کہیں سونیا کے منگیتر کی طرح آٹھ جماعتیں پڑھ کر کسی اور کی دکان پر کام کرنے والا ورکر نہ ہو۔ اس کی یہ خواہش تو کم از کم پوری ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔

اگلے دن بھائی اور بھابی دونوں لڑکے کے گھر سے آئے تو ان کے چہرے خاصے پُرجوش تھے۔ خاص طور پر بھائی کے چہرے پر اطمینان ٹھاٹیں مارتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ بندیا بہانے بہانے سے ان کے اردگرد گھوم رہی تھی تاکہ تازہ ترین رپورٹ حاصل کر سکے لیکن ان دونوں نے بھی لگتا تھا آج اس موضوع پر بات نہ کرنے کی قسم کھا رکھی تھی، شام کو بندیا کے صبر کی انتہا ہو گئی تو اس نے خود ہی ڈھیٹ بن کر پوچھ لیا۔ ''بھابی، کیسا لگا آپ کو یہ رشتہ......؟''

''ہائے ہائے بندیا، میں تجھے تو بتانا ہی بھول گئی۔'' بھابی نے ماتھے پر ہاتھ مار کر خود کو کوسا۔ ''کتنی

ہلکو ہو گئی ہوں میں، بس سوچوں میں گم تیری شادی کا حساب کتاب لگانے میں مگن تھی۔'' بھا۔بی کی غیر ضروری تفصیل اسے ناگوار تو گزر رہی تھی لیکن اسے سنے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا۔

''مت پوچھ......'' بھابی نے اپنے تکیہ کلام سے بات کا آغاز کیا۔ ''مت پوچھ لڑکے کا گھر کتنا اچھا تھا، پورے پانچ مرلے کا ڈبل اسٹوری اپنا گھر، صحن میں سفید اور کالے خانوں والی چپس اور کمرے سامان سے بھرے ہوئے......'' بھا۔بی کی یہ تفصیل اب اسے اچھی لگ رہی تھی۔

''لڑکا، ماشاء اللہ اونچا، لمبا، جوان، جامع کلاتھ میں اپنی دکان، یوں سمجھ تیری تو لاٹری نکل آئی۔'' بھا۔بی کی بات پر بندیا کے چہرے پر اتنی چمک پھیلی کہ بھابی خود بات بھول کر اس کا چہرہ دیکھنے لگیں۔

''اے بندو، آج کل منہ پر کیا لگا رہی ہے......؟'' ...بھابی کو جب بھی اس پر پیار آتا تو اسے بندیا کی جگہ ''بندو'' کے نام سے پکارنے لگتیں۔

''کچھ بھی نہیں بھا۔بی......'' وہ ایک دم ہی گھبرا گئی، حالانکہ آج کل وہ غسل خانے میں تھوڑی سی ملائی کسی برتن میں ڈال کر لے جاتی اور اس میں تھوڑی سی ہلدی اور چند لیموں کے قطرے ڈال کر خوب چوری چوری چہرے کا مساج کرتی۔

''اچھا تیرا چہرہ تو سفید بلب کی طرح لائٹیں مار رہا ہے، ایویں تو نہیں ساجد کی بہنیں تجھ پر فدا ہو گئیں، اس دن تو لگ بھی تو اتنی پیاری رہی تھی۔'' بھابی کے لہجے میں چھپا پیار اس کے لیے نیا نہیں تھا۔ اس لیے اس نے صرف سر جھکانے پر ہی اکتفا کیا۔ اُسی شام وہ سونیا کو یہ خبر سنانے اس کے گھر پہنچ گئی۔

''میسنی، گھنی، مجھے اب بتا رہی ہے......'' سونیا نے اپنا بھاری بھرکم ہاتھ اس کے کندھے پر مار کر مصنوعی ناراضی کا اظہار کیا۔

''جب بات پکی ہوتی، تو تب ہی بتانا تھا، کیا

دعا کرنے کی فضیلت

خدا سے دعا کرتے رہنا بھی عبادت ہے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا۔ تم یہ نہ کہو کہ میں خدا سے دعا نہیں کرتا کیونکہ جو کچھ میری قسمت میں ہے وہ تو بہر صورت مجھے مل کر رہے گا۔ خدا سے دعا اور سوال کرتے رہنا ایک اچھا عمل ہے۔ یقیناً اللہ دعا کے بعد بخشش کرتا ہے۔ دعا کرنے سے ایمان و یقین میں پختگی آتی ہے اگر اللہ تمہاری کسی دعا کو فوراً قبول نہیں کرتا تو اس سے آزردہ خاطر نہ ہو۔ تیری دعائیں اور سوال تیرے لیے دنیا و آخرت میں کام آئیں گے۔ حدیث نبویؐ ہے کہ مومن کے اپنے نامۂ اعمال میں قیامت کے دن بعض ایسی نیکیاں بھی نظر آئیں گی جو اس نے کی ہی نہ ہوں گی۔ یہ نیکیاں اصل میں وہی دعائیں اور سوالات ہوں گے۔ یہ اللہ کی طرف سے ہوں گی کیونکہ اللہ سوال کرنے والے کو یاد رکھتا ہے اور حق دار کو اس کا حق ضرور دیتا ہے۔''

مرسلہ: نفیسہ آرا، یو اے ای

پہلے سے اعلان شروع کر دیتی......'' بندیا نے اپنا کندھا سہلاتے ہوئے منہ بنا کر جواب دیا۔

''اچھا، چل دفع کر، دیکھ ہر چھ ماہ بعد ایک اچھا سا جوڑا اپنے میاں کی دکان سے لے کر میرے گھر پہنچ جایا کرنا، اب کپڑے کی دکان کا ہمیں بھی تو کوئی فائدہ ہو۔'' سونیا کا فرمائشی پروگرام شروع ہو چکا تھا لیکن اس کی یہ شرارتیں اب بندیا کو بری نہیں لگ رہی تھیں۔ اگلے ہی دن اس کی سسرال والے شادی کی تاریخ لینے پہنچ گئے، جو ایک مہینے بعد کی رکھی گئی تھی۔ بندیا کے جہیز کی ساری چیزیں تیار تھیں، فرنیچر لینے

سے ساجد نے صاف انکار کر دیا تھا۔

''ارے قسمت ہو تو بندیا جیسی......'' پڑوسن خالہ نے اس کی مہندی والے دن رشک بھرے انداز میں سب کو سنایا۔

''بے چاری نے دکھ بھی تو اتنے سہے ہیں، ماں باپ، سر پر نہیں، ایک ہی بھائی، ساری زندگی اس بے چاری نے بھاوج کی خدمت کی۔'' دوسری پڑوسن کے منہ سے اپنے لیے بے چاری کا لفظ بندیا کے دل پر کسی تازیانے کی طرح لگا تھا۔

''چل، اللہ نے اس بے چاری کی بھی سن لی......'' خالہ اکبری نے پان پر چونا لگاتے ہوئے اپنے دانتوں کی نمائش کی۔

''بس خالہ، اب میری شمع کے لیے بھی ایسا ہی رشتہ ڈھونڈ دے......'' سامنے والی پڑوسن نے اکبری خالہ کے گھٹنے پکڑ کر فوراً ہی منت کی تو خالہ کی گردن فخر کے احساس سے تن گئی۔

''خالہ تو ایسے مغرور ہو رہی ہے جیسے ساجد اس کی فخریہ پیشکش ہو......'' سونیا نے اپنی دوست کے ہاتھوں پر مہندی کے نقش و نگار بناتے ہوئے شرارت سے کہا تو بندیا کے لیے اپنی ہنسی کنٹرول کرنا مشکل ہو گیا۔

شادی والے دن بندیا پر روپ بھی خوب آیا تھا۔ میرون رنگ کے لہنگے میں وہ خوب دمک رہی تھی، اتنے میں برات کے آنے کا شور برپا ہو گیا۔ سب عورتوں نے باہر کی طرف دوڑ لگائی تو بندیا پلنگ کے ساتھ ٹیک لگا کر اطمینان سے بیٹھ گئی۔ دولھا سبھی کو بہت پسند آیا تھا، نکاح اور کھانے کے بعد چار بجے کے قریب تابندہ عرف بندیا رخصت ہو کر اپنے گھر سسرال آ گئی تھی۔ اس کا حجلۂ عروسی بڑے خوب صورت طریقے سے سجایا گیا تھا۔

اپنے بیڈ پر بیٹھی ٹیک لگائے وہ سسرالی خواتین کے نرغے میں تھی۔ اڑوس پڑوس کی خواتین اسے دیکھنے کو امڈی پڑی تھیں۔ بندیا کو سانس لینی محال لگ رہی تھی، حالانکہ موسم خوشگوار تھا لیکن عورتوں کے ہجوم کی وجہ سے کمرے میں حبس کا احساس پیدا ہو گیا تھا۔

''چلو، ساجد بے چارے کا بھی گھر بس گیا......'' ایک بزرگ خاتون نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے خوشی کا اظہار کیا لیکن تابندہ کے دل میں لفظ ''بے چارہ'' کسی تیر کی طرح لگا لیکن یہ بولنے کا موقع نہیں تھا، اس لیے زبان دانتوں تلے دبا کر رہ گئی۔

''اور کیا، پیدا ہوا تو ماں مر گئی، بڑی بہنوں نے پالا پوسا، بے چارے نے ماں کا پیار بھی نہ دیکھا......'' ایک اور عورت نے بلند آواز میں تبصرہ کیا۔

''لیکن ساجد نے تو بہت چھوٹی عمر میں ذمے داریاں سنبھال لی تھیں خالہ، بہت محنتی ہے اپنا ساجد......'' ایک اور رشتے دار خاتون کی آواز بندیا کے کانوں سے ٹکرائی۔

''ہاں تو بے چارہ کیا کرتا، بھابیوں نے کون سا اچھا سلوک کیا تھا، اس کے ساتھ......'' کسی کا دل جلا تبصرہ بندیا کے دل میں آگ لگا گیا۔

''اُف...... ایک اور بے چارہ......'' وہ دکھ کے گہرے احساس کے ساتھ ایک طرف کو لڑھک گئی۔ دل نہ جانے کیوں بھر آیا تھا۔

''ہائے ہائے دلہن کو کیا ہو گیا۔ چلو بھئی چلو، کمرا خالی کرو، ساری کی ساری تو اس بے چاری کے سر پر سوار ہو......'' ایک جی دار خاتون نے فوراً ہی کمرا خالی کروا کے پنکھا فل کروایا۔ ایک گھنٹا ریسٹ کر کے وہ اٹھی تو دل خاصا بوجھل بوجھل سا تھا، کوئی بھی چیز اچھی نہیں لگ رہی تھی، اس کا دولھا کمرے میں آ چکا تھا۔

''یہ تو کہیں سے بھی ''بے چارہ'' نہیں لگ رہا......'' بندیا نے گھونگٹ کی آڑ سے اسے کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے سوچا۔ دراز قد، قدرے صحت مند جسم کا حامل ساجد خاصے صاف رنگ کا مالک تھا، اس لیے دودھیا سفید رنگ کے بوسکی کے سوٹ میں خوب لشکارے مار رہا تھا۔

''مجھے تو باہر سب خواتین نے ڈرا ہی دیا......'' وہ پاس بیٹھتے ہوئے بے تکلفی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا تو بندیا نے سر اٹھا کر اپنی کاجل بھری آنکھوں سے اپنے مجازی خدا کا جائزہ لیا، وہ گھنی سیاہ مونچھوں تلے بڑا کھل کر مسکرا رہا تھا۔

''پوچھو گی نہیں، کیوں......؟'' اس نے ہلکا سا اس کا ہاتھ دبا کر شرارت سے کہا تو بندیا کا دل.... بے اختیار دھڑک اٹھا لیکن وہ دانستہ خاموش رہی۔

''سب کہہ رہے تھے، دلہن بے چاری تو بہت نازک مزاج ہے......''

''خبردار، مجھے بے چاری مت کہیے گا......'' اس نازک مزاج دلہن کے منہ سے نکلنے والی پاٹ دار آواز نے ساجد کو ایک لمحے کو ڈرا ہی دیا۔

''اللہ خیر کرے، کیا ہو گیا......؟'' وہ جلد ہی خود کو سنبھال چکا تھا۔

''زہر لگتا ہے مجھے یہ لفظ، پچھلے بیس سالوں سے یہ لفظ سُن سُن کر میرے کان پک چکے ہیں۔ اب تو اس لفظ کو سنتے ہی مجھے وحشت ہونے لگتی ہے......'' بندیا ساری شرم بالائے طاق رکھ کر فوراً ہی شروع ہو گئی۔ ساجد اس کی بات پر ہلکا سا چونکا پھر ہنسا اور ہنستا ہی چلا گیا۔

''میں نے کون سا لطیفہ سنا دیا ہے، جو آپ ایسے ہنس رہے ہیں......'' وہ ٹھیک ٹھاک برا منا چکی تھی۔ اپنی چھوٹی سی ناک بیزاری سے اوپر چڑھائے اپنے تیکھے تیکھے نین نقش کے ساتھ وہ پہلی ہی نظر میں ساجد کے دل کو چھو گئی تھی۔

''بیگم صاحبہ، میں اس لیے ہنس رہا ہوں کیونکہ یہی لفظ سن کر تو میں نے آپ سے شادی کا فیصلہ کیا تھا......'' ساجد کی بات پر اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ وہ بڑی، بڑی آنکھیں کھولے حیرت سے اپنے مجازی خدا کو دیکھ رہی تھی، جو بڑی شان سے اس کے دل کی سرزمین کو فتح کر چکا تھا اور اس وقت آپ، آپ کر کے اسے خوب عزت دے رہا تھا۔

''بھئی رشتہ کرانے والی خاتون نے جب بتایا، لڑکی بے چاری کے والدین وفات پا چکے ہیں اور وہ بے چاری اپنے بھائی اور بھابی کے ساتھ رہتی ہے تو اس ''بے چارے'' نے سوچا، ہم دونوں کے حالات تو خاصے ملتے جلتے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو جو ایک بے چارہ اور بے چاری مل جائیں کیونکہ وہ ایک دوسرے کے جذبات کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں اور ایک خوب صورت زندگی گزار سکتے ہیں، کیا خیال ہے......؟'' ساجد کے منہ سے نکلنے والے اس جملے نے بندیا کے لبوں پر مسکراہٹ کے کئی شگوفے ایک ساتھ کھلا دیے۔

''یقین مانیں اس لفظ بے چاری کی گردان کی وجہ سے ہی آپ یہاں ہیں......'' ساجد کی اس بات نے بندیا کے دل پر پڑی کئی سالوں کی گرد کو ایک لمحے میں اُڑا دیا۔

''اب بتائیں، یہ لفظ، اچھا ہے یا برا......؟'' اس کے شرارت بھرے انداز پر بندیا شرما گئی۔ اسی لمحے کمرے کے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ دونوں چونک گئے، ساجد نے فوراً جا کر دروازہ کھولا تو سامنے ہی اس کی آپا کا مسکراتا ہوا چہرہ سامنے تھا۔

''کتنے بھلکڑ ہو تم ساجد، دلہن بے چاری کی منہ دکھائی تو اسٹور کی الماری میں ہی بھول گئے......'' آپا کی بات پر ساجد قہقہہ لگا کر ہنسا۔

''دیکھ لیں بندیا، آپا کیا کہہ رہی ہیں۔'' ساجد کی شوخی پر بندیا کے منہ سے نکلنے والی ہنسی بڑی..... بے ساختہ تھی۔ آپا نے خوشگوار حیرت سے یہ منظر دیکھا۔

''ارے آپا، کیوں ساجد بے چارے کو تنگ کر رہی ہیں، انگوٹھی دے کر واپس آئیں......'' ساجد کی چھوٹی بہن بھی ان کے پیچھے پہنچ گئی۔ اس کے منہ سے نکلنے والی اس بات پر ساجد نے شرارت بھری نگاہوں سے اپنی دلہن کو دیکھا اور دونوں ''بے چارہ'' اور ''بے چاری'' ہنستے ہی چلے گئے۔



ناولٹ



ترکِ وفا

نایاب جیلانی

چوتھا حصہ

ڈبل روم میں پہنچ کر وہ ایک مرتبہ پھر حیران ہوئی تھی۔ سوزی بیڈ کے ایک کونے میں سکڑی سمٹی سو رہی تھی۔ سائڈ ٹیبل پر دودھ کا گلاس رکھا تھا، یقیناً دودھ مالا کے لیے رکھا تھا۔ تاہم اس کا دودھ پینے کو ہرگز دل نہیں چاہ رہا تھا۔

''گویا مون چلی گئی!'' اس کا دل مطمئن ہو گیا تھا۔ اس نے آرام سے بیڈ پر لیٹ کر آنکھیں موند لی تھیں۔ اب وہ پُرسکون ہو کر سوزن اور مون کے

بارے میں سوچ سکتی تھی۔ ان کے رویے، جھگڑے اور سوزن کے آخری الفاظ......این فاخ......؟ تو جب سوزن، گروسی وغیرہ اس کی پیاری اردو کو سمجھ اور بول سکتی تھیں تو پھر مالا کیوں نہیں زبان سیکھ سکتی؟ اس نے ارادہ کرلیا تھا.... من ہائیم پہنچ کر جرمن سیکھنے کا......ان لوگوں کے رویے سمجھنے کے لیے ہم زبان ہونا بہت ضروری تھا۔

''بھلا مون نے سوزن سے کیا کہا؟ یہ جھگڑا کیوں کررہی تھیں؟ پھر سوزن نے کیا کہا......؟'' وہ یہی باتیں سوچتی نیند کی گہری وادی میں اتر گئی تھی۔ نیند بھی قدرت کا حسین تحفہ ہے، ایک تھکا دینے والے دن کے بعد رات کا پہلا انعام، نیند جو ذہن کو سکون دیتی ہے، آرام پہنچاتی ہے، اعصاب کی تھکن نچوڑ لیتی ہے۔ مالا پُرسکون نیند میں گم ہوچکی تھی۔ وہ گزشتہ رات سو نہیں پائی تھی مگر آج رات بہت مطمئن اور پُرسکون نیند لے رہی تھی۔ وہ پوری رات اطمینان سے سوئی رہی...... جب اس کی نیند پوری ہوئی تب فجر کے قریب اس کی آنکھ کھل گئی۔

وہ بستر سے اٹھی تو سوزن اسے اپنے برابر کہیں بھی دکھائی نہیں دی تھی۔ مالا واش روم کی طرف بڑھ گئی۔ وضو کیا، نماز پڑھی، اگرچہ جائے نماز کہیں نہیں تھی مگر مالا نے قالین پر ہی نماز ادا کر لی ... وہ سلام پھیر کر دعا مانگنا چاہتی تھی مگر بائیں طرف کاؤچ پر مون بیٹھی تھی، اس کی ہلکی سی چیخ ابھری مون وہی سلک کی پھولی فراک پہنے، سفید انگلیوں کو گھماتی ہوئی' وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھی بلکہ ونڈو کے جالی دار نائیلون کے پردے کو دیکھ رہی تھی۔ وہ کب اندر آئی تھی؟ اور کتنے آرام سے اندر آئی تھی۔ مالا کو ذرا سی آہٹ نے بھی نہیں چونکایا تھا۔ یقیناً مون بہت دبیز چپل پہنتی تھی۔ انتہائی نرم، چلنے کی آواز تک نہیں آتی تھی۔ وہ بلی کی چال چلنے والی لڑکی مالا کو آخر ہراساں کیوں کرنا چاہتی تھی۔ دبے پاؤں کمرے میں آنے کا مقصد آخر بھلا کیا تھا... یقیناً مالا کو خوفزدہ کرنا تھا۔

عام حالات میں بھی جب بندہ کمرے میں اکیلا ہو اور کسی کی بھی موجودگی کا گمان نہ ہو تو اچانک کوئی دبے قدموں اندر آجائے ایسی صورت میں پہلا احساس بھیانک خوف کا ہوتا ہے تو یقیناً مون اسے خوف زدہ کرنا چاہتی تھی۔ مالا کو یہ خبر نہیں تھی وہ اس کی زندگی میں بھیانک خوف بن کر ہی داخل ہوئی تھی۔

''یہ کس وقت کی نماز پڑھ رہی ہو؟'' اس کی چیخ کا نوٹس لیے بغیر وہ بڑے آرام سے پوچھ رہی تھی۔ آج اس کا لہجہ اتنا کھردرا نہیں تھا۔ مالا جو چیخنے کے بعد قدرے گم صم اٹھ کھڑی ہوئی تھی بے دم ہوکر اسے دیکھے چلی گئی۔

''تم نے بتایا نہیں۔'' وہی سرد قسم کا پُراسرار لہجہ۔ وہ اب بھی اسے دیکھے بغیر نائیلون کے پردے کو دیکھ رہی تھی۔ آج مالا نے اسے بہت غور سے دیکھنے کی کوشش آخر کر ہی لی تھی۔ یہ چہرہ آج اس کے بہت قریب تھا اور حیرت انگیز طور پر مون کے نقوش عیسیٰ سے خاصے ملتے جلتے تھے۔ یوں لگتا تھا اللہ پاک نے مون کا چہرہ اور اس کے ایک، ایک نقش کو کسی خاص قسم کے سانچے میں رکھ کے بنایا ہے۔ نفیس اور انتہائی خوب صورت خدوخال، گلِ جام جیسا چہرہ، چنبیلی جیسی رنگت، مکھن جیسی چہرے پہ پھیلی چکناہٹ وہ کنول تھی؟ گل بکاؤلی تھی؟ گوہر تاب تھی؟ یا گلگوں تھی؟ اس کے موتی جیسے چمکیلے ہاتھ، سنہری مائل سرخ بال، چیری میں دُھلے ہونٹ قدرے بھرے بھرے اور خم دار، وہ سفید پھولوں کے باغات کا سب سے حسین، شگفتہ، تروتازہ اور مغرور ترین پھول تھی۔ وہ عیسیٰ جیسی تھی مگر عیسیٰ سے انتہائی مختلف۔ بھلا اتنے حسین چہرے کو دیکھ کر کوئی خوف زدہ ہوسکتا ہے؟ کبھی حسن بھی خوف میں مبتلا کرتا ہے مگر مالا کے ساتھ یہاں آکر بڑے انوکھے واقعات پیش آرہے تھے۔ وہ اتنے حسین اور ملیح چہرے سے خوف زدہ ہوگئی تھی۔

لوگ بدصورتی سے ڈرتے ہیں۔ جلے چہرے، بیماری سے مسخ شدہ چہرے، بدصورت چہرے، بھیانک چہرے سے خوف کھاتے ہیں اور مالا ذوالفقار کتنی عجیب لڑکی تھی وہ ایک حسین چہرے سے خوف زدہ ہوگئی تھی۔ وہ مون حسیب سے ڈر گئی تھی۔ اس کے دل میں ہی نہیں اس کی آنکھوں میں بھی خوف منجمد ہوگیا۔ وہ اس کے چہرے پر سے نگاہ ہٹا ہی نہیں پائی تھی۔ علی عیسیٰ کے نقوش دیکھ کر اس سے محبت کرنے کو دل کرتا تھا اور مون کے چہرے کو دیکھ کر خوف آتا تھا، آخر ایسا کیوں تھا؟ اسے کسی مجسمے کی طرح ساکت دیکھ کر مون نے پھر سے بنا اس کی طرف دیکھے عجیب انداز میں کہا۔ وہ اسے دیکھ نہیں رہی تھی پھر بھی اس کے تاثرات ازبر کررہی تھی۔

''مجھے حفظ کرلیا ہے تو میری بات کا جواب دو۔'' مون نے سابقہ سرد کاٹ دار لہجے میں اپنی بات دُہرائی تھی۔ مالا کا پورا وجود کپکپا گیا تھا۔ اس نے ہکلاتے لہجے میں کہا۔

''فجر......فجر کی نماز۔'' اس کی ہکلاہٹ نے مون کو کچھ اور سرد کردیا تھا حالانکہ مالا اپنا خوف اس پر ظاہر کرنا نہیں چاہتی تھی مگر اس لڑکی میں مقناطیس کی سی کوئی کشش تھی۔ مالا اس کے سامنے اعتماد سے کھڑی نہیں ہوسکتی تھی۔ اس نے خود کو مون کے سامنے بے بس پایا تھا۔ یہ بے بسی کیوں تھی، وہ اتنی خوف زدہ کیوں تھی؟

''فجر کی نماز؟'' مون زیرِلب بڑبڑائی۔ ''مگر یہ فجر کی نماز کا وقت نہیں۔'' تو گویا مون نماز کے تمام اوقاتِ کار سے واقف تھی مگر یہ فجر کا وقت کیوں نہیں تھا؟ مالا نے گھڑی کی طرف دیکھا پھر اس کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔ ابھی رات کا ڈیڑھ بجا تھا تو پھر رات کے ڈیڑھ بجے سوزن کہاں گئی تھی؟ مالا تو سوزن کی غیر موجودگی کو محسوس کرکے وضو کرنے گئی تھی۔ اس نے وقت دیکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی تھی۔ سوزن کے اٹھنے کا مطلب یہ تھا شاید صبح ہوگئی۔ وہ بہت سویرے اٹھتی تھی۔ صبح صادق کے وقت...... مالا اسی وجہ سے بنا وقت دیکھے واش روم کی طرف بڑھ گئی تھی اور اب اس وقت مون بتا رہی تھی کہ فجر کا وقت ابھی دور ہے۔

''سس...سوزن کہاں ہے؟'' مالا نے اپنی تر پیشانی کو بغیر چھوئے ہکلائے سے لہجے میں کہا تھا۔ سوزن کی موجودگی میں اس کے دل کو کتنی ڈھارس تھی تبھی وہ سب کچھ بھلائے گہری نیند سوگئی تھی اور سوزن کی غیر موجودگی نے کیا ستم ڈھایا تھا، وہ صاف محسوس کرسکتی تھی۔

''شاید باہر گئی ہے۔'' اسے امید نہیں تھی کہ مون جواب دے گی مگر اس نے جواب دے دیا تھا اور اب وہ نائیلون کے پردے سے نگاہ ہٹا کر سامنے دیوار کو دیکھ رہی تھی۔ مالا نے پہلی مرتبہ اس کی آنکھوں کو دیکھا تھا۔ جانے اس کی آنکھوں کا رنگ کیا تھا؟ سبز، سرمئی، ہیزل، گھبرا ہرا مالا کو سمجھ ہی نہ آئی مگر جوں ہی مون نے نگاہوں کا زاویہ بدل کر اپنی ساحرانہ آنکھیں اس کے وہی، معصوم، کٹھے کے مانند سفید چہرے پر گاڑیں تب لمحے بھر کے لیے مالا کو لگا وہ منجمد ہوگئی ہے۔ وہ مون کی آنکھوں کی تیز لپک سے ساکت ہوگئی تھی۔ دو عجیب تر آنکھیں لمحے کے ہزارویں حصے میں مالا کے دماغ میں گھس گئی تھیں۔

''تم عیسیٰ سے محبت کرتی ہو؟'' لپکتا ہوا سوال آیا تھا مالا کا سر اثبات میں ہل گیا۔ وہ بے بس کسی مکڑی کے مانند تھی۔ جسے عجیب ترین آنکھوں والی اس لڑکی نے جالے تان کر قید کرلیا تھا۔ اب وہ ان جالوں کو پھلانگ نہیں سکتی تھی۔ ان جالوں کو ہٹا کر بھاگ نہیں سکتی تھی۔

''تم محبت کرتی ہو تو کیا ہوا؟ سوزی بھی تو عیسیٰ سے محبت کرتی ہے۔ کیا سوزی کو عیسیٰ مل گیا، نہیں ناں؟ تو پھر تمہیں کیسے مل سکتا ہے؟'' سامنے کھڑی ساحرہ

اپنا جادو پھونک رہی تھی اور مالا کسی بت کے مانند ... بے جان ہو رہی تھی۔ مکڑی کا جیسے بے جان بت، وہ مون کے انکشاف پر قطعاً دم بخود نہیں ہوئی تھی گویا مون اس سے معمول کی گفتگو کر رہی تھی۔

''سوزی کو تو ایثار کرنے کی بیماری ہے... پر مجھے ایسی کوئی بیماری نہیں۔ ایثار کرنے کی تمہیں بھی بیماری نہیں ہونی چاہیے۔'' وہ گویا اسے باور کروا رہی تھی۔ مالا کے ہونٹوں پر تالا لگ گیا تھا۔ اس کی زبان تالو سے چپک گئی تھی۔ اس کی پتلیاں ساکت نہیں تھیں مگر وہ یہ ضرور سوچنا چاہتی تھی کہ جھکی آنکھوں والی یہ ساحرہ پلکیں کیوں نہیں جھپکا رہی۔ وہ اس کے چہرے پر نگاہ گاڑ کر کیوں کھڑی ہے؟ وہ کمرے کی کسی اور چیز کو کیوں نہیں دیکھتی؟ وہ لیمپ کو دیکھ لے، فانوس دیکھ لے، وہ نائیلون کے پردے کو دیکھ لے، کرسٹل کی گڑیا دیکھ لے، دیوار میں نصب شرائیک کو دیکھ لے مگر کم از کم مالا... کو نہ دیکھے مگر مون تو بنا پلکیں جھپکائے مالا کو یک ٹک دیکھ رہی تھی۔

''میں کسی سے محبت نہیں کرتی، تمہیں بھی کسی سے محبت نہیں کرنی چاہیے۔ آخر محبت میں رکھا کیا ہے؟ جلن، کڑھن؟'' اس کے چیری جیسے ہونٹوں پر انتہائی برفیلی تہ جم رہی تھی۔ شاید اس کے لفظ برف جیسے تھے یا اس کے تاثرات برف جیسے تھے۔ مالا کچھ سمجھ نہ پائی۔

''یہ فورہانگ دیکھ رہی ہو؟'' اس نے نائیلون کے جالی دار پردے کی طرف اشارہ کیا۔ ''دیکھو، اس میں کتنے چھید ہیں، کتنے سوراخ ہیں بظاہر ڈیزائن والے خوشنما مگر چھید تو چھید ہوتا ہے خوشنما ہو یا بدنما...... میں ایسا ہی چھید چاہتی ہوں...... ایسا نہیں بلکہ اس سے بڑا چھید جو تمہیں علی عیسیٰ سے دور کردے۔ مجھے سوزی کا علی عیسیٰ اُسے واپس لوٹانا ہے۔ یہ میرا اس سے وعدہ ہے۔ میں اپنا کام ادھورا نہیں چھوڑتی۔ مجھے ادھورے کام پسند نہیں...... جس کام کو چھولوں پایۂ تکمیل تک پہنچا کر ہی سانس لیتی ہوں۔ میں وہ لوہا ہوں جس سونے کو چھولوں اسے لوہا کردیتی ہوں۔ میں وہ آگ ہوں جس آگ کو چھولوں اسے برزخ بنا دیتی ہوں اور میں وہ مٹی ہوں جس ہیرے کو چھولوں اسے زہر بنا دیتی ہوں۔'' وہ مون تھی اور کیا آگ برسا رہی تھی۔ وہ اس کے ذہن کو بواریا کی غلام گردشوں میں چکر لگوا رہی تھی۔ وہ اسے خوف و ہراس کے جنگل میں بھٹکا رہی تھی۔

''یہ میرا لانٹ (ملک) ہے، یہاں تمہاری اجارہ داری نہیں ہوسکتی۔'' وہ دھیمی آواز میں پھنکار رہی تھی۔ ''لوگ تمہیں سلیوٹ کرتے اور مبارک باد بولتے ہیں۔ تم علی عیسیٰ کو پا کر زمانہ پائے بیٹھی ہو اور وہ جو چرچ کی دیواروں سے سر ٹکرائے دیوانی پھرتی ہے، اس کی محبت کرخ کے قدیم دیواروں میں سر پٹخنے کے لیے ہے؟ وہ خدا سے عیسیٰ کو مانگتی ہے اور عیسیٰ اس کو نہیں ملتا، عیسیٰ اس کو کیوں نہیں ملتا؟ اس لیے کہ بیچ میں میرے خود غرض باپ نے تمہیں لا کھڑا کیا ہے۔ یہ کیسا اندھیر ہے، یہ کیسا ظلم ہے۔'' مون کی دھیمی آواز کسی تلوار سے مشابہ تھی۔ وہ دھیرے دھیرے اس کے دل کو کاٹ، کاٹ کر قیمہ کر رہی تھی۔ وہ مالا کے وجود کو پیروں تلے روند رہی تھی۔

''کرخ کے میناروں کا نوک دار کلس سوزی کی محبت کا گواہ ہے۔ کیسی پاک محبت کی تھی اس نے علی عیسیٰ سے اور میرا بھائی کتنا خود غرض اور ذلیل نکلا پاکستان سے گند اٹھا لایا...... آخ تھو۔'' اس نے کارپٹ پہ تھوکا نہیں تھا مگر مالا کو لگا اس کے منہ سے نکلنے والی آوازیں اور تیزابی چھینٹیں اس کے منہ پر آپڑی ہیں۔

''میں تمہیں علی عیسیٰ کی زندگی سے اکھاڑ دوں گی، یہ میرا سوزی کی محبت سے وعدہ ہے اور مون جو وعدہ کرلے پھر نبھا کر چھوڑتی ہے۔ مون اچھوں کے ساتھ اچھی اور بروں کے ساتھ بہت بری ہے۔

سوزی نے اپنا حق چھوڑ دیا، خاموش ہوگئی...... محبت پر صبر کرلیا مگر میں اسے اجاڑ اور ویران نہیں دیکھ سکتی۔ میں اس سے محبت کرتی ہوں اور اس کی خوشی کو دوسرے سے چھین بھی سکتی ہوں۔ سوزی میری مما کی خواہش تھی۔ مما نے اپنی زندگی میں عیسیٰ کا رشتہ سوزی کے ساتھ طے کردیا تھا مگر میرے پاکستانی بے وفا، خود غرض باپ نے مما کے مرتے ہی رشتہ توڑ دیا۔ آہ...... میرا بے وفا باپ، بیوی کے مرتے ہی اسے بھول گیا۔ میرا بھائی بھی تو اسی شخص کا بیٹا ہے۔ انتہا کا خود غرض۔'' آج وہ سینے کا زہر اگلنے آئی تھی۔ انکشاف در انکشاف تھے۔ مالا اب ایک مری ہوئی مکڑی کے مانند جالے سے اٹک گئی تھی مگر یہ کیا؟ ابھی اس کی کچھ سانسیں نکل رہی تھیں مگر ہر سانس کیسے گھٹ گھٹ کر آرہی تھی۔

''آہ سوزی......'' مون کسی جذب کے عالم میں بولی۔ ''اس کی الوہی عبادت اور دعا نے بھی اسے محبت سے دور کردیا مگر میں اس کی محبت لوٹا سکتی ہوں۔'' اس کا عزم اور ارادہ قابلِ دید تھا۔ پتھرائی ہوئی ہر رنگ کی جھلک دیتی آنکھیں اب سنہری گھڑی پر جم گئی تھیں پھر وہ نپے تلے قدم اٹھاتی وہاں تک گئی۔ اس کا ریشمی پھولا پھولا فراک زمین کو چھو رہا تھا۔ اس کے لمبے سلکی سرخ بال کمر پر خم کھا رہے تھے۔ اونچی پونی اسے مغرور ثابت کرتی تھی۔ کیسا غرور تھا اس لڑکی کو اپنے لہجے، اپنے ارادے پر گویا سب کچھ اپنے ہاتھ میں لیے بیٹھی تھی۔

''اس گھڑی کو دیکھو۔'' اس نے سنہری گھڑی کو ہاتھ میں لیا۔ چابی گھمائی اور دو بجاتی سوئی کو ساڑھے پانچ تک لے آئی۔ ''اگر میں اس کا وقت پیچھے کرکے تمہیں احمق ترین ثابت کرسکتی ہوں تو تمہیں علی عیسیٰ کی زندگی سے بے دخل بھی کرسکتی ہوں۔'' گھڑی کا وقت اب کیا تھا...... ساڑھے پانچ یعنی صبح صادق کا وقت۔ اب وہ ریشمی پھولے فراک کو لہراتی ونڈوز تک گئی تھی۔

اس نے کھڑکی کے دونوں پردے ہٹا دیے۔ سفید نائیلون کی جالی والا پردہ اور ریشمی سلک کا پھولدار پردہ اب وہ سلائڈ ہٹائے کھڑی تھی۔ باہر جگمگاتا سویرا تھا۔ رات ڈھل چکی تھی، صبح پھوٹ پڑی تھی۔

مالا ذوالفقار نے مالا علی عیسیٰ بننے تک کا وقت کیسا بے خبری اور بھولپن میں گزار دیا تھا۔ اس نے ایسی جادوگری اور شاطرانہ چالیں کہاں سیکھی تھیں؟ تو گویا مون حبیب نے اسے پہلے ہی مقام پر پچھاڑ دیا تھا۔ وہ اسے لفظوں کے جال میں الجھا کر بے وقوف ثابت کرچکی تھی اور مالا علی عیسیٰ، مون حبیب کی زندگی کا سب سے آسان ترین چیلنج اور مشکل ترین شکار تھی۔ اس نے چیلنج آسان سمجھ کر قبول کیا تھا حالانکہ آسان نظر آنے والی چیزیں، مقابلے اور چیلنج اتنے آسان ہوتے نہیں۔

تو گویا آج سے ایک سرد جنگ کا آغاز ہونے والا تھا۔ مالا کا ساکت وجود اور منجمد ذہن کچھ سوچ نہ پایا۔ اسے لگ رہا تھا دو عجیب ترین آنکھیں اس کے ذہن کی ہر سوچ کو اکھاڑ پچھاڑ کے چلی گئی ہیں۔ دو عجیب ترین سرد آنکھیں اس کے ذہن کی ہر سوچ کو کھنگال آئی تھیں۔ اب اس کے پاس سوچنے کے لیے کچھ نہیں بچا تھا پھر جانے کتنا وقت دبے پیر گزر گیا۔ مون چلی گئی اور سوزن آندھی طوفان کی طرح اندر آگئی۔ مالا پہلے کی طرح ساکت کھڑی تھی۔ کسی بے جان مکڑی کی طرح جالے کے ساتھ لٹک رہی تھی۔ گویا پور لگانے سے گرنے کے قریب تھی۔ سوزن بھاگتی ہوئی مالا تک آئی۔

''مالا! تم ٹھیک ہو، تمہیں کیا ہوا؟ کیا ابھی مون آئی تھی تمہارے پاس؟'' سوزن نے اسے کسی سنگی مجسمے کی طرح ساکت دیکھ کر جھنجوڑ ڈالا تھا۔ وہ بہت زرد، پریشان اور حد سے زیادہ متفکر لگ رہی تھی۔

''تمہیں کیا ہوا، بولتی کیوں نہیں؟'' سوزن مزید گھبرا گئی۔ وہ اس کے ٹھنڈے ہاتھ پکڑے کھڑی

تھی۔ سوزن کے چہرے پر اسے خاموش دیکھ کر سراسیمگی پھیل گئی تھی پھر اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال کوندے کی طرح لپکا۔

''اوہ...... تو، یہ مون تھی ناں۔'' وہ گویا لمحوں میں ساری کہانی سمجھ گئی پھر اس نے ایک خاص انداز میں مالا کو بڑے نرم لہجے میں مخاطب کیا۔

''تم کیا محسوس کرتی ہو مالا؟'' اس کے سوال کو جادو اثر بھی کہا جاسکتا ہے۔ وہ کسی ٹرانس کے عالم میں سوزن کے سوال کا خود بخود جواب دیتی گئی۔ مون کی خوف ناک باتوں سے لے کر ایک، ایک گرہ کھولتی گئی۔ جو مون نے کہا، وہ سب کسی الہامی یا خیالی کیفیت میں اس نے سوزن کے گوش گزار کردیا تھا۔ اس کی پوری بات سن کر سوزن زرد پھیکے پھول کے مانند کملا گئی۔ اس کی آنکھیں پانی کے نمکین قطروں سے بھر گئی تھیں۔ وہ افسردگی کی تہوں میں دب گئی مگر سوزن نے خود کو سنبھالنا تو تھا ہی۔ اسے امید نہیں تھی... مون اس کے لاکھ سمجھانے کے باوجود بھی یہ سب بکواس مالا سے کردے گی اور جس طرح وہ اس پر سحر پھونک کر گئی تھی سوزن کو سو فی صد یقین تھا وہ اپنا کوئی نیا تجربہ کرکے گئی ہے۔ اس نے آخرکار تمام سوچوں کو جھٹک کر مالا کی طرف رخ کیا تھا۔ اسے مالا کی ذہنی کیفیت کو بحال کرنا تھا۔

''تم اب بہت اچھا اور خود کو تروتازہ محسوس کررہی ہو مالا...... ایک دم فریش اور ہلکا پھلکا، ہے ناں؟'' سوزن کے لفظوں میں ایسی مٹھاس تھی کہ پتھر بنی مالا کے بے جان لکڑی جیسے بت میں جان پڑ گئی تھی۔ اس نے جھٹکا کھا کر پاس کھڑی متفکر سی سوزن کو دیکھا تھا۔ وہ گویا کسی خواب یا بھیانک نیند سے جاگی تھی۔

''تم ٹھیک تو ہو ناں...؟'' سوزن نے بہت محبت سے مالا کو مخاطب کیا۔ تب وہ بڑی حیران، حیران سی اسے دیکھے گئی تھی۔

''مجھے کیا ہونا تھا، میں ایک دم ٹھیک ہوں۔'' مالا نے مسکرا کر جواب دیا۔ وہ ایک دم فریش اور تروتازہ تھی مگر سوزن کے چہرے کو دیکھ کر نہیں لگتا تھا کہ وہ کچھ ٹھیک یا فریش تھی۔

''تمہیں کیا ہوا ہے؟'' مالا نے نرمی سے پوچھا۔ اتنے تھوڑے سے وقت میں سوزن اس کے بہت قریب آگئی تھی۔ مالا اس کی تکلیف یا کسی بھی پریشانی کو محسوس کرسکتی تھی۔ شاید یہی ہمدردانہ احساس، دوستی کی سیڑھی کا پہلا قدمچہ تھا۔

''آں...... ہاں، کچھ نہیں۔'' وہ گڑبڑا سی گئی۔

''تم مون کا ذکر کررہی تھیں ناں۔'' مالا کو خیال سا گزرا پھر کچھ دیر پہلے کا منظر ذہن میں روشن ہوا حالانکہ منظر روشن کہاں تھا، دھندلا، دھندلا سا تھا۔ شاید وہ اور مون اسی کمرے میں کھڑی تھیں؟ جانے مالا نے نیند میں مون کو دیکھا تھا یا وہ حقیقت میں یہاں آئی تھی؟ وہ شک میں مبتلا ہوگئی یا وہم میں پڑ گئی۔ اسے لگ رہا تھا مون اس کے حواسوں پر سوار ہوتی جارہی ہے۔ یقیناً سونے سے پہلے وہ مون کے متعلق سوچ کر سوئی تھی تبھی تو مون...... مگر مون تو یہاں موجود تھی کچھ دیر پہلے۔ وہ اس سے کیسی باتیں کررہی تھی؟ عجیب، فضول، خوف ناک بھلا عیسیٰ اور سوزن...... یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ وہ اسے دھمکیاں دے رہی تھی۔ عیسیٰ کی زندگی سے نکل جانے کا کہہ رہی تھی۔ یہ ممکن تھا کیا؟ مون پاگل تو نہیں تھی یا کوئی نفسیاتی مریضہ؟

''کس الجھن میں ہو؟'' سوزن نے دھڑکتے دل کے ساتھ مالا کو مخاطب کیا۔ وہ واقعی کسی الجھن میں تھی۔ سوزن کو بتانے لگی۔

''ابھی مون آئی تھی کچھ دیر پہلے...... یہ دیکھو گھڑی کا وقت بدل گئی۔ پہلے دو پر سوئی تھی پھر پانچ پر کرگئی۔ خیر اب تو چھ بج رہے ہیں۔'' مالا نے کچھ بے ربط سے انداز میں کہنا شروع کیا تھا۔ ''اتنی عجیب

باتیں کررہی تھی۔'' مالا کے دل میں نیزہ سا چبھا تھا۔

''تم مون کی باتوں پر توجہ مت دیا کرو، وہ تو پاگل ہے یوں سمجھو۔'' سوزن نے اسے پچکارتے ہوئے کہا۔ ''اور ہاں، مون یہاں نہیں آئی تھی، تمہیں وہم ہوا ہے۔ مون رات کو واپس انسٹی ٹیوٹ چلی گئی تھی۔'' سوزن نے نگاہ چرا کر اس کا خوف کم کرنے کی کوشش کی تھی مگر مالا کا خوف کم ہونے کے بجائے بڑھ گیا تھا۔

''نہیں، وہ ابھی یہاں آئی تھی۔ میرا وہم نہیں...... اس نے مجھ سے اتنی باتیں کیں۔'' مالا نے مضطرب لہجے میں کہا تھا۔ وہ اسے یقین دلانا چاہتی تھی کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہی مگر سمجھ نہیں آرہی تھی کہ یقین آخر دلائے کیسے؟ اور سوزن شاید یقین کرنے والی بھی نہیں تھی۔

''اچھا...... مون نے تم سے کیا کہا؟'' سوزن نے کسی خدشے کے تحت محتاط انداز میں پوچھا تھا اور اس کی توقع کے عین مطابق مالا نے بے چاری سی صورت بنالی تھی۔ اسے مون کی بکواس یکسر بھول چکی تھی حالانکہ کچھ دیر پہلے اس کے ذہن پر کچھ دھندلے، دھندلے منظر بکھر رہے تھے۔ مون کا سیاہ ریشمی زمین کو چھوتا فراک، اس کی اونچی پونی میں جڑے نگینے، سر کے عین وسط میں رکھا یاقوت اور ہیرے کا کراؤن، اس کے سرخ ریشمی بال مگر اب ذہن صاف سلیٹ کے مانند ہورہا تھا۔ ہر بوجھ اور ہر نقش سے آزاد۔ وہ قدرے خود کو ہلکا پھلکا محسوس کررہی تھی۔ پہلے والی بے چینی اور اضطراب اندر کہیں نہیں تھا۔

''تم نے بتایا نہیں؟'' سوزن نے ایک مرتبہ پھر محتاط سے انداز میں پوچھا تب مالا نے بے چارگی کے عالم میں بے ساختہ کہا تھا۔

''یار! میں بھول گئی ہوں، جانے کیا کچھ بول کے گئی ہے مگر وہ آئی ضرور تھی۔'' دوپٹے کو نماز کے اسٹائل میں سر پر لپیٹے مالا کتنی معصوم، کتنی پاکیزہ اور

مقدس لگ رہی تھی۔ سوزن کو اس لمحے مالا پر رشک آیا۔ اگر علی عیسٰی مالا کو اس کیفیت میں دیکھ لیتا تو عمر بھر کسی اور کی طرف نگاہ نہ ڈالتا۔ اسے مالا کی معصومیت، سادگی اور بھولپن پر ٹوٹ کر پیار آ گیا تھا۔

''این فاخ پوپے۔'' سوزن نے بے ساختہ اس کے گال کو چھوا تھا اور نرمی سے اس کی پیشانی کو چوم لیا۔ مالا دنگ رہ گئی تھی۔

''این فاخ پوپے۔'' یہ لفظ اب مالا کے لیے اجنبی نہیں تھے۔ تاہم سوزن کے منہ سے سن کر اسے بہت اچھے لگتے تھے۔ وہ ان کے معنی سوزن سے پوچھ سکتی تھی مگر چونکہ عیسٰی نے منع کیا تھا سو اسے خود ہی ان الفاظ کو کھوجنا تھا۔ وہ ابھی انہی الفاظ پر غور کر کے سابقہ بہت سی باتوں کو نظر انداز کر رہی تھی جب سوزن اسے نیچے آنے کا کہہ کر باہر نکل گئی تھی۔ کچھ دیر بعد مالا بھی سر جھٹکتی نیچے آ گئی تب ایک مرتبہ پھر گروسی نے اسے آواز دے کر بلایا تھا۔

''آنروف۔'' ان کی آواز اور اشارہ سمجھ کر مالا جھٹ پٹ فون تک آ گئی تھی۔ اسے یقین تھا عیسٰی کا فون ہوگا اور وہ اسے لینے کے لیے آنے والا ہوگا مگر فون کے دوسری طرف حسیب چاچو تھے جو بڑے ہی بے قرار اور مضطرب لگ رہے تھے۔

''وہ نالائق تمہیں اُدھر ہی چھوڑ کر آ گیا ہے۔ میں نے خوب کلاس لی ہے اس کی۔ صبح ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ تم تیاری پکڑو، عیسٰی کو بھیجتا ہوں اگرچہ وہ رات سے اسپتال ہی میں ہے۔'' وہ اپنی عجلت پسندی کے باعث تیز، تیز بول رہے تھے اور مالا کو عیسٰی کی مصروفیت کے متعلق بتا رہے تھے۔ کمپنی کے کچھ ورکرز ازحد زخمی تھے۔ ان کی حالت تشویش ناک تھی تو پھر بھلا عیسٰی ان کو چھوڑ کر کیسے آ سکتا تھا؟

''اور تم وہاں پریشان رہی ہوگی، گروسی تو بہت نائس ہیں جبکہ روسی (تانتے) خاصی بدمزاج ہے۔'' حسیب چاچو کی تیز گفتگو میں بھی اپنائیت کی مہک محسوس ہو رہی تھی۔ مالا کو لگا وہ اپنے ڈیڈ سے ہم کلام ہے۔ اس کا من اندر تک شانت ہو گیا تھا۔

''نہیں چاچو، میں پریشان نہیں رہی۔ یہاں سب نے میرا بہت خیال رکھا ہے۔'' مالا نے سچے دل سے حسیب چاچو کو یقین دلانا چاہا تھا پھر محتاط انداز میں آس پاس دیکھا۔ گروسی کہیں نہیں تھیں یقینا اپنے جانوروں کی سیوا کرنے چلی گئی تھیں۔

''اچھا۔'' وہ بے ساختہ خوش ہو گئے۔ ''گروسی بہت اچھی ہیں، عیسٰی سے بہت پیار کرتی ہیں اور عیسٰی کے حوالے سے تم بھی انہیں بہت پیاری ہوگی مگر وہ روسی اور سوزن؟'' وہ بولتے بولتے پھر سے اٹک گئے تھے۔ مالا کے ذہن میں ان کے اٹکنے سے جھماکا سا ہوا تھا۔ وہ لمحہ بھر کے لیے سن ہو گئی۔ یوں لگا تھا ذہن کی اسکرین پر سے کوئی دھندلا سا پردہ کھسکا ہے۔ اسے اچانک مون کی باتیں یاد آ گئی تھیں۔ جیسے پرت در پرت، تہ در تہ کوئی انکشاف سا ہوا تھا، کوئی گرہ سی کھلی تھی۔

''روسی اور سوزن۔'' یقینا انہیں عیسٰی کی خالہ اور کزن کی طرف سے کوئی خدشہ تھا۔ یہی کہ وہ شاید عیسٰی کی بیوی کو برداشت نہ کر سکیں مگر ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔ سوزن تو بہت ہی اچھی تھی جبکہ تانتے نے بھی محض رکھائی دکھانے کے علاوہ کوئی بدمزگی نہیں پھیلائی تھی مگر مون کی کہی باتیں جو اس نے ایک مرتبہ پھر مالا کے کمرے میں زبردستی گھس کر کی تھیں وہ نظر انداز نہیں کی جا سکتی تھیں۔ آخر مون نے اپنی تمام تر جلن اور کھولن باہر نکال ہی دی تھی...... تو گویا مون کی اصل ناراضی کا سبب صرف یہی تھا مگر وہ کتنی کم فہم تھی اتنی سی بات سمجھ نہیں پائی کہ مقدر کا لکھا کبھی نہ مٹ سکتا ہے نہ بدل سکتا ہے تو پھر جب عیسٰی کے ستارے سوزن کے ساتھ کبھی مل نہیں سکتے تھے پھر زبردستی یہ کیسے ملا سکتی تھی؟ مگر بعض لوگ تقدیر کے فیصلوں سے ٹکرانے کھڑے ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ تقدیر ان کا پانسہ پلٹ دیتی ہے۔ شاید مون انہی کم فہموں میں سے ایک تھی۔ اس کی سوچوں کو رکنا پڑا جب چاچو کی حلیم آواز سنائی دی۔

''میری بیٹی کے بغیر گھر بہت سونا لگ رہا ہے۔'' چاچو کی محبت نے مالا کے اندر چہار گنا...... خوشگواریت اتار دی تھی۔ اس کی آنکھیں ان کی محبت پر چمکنے لگیں۔

''چاچو میں خود بھی گھر آنا چاہتی ہوں۔'' مالا نے سرشاری کیفیت میں کہا تھا۔ چاچو کی آواز اس لمحے ڈیڈی کی آواز سے مشابہ ہو گئی تھی۔ ڈیڈی جیسی نرمی، محبت، حلاوت اس کا دل اپنے بابل کی یاد سے بھر بھر آیا مگر کمالِ ضبط سے خود پر قابو پا رہی تھی۔

''ویسے چاچو، میری یہاں مون سے بھی ملاقات ہوئی ہے۔'' ہر چند کے مون سے ملاقات کوئی خوشگوار ماحول میں نہیں ہوئی تھی پھر بھی اس نے مون کا ذکر کرنا مناسب سمجھا تھا۔ مون، چاچو کی اکلوتی بیٹی تھی اور مالا کی کزن بھی پھر اسے مون کے ساتھ کوئی پرخاش بھی نہیں تھی یہ جانتے ہوئے بھی کہ مون اسے قطعا پسند نہیں کرتی۔ مون کا ذکر مالا کے لبوں سے سن کر چاچو فطری محبت سے مغلوب ہو گئے تھے۔ مالا نے محسوس کیا جب چاچو نے بولنا شروع کیا تو ان کے لہجے میں ڈھیروں پیار اتر آیا۔

''مون تم سے ملی، اس نے کچھ کہا تو نہیں؟'' جانے وہ کیوں متجسس بلکہ خوف زدہ ہو گئے تھے۔ ان کا انداز کھوجی، سراغی قسم کا تھا۔ گویا وہ کچھ جانچنا اور پوچھ گچھ کرنا چاہتے تھے۔ کچھ ایسا جو غیر فطری یا غیر متوقع ہو سکتا تھا۔

''کچھ نہیں کہا بلکہ اچھے طریقے سے ملی تھی۔'' مالا ان کے خدشات کی تہ میں چھپا ان کے کچھ کہے چپکے سے اتر گئی تھی حالانکہ عام روٹین میں چاچو بلا کے تفریح طبع، ہنسوڑ اور فرحت مزاج تھے تاہم یہ مون کا ذکر تھا جس نے انہیں کچھ اپ سیٹ کر دیا تھا۔

''جانے مون کے حوالے سے کیسی بھول ہوئی مجھ سے۔'' وہ گویا خود سے ہم کلام تھے اور اپنے آپ کو ملامت کر رہے تھے۔ اپنی ناکردہ خطا، قصور یا لغزش پر وہ دل برداشتہ تھے۔ وہ خود کو ہی مجرم ٹھہرا رہے تھے حالانکہ ان کا بھلا قصور کیا تھا؟ ہر بچہ اپنی فطرت پہ پیدا ہوتا ہے۔ عیسٰی بھی تو انہی کا بیٹا تھا، فرمانبردار، نیک، ذہین...... اگر مون کچھ الگ یا منفرد تھی تو اس میں بھی چاچو کا قصور کہاں نکلتا تھا۔

''مون نے ایسا کیا کر دیا؟'' اس کے لبوں سے غیر ارادی طور پر پھسل گیا تھا حالانکہ یہ سوال وہ کم از کم چاچو سے نہیں کرنا چاہتی تھی مگر اب بھلا کیا ہو سکتا تھا۔ زبان سے نکلی بات پلٹ نہیں سکتی تھی۔ ویسے بھی اس نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے غیر ارادی طور پر یہ بات کہی تھی۔

''آں......'' وہ کسی گہری سوچ میں گم ہو گئے تھے۔ جانے کیا سوچنے لگ گئے تھے یا انہیں مون کی شخصیت کے بارے میں بات کرنا کچھ مشکل لگ رہا تھا۔

''وہ بہت مختلف ہے بیٹا...... شاید عام لوگوں سے بہت ہی مختلف۔'' یقینا وہ اس سے اچھی کوئی اور وضاحت اپنی بیٹی کے لیے نہیں دے سکتے تھے جبکہ مالا ان کی بیٹی کے لیے بہت اچھی اور بہت جامع وضاحت محض چند الفاظ میں بیان کر سکتی تھی اور شاید وہ مون کی ہر بات کو نظر انداز بھی کر دیتی مگر جو وہ مالا کو اچانک ہراساں کرنے بنا اجازت کمرے میں گھس آئی تھی۔ ان باتوں کو سوچ کر مالا کے اندر گرہ سی پڑ گئی تھی۔ دراصل مون کے غیر اخلاقی اقدام نے مالا کے اندر حد درجہ خوف و ہراس بھر دیا تھا۔ جانے مون کے مقاصد کیا ہیں؟ تاہم مالا اتنا جان پائی تھی کہ مون اسے خوف زدہ کرنا چاہتی تھی اور اس نے مون کی شخصیت کی تشریح یک طرفہ انداز میں کچھ اس طرح سے کی تھی۔

''چاچو! آپ کی بیٹی تو ساحرہ ہے اللہ کی قسم!

بولتی ہے تو سحر پھونک دیتی ہے۔'' اس کے نرم الفاظ نے دوسری طرف چاچو کے وجود پر کیسا بارود گرایا تھا یہ محض آنکھوں سے دیکھا جاسکتا تھا۔ وہ کسی کٹے ہوئے شہتیر کے مانند ڈھے گئے تھے جبکہ مالا.... بے چاری ناسمجھی کے عالم میں ہیلو، ہیلو کرتی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

لائن شاید ڈراپ ہوگئی تھی۔ مالا نے بے دلی سے فون رکھ دیا اور پلٹ کر کیوخ کی طرف بڑھ آئی مگر کیوخ کی خاموشی اور کھٹ پٹ کی نہ آنے والی آوازیں بتارہی تھیں کہ سوزن یہاں نہیں۔ میز پر ناشتے کا سامان رکھا تھا۔ اناناس کی فلاشے رس سے بھری تھی۔ ایک پلیٹ میں ہیرنے کے قتلے کٹے ہوئے پڑے تھے۔ انڈے اور سلائس بھی تھے۔ مالا نے اناناس کا بس رس پیا تھا حالانکہ سبز لوبیے کا سالن بھی موجود تھا اور میدے کا پراٹھا بھی۔ سوزن نے ہمیشہ کی طرح ناشتے پر خاصا اہتمام کیا تھا۔ وہ جوس پی کر سوچ رہی تھی کہ عیسٰی کو فون کرے۔ اسی اثنا میں سوزن چلی آئی۔

''گرس گوٹ۔'' اس نے بوا ریا کا مخصوص سلام پیش کیا تھا... جیسے انگریزی کا گڈ مارننگ اور اردو کا صبح بخیر۔ سوزن کے ساتھ اتنے مختصر وقت میں مالا نے بہت کچھ نہ سہی تھوڑا بہت سیکھ لیا تھا۔ جیسے کوئی فون کے لیے بلاتا تو وہ سمجھ کے فوراً آجاتی۔ جیسے گرس گوٹ یعنی پورے دن کی سلامتی کے لیے دعا۔ عیسٰی نے کہا تھا وہ لوگوں کے لفظوں اور باتوں کی طرف توجہ دیا کرے تاکہ اسے لفظ سمجھنے میں آسانی ہو۔ کوئی بھی زبان مشکل... نہیں ہوتی اگر اسے سمجھ لیا جائے تو اور یہ علی عیسٰی کی خاص ہدایت تھی پھر مالا اسے کیسے نظر انداز کردیتی۔

ادھر سوزن اسے مسکراتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اب گرس گوٹ کے جواب میں جانے کیا بولتے تھے؟ مالا کو کچھ سمجھ نہ آیا تو اس نے بڑے جذب کے ساتھ ''وعلیکم السلام'' بول کر سوزن کی سلامتی کو لوٹا دیا۔ مالا کے اس انداز پر سوزن کی مسکراہٹ اور گہری ہوگئی تھی پھر اس نے اسٹول کھینچ کر مالا کی طرف کیا۔ اب وہ اپنی سوتی روک سمیٹ کر مالا کے قریب بیٹھ گئی تھی اور مالا اسے اتنے قریب سے دیکھ کر سوچ رہی تھی۔

''بھلا علی عیسٰی نے سوزن پر اسے کیوں ترجیح دی؟ کیا خوب صورتی کی بنا پر مگر عیسٰی نے تو مالا کو دیکھا ہی نہیں تھا تو پھر آخر کیا وجہ تھی؟ شاید چاچو کی محبت یا اصرار؟ ہاں، شاید یہی ٹھوس وجہ ہوسکتی تھی مگر جو بھی تھا مالا اس انداز میں سوچ کر بھی سوزن سے حسد محسوس نہیں کرتی تھی اور نہ ہی اسے علی عیسٰی کے اپنے ساتھ رشتے پر مان جانے کی کسی بھی خاص وجہ کو جاننے کے متعلق تجسس تھا۔ گویا وہ علی عیسٰی کو پاکر ہی سرشار تھی۔ وہ اسے کیوں ملا، کیسے ملا اور یہ شادی کس طرح ہوئی؟ مالا کو یہ جاننے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس کے لیے اہم یہ تھا کہ علی عیسٰی سفید پھولوں کی مالا سے بے انتہا محبت کرتا ہے اور جب وہ اس سے محبت کرتا تھا تو باقی چیزیں قطعاً فضول اور بے معنی تھیں۔ مالا کے لیے یہی احساس پوری زیست کا سرمایہ تھا۔ مون کیا چاہتی تھی؟ تانتے اور سوزن کی کیا خواہش تھی؟ یہ پوری کہانی مالا کے یہاں آنے سے پہلے کی تھی اور مالا کو ماضی کریدنے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس کے چہرے پر پھیلے اتار چڑھاؤ کو ملاحظہ کرکے سوزن نے اسے سوچوں کے گرداب سے باہر نکالا۔

''عیسٰی کا فون آیا تھا، وہ آج بھی نہیں آسکے گا۔'' سوزن کے الفاظ نے مالا کی رنگت پل بھر میں زرد کردی تھی۔ اس کی سانس رک سی گئی چونکہ سوزن اس کے بہت قریب بیٹھی تھی اور مالا کا چہرہ بھی کھلی کتاب جیسا تھا سو وہ اس کے تاثرات کا فوراً جائزہ لے کر نرمی سے بولی۔

''گھبراؤ مت، عیسٰی نے مجھے کہا ہے کہ میں

تمہیں اسٹیشن تک چھوڑ آؤں۔ وہ تمہیں آگے سے پک کرلے گا۔ وہ بہت پریشان ہے اور انکل بھی تمہارے لیے اداس ہیں۔ میں نے آفاق کو بلایا ہے اگر اس کی کلاس نہ ہوتی تو تمہیں من ہائیم چھوڑ آئے گا۔ اگرچہ عیسٰی کو یہ پسند نہیں مگر میں چاہتی ہوں تم اکیلے سفر نہ کرو۔ آفاق بہت اچھا لڑکا ہے۔ پاکستانی ہے، یہاں جاب کرنے آیا ہے آج کل ڈچ سیکھ رہا ہے اُدھر انسٹی ٹیوٹ میں۔ آفاق کے ساتھ جانے میں دشواری نہیں ہوگی۔ وہ تمہاری بات سمجھے گا اور تم اس کی ہم وطن ہونا پردیس میں ایک نعمت ہے۔'' سوزن نے سابقہ نرمی اور حلاوت سے کہا تھا۔ مالا جہاں اپنے واپس جانے کا بہت خوش ہوکر پروگرام سن رہی تھی وہیں آفاق کے نام پر ٹھٹک گئی۔ اس پوری گفتگو کے دوران اسے صرف ایک بات چونکا گئی تھی۔ ''اگرچہ عیسٰی کو یہ پسند نہیں۔'' عیسٰی کو کیا پسند نہیں؟ آفاق کے ساتھ جانا یا پھر کسی کے ساتھ بھی سفر کرنا؟ اس نے کہا تھا وہ اکیلی چلی آئے۔ عیسٰی آگے سے پک کرلے گا تو پھر کسی بھی آفاق کے ساتھ جانا بیکار اور فضول تھا جبکہ سوزن آفاق کی تعریف میں رطب اللسان تھی۔ وہ شاید اس کا تذبذب سمجھ چکی تھی۔

''آفاق بہت شریف جوان ہے۔ بہت نیک اور ایمان دار ہے۔ پہلے ہمارے گھر میں ہی رہتا تھا۔ اب اِدھر قریب ہی ایک گھر کرایے پر لیا ہے اس نے۔ آفاق کے ساتھ جانے میں کوئی پرابلم نہیں، میں عیسٰی کو بتادوں گی ویسے وہ بھی آفاق کو جانتا ہے۔ تم یہاں اجنبی ہو، ڈچ سے ناواقف ہو میرا نہیں خیال کہ اکیلے سفر کرپاؤ گی۔'' سوزن بلاشبہ بہت ہمدرد اور احساس کرنے والی لڑکی تھی۔ اسے مالا کی پریشانی کا خیال تھا مگر مالا، سوزن کی بات بھلا کیسے مان لیتی جب عیسٰی نے کہا تھا وہ اکیلی آجائے۔ اگر وہ چاہتا تو کہہ دیتا کہ کوئی اسے چھوڑ جائے۔ وہ کتنی پریشان اور تذبذب کا شکار ہو چلی تھی۔ سوزن کچھ دیر کے لیے چپ سی ہوگئی پھر اندر سے اپنا موبائل اٹھالائی۔ اس نے عیسٰی کا نمبر ملا کر پہلے پندرہ منٹ عیسٰی سے خود بات کی شاید اسے سمجھاتی رہی تھی کہ مالا اس ملک میں اجنبی ہے اور اکیلے سفر نہیں کرسکتی پھر کافی لمبی گفتگو کے بعد اس نے موبائل مالا کو پکڑا دیا تھا۔ مالا نے سیل فون کان سے لگایا تو عیسٰی کی متفکر آواز سنائی دی۔

''مالا! میں خود تمہیں لینے آجاتا مگر بورٹ (ارکان کمیٹی) کے دو لوگ مرچکے ہیں۔ یہاں خاصا لمبا چوڑا کام ہے۔ حادثے کے باعث ایک دو کی مزید حالت تشویش ناک ہے۔ پاپا کو ڈاکٹر نے ڈرائیونگ سے منع کررکھا ہے ورنہ وہ خود تمہیں لینے پہنچ جاتے۔ میں نے بہ مشکل روک رکھا ہے انہیں۔ سوزن تمہیں اسٹیشن تک چھوڑ جائے گی، تم آفاق کے ساتھ آجانا۔ بہت اچھا لڑکا ہے تم ڈچ سے ناواقف ہو راستے میں پریشانی ہوسکتی ہے۔ دھیان سے آنا، اپنا خیال تم اچھی طرح رکھ سکتی ہو۔'' وہ عجلت میں مگر محتاط سا بول رہا تھا۔ اس کے آخری الفاظ میں ایک پوشیدہ سی تنبیہہ تھی۔ اس تنبیہہ کو مالا اچھی طرح سمجھ چکی تھی۔ وہ نہ بھی کہتا تب بھی مالا اپنا خیال بہت اچھی طرح سے رکھ سکتی تھی۔ اپنا وقار، نسوانی پندار، عزت اور آبرو کی حفاظت کرنا اسے خوب آتا تھا۔ ایک یہی تو خاص تربیت تھی جسے اِن کی مشرقی مائیں گھٹی میں پلادیتی تھیں۔ فون بند ہوگیا تھا اور شاید فیصلہ بھی ہوچکا تھا۔ اسے سوزن کی بات اب ماننی ہی تھی کیونکہ عیسٰی نے آفاق کے ساتھ چلے آنے کی اجازت دے دی تھی سو مالا کو اب اپنی چیزیں سمیٹنا تھیں جو تقریباً پہلے سے ہی سمٹی رکھی تھیں پھر بھی تھوڑی بہت پیکنگ سوزن نے کروادی تھی پھر مالا، گردی سے ملنے ان کے جانوروں والے باڑے میں پہنچ گئی۔ یہاں گوبر کے بھبکوں نے اس کا استقبال کیا تھا۔ تانتے مشین میں

چارہ کاٹ رہی تھی۔ ایک سخت دل، روکھے مزاج کی محنت کش عورت۔ اس نے پہلی مرتبہ تانتے کو کام کرتے دیکھا تھا۔ تانتے گھر میں کم کم نظر آتی تھی یقیناً اس کا زیادہ وقت باڑے میں گزرتا تھا۔ یہاں پنیر اور تازہ دودھ کی باس تھی۔ گروسی اور تانتے اسے دیکھ کر کام چھوڑ کر حیران کھڑی تھیں پھر تانتے تو نہیں البتہ گروسی اس کے قریب آ گئیں۔ انہوں نے اپنے کھردرے سفید ہاتھ کو اس کے سر پر رکھا تھا پھر گویا آنکھوں ہی آنکھوں میں پوچھا۔

''کیا ہوا تو ختر (بیٹی)؟'' گروسی کی سبز گدلی بہت کشادہ آنکھوں میں سوال تھا تب مالا کو سمجھ نہ آئی کہ وہ انہیں کیسے بتائے، وہ جارہی ہے اور ان سے ملنے کے لیے آئی ہے۔ اس کی مشکل سوزن نے آسان کردی۔ وہ اس کے پیچھے ہی چلی آئی تھی یقیناً سوزن جان گئی تھی مالا، گروسی سے ملنے باڑے تک گئی ہوگی۔ گروسی نے سوزن کی بات سن کر کچھ کہا تھا شاید یہی کہ وہ کچھ اور دن ان کے پاس رک جائے۔ گروسی کی محبت پر مالا کو کوئی شک نہیں تھا تاہم اتنا وہ جانتی تھی کہ تانتے اس کے جانے کا سن کر بہت خوش ہوگی۔ سوزن کی بات سن کر تانتے نے مشین کا ہینڈل گھما کر اندر کی طرف رخ کرلیا تھا۔ مشین خود بخود چارہ کاٹ رہی تھی اور تانتے کا یوں مالا کو دیکھ کر اندر چلے جانا اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ کیا وہ تانتے کو اتنی ہی بری لگتی تھی کہ ملنا تو دور اس نے دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔ مالا کا کانچ سا دل ٹوٹ ہی گیا۔ اب اگر عیسیٰ نے سوزن سے شادی نہیں کی تھی تو اس میں بھلا مالا کا کیا قصور تھا؟ گروسی سے مل کر اور ان کی دعائیں سمیٹ کر جوں ہی وہ پلٹی تب تک تانتے دوبارہ باڑے تک آ گئی تھی۔ سوزن نے اشارے سے مالا کو رک جانے کا کہا تھا۔ اب وہ حیران نظروں سے تانتے کو دیکھ رہی تھی جس نے ہاتھ میں ایک شون روک پکڑ رکھی تھی۔ پھول دار سی خوب صورت اسکرٹ جس پر دھاگے کا کام تھا پھر تانتے نے اس کی حیرانی سے پھٹی پڑتی آنکھوں کو دیکھے بغیر ایک انتہائی نفیس آرمبانٹ مالا کی کلائی میں پہنا دیا تھا۔ اگرچہ آرمبانٹ (بریسلٹ) نقلی نگینوں سے سجا تھا مگر انتہائی خوب صورت اور نفیس تھا۔ یہ تانتے اور گروسی کی طرف سے تحفے تھے۔ مالا کی خوشی کے مارے آنکھیں بھر آئیں۔ اسی روکھے مزاج والی... بداخلاق تانتے نے گروسی کے انداز میں مالا کو پیار کرکے اچھی قسمت کے لیے دعا دی تھی۔

''فیل گلوک۔'' تانتے نے سابقہ انداز میں کہا تھا پھر واپس باڑے کی طرف چلی گئی۔ گروسی اسے باہر تک چھوڑنے آئی تھیں۔ سچ تو یہ تھا کہ وہ... گروسی اور سوزن کی محبت سمیٹ کر اور تانتے اور موں کو سمجھے بغیر واپس جانے والے راستوں پر رواں دواں تھی۔ سوزن اس کے ہمراہ آئی تھی۔ اب وہ جنگلی پھولوں کی باڑ پھلانگ کر ایک ہاؤس فراؤ کے گھر کے پاس پہنچ چکی تھیں۔ وہیں سوزن نے آفاق کو آواز دے کر باہر بلایا تھا۔ کچھ دیر بعد ایک ہینڈسم جوان خوب تیار شیار ہوکر ہنستا مسکراتا باہر آیا تھا۔ اس نے خوب رگڑ رگڑ کر شیو کر رکھی تھی۔ گورا چٹا، کالی آنکھیں، کالے بال...... شکل سے ہی مالا کا ہم وطن لگ رہا تھا۔ آتے ساتھ بڑا گرم جوشی بھرا اسلام کیا۔ حال احوال پوچھا اور محض پندرہ منٹ کے اندر اندر لاہور سے لے کر یہاں تک کا سفر نامہ سناڈالا۔ انتہا کا باتونی یہ لڑکا آفاق تھا۔ اس کا تعلق بھی لاہور سے تھا۔ پانچ بہنوں کا اکلوتا بھائی، مستقبل سنوارنے کی خواہش لیے جرمنی آیا تھا۔ اپنی ماں اور بہنوں سے بہت محبت کرتا تھا۔ اسے بہنوں کی شادیاں کرنا تھیں، ماں کو حج کروانا تھا اور دادی کو سونے کے کنگن بنوا کر دینے تھے۔ اس کے علاوہ آفاق پر اپنے دو بہنوئیوں کو جرمنی لے کر آنے کی ذمے داری بھی تھی اور ایک بہنوئی کو کاروبار سیٹ کرکے دینا تھا۔ اس کی اکیلی جان بے شمار سیاپوں

میں پھنسی ہوئی تھی اور پھر بھی فی الحال کوئی اس سے خوش نہ تھا۔ وہ پچھلے آٹھ ماہ سے جرمنی میں تھا۔ سوزن کے اسٹور میں کام کرتا تھا ساتھ ساتھ یہاں کی زبان بھی سیکھ رہا تھا۔ یہ تمام گفتگو ٹھیٹھ پنجابی میں آفاق نے مالا کے گوش گزار کی تھی۔ وہ مالا کی توقع سے بھی زیادہ ہنس مکھ اور زندہ دل تھا۔ اس کی چلتی زبان کے جوہر دیکھ کر سوزن نے برجستہ کہا۔

''اہلِ بواریا کی زندہ دلی آفاق کے اندر بدرجہ اتم موجود ہے۔'' سوزن کے کمنٹس آفاق کو مسکرانے پر مجبور کر گئے۔ وہ اب مالا کو بتا رہا تھا۔

''آہ، بواریا کا حسن......تم ساری دنیا بھی دیکھ لو تب بھی بواریا کے حسن کا سحر ایسا نہیں جس سے خود کو آزاد کر پاؤ گی۔'' وہ دور تک پھیلی ہریالی کو دیکھتا، سبزے، پھولوں، پہاڑوں، چشموں، جھیلوں کی داستان سنا رہا تھا۔ جو آس پاس بکھرے پڑے تھے۔ یہاں سفید مرغابیاں بھی کثرت سے پائی جاتی تھیں۔ اس وقت سورج پگھل رہا تھا۔ ہر چیز روشن اور چمک دار تھی۔ وہ لوگ اسٹیشن تک ایک منی بس کے ذریعے آئے۔ مالا ایک گاؤں میں عالیشان سا چمکتا دمکتا اسٹیشن دیکھ کر دنگ رہ گئی تھی۔ انتہائی صاف شفاف، ایک طرف بڑے... بڑے ڈیپارٹمنٹ اسٹورز تھے۔ جس روڈ پر بس رکی تھی وہاں پیٹرول پمپ اور سی این جی اسٹیشن بھی تھا۔ دو تین ہوٹلز اور گیسٹ ہاؤسز بھی تھے۔ یہ ایک چھوٹے سے معمولی گاؤں کی ترقی کا حال تھا۔ مالا کی آنکھیں جانے کیا کچھ دیکھ کر حیران ہوتیں۔ تبھی ایک ٹرین کے آنے کی وسل ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد ٹرین قریب آ گئی۔ مسافر سوار ہونے لگے تھے۔ مالا نے دھندلی آنکھوں سے سوزن کی طرف دیکھا تھا۔ وہ اپنی زندگی کا ایک اور خوب صورت انتہائی یادگار تھوڑا سا وقت یہاں گزار کر واپس جارہی تھی۔ وہ سوزن کو کبھی بھلا نہیں سکتی تھی۔ اس کی محبت، ایثار اور پیار کا کوئی مول نہیں تھا۔ مالا نے فرطِ محبت سے اسے گلے لگایا تھا جواباً سوزن نے بھی اسی گرم جوشی کا مظاہرہ کیا تھا۔

''میں آج کل خاصی غریب ہوں، تمہیں کوئی تحفہ نہیں دے سکی... مگر تحفہ تمہارا ادھار رہا۔'' اس کے گال پر بوسہ دے کر سوزن نے سرگوشی کی تھی۔ تب مالا اسے منع کرنا چاہتی تھی مگر اچانک وسل سنائی دی۔ آفاق نے چیخ کر اسے بلایا اور مالا عجلت میں ہاتھ ہلاتی ٹرین میں سوار ہوگئی۔ اس کی آنکھیں سیٹ پر بیٹھنے کے بعد بھیگ رہی تھیں۔ وہ سوزن کی محبت کو کبھی بھلا نہیں سکتی تھی۔ وہ سوزن کے ساتھ گزارے وقت میں اس قدر محو تھی کہ اپنے ساتھ آئے آفاق کو بھی بھول چکی تھی۔

''جس دن میں بواریا چھوڑوں گا، مجھے بھی ایسا ہی دکھ ہوگا۔'' آفاق نے اس کی افسردگی محسوس کرکے آہستگی سے کہا۔ ''یہ بواریا......یہ ہے ہی ایسا۔ اپنے سحر میں جکڑ لیتا ہے۔ بندے کو اپنی طرف مقناطیس کی طرح کھینچتا ہے۔ یہاں کے لوگ بہت سادہ طبیعت، ہمدرد، مخلص اور مذہبی ہیں۔ میں نے اہلِ مغرب میں اس علاقے جیسے لوگ کہیں نہیں دیکھے۔ لگتا ہے، یہاں افسانوی کردار بستے ہیں۔'' وہ باتونی لڑکا بالآخر سوں، سوں کرتی مالا کو اپنی طرف متوجہ کر ہی چکا تھا۔ مالا نے اس کی بات سے...... بے خیالی میں اتفاق کرلیا۔

''میں یہاں بس ایک مہینے تک ہوں پھر من ہائیم میں جاب ڈھونڈوں گا۔'' وہ بولے جانے کے خبط میں مبتلا تھا۔ جواب نہ پاکر بھی بولے چلا جاتا تھا۔ اسے خاموش رہنا گویا پسند نہیں تھا۔

''عیسیٰ بہت اچھا ہے، اس نے میری بہت مدد کی تھی۔ یقیناً میرا کورس مکمل ہونے کے بعد جاب بھی ڈھونڈ دے گا۔'' وہ اب عیسیٰ کی تعریفوں میں رطب اللسان تھا اور عیسیٰ کی تعریف ایک ایسا موضوع تھا جو مالا کو اندر تک سرشار کردیتا تھا۔ وہ گویا جی جان سے

آفاق کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔ اسے عیسٰی کے بارے میں کسی سے بھی کچھ سننا بے حد پسند تھا۔

"میرا انسٹی ٹیوٹ میں مون نے فری ایڈمیشن کروایا تھا۔ یہ لوگ بہت اچھے ہیں۔ ہمدرد اور مخلص خصوصاً ان لوگوں میں سب سے زیادہ سوزن انتہائی مخلص اور ایثار کرنے والی لڑکی ہے کاش کہ وہ عیسائی نہ ہوتی۔" بولتے بولتے اچانک وہ ایک دم رک گیا تھا۔ زیادہ بولنے کا ایک یہی نقصان ہوتا ہے جو کچھ زبان بول دیتی ہے وہ پھر واپس نہیں پلٹ سکتا۔ وہ بھی قدرے خاموش اور شرمندہ ہوگیا تھا مگر مالا نے گویا اس کی بات پکڑلی تھی یعنی انسانی فطری تجسس...... حالانکہ وہ اجنبی لوگوں سے زیادہ تو کیا کم بھی بے تکلف نہیں ہوتی تھی اور اس نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ وہ آفاق سے بالکل بات نہیں کرے گی مگر یہ آفاق کی سادگی، خلوص یا اپنائیت بھرا انداز تھا جو مالا کو رکھائی دکھانے سے روک رہا تھا۔ وہ چاہ کر بھی... بداخلاقی نہیں دکھا سکی تھی اور نہ ہی آفاق سے بدتمیزی کر سکتی تھی۔ بلاشبہ وہ ایک تمیزدار، بااخلاق اور شائستہ اطوار لڑکا تھا۔

"وہ عیسائی نہ ہوتی تو؟" مالا نے اس تمام گفتگو میں ایک جملہ بالآخر پکڑ ہی لیا تھا۔ آفاق ایک دم جھینپ سا گیا تھا پھر شاید بات بنا کر بولا تھا۔ یقیناً گفتگو کو کسی بھی موڑ سے اپنے حق میں کرنے کا ہنر اسے آتا تھا۔ مالا سراہے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

"سوزی بہت اچھی لڑکی ہے۔ کسی بھی انسان کا آئیڈیل، ویسے میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ اگر وہ عیسائی نہ ہوتی تب بھی عیسائی ہی ہوتی، اپنے مذہب پر جان دیتی ہے۔ میں نے بہت کم مغربی لڑکیاں سوزی کی طرح، سوزی کے مزاج والی، سوزی جیسے کردار والی دیکھی ہیں۔" آفاق یقیناً سچ بول رہا تھا۔ سوزی ایسی ہی تھی، قابلِ تعریف، محبت کرنے والی، ایثار لوٹانے والی۔ کچھ دیر بعد آفاق پھر سے سوزی کے متعلق گفتگو کو بڑھا رہا تھا۔

"مجھے سوزی کے ہم سفر پر رشک آتا ہے یقیناً وہ خوش قسمت انسان ہوگا جسے سوزی پسند کرے گی۔" آفاق کے لہجے میں حسرت سی در آئی تھی۔ مالا ایک مرتبہ پھر سے ٹھٹکی بھلا اس حسرت آمیز لہجے کا مفہوم کیا تھا۔

"سوزی بھی میری طرح سیلز گرل ہے یعنی میں سیلز بوائے، وہ سیلز گرل۔ یہ جاب بڑی مشکل سے مجھے ملی ہے ویسے میں کبھی کبھی حیران ہوتا ہوں بلکہ مجھے رشک آتا ہے۔" اس نے اپنا کندھے پر لٹکایا لیدر کا بیگ کھول کر اس کے اندر تانکا جھانکی شروع کردی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک چپس کا پیکٹ کھول کر مالا کی طرف بڑھانے لگا۔ مالا جھجک سی گئی تھی اس نے چپس کا پیکٹ نہیں پکڑا تھا۔

"شکریہ، میرا موڈ نہیں ہے۔" اس نے انکار کردیا۔ آفاق نے زیادہ اصرار بھی نہیں کیا تھا۔ وہ پہلے جیسی بے تکلفی کے ساتھ مسلسل بول رہا تھا اور برابر چپس کھائے جا رہا تھا۔

"تم نے پوچھا نہیں، مجھے رشک کس پر آتا ہے؟" اب وہ مالا کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ جس کی مسلسل خاموشی شاید آفاق کے لیے اچنبھے کا باعث تھی۔

"کس پر رشک آتا ہے؟" مالا نے میکانکی انداز میں پوچھا تھا۔ دراصل وہ زیادہ بولنے کی عادی نہیں تھی اور اسے آفاق کا بلا تکان بولنا بھی گراں گزر رہا تھا۔

"علی عیسٰی پر۔" آفاق نے لمحوں میں چپس کا پیکٹ خالی کرکے گول مول سا گولا بنایا اور اسے ایک چھوٹی کورپ (ڈسٹ بن) میں اچھال دیا۔ شاید وہ اسی لیے ایک کنڈے میں لٹکائی گئی تھی۔

"اچھا!" مالا کی دلچسپی دیدنی تھی۔ "بھلا وہ کیوں؟" اب وہ حیرانی سے بول رہی تھی۔

"وہ اس لیے کہ علی عیسٰی بہت اچھا ہے، بہت

امیر ہے۔ اس نے کچھ بھی محنت سے نہیں بنایا۔ اسے سب بنا بنایا ملا ہے۔ اس کے علاوہ وہ ایک ہمدرد دل رکھتا ہے۔" آفاق کی کچھ باتیں مالا کو اچھی اور کچھ بری لگی تھیں۔ وہ چپ ہوا تو مالا بولی۔

"اس کے باپ نے تو بہت محنت کی ہے ناں اور اسی بزنس کو عیسٰی نے مزید وسعت دی ہے۔ ہمارے پچھلے، اگلوں کے لیے کچھ نہیں کرتے، اسی لیے پیچھے رہ گئے ہیں۔" مالا نے بے ساختہ جواب دیا تھا اسے آفاق کی بات بھائی نہیں تھی۔

"ہاں، یہ تو میں بھی کہتا ہوں۔ ویسے حسیب انکل جیسا انسان بھی کوئی نہیں...... مگر مون کی خودسری نے انہیں بیمار کر ڈالا ہے۔ تم جانتی ہوگی وہ ہارٹ پیشنٹ ہیں۔ انہیں دوسرا اٹیک تمہاری شادی سے کوئی ایک مہینہ پہلے ہوا تھا۔ تبھی تو انہوں نے عیسٰی کی جھٹ پٹ شادی کردی تھی۔" آفاق اپنی رو میں بولتا جا رہا تھا اور مالا کی گویا سانس سینے میں اٹک گئی۔

"کیا چاچو اتنے سخت بیمار تھے؟" مالا کو اس انکشاف نے حیران کر ڈالا تھا۔ وہ اندر تک آزردہ ہوگئی۔

"بیمار تھے نہیں، بیمار ہیں۔" آفاق نے اپنی بات پر زور دے کر کہا تھا پھر مالا کی نم آنکھوں اور ڈھیروں رنجیدگی کو محسوس کرکے قدرے گڑبڑا گیا۔

"ارے...... اب تو وہ بالکل ٹھیک ہیں۔" آفاق کو سمجھ نہ آئی کہ اسے تسلی کیسے دے۔ مالا کی آنکھیں ٹپ ٹپ برسنے لگی تھیں۔ اسے اب پتا چلا تھا کیوں چاچو نے آناً فاناً عیسٰی کی شادی اس کے ساتھ کردی تھی۔ یقیناً وہ اپنی زندگی سے مایوس ہو چلے تھے۔

"ویسے عیسٰی کی جلدی شادی کا موجب یہی تھا۔ وہ تو پہلے مون کی شادی کرنا چاہتے تھے مگر وہ مانی نہیں۔" آفاق ان کی فیملی کو اتنے قریب سے جانتا تھا۔ یہ مالا کو پہلے نہیں پتا چل سکا تھا۔ وہ تو ان کے گھر کی بہت پرسنل باتوں کو بھی جانتا تھا تو پھر وہ مون کے متعلق بھی جانتا ہوگا۔ عیسٰی اور سوزن کے نام نہاد رشتے کو بھی جانتا ہوگا اور مون کی ساحری، جادوگری کے فن سے بھی واقف ہوگا۔ مالا اچنبھے سے آفاق کو دیکھے جا رہی تھی۔ وہ اس سے کچھ پوچھنے اور نہ پوچھنے کی کشمکش میں مبتلا تھی اسی اثنا میں بارش گارڈ ٹکٹ فروخت کرنے آگیا۔ اس غریب بے تکلف لڑکے نے فوراً دو ٹکٹ خرید لیے تھے۔ اب ٹرین گلابوں کے نگر سے گزر رہی تھی۔ وسیع پھولوں سے سجے فیلڈ تا حدِ نگاہ پھولوں کی رنگ برنگی قوسِ قزح پھیلی تھی۔ ایسا مہکیلا، جان فزا منظر تھا کہ کچھ پل کے لیے آفاق بھی بولنا بھول گیا تھا حالانکہ وہ ایک منٹ بھی چپ رہنے والا نہیں تھا اِدھر مالا پھولوں کی مالاؤں پر نگاہ جمائے آفاق سے کچھ پوچھنے کے لیے لفظوں کو توڑ مروڑ رہی تھی۔ دراصل اسے گفتگو کی ابتدا کے لیے کوئی مناسب الفاظ نہیں مل رہے تھے۔ بھلا وہ کیسے اتنی اہم بات انجان لڑکے سے پوچھ لیتی۔ ویسے بھی جس طرح مون نے دو دفعہ مالا کو اچانک ہراساں کیا تھا اس بات سے بھی ناواقف تھے اور سوزن تو مانتی ہی نہیں تھی کہ مون ان کے گھر اچانک آئی تھی بلکہ گھر نہیں، مالا کے کمرے میں...... سوزن کا خیال تھا مون اس کے کمرے میں نہیں آئی جبکہ مالا کو پورا یقین تھا وہ اسے پہلی شب کی طرح ہراساں کرکے گئی ہے۔ اب جانے آفاق کو بتانا مناسب تھا یا نہیں۔ وہ اسی کشمکش میں مبتلا بات بدل کر بولی تھی۔

"کیا تم جانتے ہو کبھی عیسٰی اور سوزن کا رشتہ یا منگنی وغیرہ ہوچکی ہے؟" مالا نے حتی المقدور لہجے کو سرسری بنایا تھا تاکہ آفاق کو شک بھی نہ گزرے۔

"آں......" آفاق پھولوں کے حسن سے نگاہ چرا کر فوراً چونکا۔ "منگنی......" اسے بھی اچنبھا ہوا۔ وہ دائیں بائیں سر نفی میں ہلا کر ایک مرتبہ پھر اپنا لیدر کا بیگ کھولنے لگا تھا۔ اب کے اس نے جوس کا ٹن نکالا تھا۔ پہلے مالا کی طرف بڑھایا پھر کچھ سوچ کر فوراً

بولا۔ ”یقیناً تمہارا موڈ نہیں ہوگا۔“ وہ گویا پورے وثوق سے کہہ رہا تھا جیسے مالا فوراً انکار ہی تو کرنے والی تھی۔ مالا کو اس سے ایسی صاف گوئی کی امید نہیں تھی۔ تبھی جوس کاٹن پکڑ کر بولی۔

”میرا حلق خشک ہو رہا ہے۔“ اس کی حیرت سے باہر نکلی آنکھوں میں دیکھے بغیر اس نے آرام سے جوس پکڑ کر پینا شروع کر دیا تھا۔ آفاق نے مسکراہٹ دبا کر اپنی زنبیل میں پھر سے منہ دے دیا۔ کچھ دیر بعد وہ ایک اور جوس کاٹن نکالے منہ سے لگا کر گھونٹ، گھونٹ پی رہا تھا۔

”تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا؟“ مالا کو جواب جاننے کی بے چینی تھی اور آفاق کو جوس پینا... فی الحال جواب دینے سے زیادہ ضروری لگ رہا تھا پھر جوس کاٹن خالی کر کے ڈسٹ بن میں اچھالنے کے بعد وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔

”اگر ہم اپنے ملک میں بھی ایسی صفائی کا خیال رکھیں تو پاکستان جنت نہ بن جائے۔“ آفاق درمیانے سائز کے ڈسٹ بن دیکھ کر خود کو ملامت کر رہا تھا اور پھر اچھی طرح خود کو اور اپنی عوام کو سننے کے بعد مالا کی بات کے متعلق سوچنے لگا۔

”منگنی تو نہیں، البتہ میری آنٹی (عیسٰی کی مما) کی خواہش تھی سوزن ان کی بہو بنے۔“ آفاق کچھ سوچ، سوچ کر بول رہا تھا۔ یہ باتیں خاصی پرانی تھیں مگر آفاق کو پھر بھی پتا تھا۔ یقیناً وہ کروسی کے گھر میں ایک فرد کی طرح رہتے ہوئے بہت کچھ جان گیا تھا۔

”تو پھر؟“ مالا کی آنکھوں میں بے چینی اتر آئی تھی۔

”پھر یہ کہ میری آنٹی اور عیسٰی کی یہ بھی خواہش تھی کہ اگر سوزن اسلام قبول کر لے ویسے میں نے یہ بھی سنا تھا عیسٰی، سوزن سے رشتے پر تیار نہیں تھا۔ مطلب وہ سوزی کے لیے ایسے جذبات نہیں رکھتا تھا کہ اس سے شادی کر لیتا۔“ آفاق نے اس کی ... بے چینی محسوس کیے بغیر سادگی سے بتا دیا تھا۔ مالا کے اندر پھڑ پھڑاتے سوال مزید بڑھ گئے۔ وہ آفاق سے کچھ اور بھی پوچھنا چاہتی تھی مگر اسے خدشہ تھا کہ آفاق یہ نہ سمجھے کہ وہ اپنی فیملی سے اتنی انجان ہے۔

”پھر؟“ مالا کے ہونٹ بے آواز پھڑ پھڑائے۔

”ایکچوئلی، عیسٰی نے شرط رکھی تھی شاید میری آنٹی کی خواہش سے متاثر ہو کر اس نے آخری شرط بتائی کہ سوزن اسلام قبول کر لے۔ تب وہ اپنی مما کی خواہش پوری کرتے ہوئے سوزی سے شادی کر لے گا۔“ آفاق نے بنا کوئی خاص تاثر دیے مالا کے ہر سوال کا جواب دینا شروع کر دیا تھا۔ اس کا چہرہ سادہ سا تھا یقیناً وہ غلط بیانی سے کام نہیں لے رہا تھا۔ مالا کے مزید کچھ بھی بولے بغیر وہ خود ہی بتانے لگا۔ بہت باتونی ہونا شاید اسی کو کہتے ہیں، وہ چپ نہیں رہ سکتا تھا اور مالا کے لیے اس کا بولنا بہت ضروری تھا۔

”تب سوزی نے انکار کر دیا۔ وہ عیسائیت کے عشق سے نکلنے والی نہیں تھی۔ اس نے کہا تھا، وہ دنیا کے لیے آخرت نہیں ختم کر سکتی۔ وہ عیسٰی کے لیے عیسٰی علیہ السلام کی کتاب اور ان سے عشق کو نہیں چھوڑ سکتی مگر وہ علی عیسٰی سے محبت کرنا بھی ختم نہیں کر سکتی۔ بے چاری کو وقت نے دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا۔“ آفاق کے الفاظ میں سچائی کے ساتھ سوزی کے لیے بے انتہا دکھ اور کرب تھا۔ وہ اس چھوٹی سی لڑکی کے لیے دل میں بہت نرم جذبات رکھتا تھا۔ وہ یہ بات کسی سے تو کیا خود سے بھی شیئر نہیں کر سکتا تھا۔ سوزی اس کی محسنہ تھی اور احسان کرنے والوں کے دلوں کو ٹھیس نہیں پہنچائی جاتی۔ اِدھر مالا اس انکشاف پر دم بخود رہ گئی تھی۔

”سوزی نے علی عیسٰی سے شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا؟“ مالا کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔ اسے سوزی اس لمحے بہت عظیم لگی تھی۔ اس نے مذہب پر محبت کو قربان کر دیا تھا۔ اس کے لیے محبت اہم نہیں تھی، مذہب اہم ترجیح تھا۔

”ہاں، تب عیسٰی مطمئن ہو گیا۔ وہ اپنی مری

ہوئی ماں کے سامنے خود کو سرخرو سمجھنے لگا تھا۔ اس کا ضمیر مطمئن ہو گیا۔ دراصل وہ انکل کی بھتیجی کو چاہتا تھا یعنی تمہیں...... بہت پہلے سے انکل نے کہہ دیا تھا کہ عیسٰی کی شادی مالا سے ہوگی یعنی تم سے...... سو اس کے ذہن میں تمہارا خیال تھا۔“ آفاق پرت در پرت انکشافات کی بوچھاڑ کر رہا تھا۔ اس باتونی لڑکے نے اس کی حیران آنکھوں میں جلتی جوت کو دیکھ کر شرارتاً کہا تھا۔

”تم سوچتی ہوگی اتنی اندر کی باتیں مختصر سے آٹھ، نو مہینوں میں مجھے کیسے پتا چلیں؟“ آفاق نے چپ رہنا کہاں سیکھا تھا۔ مالا کو اس لمحے آفاق کا بہت بولنا بہت ہی اچھا لگ رہا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ آفاق یوں ہی بنا اس کے کچھ پوچھے بولتا رہے۔

”ایکچوئلی مجھے یہ سب سوزن نے بتایا تھا اور سوزن کبھی جھوٹ نہیں کہتی۔“ آفاق کے لہجے میں واضح سچائی تھی۔ مالا پور پور قائل ہو گئی پھر اس نے بہت خوف زدہ انداز میں مون کا ذکرِ خیر چھیڑا تھا تب مالا کی طرح آفاق بھی مون کے ذکر پر قدرے سہم گیا۔

”اس کی بات نہ ہی کرو، پوری جادوگرنی ہے، اللہ کی قسم مجھے بہت ڈر لگتا ہے مادام مون سے۔“ آفاق نے سہم کر کانوں کو ہاتھ لگائے۔ ”اور میرا مشورہ بھی یہی ہے کہ مون کے بارے میں زیادہ کھوج اور تفتیش میں نہ پڑنا۔ جس کا پیچھا لے لیتی ہے اس کی سانسیں کھینچ کے دم لیتی ہے۔ من ہائیم کی ساحرہ ہے۔“ آفاق کے اگلے الفاظ نے مالا کے چڑیا جیسے دل کو بری طرح سہما دیا تھا۔

☆☆☆

”تم بہت اچھے ہو آفاق۔“ اسٹیشن پر اترنے سے پہلے مالا نے تہ دل سے اپنے احساسات آفاق تک پہنچا دیے تھے۔ حقیقت تو یہ تھی کہ وہ اجنبیوں سے اتنی جلدی بے تکلف نہیں ہوتی تھی مگر آفاق میں کچھ بہت ہی انفرادیت تھی۔ اس کی شخصیت میں کچھ

آزادیٔ نسواں

مغربی عورت نے، مرد کے شانہ بشانہ گھر گرہستی چھوڑ کر ہر قسم کی صنعت میں کام کیا اور معاشی طور پر مستحکم، آزاد، خوشحال اور خود مختار ہو گئی۔ اب شوہر اس کی مجبوری صرف خرچے کے لیے نہیں رہے، مردوں نے بھی آزادی کی اس حقیقت کو تسلیم کر لیا کیونکہ اس میں ان کا ہی فائدہ تھا۔ آہستہ آہستہ خاندانی بندھن ٹوٹنے لگے اور تصورِ خاندان بکھرنے لگا۔ single parenty خاندان کا رواج عام ہوا۔

آج مغربی معاشرے میں عورت کی نسوانیت کی تلاش ہے، جو عنقا ہو چکی ہے۔ نکتہ ور اس سوال پر غور کر رہے ہیں کہ جہاں عورت مکمل طور پر ارزاں اور مشرقی ماحول کے بالمقابل نہایت پُراعتماد ہے پھر اس قدر عدم تحفظ کا شکار کیوں ہے؟ اس سوال کا جواب آج تک آزادیٔ نسواں کی کوئی تحریک نہیں دے سکی اور نہ ہی مغرب کا وہ طبقہ دے سکا جو مسلم عورت کی ”آزادی“ کے لیے بھی سرگرمِ عمل رہتا ہے۔

مرسلہ: عروبہ ناز، کوٹلی

محبت کی امر بیل

محبت کی امر بیل میں ہمیشہ ستم کے پھول کھلتے ہیں، ستم کا پھول جس کی پنکھڑیوں پر تاسف کے آنسو منجمد ہوتے ہیں جس کی کلیاں جلد سے جدائی کی خوشبو آتی ہے۔ ستم کے پھول کی کہانی سنی ہے کبھی تم نے یہ تو دکھ کے پھول کی داستان ہے، ایک ایسا پھول جس میں محبت کا مدفن ہوتا ہے، دیوتا اپالو اور وینس کی محبت بادام کے شگوفوں کی طرح معطر، نازک مگر ہر خوب صورت چیز تمام خوب صورت لمحے صرف چند روزہ کیوں ہوتے ہیں وینس کی قبر پر اپالو کے اتنے آنسو گرے کہ اک دن اس میں سے اک پودے نے سر نکالا اور اس میں ایک پھول کھلا ارغوانی رنگ کا یہ ستم کا پھول تھا، ستم کا پھول پچھتاوے کا پھول محبت کا مدفن اس کی ہر ایک پنکھڑی پر لکھا ہوتا ہے افسوس صد افسوس۔

بانو قدسیہ کی تصنیف امر بیل سے انتخاب

پسند: ماہ نور قیصر، راولپنڈی

خاص قسم کی اپنائیت تھی۔ کوئی بھی بندہ اس سے رُکھائی یا غیریت برت ہی نہیں سکتا تھا۔ سوزن نے ٹھیک کہا تھا، آفاق قطعاً بے ضرر قسم کا بندہ تھا۔ پُرخلوص، سادہ اور انتہائی باتونی...... مالا کو آفاق سے بات کرکے بہت ساری ایسی باتوں کا بھی پتا چلا تھا جو عام حالات میں عیسیٰ ہرگز اسے نہ بتاتا۔ اگرچہ وہ فطرتاً بات کی گہرائی میں اترنے والی کھوجی قسم کی لڑکی نہیں تھی مگر پھر بھی ایک ہلکا سا تجسس نما مادّہ ضرور اپنے اندر رکھتی تھی سو اسی تجسس کے تحت وہ مون کے رویے کی الجھی گرہوں کے بارے میں بھی جاننے کے لیے متجسس تھی۔ اگرچہ آفاق نے اسے پرت در پرت رویہ رکھنے والی مون کے متعلق دلچسپی رکھنے سے منع کیا تھا مگر مالا کنویں میں سے مٹی نکالنے کو ... بے تاب ضرور ہوگئی تھی۔

فی الوقت آفاق، مالا کی بات سن کر کورنش بجالایا تھا۔ مالا کی تعریف نے اسے بوار یا کے سیوتی پھولوں کی طرح مہکا دیا تھا۔ وہ اپنی تعریف پر بہت خوش نظر آیا پھر اس نے اپنے لیدر بیگ میں سے ایک چاکلیٹ نکال کر مالا کی طرف بڑھائی۔

''اسی بات پر منہ میٹھا کریں۔'' آفاق خود کینڈی کا ریپر پھاڑ کر منہ میں رکھ رہا تھا۔ وہ بچوں جیسی سرخوشی کے ساتھ دھیرے دھیرے مسکرا رہا تھا۔

''کیا یہ تعریف تم نے دل سے کی ہے؟'' آفاق نے کسی خدشے کے تحت ذرا خوف زدہ ہوکر پوچھا تھا۔

مالا نے فوراً شدّومد سے سر ہلایا۔

''ہاں، دل سے۔'' اس کے جواب نے آفاق کو اور بھی خوش کردیا تھا پھر اس نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈال کر مالا کو الرٹ کردیا تھا کہ وہ اترنے کے لیے تیار ہوجائے۔ مالا نے اپنا چھوٹا سا بیگ گود میں رکھ لیا تھا پھر آفاق کو مخاطب کرکے بولی۔

''کیا تم من ہائیم میں ہی رکو گے؟'' مالا سوچ رہی تھی شاید وہ اپنے بھی کسی کام کے سلسلے میں آیا ہوگا مگر آفاق کا جواب قطعاً مختلف تھا۔

''میں تمہیں من ہائیم تک چھوڑنے آیا ہوں کسی اور بس یا ٹرین سے فوراً ہی واپس چلا جاؤں گا۔'' آفاق کے سادگی سے بتانے پر مالا اس احسان مند ہوگئی تھی یعنی وہ اپنا تمام کام، مصروف چھوڑ کر آیا تھا۔ مالا کے دل میں اس کی جگہ بن گئی تھی۔ اچھے لوگ خود بخود دلوں میں اپنی جگہ بنا کرتے تھے۔ آفاق بھی انہی لوگوں میں سے تھا۔

کچھ ہی دیر بعد ٹرین اپنے مقررہ وقت اسٹیشن کی حدود میں رک گئی تھی۔ آفاق نے دور سے ہی عیسیٰ کو دیکھ کر آواز لگادی تھی۔ پاکستانی کہیں بھی چلیں جائیں۔ خود کو بدل نہیں سکتے۔ ایک مصروف اسٹیشن پر ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں بھی ذرا شور ہنگامہ یا بدنظمی نہیں تھی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ آفاق کی اونچی چہکار نے بہت سارے لوگوں کو ان کی طرف متوجہ کردیا تھا مگر وہ ڈھٹائی سے بولتا، مسکراتا، کھلکھلاتا عیسیٰ سے بھینچ بھینچ کر مل رہا تھا۔ وہ حد سے زیادہ بے تکلف قسم کا لڑکا تھا جبکہ عیسیٰ اس افتاد پر ایک دم بوکھلا گیا تھا پھر کچھ دیر بعد سنبھلنے کا موقع ملتے ہی عیسیٰ نے آفاق کا شکریہ ادا کیا تھا اور آفاق بھی ٹوٹی پھوٹی ڈچ میں جانے عیسیٰ سے کیا کچھ کہہ رہا تھا۔ آفاق کو رخصت کرنے کے بعد عیسیٰ اس کی طرف متوجہ ہوا تھا جو آفاق کے محبت بھرے والہانہ مظاہروں پر دھیرے دھیرے مسکرا رہی تھی۔

''یہ ایسا ہی ہے...... تم حیران مت ہونا...... جہاں موقع ملتا ہے میرے ساتھ ڈچ بولنے کی پریکٹس کرتا ہے۔'' عیسیٰ نے مسکراتے ہوئے اس کا بیگ پکڑا اور اس کے برابر چلنے لگا۔ ''تمہارے ساتھ ڈچ بول کر ڈینگیں تو نہیں مارتا رہا؟'' اچانک خیال آنے پر عیسیٰ نے مسکرا کر پوچھا تھا۔ مالا اس کے برابر چلتی ہوئی نفی میں سر ہلانے لگی۔

''میرے ساتھ تو پنجابی اور اردو میں بات

کرر ہا تھا۔'' مالا نے بھی مسکرا کر وضاحت کی تھی تب علی عیسیٰ اسے آفاق کے متعلق بتانے لگا تھا۔

''پہلے یہ بولنے سے گھبراتا تھا، آفاق کہتا تھا اسے کبھی یہ اوٹ پٹانگ زبان نہیں آسکتی مگر اب اچھا خاصا ایکسپرٹ ہو چکا ہے۔ عموماً راہ گیروں سے بھی علیک سلیک کرلیتا ہے۔ اسے زبان وبیان پر عبور حاصل کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ ڈچ بولنے کا بھی ایک طریقہ سمجھ میں آیا ہے۔'' عیسیٰ اسے تفصیلاً بتاتا اپنی لاڈلی benz تک لے آیا تھا۔ اس کا سامان رکھ کر وہ مالا کے لیے فرنٹ ڈور کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

''اسی لیے تو کہتا ہوں، تم بھی روزمرہ کے جملوں پر غور کیا کرو، ٹی وی دیکھتے ہوئے، میوزک سنتے ہوئے، شاپنگ کرتے ہوئے، مجھے امید ہے تم بھی جلد ہی یہاں کی زبان سیکھ جاؤ گی۔ جہاں رہنا ہو، وہاں کی زبان ضرور سیکھنی چاہیے۔'' عیسیٰ اسے نرمی سے بتا رہا تھا۔ تب مالا نے قدرے خفگی سے جتایا تھا۔

''نہ سلام دعا، نہ حال نہ احوال پوچھا آتے ساتھ گچ مچ سیکھنے پر لیکچر دینا شروع کر دیا۔ مجھے نہیں آسکتی یہ فضول قسم کی زبان۔'' مالا کے بے تکلفی بھرے روٹھے، روٹھے ناراض لہجے کو ملاحظہ کر کے عیسیٰ بے ساختہ حیرت میں مبتلا ہو گیا تھا۔ وہ گردن موڑے بڑے ہی شگفتہ تاثرات کے ساتھ مالا کے پھولے، پھولے چہرے کو دیکھ رہا تھا اور ہنسی تھی کہ اس کے لبوں پر پھول مہکائے جا رہی تھی۔ اسے.... بے ساختہ ہنستے دیکھ کر مالا کا منہ کچھ اور پھول گیا تھا۔

''اس طرح کیوں ہنس رہے ہیں؟ میرے منہ پر کیا لطیفہ لکھا ہے؟'' مالا کچھ چڑ کر خفگی سے بولی تھی حالانکہ یہ خفگی قطعاً مصنوعی تھی۔ اسے علی عیسیٰ کو ہنستا دیکھنا بہت اچھا لگ رہا تھا اور پھر وہ خاص الخاص مالا کے لیے ہی تو ہنس رہا تھا۔ اسی کی باتوں کو انجوائے کرتا مسکرا رہا تھا۔

''ایک مرتبہ پھر اسی طرح بولو ناں کتنی کیوٹ لگ رہی ہو تم، روٹھی روٹھی سی۔'' عیسیٰ نے بڑی محبت سے اصرار کیا تھا۔ مالا بجائے کچھ بولنے کے.... بے ساختہ ہنس پڑی اور اسے مسکراتا دیکھ کر عیسیٰ بھی ہنسنے لگا تھا پھر کچھ دیر مزید بلاوجہ ہنسنے کے بعد عیسیٰ نے کس قدر حسرت سے کہا تھا بلکہ اتنے عرصے کے دوران پہلی مرتبہ ایک عجیب بات کہی تھی۔

''پتا ہے، میری بڑی خواہش تھی مون کے ساتھ میری اچھی فرینڈشپ ہو سکے۔ وہ ڈھیروں کے حساب سے ہنستی رہے۔ مجھ سے فرمائشیں کرے، کبھی روٹھ جائے، کبھی مان جائے، کبھی ہنسے، کبھی روئے، ہم مل کر آؤٹنگ پر پورا جرمنی گھومیں مگر میری یہ خواہش کبھی نہیں پوری ہو سکی تھی، مجھے فطری طور پر ایک عجیب بہن ملی ہے جو غیر معمولی ذہن رکھنے والی، بہت عجیب سی لڑکی تھی، آدم بیزار قسم کی۔ جب تک مما تھیں سب ٹھیک رہا مگر مما کے چلے جانے کے بعد اس کی شخصیت میں بہت سی تبدیلیاں آئیں۔ وہ مجھ سے اور پاپا سے ہمیشہ دور رہی تھی مگر مما کی وفات کے بعد گویا صدیوں کی دوریاں درمیان میں حائل ہو گئیں۔ وہ پھر کبھی ہمارے قریب آہی نہ سکی۔'' عیسیٰ کا حسرت زدہ لہجہ گہرے کرب میں ڈوب گیا تھا۔ جانے کس جذباتی لمحے اس نے مالا سے مون کا رویہ شیئر کر لیا تھا ورنہ وہ بہت گہرا سا بندہ تھا۔ اتنی جلدی کھلنے والا نہیں تھا اور اسے شاید اپنے دکھوں کی تشہیر بھی پسند نہیں تھی حالانکہ اپنوں سے دل کی باتیں کرنا اپنائیت کو مزید بڑھا دیتا ہے مگر عیسیٰ کے اس معاملے میں اصول کچھ اور قسم کے تھے۔ وہ سمجھتا تھا جو پریشانی، دکھ یا تکلیف اس کا اکیلا وجود سہہ سکتا ہے پھر وہ اپنے پیاروں کو کیونکر اس تکلیف میں حصے دار بنائے۔ اس نے ہمیشہ اپنی تکلیف، دکھ یا کسی بھی قسم کی پریشانی کو خود اپنے تک ہی محدود رکھا تھا اور وہ اپنے اس اصول پر بہت مطمئن بھی تھا....

فی الحال وہ مزید مون کے بارے میں گفتگو سے اجتناب کرتے ہوئے ذرا ہلکے پھلکے خوشگوار لہجے میں کہہ رہا تھا۔ دراصل اسے فوری طور پر احساس ہوا تھا کہ اس نے مون کا ذکر بالکل بھی ٹھیک وقت پر نہیں چھیڑا تھا۔ یہ معاملہ کچھ ایسا تھا کہ مالا اس پر سوال بھی اٹھا سکتی تھی مگر عیسیٰ فی الوقت اس کے کسی بھی سوال کا جواب دینے کے موڈ میں نہیں تھا سو گفتگو بدلتے ہوئے ذرا چھیڑنے والے انداز میں بولا۔

''تو جناب! اب بتائیں کیا حال احوال ہے آپ جناب کا۔ بڑے عرصے بعد ملاقات ہو رہی ہے۔ شاید تین یا چار سو سال بعد...... اس دوران ایک مرتبہ بھی خط کتابت پر رابطہ نہیں ہوسکا۔ نہ آپ نے کوئی ٹیلی فون کیا، نہ مجھے فون کال کرنے کی فرصت مل سکی۔'' علی عیسیٰ کی کھلکھلاتی مسکراہٹ نے مالا کی ہنسی کے سُر گاڑی میں بکھیر دیے تھے۔ وہ کتنی ہی دیر تک ہنستی رہی تھی۔ یہاں تک کہ اس کی آنکھیں شفاف پانی کی ننھی منی بوندوں سے لبالب بھر گئیں۔

''آپ بھی کمال کے بندے ہیں۔'' مالا بہ مشکل ہنسی روک کر بول سکی تھی۔

''کہاں مجھ میں کمال رکھا ہے...... اِک پردہ سا ڈال رکھا ہے۔'' عیسیٰ کچھ شاعرانہ موڈ بنا کر بولا تھا۔ مالا نے فوراً اس کی بات اچک لی۔

''تو کیا شاعری سے بھی شغف ہے؟'' اس نے حیران ہو کر پوچھا تھا۔

''جی، کیوں نہیں آپ کچھ سننا پسند فرمائیں گی؟'' علی عیسیٰ گویا نہال ہو گیا تھا۔ اسے مالا کے چھوٹے، چھوٹے سوال بہت پسند تھے۔ اسے مالا کا بولنا، ہنسنا اور ہنستے ہنستے آنکھوں میں پانی بھر آنا بہت پسند تھا۔ علی عیسیٰ کو لگتا تھا، پاپا اس کے لیے پاکستان سے دنیا کا حسین ترین تحفہ اٹھا لائے تھے اگرچہ وہ خوب صورت تھی مگر ایسی حسین بھی نہ تھی کہ عیسیٰ دیوانہ ہو اٹھتا۔ یہ تو اس کے چہرے کی ملاحت، سادگی اور معصومیت تھی جس نے پہلی نگاہ میں علی عیسیٰ کو اپنا اسیر کرلیا تھا ورنہ بواریا کی عورتوں سے بڑھ کر یورپ کے خطے میں کوئی حسین عورت نہ تھی۔ صحت مند، دلنشین، حسین اور انتہائی ہنس مکھ......

''یوں سجا چاند کہ جھلکا ترے انداز کا رنگ
یوں فضا مہکی کہ بدلا میرے ہم راز کا رنگ!''

علی عیسیٰ نے فوراً ہی اس کی فرمائش پوری کردی تھی۔

''سایۂ چشم میں حیراں رخِ روشن کا جمال
سرخیٔ لب میں پریشاں تری آواز کا رنگ''

مَن ہائیم کے سارے تالابوں پر سفید مرغابیاں اتر آئی تھیں۔ سنہری پریوں نے مَن ہائیم کے دیوتا کی پجارن کو دیکھ کر رقص کرنا شروع کردیا تھا۔ تتلیاں رنگ بدل رہی تھیں، اکسون کے موتی بکھر رہے تھے یاقوت کی بوندیں گر رہی تھیں۔

''بے پیے ہوں اگر لطف کرو آخرِ شب
شیشۂ مے میں ڈھلے صبح کے آغاز کا رنگ''

علی عیسیٰ کی انگلیاں اسٹیئرنگ وہیل پر متحرک رہی تھیں۔ وہ بن پیے اِک نشے، اِک سرور میں تھا۔ جیسے بلوریں فنجانوں میں انگور کا رس قطرہ قطرہ، بوند بوند گر رہا تھا۔

''اک سخن اور کہ پھر رنگِ تکلم تیرا
حرفِ سادہ کو عنایت کرے اعجاز کا رنگ''

فضا نے سانس روک لی تھی اور ہوہن موس کے جنگل میں مورنیوں نے باجماعت عشقیہ سلام پڑھے تھے۔ اس کا دل diskothek جرمن پب کی طرح کا ایک حیرت کدہ تھا جس میں دل کے سازوں کی موسیقی برابر بجتی چلی جا رہی تھی۔ کبھی نہ رکنے کے لیے، کبھی نہ تھمنے کے لیے۔ یہ قمرین (سورج اور چاند) کے ملن کی خوشی میں سنگیت چھیڑے گئے تھے۔ یہ دلوں کے قلیب (کنویں) میں محبت کے معجزاتی چشمے پھوٹ پڑنے کے اعزاز میں سُر بکھر رہے تھے اور قمیس (سمندر) میں طوفانی گرم

جوش لہریں امڈ رہی تھیں۔ یہ فردوس کے جلوے تھے جو اہلِ زمین کو معتبر کر رہے تھے۔

benz کی بھینی مہک والی فضا کا طلسم بھی بالآخر ٹوٹ گیا تھا۔ علی عیسیٰ کے خاموش ہونٹ اس طلسم کو پاش پاش کر چکے تھے۔ مالا کو لگا وہ کسی خواب کی میٹھی نیند سے اچانک بیدار کردی گئی ہے۔ اس نے کچی نیند سے بھری گلابی آنکھوں سے علی عیسیٰ کا مسکراتا چہرہ دیکھا تھا۔

''کیسی لگی یہ مدہوش کُن غزل؟'' علی عیسیٰ نے مسکرا کر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا تھا۔

''میں حیران ہوں اور کچھ سحر زدہ بھی۔'' اس نے بنا جھجک کے پہلی سی خواب آگیں کیفیت میں کہا۔

''کس لیے؟'' عیسیٰ کو اچنبھا ہوا۔

''فیض کی غزل کے لیے۔'' مالا مسکرائی تھی۔ عیسیٰ نے گہری سانس خارج کی۔

''کیا مجھے فیض کی غزل یاد نہیں ہوسکتی؟'' اس نے آنکھیں میچ کر پوچھا۔

''امید تو نہیں تھی مگر......'' مالا نے نچلا لب دانتوں میں دبا کر شرارتی لہجے میں کہا۔

''مگر......؟'' عیسیٰ نے بھویں اچکائیں۔ اگرچہ وہ اس کی شرارت کو سمجھ رہا تھا تاہم جان بوجھ کر اسے بولنے کے لیے اکسانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''مگر آپ نے حیران کردیا۔'' مالا کے ساتھ عیسیٰ بھی گہری سانس لے کر مسکرا دیا پھر سامنے اشارہ کر کے بولا۔

''میڈم مالا، گھر آچکا ہے۔'' اس نے احتیاط سے موڑ کاٹ...... کر انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ benz کو گیراج میں لا کھڑا کیا تھا اور مالا اپنے گھر کی جنت میں پہنچ کر گویا شانت ہو گئی تھی۔

☆☆☆

''مالے! تم تو مجھے بھول ہی گئیں۔'' یہ چاچو کی آواز تھی بالکل ڈیڈی سے مشابہ آج کتنے عرصے بعد کسی نے اسے ڈیڈی کے سے انداز میں مالے کہہ کر پکارا تھا۔ شاید چاچو نے تازہ ترین ڈیڈ کے منہ سے مالے سنا تھا پھر اس کے خیال کی تصدیق بھی ہوگئی۔ ڈیڈی، بندیا اور ممی کی کتنی ہی فون کالز آئی تھیں۔ اس کے بواریا سے آنے سے تھوڑی دیر پہلے ہی ڈیڈی کا فون آیا تھا۔ وہ اپنی مالے کے لیے شدید اداس تھے اور مالا نے سب سے پہلے پاکستان اپنے گھر والوں سے فون پر بات کی تھی اور اب کھانے کی میز پر چاچو کی بے قراریاں ملاحظہ کر رہی تھی۔ عیسیٰ کو بھی چاچو کا طرزِ تخاطب یعنی ''مالے'' بہت پسند آیا تھا اور وہ میٹھی میٹھی نظر سے دیکھتا دھیرے دھیرے زیرِ لب بڑبڑایا تھا۔

''مالے۔'' اس کی بڑبڑاہٹ اتنی اونچی ضرور تھی کہ برابر بیٹھی مالا اور اس کے دوسری طرف سربراہی کرسی پر بیٹھے چاچو بھی سن لیتے۔ جہاں مالا اس شہد آگیں طرزِ تخاطب پر گڑبڑائی تھی وہیں چاچو نے علی عیسیٰ کی گت بنادی تھی۔

''آلام فرتر کے مصنف گوئٹے کی شارلوت کے عاشق! مالے صرف ہماری ہے۔ تم اپنے لیے کوئی اور نِک نیم سوچ لو۔'' جس طرح چاچو نے اس کی بڑبڑاہٹ سن کر آڑے ہاتھوں لینے کے بعد بڑا میٹھا طنز کیا تھا وہیں مالا کو علی عیسیٰ کی ایک پرانی بات یاد آئی تھی جس کو بتاتے ہوئے علی عیسیٰ نے کہا تھا کہ ہم دونوں باپ بیٹا خاصے منہ پھٹ ہیں اور مالا کو یقین تو پہلے بھی آچکا تھا اب کچھ اور یقین ہو چلا تھا۔ مالا جہاں چاچو کی لطیف گفتگو پر جھینپ رہی تھی وہیں علی عیسیٰ نے زوردار قسم کا قہقہہ لگایا تھا۔

''آں...... ہاں، آپ غلطی کر رہے ہیں پاپا۔ میں گوئٹے کی شارلوت کا عاشق نہیں جسٹ ایک فین ہوں اور ویسے بھی گوئٹے جیسا دل پھینک نہیں ہوں۔'' وہ احتجاجاً چیخا تھا۔

''جو بھی ہو، ایک بات یاد رکھنا مالے پہ صرف ہمارا حق ہے۔'' حبیب چاچو اسے سخت قسم کی

چڑچڑاہٹ میں مبتلا کر رہے تھے اور وہ بری طرح چڑ بھی رہا تھا۔

''آپ بھی یاد رکھیے ، مالے صرف میری ہے۔'' دونوں باپ بیٹا حد سے زیادہ جذباتی تھے۔ اب بھی علی عیسیٰ نے جذباتی پن کی انتہا کردی تھی۔ مالا اس نوک جھوک سے محظوظ کیا ہوتی الٹا شرمندہ ہوئے جارہی تھی۔ چاچو کی موجودگی میں علی عیسیٰ کے بے باک جملے اسے بے حد شرم دلا رہے تھے۔

''اچھا، اچھا...... حوصلہ کرو۔'' اب جان بوجھ کے چاچو اسے پچکار رہے تھے۔ اسی دل فریب نوک جھوک اور خوشگوار ماحول میں کھانا کھایا تھا پھر نینی کافی بنالائی تھیں کافی کا طویل تر دور چلا تھا۔ ان دونوں باپ، بیٹے نے کافی کے بعد گرین ٹی بھی پی تھی پھر آخری مرتبہ اٹھنے سے پہلے قہوہ بھی مالا سے بنوا کر پیا۔ اس دوران انہوں نے دنیا جہان کی باتیں کرلی تھیں۔ آفیشل گفتگو کے علاوہ گھریلو، سیاسی، سماجی ہر قسم کا موضوع زیرِ بحث لائے تھے۔ گروسی کے گھر سے لے کر یہاں تک مالا سے بھی چیدہ، چیدہ باتیں پوچھی تھیں پھر عیسیٰ نے چاچو کو دوا کھلائی اور انہیں کمرے تک چھوڑنے چلا گیا۔

مالا نے اگلے بہت سارے دنوں میں بہت سی باتیں نوٹ کی تھیں۔ سب سے پہلے یہ کہ عیسیٰ کو چاچو سے بے انتہا محبت تھی۔ وہ ان کا خیال اپنے ہر ضروری کام کو ادھورا چھوڑ کر بھی رکھتا تھا۔ چاچو کی بہترین خوراک، جوسز، دودھ، فروٹس وہ ان کا ڈائٹ چارٹ بنا کر گھر سے نکلتا۔ کس وقت انہیں جوس دینا ہے، دودھ دینا ہے یا ٹھوس غذا دینی ہے۔ اس طرح ان کی صبح، دوپہر اور شام والی دوائیں بھی الگ، الگ رکھ کے جاتا تھا بعد میں نینی وقت پر سب کچھ ایک روٹین کے مطابق دے دیتیں مگر اب مالا نے یہ ساری ذمے داری غیر محسوس طریقے سے سنبھال لی تھی۔ وہ کوکنگ سے لے کر چاچو کا خیال رکھنے تک سب چھوٹے بڑے کام خود کرتی تھی۔

چاچو نے کہا تھا اب وہ اس گھر کی ہاؤس فراؤ ہے۔ یہ گھر مالا کا ہے سوا سے اپنے گھر اور گھر والوں کا خود ہی خیال رکھنا تھا۔ نینی اب بھی صفائی ستھرائی کے لیے آتی تھی مگر اس کا کام بہت مختصر ہوگیا تھا۔

علی عیسیٰ کے کپڑوں سے لے کر چاچو کا لباس تیار کرنے تک مالا بہت دل جمعی سے دھیان رکھتی، بڑی محبت سے کپڑے پریس کرتی، الماریوں میں لٹکاتی حالانکہ چاچو اور علی عیسیٰ منع بھی کرتے تھے مگر مالا کو یہ مصروفیت دل و جان سے بے حد پسند تھی...... اور جہاں اس کے لباس کی بات آتی تھی وہیں عیسیٰ ہمیشہ خود اس کے لیے کپڑے منتخب کرتا۔ اسے کون سا لباس سوٹ کرتا تھا، اسے کیسے کپڑے پہننے چاہیے اور یہاں آج کل کیسا فیشن چل رہا تھا! عیسیٰ کی انفارمیشن اس حوالے سے بہت اپ ٹو ڈیٹ تھیں۔ وہ اس کے لیے خوب شاپنگ کرتا، اکثر اسے آؤٹنگ پر لے جاتا۔ بعض ایسی جگہوں پر جہاں ہنگامے، شور کی وجہ سے وہ خود جانا پسند نہیں کرتا تھا مگر اسے لگتا تھا مالا ہنگاموں اور شوروغل کو بہت پسند کرتی ہے حالانکہ وہ پہلے ایسی نہیں تھی مگر یہاں آکر اکثر گھر کی خاموشی سے گھبرا جاتی تھی۔ اپنے گھر میں اس کی چھوٹی بہن بندیا اور شامی بہت ہنگامہ مچائے رکھتے تھے۔ ذیشان اور ذی شاہ مزاجاً مختلف تھے مگر بندیا اور شامی کی موجودگی میں ان کے گھر ہمہ وقت ہنگامہ مچا رہتا تھا۔ سو یہاں کے سناٹے اکثر اسے پریشان کردیتے تھے۔ خصوصاً جب چاچو آرام کررہے ہوتے تھے تب نینی اخبار پڑھتی یا ٹی وی دیکھتی۔ مالا اس کی بات سمجھ نہیں سکتی تھی اور رات تک خاموش رہ، رہ کر اس پر اکتاہٹ سوار ہوجاتی۔ گھر میں اتنا کام نہیں ہوتا تھا۔ بس پاکستان فون کالز کرتی یا بے مقصد ٹی وی کو گھورے جاتی۔ ہاں، جب عیسیٰ گھر آجاتا تھا تب گویا زندگی پھر سے دھڑک جاتی تھی۔

وہ اسے کئی دفعہ کلبز اور کنسرٹس، فیشن شوز بھی دکھانے لایا تھا۔ ایک مرتبہ سینما میں موی بھی دیکھی تھی۔ جسے سمجھنے کے لیے اسے پورا ایک سال بھی لگ جاتا تب بھی سمجھ نہ آتی۔ وہ یہاں کی مشہور جھیلوں کی سیر کرکے بھی آئی تھی۔ مختلف پارکس اسٹورز، شاہراہیں، گارڈنز چھان مارنے کے بعد ایک مرتبہ پھر زندگی پر جمود طاری ہونے لگا تھا۔ محض اس وقت تک، محض اتنی ہی دیر تک جب مردانہ بوٹوں کی دھمک سنائی نہ دیتی۔ عیسیٰ کے آتے ہی زندگی کے رنگ بدل جاتے تھے۔ مالا کا دل ... گھڑی کی ٹک ٹک کے ساتھ چلتا تھا۔ جہاں گھڑی آٹھ، نوئن کے ہندسے پہ آتی اس کا دل پنکھ لگا کر اڑنے لگتا تھا۔ وہ سنہری ہندسوں پر نگاہ جما کر بیٹھ جاتی تھی۔

وہ رش ڈرائیونگ کرتے ہوئے وقت سے پہلے ہی گھر پہنچ جاتا تھا اور مالا کا بنا میک اپ، بنا ہار سنگار والا سادہ چہرہ اس کی نگاہوں میں عکس بنانے لگتا۔ کچھ ایسے ہی محبت سے گندھے رشتے میں وہ دونوں ہمیشہ کے لیے بندھ گئے تھے۔

علی عیسیٰ نے مالا کا ایڈمیشن ایک چھوٹے انسٹی ٹیوٹ میں کروا دیا تھا۔ اسے مصروف رہنے کے لیے ایک اور جواز مل گیا تھا۔ اب وہ گھر کے کاموں سے فارغ ہوکر انسٹی ٹیوٹ چلی جاتی تھی حالانکہ جرمن زبان سیکھنا کم از کم مالا کے لیے آسان نہیں تھا۔ اسے پہلی کلاس میں پہلے جرمنی کے تعارف پر رونا آگیا تھا۔ وہ اگلے دس دن تک بھی یہ ملک جرمنی ہے کو صحیح جرمن تلفظ کے ساتھ ادا نہیں کرسکتی تھی۔

''یہ ملک جرمنی ہے اور میں پاکستانی ہوں۔'' ٹیچر فرولائن ایکس کی ہزار مرتبہ بتائی ایک لائن کو بھی مالا ٹھیک سے بول نہیں پائی تھی تب اسے رونا آجاتا۔ عیسیٰ کہتا تھا وہ سیکھنا چاہے تو سیکھ سکتی ہے مگر مالا کو یہ کام انتہائی مشکل لگتا تھا۔ وہ گھر آکر نینی کے ساتھ ایک ایک لائن کی سیکڑوں مرتبہ مشق کرتی تھی۔

خوابوں جیسی باتیں

بھولی لڑکی
مت اس خواب کے پیچھے بھاگو
پتھر بن کے رہ جاؤ گی
تیز بہت ہے وقت کا دریا
تم بھی اس میں بہہ جاؤ گی
نشتر جیسی یہ رسوائی
بولو، کیسے سہہ پاؤ گی
کیا بچوں جیسی باتوں سے
تم سب کو بہلا سکتی ہو؟
کیا تم اپنے من کی منطق
دنیا کو سمجھا سکتی ہو؟
خوابوں جیسی باتیں کرکے
کیا تعبیریں پا سکتی ہو؟
جس گھر میں پروان چڑھیں تم
اس کو چھوڑ کر آسکتی ہو؟
ایسی باتیں ناممکن ہیں
تم اپنی تنہائی میں
ہجر کے گیت ہی گا سکتی ہو

از: سیما رضا ردا' کراچی

یہ حقیقتاً بہت مشکل مرحلہ تھا مگر مالا کو یہ سب کرنا ہی تھی۔ اپنے لیے نہیں...... محض علی عیسیٰ کے لیے۔

یہاں قریب ہی ایک ٹانز شولے بھی تھا یعنی ڈانس سکھانے والا اسکول۔ مالا کے گھر سے کچھ فاصلے پر ہی تھا۔ یہاں چھوٹے چھوٹے بچے اپنی ماؤں کے ساتھ آتے جاتے دکھائی دیتے تھے۔ مالا کو بچوں کے ساتھ خصوصی لگاؤ تھا مگر وہ ان بچوں کو مخاطب نہیں کرسکتی تھی۔ انسٹی ٹیوٹ آتے اور جاتے

ہوئے اس کی واحد مصروفیت بس یہی تھی۔

شروع میں علی عیسیٰ اسے خود چھوڑنے اور لینے آتا تھا مگر اب وہ خود ہی پیدل آتی جاتی تھی۔ انسٹی ٹیوٹ چونکہ قریب ہی تھا۔ پہلے کچھ دن نینی ساتھ آجاتی تھی مگر اب مالا... کو گھر کے راستے ازبر ہوچکے تھے۔

اس کی عادت تھی، وہ جس چیز کو سیکھتی، جس لفظ کو یاد کرلیتی اسے ڈائری میں لکھ لیتی تھی اور واپس آنے تک اسے ذہن میں دُہراتی رہتی۔ مالا نے ابتدائی جملوں کے بعد ایک خاص قسم کا جملہ سیکھا تھا۔

"اش لیپے دیخ۔" وہ اس جملے کی کئی مرتبہ مشق کرتی تھی تاکہ اسے بھولے نہیں۔ اسے ڈچ میں یہ لائن بولنا بہت پسند تھا۔ جس کے معنی تھے میں تم سے پیار کرتا ہوں یا تم سے پیار کرتی ہوں۔ مالا نے سوچ رکھا تھا جس دن عیسیٰ کا برتھ ڈے ہوگا وہ اسے کسی انوکھے طریقے سے وش کرے گی۔ وہ عیسیٰ کی سالگرہ کے دن کا شدت سے انتظار کررہی تھی پھر یہ دن پورے تین ہفتوں بعد بالآخر آہی گیا تھا۔

اس نے اور حبیب چاچو نے پورا دن چپکے، چپکے تیاری کرنے میں گزار دیا تھا۔ وہ دونوں عیسیٰ کو سرپرائز دینا چاہتے تھے۔ چاچو کی خواہش تھی کہ اس موقع پر مون بھی شامل ہو مگر مالا کو امید نہیں تھی کہ مون ان کی خوشیوں میں شریک ہوگی مگر وہ چاچو کو روکنا نہیں چاہتی تھی۔ چاچو نے خوشی، خوشی مون کو فون کال کی تھی پھر جانے اس نے کیا کہا تھا جو چاچو بے ساختہ خوش ہوگئے تھے۔ ان کی خوشی محسوس کرکے مالا کو اندازہ ہوگیا تھا مون نے یقیناً آنے کی ہامی بھرلی ہے۔ وہ اگرچہ حیران تھی کہ مون نے کیسے آنے کی ہامی بھرلی؟ مگر وہ اپنی حیرت چاچو پر واضح نہیں کرنا چاہتی تھی اور یہ بھی حقیقت تھی کہ مون کے آنے کا سن کر کہیں اندر اس کے دل میں خوف پنپنے لگا تھا لیکن وہ اپنے اس خوف کو بھی چاچو پر منکشف کرنا نہیں چاہتی تھی۔

پھر یوں ہوا کہ بھیگتی ہوئی مہکی ہوئی یہ انوکھی شام ان کے خوب صورت گھر میں اتر آئی تھی۔ مالا نے آج تانتے کی دی ہوئی خوب صورت روک پہنی تھی۔ آج اس نے خوب دل سے میک اپ بھی کررکھا تھا پھر چاچو نے اس کی خوب تعریف بھی کی۔ وہ آج ایک مکمل ہاؤس فراؤ لگ رہی تھی۔ نینی کے تعریفی جملے اور پھر علی عیسیٰ کی میٹھی نگاہوں نے مالا کو بتادیا تھا کہ آج کی محنت وصول ہوگئی ہے۔

کچھ دیر بعد مون بھی چلی آئی۔ ریشمی سلک کا لمبا فراک پہنے، وہ نزاکت، وہی حسن، وہی دلکشی کے ساتھ غرور سے تنی گردن، اس کے بلونڈ ـــ (سنہرے بال) آج بھی کھلے تھے۔ نیچے سے کھلے اور اوپر نگینوں سے بجی پونی میں جکڑے۔ سر پہ تاج نما کلپ بالوں میں کھبو یا ہوا تھا۔ یہ کراؤن اس کے غرور کو کچھ اور واضح کرتا تھا۔ اس کی آنکھیں آج بھی جھکی تھیں۔ عجیب تر آنکھیں اور حسین تر آنکھیں۔ ہمیشہ کی طرح مالا کے دل کو کچھ ہونے لگا تھا۔

آج علی عیسیٰ بھی بہت خوش تھا گویا اس کی فیملی آج کی شام مکمل ہوگئی تھی۔ یہ چھوٹا سا گھریلو فنکشن تھا۔ کیک کٹنے کے بعد مالا اور نینی ڈنر سرو کررہی تھیں جب ایک اجنبی گھنٹی نے ان سب کو چونکا دیا تھا۔ علی عیسیٰ بڑی ترنگ کے عالم میں گیٹ تک گیا۔ کچھ دیر بعد اس کی واپسی ہوگئی تھی۔ عیسیٰ کے ہاتھ میں ایک خوب صورت گفٹ پیک تھا۔ اس نے مالا کی طرف وہ پیکٹ بڑھادیا۔ مالا کچھ حیران اور کچھ متوحش ہورہی تھی بھلا عیسیٰ نے اسے پیکٹ کیوں پکڑایا تھا؟ اب سب کی نگاہیں خود پر جمی دیکھ کر مالا کو گفٹ پیک کھولنا پڑا تھا۔ پیکٹ میں سے ایک نقلی نگینوں کا بریسلیٹ نکلا تھا۔ اس کے ساتھ ایک چکنی خوب صورت سلپ بھی تھی۔ خالصتاً اردو میں لکھی گئی۔

"پیاری میڈیشن مالا! تمہارے لیے حقیر سا

گفٹ۔ تم بواریا آئیں اور چلی گئیں مگر تمہاری یادیں کبھی مٹ نہ پائیں گی۔" مالا سے سلپ کے نیچے لکھا نام پڑھا نہ گیا تھا کیونکہ سلپ عیسیٰ نے محتاط سے انداز میں بے ساختہ مالا کے ہاتھ سے اچک لی تھی۔ مالا کو لگا اس کا ذہن ایک دم گول، گول گھومنے لگا ہے۔

"کیا کچھ غلط ہونے والا تھا؟" مالا کا چڑیا جتنا دل سہم، سہم گیا۔ ایک خوف کی بھیانک لہر تھی جس نے مالا کو کپکپا کررکھ دیا تھا۔

چکنی خوب صورت سلپ اسے کسی اژدھے کے مانند لگ رہی تھی اور مون کی نگاہوں میں شارک جیسی شکاری تیز لپک اس کے وجود میں آر پار ہورہی تھی۔

"کیا ہونے والا تھا؟ اور کیوں ہونے والا تھا؟ کیا ضروری تھا بواریا کے چھوٹے سے قصبے میں رہنے والا کوئی بھی فرد اسے پارسل بھیجتا؟ ابھی چند دن پہلے ہی تو وہ بواریا سے آئی تھی پھر کیسے اس کی یاد اس قدر شدت سے آئی، جس نے گھر کے پتے پر گفٹ بھیج دیا تھا اور پھر اس چکنی بھیانک سلپ پر لکھے الفاظ "تم بواریا آئیں اور چلی گئیں مگر تمہاری یادیں کبھی مٹ نہ پائیں گی۔" مالا کی گویا سانسیں رکنے لگی تھیں۔ ان الفاظ کے نیچے بھلا کس کا نام ہوسکتا تھا؟ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔

"سوزن؟ تانتے؟ گروہی مگر ان لوگوں کو گفٹ بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟ پھر بھلا پارسل بھیجنے والا کون تھا؟ جس کی طرف مالا کی چھٹی حس اشارہ کررہی تھی وہ اس کے بارے میں کم از کم اس کنڈیشن میں کچھ بھی سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ "آفاق؟" اس کا دل خوف کے عالم میں پھڑ پھڑانے لگا اور جسم سے گویا جان نکلنے کے قریب تھی۔ یہ نام اس کے لیے اب اجنبی نہیں تھا۔ وہ آفاق کو اتنا جان گئی تھی جتنا کسی بھی اجنبی کو جاننا ضروری تھا مگر سوال تو یہ تھا کہ آفاق نے اسے تحفہ کیوں بھیجا۔ آفاق کی بھلا ایسی جرأت کیوں ہوئی؟ اس کا آفاق سے رشتہ ہی کیا تھا جو وہ اتنی دیدہ دلیری سے اسے گفٹ بھیج رہا تھا۔

دل چاہ رہا تھا وہ نقلی نگینوں سے سجا بریسلیٹ اٹھا کر اس چرب زبان، شاطر لڑکے کے منہ پر مار آئے اور ایسی بے نقط سنا کر آئے کہ اپنی ساری تیزی طراری اور چرب زبانی بھول جائے۔ اس کے دل میں آفاق کے خلاف کچھ ایسا ہی غصہ اور نفرت ابھر رہی تھی۔ دل چاہ رہا تھا کوئی تیزاب سے بھری بوتل ہو تو مالا نتائج کی پروا کیے بغیر اس کے منہ پر الٹ آئے۔ آفاق نے مالا کو تحفہ بھیج کر کچھ ایسا ہی گناہ تو کیا تھا حالانکہ یورپ میں تحائف کے لین دین کو بہت اچھا سمجھا جاتا تھا اور گفٹ دے کر یا لے کر کوئی غلط قسم کا خیال یا وسوسہ بھی دل میں نہیں پنپتا تھا مگر مالا جس معاشرے سے آئی تھی جس وطن سے تعلق رکھتی تھی یا جس سوسائٹی سے اٹھ کر آئی تھی وہاں انجان لوگوں کی طرف سے ملنے والے تحفے کیسی، کیسی قیامت ڈھا دیتے ہیں۔ وہ گفٹ لینے اور دینے کے معاملے میں بہت محتاط تھی۔ اس کی کوئی غیر ضروری سہیلیاں بھی نہیں تھیں۔ یہاں پر بھی وہ صرف سوزن کے ساتھ دوستانہ جوڑنے کی خواہش مند تھی مگر یہ آفاق نہ جانے بیچ میں کہاں سے ٹپک آیا تھا۔ محض چار گھنٹے کے سفر کا فائدہ اٹھا کر اپنی چرب زبانی کا مظاہرہ کرکے مالا کی ذہنی سطح پر مثبت تاثر چھوڑنے کے بعد اب جانے کیسے تعلقات بحال کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں تو شرارے پھوٹنے لگے تھے۔ جی چاہ رہا تھا کہ آفاق کا منہ طمانچوں سے رنگ دے مگر وہ اپنے کسی بھی ارادے کو پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچا سکتی تھی۔

اس وقت صورتِ حال بھی کچھ ایسی ہی تھی کہ مالا کو اپنا آپ انتہائی کمتر لگ رہا تھا۔ بھلا اس کے بارے میں حبیب چاچو کیا سوچتے؟ علی عیسیٰ کے دل میں کس قسم کے خیال آسکتے تھے؟ وہ ایسی کرداری ہلکی یا مردوں سے فری ہونے والی تھی جو چار پانچ گھنٹے کے سفر میں ایک غیر مرد سے دوستانہ جوڑ چکی تھی جس

نے چند ہی دن بعد۔۔ تجدیدِ تعلقات کے لیے پہلا تحفہ بھیج دیا تھا؟ مالا کا شرم کے مارے برا حال تھا۔

ایک لمحے میں جانے اس پر کیسی، کیسی قیامتیں گزر گئی تھیں۔ شاید سے بدلنے والا تھا اور اس پر مہربان ہوئی تقدیر اپنا پانسہ الٹ رہی تھی۔ اس کے ہاتھوں کی مکھیں ایسی طاقت ور نہیں تھیں جو بدلتے سمے کی نبض جان جاتیں۔ زندگی مالا ذوالفقار پر شاید تنگ ہونے والی تھی مگر جانے کیسے اس کی سماعتوں نے کچھ ایسا سنا جو اس کی سوچوں سے قطعاً الگ اور انوکھا تھا۔ وہ حیرت سے منجمد ہوتی حسیب چاچو کو ٹکر ٹکر دیکھنے لگی۔ حسیب چاچو یہ کیا بول رہے تھے؟ یا مالا کے وجود میں نئی روح پھونک رہے تھے یا سانس کھینچ رہے تھے۔

”تمہارا اس شہر میں کون سا ایسا دوست ہے جس نے تمہیں برتھ ڈے گفٹ بھیج دیا؟“ چاچو بہت حیرانی کے عالم میں علی عیسٰی سے مخاطب تھے اور مالا کو لگا تھا اس کے اندر کچھ ٹوٹ گیا ہے۔ جانے اب علی عیسٰی کون سا جواب دینے والا تھا؟ مالا ابھی تک سن کھڑی تھی۔

”یہ عورتوں والا بریسلیٹ میرے لیے نہیں آیا۔“ علی عیسٰی نے سلپ ایک مرتبہ پھر مالا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

”تو پھر؟“ چاچو حیران ہوئے تھے۔ ان کے چہرے پر اچنبھا تھا۔

”یہ گفٹ مالا کے لیے آیا ہے شاید سوزن نے بھیجا ہے۔ اپنا نام لکھنا بھول گئی۔“ علی عیسٰی اب وضاحت کر رہا تھا۔ اس کا چہرہ پہلے کی طرح نارمل تھا۔ وہاں برہمی کے آثار نہیں تھے۔ علی عیسٰی کا جواب سن کر جہاں چاچو اور مالا کے اندر سکون کی لہریں اٹھی تھیں وہیں مالا نے غور کیا تھا کہ مون پہلو بدل کر رہ گئی ہے۔ اس کے چہرے پر پھیلے تاثرات سمجھنا آسان نہیں تھا۔ عموماً مون کا چہرہ سپاٹ ہوتا تھا ہر قسم کے تاثرات سے عاری۔

مالا کو حیرانی اس وقت زیادہ ہوتی تھی جب مون، چاچو اور عیسٰی کو جو بھی کہتی وہ بلا چوں و چرا مان جاتے۔ اکثر وہ دعویٰ کرتے کہ اب مون آئی تو اسے زبردستی روک لیں گے مگر جب اس سے روبرو بات کی جاتی تو وہ ان دونوں باپ بیٹے پر کوئی ایسا سحر پھونکتی تھی کہ دونوں ایسے بے بس ہو جاتے گویا کبھی اس کے سامنے بول ہی نہ پائیں گے۔ نہ بولنے کی جرأت کر سکیں گے۔ نہ اپنی بات کبھی مون سے منوا سکیں گے۔ اس کے چلے جانے کے بعد بھی بہت سارے دن چاچو ایسے ہی بے بس رہتے۔

مون کی ایک اضافی خوبی یہ بھی تھی کہ وہ باپ اور بھائی سے جھگڑا نہیں کرتی تھی۔ چیختی تھی نہ چلاتی تھی۔ نہ غصے کا اظہار کرتی تھی۔ شاید مالا کے آنے سے پہلے وہ ایسا بھی کرتی رہی ہو مگر فی الحال ایسا کچھ نہیں تھا۔ وہ ڈانٹ ڈپٹ، روک ٹوک، دھمکی، ملامت، غصہ اور بدزبانی کے بجائے لفظوں کے تیر پھینکتی تھی وہ بھی شہد میں ڈبو ڈبو کر۔ ویسے بھی جو شیرینی سے گھائل ہونے والے تھے انہیں زہر بھلا کیا دینا تھا۔ اسے مقابل کو تنگ، عاجز، لاچار۔۔۔ اور زچ کرنا بخوبی آتا تھا۔ وہ کم بولتی تھی دوسروں کی طرف کم دیکھتی تھی عموماً لوگوں سے ملتی بھی نہیں تھی۔ وہ حقیقت میں مالا کی زندگی میں آنے والا بے انتہا عجیب کردار تھی۔

پاپا نہیں جانتے تھے، عیسٰی نہیں جانتا تھا بلکہ کوئی بھی نہیں جانتا تھا مون کس قدر انا پرست، خود پسند، منتقم مزاج، کینہ پرور اور حاسد لڑکی تھی۔ کوئی اس کے باپ کی اور بھائی کی محبتوں میں حصے دار بن آیا تھا۔ وہ بھی اس کی مرضی اور چاہت کے بغیر...... بھلا یہ کوئی معمولی بات تھی؟ اس کے اندر لگی آگ کے شعلے آہستہ آہستہ باہر آ رہے تھے۔ وہ غیر محسوس طریقے سے اب آگ کا کھیل رچانے والی تھی۔

اسے آگ سے کھیلنا پسند تھا چاہے خود جلتی یا دوسروں کو جلاتی۔ بعض لمحے خنجر کی دھار جیسے ہوتے ہیں۔ غلط فیصلہ ہو جائے تو ان کی کاٹ سے نہ جان بچتی ہے اور نہ ایمان بچتا ہے اور اب چاہے بازی جان کی لگتی یا ایمان کی وہ اپنے فیصلے سے ہٹنے والی نہیں تھی۔

دراصل خود کو ہر لحاظ سے عقلمند، ہوشیار اور چالاک سمجھنے والے ہی اکثر خطا کھاتے ہیں اور جان سے بھی جاتے ہیں۔ شاید مون انہی لوگوں میں سے تھی بغیر نتائج کی پروا کیے سر دھڑ کی بازی لگا دینے والی...... مون چونکہ فطرتاً غیر معمولی ذہانت رکھنے کے ساتھ بہت عجیب لڑکی تھی اور اس کی قوتِ مشاہدہ بھی کمال کی تھی سو وہ ایک ہی نظر میں بندے کے اندر کا احوال پڑھ آتی تھی۔ اسے ذہن کھوجنے میں انتہا کی حد تک کمال حاصل تھا۔ مون نے کہیں پڑھا تھا کہ انسان کا بہترین مطالعہ، انسان ہی کا مطالعہ ہے جانے یہ لفظ اس کی سوچ میں کہاں سے آ کر جم گئے تھے۔ شاید اسی ایک لمحے کی گرفت مضبوط ہونے پر اس نے کتابیں آرام سے اٹھا کر اپنے باپ اور بھائی کے کتب خانے میں سجا دی تھیں۔ اس نے کتاب کا مطالعہ چھوڑ کر انسانوں کے ذہن پڑھنے شروع کر دیے تھے۔ اسے غیر فطری کاموں میں مزہ آتا تھا حالانکہ علم کی طلب عبادت اور اس کی تلاش جہاد ہے جب اس نے عبادت اور جہاد کے مفہوم پر غور کرنا چھوڑ دیا تب وہ منزل، منزل بھٹکنے لگی۔

جبھی اس غیر فطری عجیب لڑکی نے اس حسین شام کے اس سنہرے پل دو لوگوں کے ذہنوں کو لمحے کے ہزارویں حصے میں چھانی کی طرح چھان لیا تھا تب اس پر ایک بڑا سا انکشاف ہوا یعنی اعتبار کا انکشاف، اعتماد کا انکشاف اور شاید محبت کا بھی تو گویا ایک لاوارث پارسل ملنے پر اس کا بھائی بڑے اطمینان سے جواب پیش کر رہا تھا۔

”شاید سوزن نے بھیجا ہے، اپنا نام لکھنا وہ بھول گئی۔“ علی عیسٰی کے اعتبار کی کوئی حد بھی تھی۔ اتنا اندھا اعتماد، ایسی اندھی محبت تو گویا بوا ریا کے چھوٹے سے قصبے میں دور اتیں گزارنے والی علی عیسٰی کی بیوی کو کوئی بھی اجنبی اپنا نام لکھے بغیر تحفہ ہی نہیں بھیج سکتا تھا۔ یہ علی عیسٰی کے اعتبار کی انتہا تھی۔

پھر یوں ہوا کہ یہ سنہری شام بنا بدمزگی کے بہت خوش خرامی سے گزر گئی۔ کھانے کے بعد ہمیشہ کی طرح مون نے مصروفیت کے کئی بہانے کیے اور چاچو بے چارے بے بس مون کو جاتا دیکھتے رہے۔ عیسٰی اسے روکنا چاہتا تھا مگر روک نہیں پایا۔

وہ گفٹ والا پارسل رات بھر مالا کے ذہن میں کھلبلی مچائے رہا تھا حالانکہ چاچو اور عیسٰی نے دوبارہ کوئی سوال نہیں اٹھایا تھا بلکہ سوزن کے بھیجے تحفے کی خوب تعریف بھی کی تھی۔ تاہم مالا اپنے ذہن اور دل کو مطمئن نہیں کر پائی تھی۔ اس کا ذہن کئی حصوں میں الجھا ہوا تھا۔ کبھی خیال آتا محض دو ہفتے گزرنے کے بعد سوزن کو گفٹ بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟ کبھی وہ دل کو تسلی دے لیتی کہ یقیناً سوزن نے ہی گفٹ بھیجا ہوگا مگر رات بھر اتنی خوشگوار شام گزارنے کے باوجود بھی اسے ٹھیک سے نیند نہیں آئی تھی۔

☆☆☆

بڑی مضمحل سی صبح طلوع ہوئی تھی، عجیب سی پژمردگی سے بھری۔ انتہائی سست، ست...... مالا کا بستر چھوڑنے کو دل نہ چاہ رہا تھا مگر وہ علی عیسٰی کو آفس بھیجنے کے لیے تیاری میں مدد کروانا بھی چاہتی تھی گو کہ عیسٰی نے کبھی اسے فورس نہیں کیا تھا نہ تنگ کیا تھا کہ وہ اپنی نیند خراب کر کے عیسٰی کو ناشتا بنا کر دے یا دوسرے چھوٹے موٹے کام کرے۔ یہ سب مالا کے اپنے دل کی خوشی تھی۔ وہ عیسٰی سے اتنی محبت کرتی تھی کہ اس کا بس چلتا تو رات کو بھی نہ سوتی بلکہ چپکے، چپکے قریب بیٹھ کر اس کے نقوش حفظ کرتی رہتی اور عیسٰی میٹھی نیند میں گم رہتا۔

وہ ناشتے سے فارغ ہو کر بھی عیسیٰ کو خوب صورت طریقے سے سی آف کر کے سرخ گلابوں کے گارڈن میں کھڑی پھولوں کی روح میں اترنے والی خوشبو کو سینے میں اتار رہی تھی۔ اسے کل شام کے مناظر یاد آرہے تھے۔ کل عیسیٰ کی سالگرہ جو تھی۔ وہ پورا دن مصروف رہی تھی۔ چاچو اور وہ دونوں ایک چکر مارکیٹ کا بھی لگا کر آئے تھے۔ اپنی طرف سے وہ اس کے لیے سرپرائز پلان کر رہے تھے۔

پھر یوں ہوا کہ چاچو کی ڈھیروں بوکھلاہٹوں کے باوجود کھانا وقت پر تیار ہو گیا تھا۔ سب سے زیادہ حیرانی تب ہوئی جب عیسیٰ وقت سے پہلے گھر آگیا۔ مالا تو کیا نمی اور چاچو بھی حیران رہ گئے تھے حالانکہ کچھ دیر پہلے چاچو، مالا کو بتا رہے تھے کہ عیسیٰ کو کبھی اپنا برتھ ڈے یاد نہیں رہا۔ بچپن سے لے کر آج تک وہ ہمیشہ اسی اہم دن کو بھول جاتا ہے اور یہ بھی کہ عیسیٰ کی سالگرہ پر اتنا اہتمام نہیں ہوتا بس کیک کاٹا جاتا ہے جبکہ مالا نے عیسیٰ کو سرپرائز دینے کے لیے بہت اہتمام کر رکھا تھا اور وہ دونوں بہت خوش بھی تھے کہ عیسیٰ ایک دم سرپرائزڈ رہ جائے گا مگر ان سب کو حیرت کا جھٹکا تب لگا جب عیسیٰ اپنے موبائل پر یہ رنگ ٹیون سیٹ کر کے ہنستا مسکراتا اندر داخل ہوا۔

”آج ہماری سالگرہ ہے ناں‘ دیکھو ہم کو یاد ہے ناں۔“ وہ برابر مسکراتا ہوا گنگنا رہا تھا جبکہ چاچو تو کیا مالا بھی ہونق رہ گئی تھی تو گویا یہ سارے اہتمام میں سرپرائز کا پہلو کہیں سے بھی نہ نکلتا تھا۔ وہ حضرت اپنی سالگرہ کے دن کو خوب یاد رکھے ہوئے تھے۔ مالا کی اتری صورت دیکھ کر چاچو فوراً تنک کر بول اٹھے تھے۔

”پچھلے تئیس سالوں میں تو تمہیں سالگرہ کا دن کبھی یاد نہیں رہا۔ آج بائیس، تئیس سال بعد کیسے سالگرہ کا دن یاد آگیا؟“ چاچو بھی سرپرائز کرکرا ہونے کی وجہ سے سخت بدمزہ ہو رہے تھے۔ ان کے روکھے، طنزیہ لب و لہجے کو سن کر عیسیٰ قطعاً حیران ہوا ہوا بولا تھا بلکہ انتہا درجے کا حیران نظر آرہا تھا۔

”میں تو خود حیران ہوں، پندرہ بیس منٹ پہلے مجھے قطعی طور پر اپنی سالگرہ یاد نہیں تھی پھر اچانک میرے ذہن میں خیال آیا، یوں سمجھیں کلک سے کچھ روشن ہوا تھا اور میرے سامنے سالگرہ کی ڈیٹ آگئی۔“ وہ اپنی حیرانی کا اظہار بہ آواز بلند کر رہا تھا۔ مالا بھی ایک دم ٹھٹک گئی تھی حالانکہ اس میں ٹھٹکنے والی کوئی بات نہیں تھی۔ اکثر اچانک بے خیالی میں پرانی اور بھولی ہوئی باتیں یاد آجاتی ہیں۔ علی عیسیٰ کو بھی سالگرہ یاد آگئی سو اس میں اتنا حیران ہونے کی ضرورت نہیں تھی مگر جس چیز نے مالا کو ٹھٹکایا تھا وہ چاچو کے کرب انگیز تاثرات تھے۔ ان کے چہرے پر ایک دم صدیوں کی ..... تھکن اتر آئی تھی۔ وہ لمحوں میں بہت تھکے، تھکے، پژمردہ اور نڈھال نظر آنے لگے تھے۔ آخر چاچو کو کیا ہوا تھا؟ مالا زیادہ دیر سوچ بھی نہیں سکی تھی ’چاچو کی تھکی، تھکی خود کلامی نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا وہ گویا علی عیسیٰ اور مالا کو نظر انداز کیے خود سے مخاطب تھے۔

”تو یہ کارستانی مون کی ہے۔ اس سے مالا کی چھوٹی سی خوشی بھی برداشت نہیں ہو سکی۔ میں مون کو نہ ہی بتاتا کہ مالا نے عیسیٰ کی سالگرہ کا اہتمام کر رکھا ہے۔ اسے سرپرائز دینے کے لیے۔“ ان کی آواز عجیب سی تکلیف میں بھیگ رہی تھی۔ چہرے پر دکھ کے سائے لہرا رہے تھے۔ وہ بہت اذیت میں نظر آرہے تھے گویا مون کے عمل نے ان کے دل کو سخت ٹھیس پہنچائی تھی۔ جانے مون نے کیا، کیا تھا؟ ٹیلی فون کر کے عیسیٰ کو اطلاع دے دی تھی یا کسی اور ذرائع سے مطلع کر دیا تھا؟

”مون نے فون تو نہیں کیا، یہ تو اچانک ہی میرے ذہن میں خیال آگیا.....“ عیسیٰ بھی کچھ بولتے، بولتے ایک دم ٹھٹک کر چپ ہو گیا تھا۔ گویا

اسے بھی کچھ خیال سا آیا یا کچھ یاد سا آیا۔ اس کے لب سختی سے بھینچ گئے تھے کبھی نہ کھلنے کے لیے۔ وہ غصے کو شدید ضبط کر رہا تھا۔ اس کا چہرہ لمحوں میں رنگ بدل گیا۔ آخر ان باپ بیٹے کو ہوا کیا تھا؟ مالا نا سمجھی کے عالم میں حق دق کھڑی تھی۔

”ہاں تو اس نے اپنا کوئی تجربہ کر لیا ہوگا تم پر، بس ہم ہی دونوں نہیں مانتے، زمانہ تو سارا کہتا ہے میری بیٹی غیر معمولی صلاحیتوں کی مالک ہے۔“ حبیب چاچو کی آواز میں اب بھی گہرا کرب ہلکورے لے رہا تھا حالانکہ اگر ان کی بیٹی غیر معمولی صلاحیتوں کی مالک تھی تو اس بات پر انہیں فخر کرنا چاہیے تھا مگر یہ اداسی نہ جانے کیوں تھی؟ شاید مالا کا سرپرائز خراب ہو جانے کی وجہ سے...... مالا کچھ سمجھ نہیں پائی تھی اور اپنی عقل کے مطابق خود کو دلیل دے کر مطمئن بھی کر چکی تھی پھر یوں ہوا کہ علی عیسیٰ نے صورت حال کو سنبھال لیا۔ وہ اس وقت معنی خیز کثیف ماحول کو اپنی ہنسی اور چٹکلوں سے بدل چکا تھا۔ کچھ دیر بعد مون بھی آگئی تھی اور محض مون کے چلے آنے سے اس کا باپ اور بھائی اتنے خوش ہوئے کہ سابقہ ناراضی یا غصہ انہوں نے فوراً بھلا دیا تھا۔ شاید یہ ماحول ایسا ہی سازگار یا خوشگوار رہتا مگر اس پارسل کی وجہ سے ایک مرتبہ پھر بدمزگی ہوتے، ہوتے رہ گئی تھی۔ اگر عیسیٰ اس پارسل پر ہنگامہ کھڑا کر دیتا یا بے نام سی اس سلپ پر لکھے الفاظ کو دیکھ کر مشکوک ہو جاتا یا پھر وہ سرے سے سمجھتا ہی نہیں کہ یہ پارسل سوزن نے بھیجا ہے۔ وہ اگر شک میں مبتلا ہو جاتا تب بھلا مالا کیا کر سکتی تھی؟ اسے کیسے یقین دلاتی؟ عیسیٰ کو کیسے مطمئن کرتی؟ اس وقت تو بات آئی گئی ہو گئی نہ عیسیٰ کھوج میں پڑا اور نہ ہی چاچو نے تفتیش کی مگر مالا اپنی چھٹی حس کا کیا کرتی جو اسے کسی انہونی سے ڈرا رہی تھی۔ وہ اس پارسل پر اب مطمئن نہیں تھی اور عیسیٰ کے دفتر چلے جانے کے بعد مسلسل اسی پہلو پر غور کر رہی تھی جب چاچو کی آواز نے اسے بوکھلا دیا تھا۔

”مالے ! کیا تم بھی عیسیٰ کے ساتھ چلی گئیں؟“ چاچو کی شوخ آواز سن کر وہ دوڑتی ہوئی واپس لاؤنج میں آئی تھی۔ چاچو گلاسز لگائے اخبار پڑھنے میں مصروف نظر آرہے تھے مگر ان کا دھیان مالا کی طرف ہی تھا جو انہیں کچھ الجھی، الجھی دکھائی دے رہی تھی۔ اس کی الجھن کو جان بوجھ کر نظر انداز کرتے وہ مسکرا کر چھیڑ رہے تھے۔

”میں سمجھا تھا کہ عیسیٰ نے تعریفی ڈائیلاگز کچھ طویل کر دیے ہیں! تبھی میری بیٹی واپس آنا بھول گئی۔“ ان کے چہرے پر صاف شرارت نظر آرہی تھی۔ وہ اسے دن بھر میں کئی طرح سے ستاتے اور تنگ کرتے تھے خصوصاً اس وقت جب وہ پورے دل سے عیسیٰ کے انتظار میں گھڑی پر نگاہ جمائے بیٹھی ہوتی تھی اور چاچو آتے جاتے اسے جتانا نہ بھولتے تھے۔

”ابھی تین گھنٹے رہتے ہیں مالے، اتنی دیر میں کوئی فیشن شو ہی دیکھ لو۔“ گھڑی کی طرف بڑھتا اس کا انہماک دیکھ کر وہ کچھ نہ کچھ ضرور بولتے تھے اور مالا بری طرح جھینپ جاتی تھی۔ کبھی کبھی وہ اس قدر ٹائم پیس پر نگاہ جما کر کھو جاتی تھی کہ چاچو اندر سے الارم والا گھنٹا اٹھا لاتے تھے پھر چاچو کی ہنسی اور مالا کی شرمندگی کا دورانیہ طویل ہو جاتا تھا۔ جب اس نے محسوس کیا کہ چاچو اس کی حرکتوں سے خاصے محظوظ ہوتے ہیں تب مالا نے گھڑی پر چپکے، چپکے نگاہ رکھنی شروع کر دی تھی اور اس کے علاوہ مالا نے نئی انتظار کی مصروفیت ڈھونڈ لی تھی یعنی لاؤنج سے گیٹ تک کے بے مقصد چکر اور یہ کام وہ چاچو کے سامنے بھی کر لیتی تھی حالانکہ چاچو کی زیرک نظروں سے کچھ بھی چھپا نہ رہتا تھا۔ نہ اس کی بے تابی، نہ اس کی بے قراری۔ سو وہ بھی نئے، نئے انداز سے مالا کو زچ کرتے۔

”کیوں جوتے گھسا رہی ہو بیٹا۔ عیسیٰ اپنے وقت پر ہی گھر آئے گا۔“ وہ مالا کے پیچھے ہی باہر

آجاتے تھے۔ اسے محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے حالانکہ مالا کی عیسٰی کے لیے بےقراری انہیں دل وجان سے پسند تھی مگر وہ نہیں چاہتے تھے کہ مالا فضول میں چکر لگا کر تھکتی رہے اور مالا کی ڈھٹائی بھی اس لمحے عروج پر ہوتی تھی۔

''میں تو واک کر رہی ہوں چاچو آپ بھی اپنے بیٹے کی طرح خاصے خوش فہم ہیں۔'' مالا بھی دوبدو جواب دے کر اپنے تئیں انہیں لاجواب کر دیتی تھی مگر چاچو کی آنکھوں میں چھپی شرارت اسے باور کروا دیتی کہ چاچو قطعاً قائل نہیں ہوئے بلکہ خوب زچ کرنے والی نظروں سے دیکھتے رہتے تھے۔

''میرا بیٹا ضرور خوش فہم ہوگا مگر میں نہیں...... یہ بال میں نے دھوپ میں سفید نہیں کیے بیٹا جی۔'' چاچو نے ہار ماننا کہاں سیکھی تھی۔ یہ تو علی عیسٰی تھا جو انہیں لاجواب کر دیتا تھا۔ مالا تو اکثر اپنی ہی باتوں میں خود ہی گرفتار ہو جاتی تھی۔

''یہاں دھوپ نکلتی کہاں ہے چاچو کبھی کبھار اگر موڈ ہوا تو جھلک دکھا دی۔'' مالا کو موضوع بدلنے کا موقع مل جاتا تھا اور چاچو اس کی چالاکی پر قہقہہ لگا کر ہنس پڑتے تھے۔

اس وقت بھی وہ مالا کو چھیڑنے کے موڈ میں تھے مگر اس کے چہرے پر پھیلی الجھن دیکھ کر رک سے گئے۔ کچھ دیر بعد انہوں نے گلاسز اتار کر میز پر رکھے، اخبار بھی سمیٹ دیا پھر اس کا چہرہ کھوجنے والے انداز میں دیکھ کر بولے تھے۔

''کیا بات ہے بیٹا، کوئی پریشانی ہے کیا؟'' ان کے لہجے میں گہرا تفکر تھا۔ اس کی چپ انہیں ہولا رہی تھی۔

''نہیں۔'' وہ گویا خواب کی کیفیت سے جاگی تھی۔ ایک دم ہڑبڑا کر بولی۔ چاچو پُرسوچ نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے پھر کچھ دیر تک دیکھتے رہے۔ مالا کو ان کی نظروں سے الجھن ہو رہی تھی۔

''مجھے امید ہے میری بیٹی مجھ سے کچھ نہیں چھپائے گی۔'' چاچو کی محبت اور مان بھرے لہجے نے اسے بھربھری ریت بنا دیا تھا۔ اسے لگا وہ حقیقت میں چاچو سے کچھ بھی نہیں چھپا سکتی۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اس نے اپنے خدشات تو نہیں البتہ رات والے پارسل کا ذکر ضرور کر دیا تھا جسے سن کر چاچو مطمئن انداز میں بولے تھے۔

''ہاں تو بیٹا تم سوزن کا شکریہ ادا کر دو، اسے کال کر لو۔'' اس کی بات سمجھے بغیر انہوں نے وہی بات کہی تھی جو مالا کی خواہش میں شامل تھی۔ وہ سوزن کو فون کرنا چاہتی تھی مگر مالا کے پاس اس کا نمبر نہیں تھا اور مالا کی الجھن سوزن ہی دور کر سکتی تھی۔

''کیا سوزن کا نمبر مل سکتا ہے؟'' مالا نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

''عیسٰی کے پاس ہوگا تم عیسٰی کو فون کر کے نمبر لے لو۔'' چاچو کے مشورے نے مالا کو تھوڑا ریلیکس کر دیا تھا۔ وہ سر ہلا کر میز پر سے برتن اٹھانے لگی تھی۔ آج نِنی نے نہیں آنا تھا اور ویسے بھی برتنوں کے علاوہ اور کوئی کام بھی نہیں تھا۔ صفائی تو یہاں دو ہفتے بھی نہ ہوتی تو گرد، دھول کا نشان نظر نہیں آتا تھا مگر مالا نے عادتاً پہلے برتن دھوئے پھر کچن صاف کیا اور پھر فارغ ہو کر فون تک آگئی۔ فون کے اوپر ہی عیسٰی کا نمبر لکھا تھا یقیناً سہولت کے لیے لکھ دیا گیا تھا کہ کسی بھی وقت ضرورت پڑ سکتی تھی۔ مالا نے جھجکتے ہوئے نمبر ڈائل کیا چونکہ یہ عیسٰی کا پرسنل نمبر تھا سو فون بھی عیسٰی نے ہی اٹھایا۔ یقیناً وہ گھر کا نمبر دیکھ کر پریشان ہو گیا تھا تبھی اس نے پہلی بیل پر کال ریسیو کر لی تھی۔

''پاپا تو ٹھیک ہیں؟'' اس نے ڈچ میں بہت عجلت بھرے لہجے میں پوچھا تھا۔ یقیناً وہ سمجھا ہوگا کہ نِنی نے اسے فون کیا ہے جبکہ دوسری طرف خاموشی محسوس کر کے وہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ فون نِنی نے نہیں کیا تبھی ہلکے پھلکے لہجے میں ذرا مسکرا کر بولا۔

''مالے! یہ تم ہو ناں!'' علی عیسٰی کے لہجے میں یقین تھا مالا اسے تنگ کرنے کے موڈ میں نہیں تھی اسی لیے کچھ پھیکی سی آواز میں کہنے لگی۔

''جی! میں ہوں اور بھلا کون ہو سکتا ہے؟''

''اور کوئی بھی نہیں ہو سکتا۔'' عیسٰی گویا کھل کر مسکرا دیا۔ ''کہیے ملکۂ عالیہ! فون کس لیے کیا؟'' وہ بڑی فرصت سے بات چیت کرنے کے موڈ میں لگ رہا تھا حالانکہ وہ اس وقت بہت مصروف تھا کچھ دیر بعد اسے ایک میٹنگ اٹینڈ کرنا تھی پھر ایک آفیشل لنچ کے لیے نکلنا تھا مگر مالا کی فون کال نے اسے روک لیا تھا۔

''مجھے سوزن کا نمبر چاہیے۔'' مالا نے تمہید باندھے بغیر ڈائریکٹ نمبر مانگ لیا تھا۔ شاید وہ محسوس کر چکی تھی کہ عیسٰی اس وقت خاصا مصروف ہوگا جبکہ وجۂ فون دریافت ہو جانے پر عیسٰی نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔

''ظالم نے یاد بھی کیا تو رقیب کو...... آہ۔'' اس کا انداز ایسا مسکین سا تھا کہ مالا کو اتنے کشیدہ سے ماحول میں بھی ہنسی آگئی تھی۔ دراصل اس وقت مالا کے سر پر صرف سوزی سے بات کرنے کی دُھن سوار تھی۔ وہ اپنی پریشانی کم کرنا چاہتی تھی یہ پوچھ کر کہ آیا سوزن نے ہی اسے گفٹ بھیجا ہے یا پھر مالا کسی کی سازش یا شرارت کا شکار ہونے والی تھی۔

''آج لگتا ہے، آپ خاصے فراغت کے موڈ میں ہیں۔'' مالا کو کچھ تو بولنا ہی تھا حالانکہ ذہن سوزی میں اٹکا ہوا تھا۔ آنکھوں کے سامنے پارسل اور نقلی نگینوں کا بریسلیٹ ناچ رہا تھا۔ ذہن کہیں تھا اور گفتگو بے ربط سی ہو رہی تھی۔ عیسٰی نے اس کی.... بے توجہی فوراً نوٹ کر لی تھی۔

''تم ٹھیک تو ہو؟'' وہ فوراً پریشان ہو اٹھا تھا اور اس کی پریشانی محسوس کر کے مالا کو سنبھلنا ہی پڑا۔

''مجھے کیا ہونا ہے ایکچوئلی، انناس کی پڈنگ بنا رہی ہوں سو ذہن کچن کی طرف چلا گیا۔'' مالا کو اپنی بےدھیانی کا جواز پیش کرنے کے لیے بروقت بہانہ مل گیا تھا۔

''او...... تو یعنی آپ معدے سے ہو کر دل میں براجمان ہونے کا پورا پورا منصوبہ بنائے ہوئے ہیں۔'' عیسٰی نے مسکرا کر اسے چھیڑا تو مالا خاصے اعتماد سے دوبدو بولی۔

''دل میں براجمان تو ہم ہو چکے، ایسی کوششیں تو بس محبت کو اور بڑھانے کے لیے کی جاتی ہیں۔'' اتنے عرصے میں بلکہ شادی کے بعد مالا کی طرف سے پہلا خوب صورت اظہار عیسٰی کی روح تک کو شانت کر گیا تھا تبھی وہ کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

''مارولس۔'' عیسٰی نے ہنسی کے دوران ہی ذرا رک کر کہا تھا پھر تھوڑی عجلت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔ ''دل تو چاہ رہا ہے تم سے تھوڑی اور لمبی بات کروں، ابھی میں تمہی کو سوچ رہا تھا، تمہی کو یاد کر رہا تھا۔ دل چاہتا ہے کہ اس دل کو پنکھ لگیں اور اڑتا ہوا تمہارے پہلو میں جا گرے مگر یہ غمِ روزگار......'' عیسٰی کو پٹری سے اترتا دیکھ کر مالا جلدی سے سنبھل گئی تھی اور جو بےچارہ سا دل تھا، عیسٰی کی بات کے مفہوم میں الجھتا دھڑک، دھڑک کر بےحال ہو رہا تھا۔

''ویسے ایک بات کہوں؟'' سوزن کا نمبر لکھوا کر عیسٰی نے فون رکھنے سے پہلے ذرا تنگ کرنے والے انداز میں مالا کو چھیڑنے کی کوشش کی تھی۔ وہ جو فون رکھنے لگی تھی، عیسٰی کی بات سن کر رک سی گئی۔

''رقیبوں کو فون کر رہی ہو، ذرا دھیان سے۔'' وہ اسے چھیڑ رہا تھا یا تنبیہہ کر رہا تھا۔ مالا سمجھ نہیں پائی تھی مگر وہ خود کو کچھ بولنے سے روک نہیں پائی تھی۔ ایک دم آفاق کی باتیں یاد آنے لگیں۔ یہ اللہ نے اوپر جو کھوپڑی نما میموری باکس بنا رکھا ہے یہاں سارا ڈیٹا ایک دم سیف ہو جاتا ہے کبھی کمپیوٹر کی خرابی کے باعث بھول چوک

ہوجاتی ہے تاہم ڈیٹا ڈیلیٹ ہرگز نہیں ہوتا۔ کچھ دن بعد یادداشت کے خانوں سے پٹ پٹ باتیں نکل کر گرنے لگتی ہیں۔ جیسا کہ ابھی عیسیٰ کی چھیڑ چھاڑ نے اسے آفاق کی باتیں یاد دلا دی تھیں۔ سوزن کی عیسیٰ کے لیے محبت، عیسیٰ کی ماں کے سوزن جیسی اچھی لڑکی کے لیے جذبات، عیسیٰ کی شرط اور پھر سوزن کا انکار۔ اس نے محبت پر مذہب کو ترجیح دی تھی۔ وہ بلاشبہ ایک منفرد اور عظیم لڑکی تھی اور اب عیسیٰ شاید تہیہ کررہا تھا کہ رقیبوں سے بات کرتے ہوئے محتاط رہنا یا پھر مذاق میں تنگ کررہا تھا؟ مالا سمجھی نہیں مگر الجھ ضرور گئی۔

"سوزن میری رقیب کیسے ہوگئی؟" مالا نے حتی المقدور اپنے لہجے کو نارمل کیا تھا۔ وہ عیسیٰ پر کچھ ظاہر کرنا نہیں چاہتی تھی کہ اسے آفاق نے کچھ بتا رکھا ہے۔ دراصل یہ موضوع کبھی عیسیٰ نے چھیڑا ہی نہیں تھا ورنہ مالا تو کب سے بے چین تھی یہ جاننے کے لیے کہ آیا آفاق نے جھوٹ بولا تھا یا سچ؟

"آں...... تو گویا تم نہیں جانتیں؟" عیسیٰ کچھ چونک گیا پھر کچھ دیر کے لیے سوچوں میں گم ہوگیا تھا۔ شاید اپنی عجلت پسندی پر خود کو ملامت کررہا تھا کہ اسے مالا کے ساتھ ایسی بات نہیں کرنا چاہیے تھی۔ مالا کچھ اس قسم کے احساسات کا شکار تھی۔

"میں کیسے جان سکتی ہوں، آپ نے کچھ بتایا ہے کیا؟" وہ الٹا ناراض ہونے کا موڈ بنا رہی تھی کہ عیسیٰ نے اپنی پچھلی زندگی کے بارے میں اس کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ وہ مما کی باتیں ضرور کرتا تھا مگر یہ نہیں بتاتا تھا کہ مما کی خواہش تھی اپنی بھانجی کو بہو بنانے کی۔ شاید یورپ میں ایسی رشتے داریوں کا تصور نہیں کیا جاسکتا تھا مگر علی عیسیٰ کی مما کا گھرانا اس لحاظ سے بہت مختلف تھا۔

"اگرچہ سوزن نے تمہیں کچھ نہیں بتایا ہوگا مگر میں مان نہیں سکتا کہ آفاق کے ہلکے پیٹ میں کوئی بات ٹھہر سکے۔ اس نے تمہیں ایک دو گھنٹے کے اندر پوری ہسٹری بتا دی ہوگی۔ اِٹ از ناٹ پاسیبل کہ وہ چپ رہے اور کچھ بولے نہیں۔ اسے بولتے رہنے کا خبط ہے۔" عیسیٰ کے اگلے سوال نے مالا کو ہکا بکا کردیا تھا۔ وہ تو ابھی عیسیٰ کی بتائی تفصیل کے حصار سے نہیں نکلی تھی کہ پھر عیسیٰ نے جھٹ سے معصوم بن کر کہا۔ "پر تم خاصی گھنی ہو یا دوسرے معنوں میں بردبار کہہ لو مجال ہے جو مجھ سے کچھ پوچھا ہو تم نے۔" وہ اب مسکرا رہا تھا یا جتا رہا تھا۔ مالا گویا ہونق سی ہوگئی پھر اسے اپنی پوزیشن کلیئر کرنے کا اچانک خیال آگیا۔ اگر وہ اب بھی نہ بولتی تو شاید عیسیٰ سمجھتا کہ وہ کسی بات پر ناراض یا بدگمان ہے۔

"میں آپ سے پوچھتی تب جب مجھے آفاق کی کسی بات پر یقین آتا۔ مجھے کیا خبر آفاق جھوٹ بول رہا تھا یا سچ؟ ویسے بھی میں اجنبیوں سے.... بے تکلف نہیں ہوتی اور نہ ان کی بے سروپا باتوں کو حقیقت سمجھتی ہوں۔" مالا کے تفصیلاً دو ٹوک تلے جواب نے جہاں عیسیٰ کا دل جیت لیا تھا۔ وہیں اسے اپنی ہم سفر پر فخر محسوس ہوا تھا۔ وہ تو ایسے سیپ کے مانند تھی جس کے اندر نگینہ چھپا تھا۔ عیسیٰ کو مالا پر ٹوٹ کے پیار آیا تھا مگر یہ پیار جتانے کا وقت یا موقع نہیں تھا۔

"میڈیشن مالا! آئی لو یو۔" اپنے حواسوں پر قابو پاکر عیسیٰ نے جس خواب آگیں، شرابی لہجے میں اظہارِ محبت کیا تھا مالا گویا لڑکھڑا گئی۔ وہ جو گھنی یا بردبار والی بات سن کر اتنا سنجیدہ اور کرارا جواب دے رہی تھی عیسیٰ کے بے ساختہ انداز کو سن کر سرشار ہوگئی۔ وہ ایسا ہی تھا، جذباتی، منہ پھٹ اور دل میں کچھ بھی نہ رکھنے والا۔ نہ کینہ، نہ بغض، نہ حسد بس محبت دیتا اور محبت وصول کرتا تھا۔ جو کچھ محسوس کرتا فٹ سے کہہ دیتا جیسے ابھی مالا کی بات سنے بغیر اپنی

کہے جا رہا تھا۔

"اور یار! آفاق جھوٹ نہیں بولتا، اس نے جو کہا ٹھیک ہی کہا۔" اب کہ عیسیٰ کا لہجہ ذرا مدھم ہوگیا تھا۔ "مگر ایک بری عادت ہے اس میں، راز سینے میں رکھنے والا نہیں ویسے بہت اچھا ہے۔ اتنا اچھا کہ میں نے تمہارے حوالے سے اس پر اعتماد کیا اور وہ اعتماد کو ٹھیس پہنچانے والا نہیں۔" وہ مدھم لہجے میں جانے آفاق کی تعریف کررہا تھا یا اپنے خیالات کا اظہار کررہا تھا۔ جو کچھ بھی تھا مالا کو آفاق کے حوالے سے وضاحت کچھ پُرسکون کرگئی تھی ورنہ وہ تو اچھی خاصی آفاق سے بدگمان ہوچکی تھی حالانکہ اس نے ایسا تو کچھ بھی نہیں کیا تھا جو مالا کو اس حد تک بدگمان کردیتا مگر وہ عیسیٰ کی باتوں کو سمجھتے ہوئے آفاق کی گفتگو کو ذہن میں دُہرا رہی تھی پھر کچھ دیر کی خاموشی کے بعد مالا نے آہستگی سے پوچھا۔

"تو کیا یہ سچ ہے کہ سوزن نے آپ سے شادی سے انکار کردیا تھا؟" مالا کے لہجے میں چبھن نہیں تھی وہ بہت سادگی بھرے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔ ویسے بھی اسے سوزن سے کسی بھی قسم کی پُرخاش نہیں تھی۔ وہ جو بھی تھی جیسی بھی تھی مالا کو عزیز تھی۔ جانے یہ کیسا اٹوٹ سا رشتہ تھا جو خود بخود سوزن اور مالا کے درمیان جُڑ چکا تھا۔

"ہاں، سوفی صد سچ۔" عیسیٰ نے خواہ مخواہ دکھی ہونے کی کوشش میں منہ بنالیا تھا۔ مالا نے کم از کم یہی محسوس کیا تھا کہ وہ غیر سنجیدہ سا ہے۔

"کوئی آپ کو بھی انکار کرسکتا ہے؟" مالا نے حیرت سے پوچھا۔

"میں کہاں کا شہزادہ ہوں بھلا...... مجھے انکار کیوں نہیں ہوسکتا؟" وہ الٹا مزے سے کہنے لگا۔

"وہ آپ سے محبت کرتی تھی۔" اس نے بڑے گہرے لہجے میں عیسیٰ کو جانے کیا جتانا چاہا تھا مگر دوسری طرف شوخ پن کا کوئی انت نہیں تھا۔

"ایں...... کیا مطلب؟ کرتی تھی نہیں، کرتی ہے۔" وہ اپنی بات پر زور دے کر چکا تھا۔ احساسِ تفاخر تو اگرچہ محسوس نہیں کیا جاسکتا تھا تاہم وہ اترا ضرور رہا تھا اور شاید مالا کو چڑانا بھی چاہتا تھا۔

"اس اچھی لڑکی کے ساتھ ویسے کچھ اچھا نہیں ہوا۔" مالا بغیر چڑے اطمینان سے بولی تھی۔ عیسیٰ کو جھنجلاہٹ میں مبتلا کرنے کے لیے۔ وہ جو اسے تنگ کرنا چاہتا تھا ایک دم جھنجلا کر رہ گیا۔

"تو کیا میں نے اس اچھی لڑکی کے ساتھ برا کیا؟" اسے چڑانے کی کوشش میں اب وہ خود چڑچڑے انداز میں کہہ رہا تھا۔ اس کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ وہ بہت جلدی چڑ بھی جاتا تھا تبھی تو چاچو اسے ہمہ وقت ستاتے رہتے تھے۔

"میں نے یہ کب کہا۔" مالا نے فوراً وضاحت کی۔

"تو پھر؟" وہ تلملایا۔

"پھر یہ کہ وہ نامراد رہ گئی۔" مالا نے حسرت سے کہا تھا۔ عیسیٰ اس کے حسرت زدہ انداز پر اش اش کر اٹھا۔

"تو تم اسے بامراد کردو مگر ایک بات کا دھیان رکھنا۔ یہاں قانوناً ایک بیوی ہی رکھ سکتے ہیں۔" عیسیٰ نے جس تلملاہٹ سے جواب دیا تھا مالا گویا دھک سے رہ گئی تھی۔

"آپ کہاں تک سوچ بھی آئے؟" وہ حیران درحیران تھی۔ "میں نے تو صرف ایک بات کی ہے، آپ کے ارادوں کا بھلا کیا ہی کہنا۔" مالا اب عیسیٰ کے بے ساختہ پن کو آڑے ہاتھوں لے رہی تھی اور وہ کون سا شرمندہ تھا۔ پوری ڈھٹائی کے ساتھ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"تو میں ایک بزنس مین ہوں میڈیشن مالا۔ اِاچھا کو پہلے سوچتا ہوں۔" عیسیٰ نے ہنسی دبائی تھی مگر مالا ہنس بھی نہ سکی۔ رہ رہ کر سوزن کا سوز و گداز سے بھرا چہرہ

آنکھوں کے سامنے عکس بنا رہا تھا۔ نم ناک آنکھیں، ابھرے ابھرے سرخ گالوں پر چھائی اداسی۔ وہ کتنا کم مسکراتی تھی پھر کرخ کی ٹھنڈی اور رسمی تقریب میں سوزن کے بہنے والے آنسو، وہ آنسو بلاوجہ تو نہیں گر رہے تھے۔ اتنی بالی سی عمر میں اس کی مذہبی دلچسپی، بچکولے لیتا اس کا بھرا بھرا وجود، سادگی، وقار اور شرافت کی چمک لیے اس کا وجود ٹھکرائے جانے والا تو ہرگز نہیں تھا مگر اسے ٹھکرایا نہیں گیا تھا وہ تو اس نے خود ہی...... اور اب عیسیٰ کہہ رہا تھا۔

''مجھے سوزن پر اعتراض نہ ہوتا اگر بیچ میں تم، تمہارا وجود، تمہاری محبت اور تمہاری چاہت کے جگنو نہ ہوتے۔'' عیسیٰ کے لہجے میں واضح سچائی تھی۔ وہ کتنے مضبوط اور مدلل لہجے میں کہہ رہا تھا۔ کتنی خوب صورت بات کر رہا تھا۔ کتنے دل سے کہہ رہا تھا مگر مالا پھر بھی جگہ جگہ اٹک گئی تھی۔

''آپ کو سوزن پر اعتراض نہ ہوتا، اگر بیچ میں میری محبت نہ ہوتی...... تو پھر مذہب کہاں گیا؟'' مالا کے دل میں پھانس سی چبھی تھی۔ وہ عیسائی لڑکی عظمت کے کس مینار پر کھڑی تھی... جس نے محبت پر مذہب کو قربان نہیں کیا تھا مگر یہ......

''میں نے مما سے کہا تھا وہ اسلام قبول کرلے جیسے انہوں نے کیا تھا مگر وہ راضی نہیں ہوئی پھر میری اس سے جذباتی وابستگی بھی نہیں تھی۔ دراصل شروع میں پاپا اور میں سمجھتے تھے کہ مون کو سوزن ہمارے خلاف بھڑکاتی ہے تبھی سوزن کے کہنے پر ہی مون گھر چھوڑ گئی مگر ہم کچھ غلط ہی سوچتے تھے مون تو خود ہی...... بہت عجیب اور جانے کیوں ہے وہ ایسی۔'' عیسیٰ بے ربط سا بولتا کچھ چپ کر گیا تھا پھر اچانک اسے گزرتے وقت کا احساس ہوا تھا۔ وہ ایک دم چونک کر سیدھا ہوا پھر عجلت بھرے لہجے میں بولا تھا۔

''باتوں میں الجھا لیتی ہو...... کچھ ایسا باندھ رکھا ہے مجھے تم نے، دیکھو، تمہاری آواز سن کر مجھے سب کچھ بھول گیا۔'' اب وہ تیز تیز بولتا، فون سرعت سے بند کر گیا تھا۔ تاہم فون بند کرنے سے پہلے اسے اپنا خیال رکھنے کی تاکید کرنا نہیں بھولا تھا۔ فون بند کرنے کے بعد بھی مالا، علی عیسیٰ کی سحر آمیز گفتگو کے حصار میں رہی تھی۔ اس کا دل کسی پہلو سے بھی قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ کچھ ایسا سرور تھا عیسیٰ کی باتوں میں اور کچھ ایسی ہی محبت ہوگئی تھی مالا کو علی عیسیٰ کی منفرد ذات سے۔

وہ کتنی ہی دیر تک عیسیٰ کی محبت کے رس میں بھیگتی رہی تھی، سوزن کے فون نمبر والی چٹ کو ہتھیلی میں دبائے ہوئے۔ وہ عیسیٰ کی گفتگو کے حصار میں سے نکلنا نہیں چاہتی تھی مگر فون کے سفید بٹنوں میں گڑھے ہندسے اسے زیادہ دیر تک مسحور نہیں رہنے دے سکے۔ اس نے گہری سانس کھینچ کر نمبر ڈائل کرنا شروع کیا تھا کچھ ہی دیر میں فون کال ریسیو ہوگئی۔ فون تانتے نے اٹھایا تھا، مالا کی آواز سنے بغیر وہ سی ایل آئی پر عیسیٰ کے گھر کا نمبر دیکھ کر سمجھ چکی تھیں کہ فون کرنے والا کون ہے۔ مالا نے انگلش میں تانتے سے کہا تھا کہ وہ سوزن کو بلا دیں مگر تانتے انگریزی نہیں سمجھتی تھیں سو مالا کچھ تفکر میں پڑ گئی مگر ہوا کچھ یوں کہ تانتے نے آواز دے کر کسی اور کو بلایا تھا۔ شاید کوئی ان کے قریب ہی بیٹھا گفتگو کر رہا تھا پھر ریسیور کسی اور کے ہاتھ میں منتقل ہوگیا اور جو آواز مالا کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی کم از کم اس وقت مالا اس آواز کو سننا نہیں چاہتی تھی۔ تانتے نے آواز لگا کر کسے بلایا تھا، مالا سمجھ نہیں سکی تھی۔

مون حسیب، مالا کی زندگی میں کیا کرنے والی تھی...... علی عیسیٰ اور مالا کے بیچ کیا ہونے جا رہا تھا۔ یہ سب کچھ ضرور معلوم ہوگا مگر اگلے ماہ



رشتہ بھروسے کا

رفاقت جاوید

گھر میں ہُو کا عالم تھا...... لیکن زین کے دل و دماغ میں اِک شور برپا تھا...... بے بسی، بے چارگی اور حسرت و یاس میں مکمل طور پر جکڑا ہوا دیواروں پر آویزاں تصویروں کو بغور دیکھتے ہوئے ہاتھ مل رہا تھا...... فائزہ کے ہاتھ سے سجے ہوئے ڈیکوریشن پیسز جو اس نے بڑے چاؤ سے خریدے تھے وہ انہیں اسی انہماک سے دیکھ رہا تھا۔ تین بیڈ روم کا یہ پورشن کسی طور چھوٹا معلوم نہیں ہوتا تھا۔ اس لیے کہ فائزہ

نے اپنی ذہانت اور قرینے سے اسے اتنا آرام دہ بنادیا تھا کہ اس میں درجنوں مہمانوں کی بھی بہ آسانی کھپت ہوجایا کرتی تھی۔ اس گھر کے چپے، چپے میں اس کی عدم موجودگی کا احساس تھا۔ لاؤنج میں قدِ آدم اپنی شادی کی فوٹو گراف دیکھ کر وہ وہیں رک گیا وہ اپنے یخ بستہ ہاتھوں کی انگلیوں سے اس کے خوب صورت خدوخال کو محسوس کرتے ہوئے خود کلامی کرنے لگا۔

’’میں تمہارے قابل نہیں تھا...... لیکن ہمیشہ میں نے اس کے برعکس سوچا۔ کتنا بدقسمت ہوں میں...... واپس آجاؤ تمہیں میری جان کی قسم...... کیا آج میرے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر مجھے اس قسم سے منع نہیں کروگی۔ آئی لو یو فازی، میں جانتا ہوں تم یقین نہیں کروگی۔ مجھے اچھی طرح علم ہے۔‘‘ دو موٹے موٹے آنسو اس کی آنکھوں سے گرے اور آخر اس کا گریبان بھیگتا چلا گیا...... بیٹی کو سینے سے لگائے وہ فائزہ کو آوازیں دینے لگا...... جیسے کوئی دیوانہ اور جنونی گلیوں میں اپنی معشوقہ کے فراق میں تڑپ رہا ہو۔ اسی کیفیت میں وہ باہر نکل گیا۔

☆☆☆

ان کی ارینج میرج تھی مگر زین، فائزہ کو دیکھتے ہی اس پر فریفتہ ہوگیا تھا۔ سرو قد اور نمکین رنگت پر تیکھے خدوخال میں مشرق سے تعلق رکھنے والی...... اپنے اندر اور باہر اک کافرانہ حُسن کو سمیٹے ہوئے تھی۔ نہایت سلجھی ہوئی، نپی تلی بات کرتی اور دھیما سا تبسم کمال کا تھا۔ فائزہ کا روپ بہت جچتا تھا اگر اپنے اس دبے ہوئے حسن کے ساتھ وہ شوخ و شنگ باتیں کرتی اور زندگی سے بھرپور قہقہے لگاتی...... بے باکی اور بے تکلفی سے ملتی تو شاید پسند نہ کی جاتی...... اسی خوبی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے زین کی ماں اور بہنوں نے بھی ووٹ اس رشتے کے حق میں دے ڈالے کیونکہ انہیں بھی تو کم گو، رکھ رکھاؤ میں لاجواب اور گولڈ میڈلسٹ لڑکی کی تلاش تھی۔ ایسی من پسند بہو بیسیوں لڑکیاں دیکھنے کے بعد ملنے پر ساس نے جھولی پھیلائے حقیقی سوالی بن کر اُن کی چوکھٹ پکڑلی۔

لڑکی والوں کو اور کیا چاہیے تھا! گرد و پیش میں آئے دن رونما ہونے والے چشم دید واقعات اور ان کی اپنی زندگی کے تجربات و مشاہدات کی رُو سے لڑکا زین اور اس کا خاندان، حسب نسب کے لحاظ سے خاصا تسلی بخش لگا۔ نازنخروں میں پلی فائزہ کے والد حامد صاحب نے ان کی حیثیت کے مطابق حق مہر کی رقم اور نکاح نامے میں طلاق کا حق بیٹی کو سونپنے کی شرائط ان کے گوش گزار کردیں...... جنہیں زین کے گھر والوں نے اس وقت تو بخوشی قبول کرلیا جبکہ فائزہ کی ماں طیبہ ان شرائط کے خلاف تھی کیونکہ اس نے اپنے خاندان میں ان شرائط کے بھیانک نتائج دیکھ رکھے تھے مگر حامد نے بیوی کی مخالفت کو اہمیت نہیں دی تھی۔ دوسری طرف سے بے پناہ لگن اور چاہت ان کے لیے خوش آئند سندیسے کے مانند تھی۔ جو معمولی سے خدشات دل کی دھڑکن تیز کیا کرتے تھے۔ وہ بھی ان کی طرف سے ہر شرط پر رضامندی دیکھ کر رفو چکر ہوگئے...... اور خوشی، خوشی نکاح کی تیاریاں ہونے لگیں...... کیونکہ لڑکے والے منگنی کے بجائے نکاح کرنے پر بضد تھے۔ رخصتی کا پروگرام چند مہینے بعد کا تھا۔

اپنی برادری اور عزیز و اقارب کی موجودگی میں مولوی صاحب نے نکاح کی شروعات کی۔ نکاح نامے کے کچھ غیر ضروری کوائف جو ان کی نظر میں تھے، انہوں نے کراس کا نشان لگا کر حق مہر سکہ رائج الوقت ایک سو بتیس روپے لکھا...... جو شریعت کے مطابق تھا...... وہ زین کی طرف منہ کرکے بولے۔

’’شرعی حق مہر بیوی تک پہنچا دینا جب تک اس کی ادائیگی نہیں ہوگی۔ بیوی تم پر حرام ہے۔‘‘

زین نے اثبات میں سر ہلایا...... خوشی کی لہر اس کے چہرے پر پھیل گئی۔ وہ اپنے ساتھ اپنا پرانا خاندانی عمر رسیدہ مولوی لے کر آئے تھے۔ اس نے انہی کے کہنے کے مطابق نکاح نامہ تیار کیا تھا۔ انہوں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ ہم مولوی کا انتظام کرلیں گے اب ایسے مولوی کا انتظام اور نکاح نامہ بھی پُر کیا ہوا تھا جس کی حامد صاحب کو ہرگز خبر نہیں تھی۔ مکمل بھروسا اور اعتماد ان کی زبان پر تھا۔ ان کی میٹھی زبان اور معقول باتوں پر تھا...... یہ سن کر انہیں اِک جھٹکا سا لگا۔

’’حق مہر پانچ لاکھ لکھنے کا وعدہ کیا گیا تھا...... اور طلاق کا حق بھی۔‘‘ انہوں نے چونک کر زین کی طرف دیکھا اور سرگوشی کے انداز میں کہا۔

’’انکل بعد میں اس مسئلے پر گفت و شنید کرلیتے ہیں۔‘‘ زین نے انہیں سرگوشی کے انداز میں آہستگی سے ٹوکا اور اسی اثنا میں مولوی صاحب عزیزوں کے ہمراہ فائزہ کی جانب چل پڑے جو اپنے کمرے میں پنک رنگ کے جوڑے میں ملبوس اپنی سہیلیوں، کزنز اور اکلوتی بہن میں گھری چھیڑ خانیوں سے محظوظ ہورہی تھی۔ چہرے پر حیا کی لالی بکھری ہوئی تھی۔ بولتی آنکھوں سے خوشی چھلک رہی تھی مگر لبوں پر خاموشی نے اس کے جذبات پر غلبہ پا رکھا تھا۔ چند لمحوں کے توقف کے بعد فضا میں مبارک سلامت کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ ایک دوسرے سے بغلگیر ہوکر فتح مندی کے جذبے میں سرشار سسرالی و دیگر رشتے دار کھانے پر ٹوٹ پڑے۔ فائزہ کے والدین کی بے بسی اور غصے کا پیمانہ اتنا لبریز ہوچکا تھا کہ کوشش کے باوجود وہ دل میں اٹھنے والے طوفان کی پردہ داری نہ کرسکے، جسے سسرال والوں نے بھی محسوس کیا۔ جب زین سے بات ہوئی تو اس کے خیالات نے ان کے پاؤں کے نیچے کی زمین سرکا دی تھی۔

’’آپ نے بیٹی کا سودا بہت گھاٹے میں کیا ہے، بیٹی تو انمول ہوتی ہے۔ کاش کہ مجھے ماما پہلے سے خبردار کردیتیں کہ آپ کے لالچ کا لیول کتنا ہائی ہے تو ہمیں یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا...... ہم شریف لوگ ہیں کہ اپنی اس بے وقت کی بے عزتی کو برداشت کرگئے...... ورنہ اٹھ کر جا بھی سکتے تھے۔‘‘

یہاں معاملہ یہی تھا کہ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے...... فائزہ کے والدین رشتے داروں سے بھرے گھر میں اندر ہی اندر کڑھتے ہوئے خاموش رہ گئے...... کیونکہ اس وقت خاموش رہنے میں ہی مصلحت تھی...... وہ دوسری بیٹی کے آنے والے رشتے پر طمع و حرص کی مہر ثبت کرکے اسے تاحیات اپنے گھر بٹھانے کی غلطی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ خاموشی اور صبر و شکر ان کی مجبوری تھی۔ جسے سسرال والے بخوبی جانتے تھے۔ نکاح کے فوراً بعد زبان کی مٹھاس میں کڑواہٹ کی آمیزش نے انہیں پریشان اور فکر مند کردیا تھا...... کیونکہ بیٹی کی شادی کا پہلا، پہلا تجربہ تھا...... سب کچھ انوکھا لگ رہا تھا۔ بیٹی کے سسرال والے کھانے کے بعد جاچکے تھے۔ فائزہ نے افسردگی میں نکاح کا جوڑا اتار کر پرے پھینک دیا کیونکہ اس نے والدین کی خاموشی میں اک جان لیوا طوفان کو محسوس کرلیا تھا۔ والدین کو آج اپنے جیسے مڈل کلاس، سفید پوش اور اپنے وقار و ناموس کو سلامت رکھنے والے بے حساب لوگوں پر بے پناہ رحم آرہا تھا۔ آج سے پہلے انہیں ان مسائل کی خبر کم ہی تھی۔ ان کی حسین و جمیل اور تعلیم یافتہ بیٹی کی یہ قدر ہوگی...... جس کے حقوق کو یوں نظر انداز کیا جائے گا۔ آج وہ بھی مجبوراً حالات کی چکی میں اس بے دردی سے پس جائیں گے اور اس ناانصافی اور ستم ظریفی پر یوں سرِ تسلیم خم کرلیں گے۔ انہیں یقین نہیں آرہا تھا۔ رات بھر دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کو تسلی و تشفی دینے میں مصروف تھے۔

''ہم کتنے احمق نکلے کہ اس خاندان کے بزرگوار حضرات کی زبان پر بھروسا کر بیٹھے...... ان کی میٹھی، چکنی چپڑی باتوں پر اعتماد کر کے ہم نے...... بے وقوفی اور نادانی کا ثبوت دیا ہے اس لیے رونا کس بات کا...... انہیں ہماری ناتجربے کاری اور عاقبت نااندیشی سے فائدہ اٹھانے کا پورا حق حاصل تھا۔ اُف وہ اپنے دھوکے اور فریب سے ہماری عزت پر تھپڑ مار کر کس قدر شاداں و فرحاں تھے۔ کیا بیٹیوں کے رشتے طے کرنے کا مطلب سراسر بے عزتی اور ندامت ہے تو پھر ہم ان کی شادی کا فیصلہ کیوں کر لیتے ہیں؟ بیگم میں شازہ کی شادی کبھی نہیں کروں گا اُس غلطی کا خمیازہ دوبارہ بھگتنے کی مزید سکت نہیں رہی۔ میری کمر ٹوٹ گئی ہے بیگم...... یہ دکھ کسی سے شیئر بھی نہیں کر سکتا۔'' وہ روہانسی آواز میں بولے۔

''آپ دل چھوٹا مت کریں...... والدین کی بے پناہ محبت اور دولت نہ تو بیٹی کے نصیب بدل سکتی ہے نہ ہی سسرال کی طرف سے مقرر کردہ حق مہر بچی کی قدر و منزلت اور خوشیوں میں اضافہ کر سکتا ہے۔ اگر والدین کے اختیار میں اپنی اولاد کے مقدر بدلنے کا ہتھیار ہوتا تو آج کسی کی بیٹی کلنک کا ٹیکا پیشانی پر لگائے واپس اپنے میکے نہ آبیٹھتی...... گھر آباد ہوتے ہیں بیٹی کے صبر و تحمل سے۔ اپنی ذات کی نفی کرنے سے...... میں نے اپنی بیٹی کی جیسی تربیت کی ہے جیسا ادراک اسے سونپا ہے، مجھے امید ہے وہ اپنی زندگی میں بہت خوش اور کامیاب رہے گی۔'' طیبہ نے اپنی آشفتہ ہمت کو بحال کرتے ہوئے سمجھایا مگر ان کا دل مطمئن نہ ہوا...... سر پکڑے بیٹھے رہے۔

''آپ اپنا رویّہ درست کرنے کی کوشش کریں...... ورنہ فائزہ بہت زیادہ پریشان ہو جائے گی اگر اپنی منفی سوچوں کے ہمراہ سسرال جائے گی تو کبھی بس کے نہ دے گی...... دوسرے دن ہی واپس آجائے گی......'' وہ اپنے دل کے درد کو دباتے ہوئے خفگی سے بولیں۔

''تم ٹھیک کہتی ہو...... فائزہ بہت خوش اور مطمئن ہے...... دراصل مجھے شرمندگی، افسوس اور پچھتاوا ہو رہا ہے اپنی مجبوری اور اس کی سسرال کے غیر مناسب رویّے پر...... حق مہر کی مجھے رتی بھر پروا نہیں...... میں جانتا ہوں اس کی اہمیت اس وقت زیرو ہو جاتی ہے جب بیٹی ہمیشہ کے لیے میکے آجاتی ہے۔ نہ تو سسرال حق مہر دینا چاہتا ہے، نہ ہی اس معاشرے کی عدالت حق مہر ادا کرنے پر بھرپور فیصلہ سنانے کی ہمت رکھتی ہے اور نہ ہی لڑکی کے والدین ان ذلالت و رسوائی کے سکوں سے اپنی بیٹی کے مقدر بدل سکتے ہیں...... کاش کہ میں تمہاری بات مان جاتا تو فرض بخوشی ادا ہو جاتا......'' وہ دل گرفتہ انداز میں کہہ رہے تھے۔

''کیا بتاؤں کہ اپنی عزت کی خاطر اور رسوائی و بدنامی سے بچنے کے لیے خاموش رہ کر دوسروں کی نظروں میں بڑا اپنی نظروں میں چھوٹا محسوس کرنے لگا ہوں۔ تم نہیں جانتیں اپنی ہی نظروں میں گرا ہوا باپ کس کرب و اذیت سے گزر کر سانس لیتا ہے، میں کس قدر بزدل اور کم ہمت پڑ گیا تھا۔ اب سمجھ آئی کہ جب بھی میں نے بچی کی پیدائش کی خبر سنی تو دل اتھاہ گہرائیوں میں کیوں ڈوب جاتا تھا۔ میری سانسوں میں تیزی کیوں آجاتی تھی۔ اس وقت بھی بے بسی تھی اور آج بھی میں اسی کیفیت میں مبتلا ہوں۔ آہ بچی کی نیک سیرت، حسن اور تعلیم بھی اس کی قدر و قیمت میں اضافہ نہ کر سکے۔''

''فکر نہ کریں حامد جی۔ انہیں بھی اس بے قدری کی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ ان کے ہاں بھی دو بیٹیاں موجود ہیں...... اوپر والا حساب لینے اور انصاف کرنے کو کافی ہے۔ اس پر اپنا معاملہ چھوڑ کر دیکھیں...... انشاء اللہ ان کی عزت کی بقا بھی دوسروں کی مرہونِ منت ہو گی۔ وہ مکافاتِ عمل سے بچ کر کہاں جائیں گے۔'' وہ نخوت سے بولی۔

''میں سوچ رہا ہوں کہ ہمارے اختیارات کس قدر محدود ہیں، آج ہم بے اختیار ہو کر دیکھتے ہی رہ گئے اور میری آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہمارے ہاتھوں سے نکل گیا اور ہم کچھ نہیں کر سکے۔'' حامد کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں...... بھرّائی ہوئی آواز میں تڑپ کر بولے۔

''خاندان کا بڑا پن اور لڑکے کے میچورٹی لیول کو تو میں سمجھ ہی گیا۔ مجھے خدشہ ہے کہ فائزہ کے لیے ہم نے ایک جان لیوا طعنے کا سودا کر لیا ہے۔ جس کی سلامی اسے رخصتی کے ساتھ ہی سونپ دی جائے گی۔ میری بچی کو تو ڈھنگ سے جواب دینا بھی نہیں آئے گا...... شازہ اس کی جگہ ہوتی تو مجھے ہرگز فکر نہ ستاتی، فائزہ تو ہر مسئلہ اپنے تک رکھنے کی عادی ہے۔ ان کی سطحی باتوں کو کب تک برداشت کرے گی۔''

''خیر نکلے تو دھوکے باز اور جھوٹے لوگ...... فی الحال ہمیں صبر سے کام لینا چاہیے۔ ہم بیٹی والے ہیں، یہ معاشرہ ہمارا ساتھ ہرگز نہیں دے گا۔ اس لیے ہمیں بھی تیل دیکھو اور تیل کی دھار دیکھو کے مطابق چلنا ہوگا۔'' ماں نے سنجیدگی سے کہا تو وہ آنسو صاف کرتے ہوئے بولے۔

''یہ معاشرہ، ہماری روایات و رسومات۔ میں ان پر تھوکتا ہوں، دیکھتا ہوں کہ مجھے کون روکتا ہے، فیصلہ کرنے سے...... جس میں میری فائزہ کی بہتری ہے ویسا ہی کروں گا۔ اتنا بڑا دھوکا کھانے کے بعد اب مجھے زمانے کا ڈر نہیں رہا۔'' ان کی آنکھیں یہ الفاظ کہتے ہوئے پھر اشکبار ہو گئیں...... بیوی نے خود پر قابو پا کر ذرا سختی سے انہیں دیکھا۔

''اس کے لیے دعا کریں...... ایسی کیا قیامت آگئی ہے کہ آپ کا رونا نہیں تھم رہا۔ عورتوں کی طرح رو رہے ہیں۔'' وہ اپنے آنسو پیتے ہوئے تنبیہا بولیں۔

''کچھ یاد ہے میرے لیے آپ نے کتنا حق مہر لکھا تھا، میں بھی تو کسی کی ناز و نعم میں پلنے والی اکلوتی بیٹی تھی۔''

''بیگم......! آج معاشرے کے خود ساختہ اصول ناقابلِ برداشت ہو گئے ہیں۔ پہلے کا زمانہ اور تھا...... ایک دوسرے کی عزت کا پاس ہوتا تھا۔ زبان سے طے کیے ہوئے رشتے بھرپور اعتماد و لحاظ کے ماحول میں سالہا سال تک چلتے تھے۔ ان کا ٹوٹنا تو دور کی بات کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔'' وہ کافی سنبھل گئے تھے۔

''آج کی دنیا کے اصول اور قانون میں فرق ہے نو دولتیے خاندانی بن بیٹھے ہیں، خاندانی اپنی شرافت و راست بازی میں کمین بن گئے ہیں۔''

''چھوڑیں ایسی باتیں، اپنے دل و دماغ کو وسیع رکھیں، کہتے ہیں بیٹی کی شادی اپنے سے اونچے گھرانے میں کرنی چاہیے، اس بات میں بہت گہرائی ہے، ہم نے اپنی بچی کے لیے فیصلہ سوچ سمجھ کر ہی کیا ہے، دیکھیے گا راج کرے گی ہماری بچی...... بس ہمیں عقل و سمجھ سے کام لینا ہے۔'' ماں نے ظاہراً خوشی سے کہا۔

''تمہاری آنکھوں اور زبان میں بہت تضاد ہے۔'' وہ بیوی کی اداس آنکھوں میں بغور دیکھتے ہوئے بولے۔ ''تم ماں ہو بھلا اپنا دکھ درد کیسے چھپا سکتی ہو۔ بے جا برداشت سے کام نہ لو۔ تمہارا دل کہیں پھٹ ہی نہ جائے۔ جی بھر کر رو لو...... میری خاطر خود پر جبر مت کرو...... ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔''

''کیا کروں دل کو جھوٹی تسلیاں دے رہی ہوں...... بے شک دولت کے لحاظ سے ہم سے وہ بہت آگے ہیں۔ مگر عقل و شعور جیسی دولت سے خالی ہیں۔'' وہ تڑپتے ہوئے بولیں اور پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

''تم حوصلہ کرو...... میں اس خاندان کے

بارے میں مزید جاننے کی کوشش کرتا ہوں۔ ابھی کچھ نہیں بگڑا...... بچی ابھی ہمارے گھر میں ہے...... ہم اسے رخصت نہیں کرنا چاہیں گے تو کیا وہ نے خدانخواستہ اٹھا کر لے جائیں گے۔" وہ بے اختیار ہو کر بیوی کے آنسو صاف کرنے لگے۔ "اب میں کسی مجبوری میں آنے والا نہیں...... ہم یہ رشتہ توڑ دیں گے۔ میں نے فیصلہ کرلیا ہے۔"

"ایسا مت سوچیے گا۔ نکاح کا ٹوٹ جانا توبہ استغفار کون قبول کرے گا دوسری بار ہماری بچی کو...... ہر طرف سے قصوروار لڑکی والوں کو ٹھہرایا جاتا ہے۔ دوسری بیٹی جوان ہے، کیا آپ اُسے تمام عمر کنواری بٹھانا چاہتے ہیں؟ اللہ کا نام لے کر شادی کی تیاری شروع کرتے ہیں...... دو مہینوں میں ہمیں بہت کچھ کرنا ہے۔ زیورات تو گھر سے نکل آئیں گے۔ باقی کے لیے پیسے کی ضرورت ہوگی۔" وہ لہجے کو نارمل کرتے ہوئے بولی۔

"جہیز......؟ بھول جاؤ جہیز کو...... ایک پائی کی چیز ان دھوکے بازوں کے گھر میں نہیں جائے گی۔" وہ تقریباً چیخ اٹھے۔

"ہم نے جہیز اپنی بیٹی کو دینا ہے...... اسے ضرورت کی ہر چیز دوں گی اور بہت اعلیٰ دوں گی۔ ہماری دو ہی تو بیٹیاں ہیں، سب کچھ انہی کا تو ہے۔"

"مانتا ہوں لیکن اس وقت ذرا سوچ بچار سے کام لو۔ پہلے بیٹی کو تو اس گھر میں بسنے دو پھر فیصلہ کریں گے کہ اس کے لیے کیا، کیا جائے، فی الحال مجھے ان پر رتی بھر اعتماد نہیں رہا۔" وہ مستحکم لہجے میں بولے۔

"ناسمجھی کی باتیں اور جلد بازی کے فیصلے ہمیں زیب نہیں دیتے۔ والدین اپنی حیات میں بیٹی کے تمام فرائض سے سبکدوش ہو کر سرخروئی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ورنہ ان کے بعد بیٹی کے لیے سراسر... بدنامی و رسوائی ہی ہے۔ سانس لینی دوبھر ہو جاتی ہے اکیلی لڑکی کے لیے پھر ہماری بچیاں تو بن بھائی اور بن چچا، ماموں کے ہیں۔ ہمارے بعد ان کا سہارا کون بنے گا...... کون ان کی ذمے داری اٹھائے گا۔ اس لیے بہتر ہے کہ ہماری دونوں بچیاں ہماری حیات میں ہی وقت سے اپنے، اپنے گھروں کو سدھار جائیں۔ آپ ان کی آبادی کے لیے دعا مانگیں نہ کہ بربادی اور بدنامی کا گڑھا کھود کر انہیں اس میں دھکا دے ڈالیں اور وہ عمر بھر آپ کو کوستی رہیں۔ میں اس کی اجازت آپ کو ہرگز نہیں دوں گی۔ ان کے معاملات کو سلجھانے کی کوشش کرنی ضروری ہے۔ کل سے ہی میں شازہ کے رشتے کی بھی فکر کرتی ہوں ایک دو لوگوں نے کہہ رکھا ہے۔" بیگم کی بات پر وہ ایک آہ بھر کر رہ گئے۔

☆☆☆

"وہ دلہن کے روپ میں اور بھی حسین اور پُرکشش لگ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر شرم و حیا کی لالی تو تھی ہی آج اور نمایاں ہوگئی تھی۔ اس کی چار عدد جیٹھانیاں، تین عدد نندیں تمام رسموں اور نیگ وصول کرنے کے بعد کمرے میں اس کے ارد گرد بیٹھی ہوئی تھیں۔ بڑی جیٹھانی کی آواز تیر کے مانند اس کے کانوں کو چیرتی ہوئی کمرے کی معطر فضا کو زہر آلود کر گئی۔

"جو لوگ پانچ لاکھ حق مہر کی ڈیمانڈ کرتے ہیں، وہ بیٹی کو پچاس لاکھ کا جہیز دینے کی حیثیت تو ضرور رکھتے ہیں۔ فائزہ ہم آج سے بہنیں ہیں۔ ذرا بتاؤ تو تمہارے والدین نے ایسا کیوں کیا......؟ اپنی حیثیت بھول گئے تھے کیا......؟ بھئی سچی بات کہوں میں تو اس بے انصافی پر شور برپا کر دیتی اور ہم چاروں بہویں وہاں سے سیدھی اپنے میکے سدھار جاتیں...... اچھا ہی ہوا کہ ماں جی، اس وقت عقل دکھا گئیں۔"

"میرے ساتھ بھی تو انہوں نے ایسا ہی کیا تھا، ہم نے سوچا۔ کون سے ایسے سرخاب کے پر لگے ہیں محترمہ کو...... جو اتنی بڑی قیمت لگا دی۔ چلو یہ بھی خوب رہی کہ میوزک سسٹم اور ٹی وی کے بغیر زندگی گزارنا مشکل تھی...... ورنہ یہ بھی دلہن کے ساتھ نہ آتے۔"

"اپنے کمرے میں الگ دنیا بسائے گی۔ کمپیوٹر، موبائل، ٹی وی اور میوزک سسٹم کے ہوتے ہوئے ہماری کیا وقعت ہے بھئی۔" دوسری اور تیسری نے بھی بھویں چڑھا کر کہا۔

"اس وقت ایسی باتیں کرنے کا وقت نہیں ہے...... لمبی عمر پڑی ہے حساب کتاب چکانے کو۔"

"ویسے آپس کی بات ہے...... اپنے دل بہلاوے کی تو ہر شے لے کر آئی ہے، ویسے دلہن تو بہت عقلمند نکلی......" چوتھی نے کندھے اچکا کر کہا۔

"پڑھی لکھی، بہو لانے کا مزہ تو خوب آئے گا ہماری سسرال کو۔"

"بھابی آپ پریشان نہ ہوں ان کی باتیں سن کر...... ہنسی مذاق کرنے کی عادت ہے ان سب کی۔" نند نے ان کے طعنوں کو مزاحیہ رنگ دینا چاہا۔

"بھابی اگر آپ نے ان کے طنز و مزاح کو سیریس لیا تو بس پھر آپ ماری گئیں۔ ان سے دوبدو بات کرنے کا سلیقہ آنا چاہیے ورنہ کم کوئی خامی بن جائے گی...... ہاں!" نند نے مخلصانہ مشورہ سرگوشی کے سے انداز میں دیا۔

فائزہ کی خوشی لمحوں میں غارت ہوگئی۔ یہ دن تو ناز برداریاں کرنے کا تھا وہ اسی سوچ میں تھی کہ زین کمرے میں داخل ہوا۔ شیروانی کو اتار کر صوفے پر پھینکا اور اس کی طرف توجہ دیے بغیر میوزک سسٹم کی طرف بڑھ گیا۔ "ایسی یادگار رات کو تو چاند زمین پر اتر کر دلہن کو سلامی دیتا ہے اور اس کی ضوفشانی میں رت جگا منایا جاتا ہے......" وہ ناقدانہ انداز میں گرد و پیش کا جائزہ لیتے ہوئے سوچنے لگی...... اس کے جہیز میں جدید طرز کا میوزک سسٹم تھا جسے سب کزنز دیکھنے پہنچ چکے تھے اور پھر یکے بعد دیگرے اپنی، اپنی پسند کے گانے سننے کا سیشن چل نکلا...... جو رات کے تین بجے تک جاری رہا...... نیند میں ہچکولے کھاتی ہوئی دلہن طوعاً و کرہاً تکیے سے ٹیک لگائے ان کی بے حسی پر ماتم کرتی رہی۔

صبح ہوئی عموماً دلہن کا ناشتا رسم و رواج کے مطابق میکے کی طرف سے آتا ہے، ساس فون پر اس کی ماں کو اپنی فرمائش کے مطابق ناشتے کا مینیو اور مقدار لکھوا کر بے فکر ہوگئی تھیں۔ چاروں جیٹھانیاں بچوں سمیت رات کو ہی اپنے، اپنے گھروں کو جا چکی تھیں...... ناشتے کی آمد کے ساتھ ہی وہ اپنی فوج کے ہمراہ وارد ہوگئیں...... ناشتا ٹیبل پر رکھتے ہوئے انہوں نے ناشتے کی ہر ڈش پر نکتہ چینی کی اور ماضی میں آنے والے ان کے والدین کی جانب سے ناشتے بے مثال اور لاثانی بن گئے۔

☆☆☆

شادی کو دو سال ہو چکے تھے۔ فائزہ حاملہ بھی ہو چکی تھی کہ یک دم نندوں کے بے حد اصرار پر ہنی مون باسی ہی سہی...... تھا تو ہنی مون جھٹ پٹ ہنی مون کا پروگرام بنالیا۔ دونوں نے سوات جانے کی تمام تیاریاں رات کو ہی مکمل کرلیں...... دو بیگ کاریڈور میں رکھ دیے گئے کیونکہ علی الصباح انہوں نے نکلنا تھا۔ صبح کیا دیکھتے ہیں کہ تین بیگ مع دو بہنوں کے ان کے منتظر ہیں۔ زین نے بظاہر حیرت کا اظہار کرنے کو منہ کھولنا چاہا مگر کچھ کہہ نہ سکا۔

فائزہ تذبذب کے عالم میں بھری گاڑی میں بیٹھ گئی اور تمام راستے خاموشی سے بہنوں اور ان کے بھائی کی باتیں لطیفے اور پہیلیاں سنتی رہی۔ یہ کیسا ہنی مون تھا وہ پوچھنے سے قاصر تھی۔ مینگورہ میں ہوٹل کا ویو بہت خوب صورت تھا لیکن سیزن کے رش کی وجہ سے انہیں دو کے بجائے ایک ہی کمرا مل سکا...... رات بھر لوڈو اور کیرم کی بازیاں چلتی رہیں۔ فائزہ کی طبیعت طویل سفر نے خاصی خراب کردی تھی۔ رات اسی غل غپاڑے میں بہ مشکل گزری...... اسے ان کی

بے حسی کا احساس تو پہلے دن ہی سے ہو گیا تھا...... تو مہینوں میں بیسیوں مواقع ایسے آئے تھے کہ نہ میاں کو اس کی پرائیویسی کی پروا ہوئی ...... نہ آرام کا خیال آیا...... نہ ہی اس کی ذات کو اہم تصور کیا گیا تھا۔ باقی گھر کے افراد سے کیا توقع رکھ سکتی تھی۔ جس کے دل میں جو آتا زبان ادا کرتی چلی جاتی کسی کا دل دُکھے یا ٹوٹے ان کی بلا سے۔

☆☆☆

”زین ......! کیا ہم آپ کے دوسرے بھائیوں کی طرح اپنی الگ دنیا نہیں بسا سکتے۔ میں یہاں ہر وقت کی لعن طعن سے تنگ آ گئی ہوں۔ لیٹتی ہوں تو بیٹھنے کی تلقین کی جاتی ہے، بیٹھتی ہوں تو ایک پاؤں پر کھڑا رہنے کا حکم مل جاتا ہے۔ ملازمہ کی چھٹی کر کے تمام کام میرے ذمے لگا دیے ہیں۔ مجھ سے جھاڑو پوچا نہیں ہوتا، نیچے بیٹھ کر کام کرنا میرے لیے بہت مشکل ہو گیا ہے۔“ وہ زین سے کہتے، کہتے رک گئی کیونکہ پہلے بھی کئی بار ڈھکے چھپے لفظوں میں تذکرہ کر چکی تھی۔ جس کا زین نے مختصراً جواب دے کر بات کو وہیں پر ختم کر دیا کرتا تھا۔

”تمہیں غلط فہمی ہے۔ ایسا ہرگز نہیں۔ دیکھو فائزہ ماں جی نے آٹھ بچے پیدا کیے ہیں۔ ایسی ہی مشکلوں اور تکلیفوں سے...... تمہارے لیے کیا بہتر ہے وہ بخوبی جانتی ہیں۔ ڈاکٹر بھی یہی کہہ رہی تھی کہ چلو پھرو...... کام کاج اور روزش کرتی رہو، ڈلیوری میں آسانی رہتی ہے۔ وہ تمہارے لیے ہر وقت فکر مند رہتی ہیں۔ شک کی دنیا سے باہر نکل کر دیکھو۔“ وہ تلخی سے بولا۔

”ایک ڈلیوری کی آسانی کے لیے نو مہینے چکی کے پاٹ میں پستی رہوں۔ میرے وجود اور اس میں پلنے والے بچے کو سکون و آرام چاہیے۔ زین آپ کو میری تکلیف کا احساس کیوں نہیں ہوتا۔“ وہ شوہر کی طرف بے بسی سے دیکھ کر سوچنے لگی۔ مگر اس کے رُتبے کے لحاظ میں آگے سے جواب دینا مناسب نہیں لگا تھا...... سمجھانا اور احساس دلانا تو دور کی بات تھی۔ بعض اوقات اسے اپنی پریگنینسی اک عذاب اک گناہ لگنے لگتی۔ جس کی پاداش سے نکلنا محال ہو گیا...... اس کے نتیجے میں اس کی خود اعتمادی ختم ہو کے رہ گئی اور وہ گولڈ میڈلسٹ فائزہ فقط ایک روایتی بہو اور بیوی بن کر رہ گئی تھی۔

اور یہ ہر آنے جانے والوں کی تضحیک کا نشانہ بنتی چلی گئی۔ زین اپنی ہی دنیا میں مگن تھا۔ وہ مڈل کلاس کا روایتی خاوند تھا...... جس کی نظر میں بیوی کی حیثیت ایک لونڈی سے بڑھ کر ہرگز نہیں تھی۔ اس کے حسن وسلیقے کی تعریف تو کجا...... کبھی نظر بھر کر دیکھا بھی نہیں تھا۔ اس کی تعلیم نے بھی کسی کو متاثر نہیں کیا تھا۔ آئے دن اسے ہر ایک سے ایسی باتیں سننے کو ملتی رہتی تھیں کہ ”آج کل چماروں کی بیٹیاں بھی ایم اے کر رہی ہیں۔ تم نے ایسا کون سا کمال کر دیا ہے کہ نخرہ اور غرور ہی ختم ہی نہیں ہو رہا۔“

☆☆☆

سسرال اور شوہر کے سرد رویے اور شک آمیز سلوک نے اس کا جینا دوبھر کر دیا۔ والدین کی فکر مندی اور اندیشوں نے بھی اسے سوچنے پر مجبور کر دیا کہ اگر اس کا حق مہر، ان کا من چاہا لکھ دیا جاتا تو اس کی اتنی بے قدری ہرگز نہیں ہوتی۔ ساس اور نندوں کا رویہ روایتی نہ ہوتا...... ہم عمر ہونے کی وجہ سے اب تک ان میں دوستی کا رشتہ استوار ہو چکا ہوتا۔ اور وہ شوہر کی بے توجہی و بے پروائی کا شکار نہ ہوتی...... اگر انہیں حق مہر ادا کرنے کا خوف ہوتا تو آج حالات اتنے ناساز گار ہرگز نہ ہوتے...... وہ بھی سر اٹھا کر اس گھر میں باعزت زندگی گزار رہی ہوتی۔

”اب تو میں نشیب ہوں کہ ہر لمحے بہاؤ کا رخ میری طرف ہے۔ کبھی ٹھنڈے تو کبھی گرم حالات میں غوطے کھاتی ہوئی کب تک سانسوں کا تسلسل قائم رکھ سکوں گی۔ زین تم اچھے ہوتے، میری پروا کرتے

والے ہوتے تو مجھے سسرال کے طعنے و تشنے گھائل نہ کرتے کیونکہ تم میرا مرہم ہوتے۔ اپنے پیار اور توجہ سے میرے دل کو سکون و اطمینان سے ہمکنار رکھتے۔“ وہ ہر وقت اپنی سوچوں میں الجھی رہتی...... اور کم مائیگی کا احساس بتدریج بڑھتا چلا جاتا۔

☆☆☆

آج گھر میں خوب گہما گہمی تھی۔ زین کے والدین خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے کیونکہ ان کی بیٹی حرا کا آج نکاح تھا۔ حرا کا منگیتر کینیڈا کا رہائشی تھا۔ حرا کے والدین نے ویزے کے حصول کے لیے صرف نکاح کو ہی ضروری سمجھا تاکہ ان کی بیٹی شادی کے فوراً بعد شوہر کے ساتھ کینیڈا جا سکے۔ انہیں سسرال کی خدمت گزاری کے لیے حرا کو یہاں چھوڑ جانا زیادتی اور بے انصافی لگ رہی تھی۔ انہوں نے حق مہر بھی پچاس لاکھ لکھوانے کی شرط پیش کی تھی جو ان لوگوں نے بخوشی قبول کر لی تھی۔ سو تولے سونا اور طلاق کا حق بھی حرا کو حاصل تھا۔ اس صورت حال میں فائزہ کے لیے لعن طعن اور طنز میں خاصا اضافہ ہو چکا تھا۔ آتے جاتے فائزہ پر نشتر چلائے جا رہے تھے کہ ہماری بیٹی جن حقوق کے قابل تھی اسے سسرال نے فوراً بخش دیے ہیں۔ اور وہ ان کے اس رویے پر خاموش تھی۔ چند ماہ کی بیٹی کو پش چیئر میں ڈالے گھر کے کاموں میں مصروف تھی۔ نہ اُسے کپڑے بدلنے کا ہوش تھا، نہ ہی بچی کو دودھ پلانے کا وقت تھا۔ وہ رو رو کے نڈھال ہو کر خود ہی سو چکی ہوتی۔ فائزہ نے اپنی ماما کو فون کر کے ایشل کو ان کے حوالے کرنا چاہا تاکہ اسے وقت پر کھانا پینا اور آرام مل سکے۔ یہ سن کر گھر میں ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ زین نے اسے بھی گھر سے نکل جانے کی دھمکی دی۔ فائزہ آئے دن اس قسم کی دھمکیاں اور بے جا تڑیاں سنتی آئی تھی۔ جنہیں زین کی ذہنی ناپختگی کا نام دے کر ٹال جاتی۔ آج کی دھمکی نے اس کی غیرت کو جھنجوڑ کر جگا دیا۔ اس نے ایشل کو پش چیئر سے نکال کر بیڈ پر لٹا دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی لیٹ کر اسے دودھ پلاتے ہوئے اپنی زندگی کے اک اہم فیصلے پر ذہن کو تیار کرنے لگی......

ہچکیاں لیتی ہوئی ایشل نے دودھ پیتے ہی سکون کی سانس لی اور غنودگی میں اپنی بھوک مٹاتی رہی اور ماں کو ذہنی و دلی طور پر مضبوطی کی جانب گامزن کرتی رہی...... فیصلہ کرتے ہی فائزہ بھی گہری نیند میں چلی گئی۔ دروازہ کھلنے اور ساس کی زہر میں...... ڈوبی ہوئی آواز پر وہ چونک کر اٹھ بیٹھی۔ اسے چند لمحے سنبھلنے میں لگے۔ سچویشن کو سمجھتے ہی وہ ڈھٹائی اور بے پروائی کا اظہار کرتے ہوئے لیٹ گئی۔

”نواب زادی صاحبہ! ذرا وقت ہی دیکھ لیا ہوتا...... گھر مہمانوں سے بھرا ہوا ہے اور تم آرام فرما رہی ہو۔“ وہ خاموشی سے ساس کو دیکھنے لگی آج اس کی آنکھوں میں نہ خوف و ڈر تھا نہ ہی کسی قسم کے خدشات تھے...... مکمل طور پر طمانیت تھی۔

”یہ لڑکیاں بڑی ڈھیٹ ہوتی ہیں، چند گھنٹے دودھ نہ ملنے پر مر نہیں جاتیں۔ تم نے ٹھیک ٹائم پر بہانہ تراشا ہے، مان گئی ہوں تمہاری شاطرانہ چال کو اگر ہم نے حق مہر لکھ کر تمہیں وزنی کر دیا ہوتا تو آج تم اس گھر کی مالکن اور میں نوکرانی ہوتی...... مالکن بننے کے لیے پہلے نوکرانی کے روپ کو اپنانا پڑتا ہے۔ جرنیل پہلے دن سے جرنیل نہیں ہوتا۔ بے چارہ...... رگڑے کھاتے، کھاتے یہاں تک پہنچتا ہے۔“ ساس قہر آلود نگاہوں سے گھورتی ہوئی زہر اگل رہی تھیں۔ فائزہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

”فائزی میرے کپڑے کہاں ہیں؟ اور تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں۔ ہمیں ہال میں سب سے پہلے پہنچنا چاہیے...... ایسا نہ ہو کہ ہمیں حرا کے سسرال والے ویلکم کہیں۔ ڈوب مرنے کا مقام ہوگا۔“ زین نے کمرے میں داخل ہوتے ہی کاٹ دار لہجے میں کہا۔

''محترمہ بچی کے بہانے سو رہی تھیں، گھر میں تل رکھنے کی جگہ نہیں اور یہ ہے کہ سب سے لاتعلق اِک پورشن پہ قبضہ جمائے بیٹھی ہے۔ تم بھی جورو کے غلام ہی نکلے...... اس کی ہر بات پر جی حضوری...... دیکھنا خوب مزہ چکھائے گی تمہیں۔'' ساس نے ہاتھ نچا کے کہا۔

''ماما...... ایسی بات نہیں...... مہمانوں کے لیے پورا پورشن حاضر ہے۔ ہم تو کہیں بھی اپنا فرشِ محمدی لگالیں گے۔'' زین نے ماں کے کندھے دباتے ہوئے کہا۔

''پورا پورشن حاضر ہے، ہونہہ...... یہ تمہاری دھرم پتنی کسی کو منہ لگائے گی تو کوئی اوپر قدم رکھنے کی جرأت کرے گا ناں......'' وہ نخوت سے بولیں۔ اس شور میں ایشل جاگ کر رونے لگی اور ساس بڑبڑاتی ہوئی باہر نکل گئی۔ زین نے ہینگر سے کپڑے اتارتے ہوئے ناگواری سے کہا۔

''فائزہ تمہیں کپڑے استری کرنے کا سلیقہ سکھانا پڑے گا یہ دیکھو کالر...... اور پینٹ کی ڈبل کریز تمہارا جی پی اے ڈیسائڈ کرنے والے بھی بے وقوف ہی تھے جو گولڈ میڈل تھما دیا تھا۔ مجھے تو اس معصوم کی فکر کھائے جاتی ہے۔ تمہاری نااہلی کی سزا اسے مل کر رہے گی۔''

''زین آئی تھنک کہ بہت ہوگئی۔ تقریباً تین سال سے میں ایسی ہی انسلٹنگ باتیں سن رہی ہوں مگر اب میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے۔ یہ سچ ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے قابل نہیں ہیں۔ ایک دوسرے کے لیے بنے ہی نہیں۔ کہیں کچھ گڑ بڑ ہوگئی ہے جوڑا بنتے ہوئے ہمیں اس حقیقت کو تسلیم کرلینا چاہیے۔ ہم دونوں کی صحت کے لیے بہتر ہوگا۔'' فائزہ بیڈ سے نیچے اتر کر کھڑی ہوگئی۔

''نان سینس...... اب زبان کو لگام دو...... جب بھی بولتی ہو...... انگارے ہی نکالتی ہو...... اس وقت ایسی باتیں کرنا تمہاری نادانی اور کم عقلی کا ثبوت ہے۔ یہ سونے کا وقت تھا کہ مہمانوں کی آؤ بھگت ضروری تھی؟ نیچے بھابیاں کب کی آچکی ہیں، تم نے مجھے ان کے سامنے خوب شرمندہ کیا ہے۔'' وہ باتھ روم کی طرف جاتے ہوئے بولا۔ ''تمہارے پاس دس منٹ ہیں، اگر بروقت تیار نہ ہوئیں تو پھر گھر میں ہی اپنی تقدیر کو رونا...... تم نے تو میرا دماغ ہی خراب کردیا ہے۔'' وہ تنک کر بولا۔

''میں کہیں نہیں جارہی...... کیونکہ میں آپ کی بھابیوں سے کمتر عورت ہوں۔ مجھ میں عقل و شعور ہے نہ ہی سمجھ بوجھ...... مجھے میرے میکے پہنچا دیجیے...... اگر میرے لیے آپ کے پاس وقت نہیں تو میں ٹیکسی سے چلی جاؤں گی۔'' وہ سنجیدگی سے اکڑ کر بولی تو زین ششدر رہ گیا۔ غور سے اس کی طرف دیکھنے لگا کیونکہ آج سے پہلے تو وہ دھمکیاں دیا کرتا تھا آج بیوی کی طرف سے دھمکی حیران کن تھی۔

''میں نے آپ کی طرح صرف دھمکی نہیں دی...... اپنا اٹل فیصلہ سنایا ہے۔ جسے بدلنا ناممکن ہے۔'' فائزہ نے سنجیدگی سے کہا اور کمرے سے ملحق اسٹور کی طرف بڑھ گئی۔

''سوچ لو...... کہ تم اس رشتے کو توڑنے پر تُل گئی ہو، اس ڈرامے کے لیے وقت اور دن منتخب کرنے کی داد دیتا ہوں۔ تمہاری تعلیم نے تمہیں یہی درس دیا ہے کہ نازک حالات کا فائدہ اٹھاؤ۔'' وہ اسٹور کے دروازے پر کھڑا غیظ و غضب سے بولے جارہا تھا۔

''یہ رشتہ تو اسی دن ختم ہوجانا چاہیے تھا۔ جب آپ نے میرے والدین کو بیٹی کا سودا کرنے کا طعنہ دیا تھا۔ خاموشی اور صبر اُن کی بہت بڑی غلطی تھی۔ والدین کیوں بھول جاتے ہیں کہ کل یہی بیٹی ایک نہیں دو یا تین کی صورت میں واپس ان پر نازل ہونے والی ہے۔ جس رشتے کی بنیاد میں ہی دھوکے بازی، فریب اور خود غرضی کی انتہا ہو وہ پایۂ تکمیل تک کیسے پہنچ سکتا ہے...... میرے والدین کی معصومیت اور شرافت کا قصور ہے...... سزا میں بھگت رہی ہوں۔'' وہ اٹیچی میں کپڑے ٹھونستے ہوئے بولی۔

''اب میرے ساتھ انہیں بھی سزا کاٹنی ہوگی...... میں نے کوئی لو میرج نہیں کی تھی کہ واپس جانے میں ہچکچاہٹ محسوس کروں...... اپنے فیصلے کا مزہ وہ بھی چکھ ہی لیں۔''

''بچی رو رو کر ہلکان ہوگئی ہے۔ اٹھو یہاں سے۔'' وہ اس کے ہاتھ سے کپڑے پکڑتے ہوئے بولا۔ ''اسے جا کر دودھ پلاؤ۔''

''لڑکی ہے مر نہیں جائے گی۔'' وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔

''اس موضوع پر بعد میں ڈسکشن کی جاسکتی ہے۔'' وہ قدرے دھیما پڑ گیا کیونکہ مصلحت اسی میں تھی۔ پہلی بار فائزہ کا غصہ لاوے کی طرح پھٹا تھا لیکن فائزہ پھرتی سے کپڑے اٹیچی میں رکھتی رہی۔ زین کو اس کی تیاری اور دھمکی مزاحیہ ڈراما نہیں لگ رہا تھا۔ اس کے رویے میں سنجیدگی، احتجاج اور خفگی کو وہ محسوس کر کے دہل سا گیا تھا۔ سر کو جھٹک کر واش روم کی طرف بڑھ گیا...... اور فائزہ کے ہاتھ سرعت سے چلنے لگے۔

☆☆☆

''بیٹا! تمہارا فیصلہ ہرگز درست نہیں...... آج تمہاری نند کا نکاح ہے، تمہارے سسرال والے اپنے رشتے داروں کو تمہاری غیر موجودگی کا کیا جواز پیش کریں گے۔ اب بھی وقت ہے، تیار ہو کر ہال میں پہنچ جاؤ...... ورنہ آج کا گزر جانے والا قیمتی وقت واپس نہیں آئے گا۔ تاحیات ان لمحوں کی واپسی کی تمنا میں خود کو لعنت ملامت کرتی رہو گی...... مگر لاحاصل ہی رہو گی۔'' ماں نے نرمی اور سختی بھرے لہجے میں سمجھانا چاہا۔

''ماما! میں اُسی جگہ واپس جانے کے لیے نہیں آئی۔ میں نے یہ فیصلہ سوچ سمجھ کر کیا ہے...... آپ نے مجھے جس وقت کا مقابلہ کرنے کے لیے تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا تھا۔ وہ تو میرے سامنے ہاتھ پھیلائے مجھے خوش آمدید کہہ رہا ہے۔'' وہ پُرتسکین طویل سانس لے کر بولی۔

''عورت کے لیے ہر معاشرے میں مرد کا ساتھ چاہیے ہوتا ہے، عورت اکیلی زندگی گزارنے کی ہمت و حوصلہ رکھتی ہوتی تو ہمیں آج یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا میری بچی...... مرد کے سائے میں تم اپنی عزت و تحریم کو محفوظ رکھ سکتی ہو بیٹی، تمہارا اس طرح کا فعل تمہاری تعلیم و تربیت کے لیے گالی بن جائے گا یہ جان لو کہ شادی شدہ عورت کو اپنی آنکھیں اور کان بند رکھ کر دوسروں کی خوشی اور طمانیت کی خاطر خود پر جبر کر کے مسکرانا پڑتا ہے۔ اسی میں ہماری بقا ہے بچی...... زین کو فون کرو کہ تمہیں یہاں سے پک کرلے۔'' ماں نے ملائمت سے کہا۔ ''مجھے کپڑے نکال دو، میں استری کیے دیتی ہوں۔''

''ماما......! ان نصیحتوں کی میرے پاس اب کوئی اہمیت نہیں رہی۔ میں ایک کمزور اور بزدل مرد کے سہارے کے بنا بھی زندہ رہ سکتی ہوں۔ اگر میرا سائبان مضبوط ہوتا تو پھر فیصلہ کرنا میرے لیے بہت مشکل ہوتا۔ میں نہ تو وہاں لونڈی بن کر اپنی انا اور غیرت کو ان کی خواہشات کی بھینٹ چڑھا سکتی ہوں، نہ ہی مجھ میں بے وجہ قربانی اور ایثار کا جذبہ ہے۔ میں آپ سے مختلف ہوں ماما...... اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو شکل صورت میں ایک دوسرے سے مختلف بنایا ہے تو کردار و فطرت میں بھی ایک جیسے نہیں...... آپ سرنگوں کرنے میں فخر محسوس کرتی ہیں تو میں سر اٹھا کر، گردن تان کر چلنے میں آن بان سمجھتی ہو۔'' وہ لہجے کو مدھم رکھتے ہوئے بولی۔ ''تین سال کا عرصہ میں نے خود پر جبر و زیادتی میں گزارہ ہے۔ کیا یہ گناہِ کبیرہ ہے ماما......؟''

"تم اپنے گھر سدھارو...... ہنسی خوشی آؤ...... میاں اور ساس کی اجازت کے بغیر میرے گھر کی دہلیز پار کرنے کی کوشش بھی کی تو تمہیں الٹے پاؤں واپس جانا پڑے گا۔" ماں غیظ و غضب سے بولیں۔

"بیٹا تعلیم کا مقصد پٹری سے اترنے کا ہرگز نہیں...... ایک تو آج کل کی لڑکیوں نے ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی اپنے رنگ ڈھنگ ہی بدل ڈالے ہیں۔ میرے رنگ میں رنگی رہو...... سکون و اطمینان اسی میں ہے۔" طیبہ نے اسی وقت زین کو کال کی تو فائزہ ماں کی بے حسی پر ششدر رہ گئی...... اور سرگوشی کے انداز میں بے بسی سے بولی۔

"ماما آپ ان دھوکے بازوں کو جانتے بوجھتے ہوئے مجھ پر ظلم ڈھا رہی ہیں...... میں وہاں ہرگز نہیں جاؤں گی...... انہوں نے مجھے نہایت چالبازی سے بن مول ہی حاصل کرلیا تھا...... اور آپ نے بھی اعتراض کیا نہ انکار...... بس انہیں پکڑا دیا۔"

"بات کرو...... زین فون پر ہے......" ماں نے آنکھیں نکالتے ہوئے آہستگی سے کہا تو طوعاً و کرہاً فائزہ نے موبائل ماں کے ہاتھ سے پکڑلیا۔

"اگر غصہ اتر گیا ہے تو تمہیں لینے آجاؤں......؟" زین نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"اگر آپ کو اس حقیقت کا علم ہوچکا ہے کہ آپ کی بیوی کا شمار انسانوں کی فہرست میں ہوتا ہے تو.... بے شک لینے آجائیں...... ورنہ اس کی ضرورت نہیں۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"یار ہم برادری کو خواہ مخواہ چہ مگوئیوں کی اجازت کیوں کردیں۔ ہمارا اپنا مسئلہ ہے، مل جل کر اس کا حل تلاش کرلیں گے۔" وہ اپنائیت بھرے لہجے میں بولا تو فائزہ کے غصے کی آنچ بھی قدرے مدھم پڑگئی۔

"پھر میرے لیے کیا حکم ہے، بندۂ خاکی حاضر ہوسکتا ہے؟" وہ پھر ملائمت اور اپنائیت سے بولا تو اس کی آنکھیں خوشی اور غم کے ملے جلے جذبات سے بھر گئیں۔

"خاموش کیوں ہو جانم......؟ تمہاری عدم موجودگی میں حرا کا نکاح کیسے ہوسکتا ہے۔" وہ اب پیار بھرے لہجے میں بولا۔

"اس بارونق ماحول میں تم اداسی اور مایوسی چھوڑ گئی ہو میری جان۔"

"جانتی ہوں...... اس وقت تمہیں میری ضرورت ہے...... جبھی اس زبان میں سوائے حلاوت کے اور کچھ نہیں رہا......" وہ دل ہی دل میں بڑبڑائی۔

"خود غرض اور مطلب پرست کہیں کا۔"

"خاموشی کا مطلب ہے رضا مندی......... ہے ناں یہی بات......" وہ خوش دلی سے بولا۔

"جی......" اس نے ماں کی خونخوار نگاہوں میں اک پارینہ داستان پڑھ کر مجبوراً کہا۔ تو دوسری طرف سے اک خوشگوار قہقہہ اسے مزید تڑپا گیا۔ جیسے اس کا تمسخر اڑایا جا رہا ہو...... کہ بس اتنی سی ہی ہمت تھی کہ پل بھر میں بے دم ہوگئی ہو۔

"تم تیار ہو جاؤ...... میں آدھے گھنٹے میں پہنچ جاؤں گا...... ویسے تم نے بھی حد ہی کردی ہے۔" وہ سنجیدہ ہوچکا تھا۔ فائزہ نے فون بند کردیا اور سر پکڑ کر بیٹھ گئی...... ماں نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی لیکن فائزہ گونگی اور بہری بن کر بیٹھ رہی...... اسے بحث و مباحثہ کرنا بالکل فضول اور وقت کا زیاں لگ رہا تھا۔

☆☆☆

نکاح کے فنکشن میں سب سے آخر میں پہنچنے والی فائزہ کو ہر ایک نے حیرت سے دیکھتے ہوئے بیسیوں سوال کر ڈالے تھے۔ زین کے کہنے کے مطابق وہ ہر ایک کو بچی کی طبیعت خراب ہونے اور ڈاکٹر سے مشورہ لینے کا بہانہ پیش کررہی تھی...... اور خود کو مسلسل کوسے جا رہی تھی کہ اس نے ایسا باغیانہ فیصلہ کرنے سے پہلے اپنی ماں سے مشورہ ہی لے لیا ہوتا تو آج اپنی نادانی پر زین کے سامنے سبکی نہ

ہوتی۔ نکاح سے فارغ ہونے کے بعد سب اپنے، اپنے گھروں کو سدھار گئے۔ گاڑی میں زین کے پہلو میں فائزہ خاموش بیٹھی تھی...... دونوں ہی اپنے، اپنے زاویے سے سوچے جا رہے تھے۔ ایشل سوئی ہوئی تھی اس لیے سوچوں کے تانے بانے میں کسی اور کی شمولیت نہیں تھی۔ سوچیں گہری اور گمبھیر تھیں۔ سفر کیسے کٹا...... فائزہ کو اندازہ ہی نہیں ہوا...... جب گاڑی ایک گھر کے گیٹ کے سامنے جھٹکے سے رکی تو وہ ایک دم سے ٹھٹکی اور زین کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ ماجرا سمجھ نہ آیا...... کہ اسے سسرال کے بجائے میکے لانے کا مقصد وہ بھی رات کے ایک بجے کیا ہے......؟

"تھینک یو ویری مچ کہ تم نے میری عزت رکھ لی۔ اس احسان کے بدلے تم جب تک میکے رہنا چاہتی ہو میری طرف سے کوئی روک ٹوک نہیں ہوگی۔" لہجہ کاٹ دار تھا...... وہ تڑپ اٹھی۔

"میں اپنے گھر جانا چاہتی ہوں زین۔"

"کون سا اپنا گھر......؟" وہ سرد مہری سے بولا۔

"آپ نے بالکل درست سوال کیا ہے...... میرا تو کوئی گھر ہی نہیں ہے زین، نہ تو والد کا گھر نہ ہی شوہر کے گھر پر میرا مان ہے۔ یہ گھر پرایا ہوئے تین سال بیت گئے ہیں۔ یہاں مجھے کوئی نہیں بچائے گا...... آپ مجھے چوراہے میں اتار دیجیے...... یا کسی جنگل و بیاباں میں چھوڑ آئیں...... دونوں صورتوں میں درندوں اور بھیڑیوں کا لقمۂ اجل بن جاؤں گی۔ آپ کی گلو خلاصی بھی ہوجائے گی...... میں بھی اس دکھوں، اذیتوں اور نفرتوں کی آماجگاہ سے رہائی پا جاؤں گی...... میں آپ کی بیٹی پر ہرگز زیادتی و بے انصافی نہیں کروں گی۔ اسے اپنے ساتھ لے جایئے گا اس کے عارضی اور وقتی ٹھکانے پر اور بالآخر آپ کی بچی کا انجام بھی اس کی ماں جیسا ہی ہوگا...... کیونکہ اس بے نشان اور بے وقعت ذات جسے عورت کہتے ہیں کے ساتھ ہر دور میں ایسا ہی ستم ہوتا آیا ہے تو آپ کی بیٹی اور بہنیں کیسے محفوظ رہ سکتی ہیں۔" فائزہ نے زہر آلود لہجے میں کافی چبھتی ہوئی باتیں کیں۔

"تم کس قسم کی ماں ہو کہ اپنے ہی جسم کے ٹکڑے کو کچوکے لگانے لگی ہو اگر دعائیں قبول ہوتیں تو تم ہمیں موت کی نیند سلا چکی ہوتیں...... جو عورت اپنی اولاد کی نہیں ہوسکتی وہ شوہر کی وفادار کیسے ہوسکتی ہے؟" وہ خونخوار نظروں سے دیکھتے ہوئے بڑی حقارت سے بولا۔

"میں نے بزرگوں کی زبانی سنا تھا کہ جب بیٹی اس دنیا میں آتی ہے تو شرابی، جواری اور دیگر گناہوں میں ڈوبا باپ اس کی محبت و پیار میں راہِ راست پر آنے کی بھرپور کوشش کرنے لگتا ہے۔ آپ کس قسم کے باپ ہیں کہ بیٹی کی اہمیت اور وقعت کا احساس ہی نہیں...... اس کے لیے اک سال خوردہ ٹوٹی پھوٹی سیلن زدہ چھت کے انتخاب میں آپ نے دیر ہی نہیں لگائی...... نامکمل اور ادھورے پن میں ایشل کی شخصیت کس قدر خوفناک، عبرت ناک اور گھناؤنی ہوگی...... اس کے بارے میں سوچ لیجیے گا کہ آپ کے گناہوں، دھوکے اور فریب کا خمیازہ آپ کی بیٹی بھگتے گی۔ ویری سیڈ......" وہ افسردگی سے بولی۔

"میں اس معصوم کا مجرم ہوں، میں نے تمہارے بطن سے اولاد پیدا کرنے کا جو گناہِ کبیرہ کیا ہے اس کی سزا تو مجھے مل کر رہے گی۔ بدبختی ہے اس معصوم بچی کی...... جسے تم جیسی ماں کی کوکھ سے جنم لینا پڑا۔" وہ دانت چبا کر بولا اور بچی کو اس کی گود سے اٹھالیا۔

"اگر تم میں رتی بھر کی غیرت ہے تو مجھے اپنی منحوس شکل کبھی نہیں دکھانا تمہارے سائے کے بغیر ایشل کا پروان چڑھنا بہترین ثابت ہوگا۔ تمہیں خود اپنے اچھے برے کی تمیز نہیں تو اس معصوم کو کیا سکھا سکتی ہو۔ اس کی دادو اسے مکمل کرنے میں بے مثال ہوں

گی۔ تم بے فکر رہو۔" فائزہ نے اپنی توہین وہتک کو شیرِ مادر سمجھ کر پی لینا چاہا...... کیونکہ چند ماہ کی بیٹی کو باپ کے حوالے کرنا اسے ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپانے لگا تھا۔ زین نے بچی کو کمبل میں لپیٹ کر پچھلی سیٹ پر لٹا دیا...... فائزہ تیزی سے دروازہ کھول کر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی بچی کو اٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا۔

"زین دنیا کو تماشا مت دکھائیں...... اپنے گھر کی چھت تلے مسئلہ حل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، آخر ہم بالغ ہیں......" فائزہ نے بے بسی سے کہا۔ غصہ کافور ہو چکا تھا وہ ڈھے چکی تھی۔

"اس ضمن میں پہل تم نے کی ہے............" وہ بے رخی سے بولا۔ "میں نے تو تمہیں گھر سے نہیں نکالا تھا۔"

"لیکن اس غلطی کا ازالہ بھی تو میں نے ہی کرنے کی کوشش کی ہے، اپنی غیرت کو تیاگ دیا ہے اب خوش ہو جائیں۔" وہ روہانسی ہو گئی...... زین نے نفرت سے اس کی طرف سے منہ پھیرا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی اور سرعت سے ریورس کرتے ہوئے مین روڈ پر نکل گیا۔ فائزہ نے دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ ماں تو اسے زین کے سامنے ہی کھری کھری سنا کر اسی کے ساتھ رخصت کر دیتی اور اس کی رہی سہی عزت بھی مٹی میں مل جاتی۔

زین کا رُواں رُواں اپنی فتح یابی پر شاداں تھا مگر بظاہر بے حد خاموش اور الجھا ہوا لگ رہا تھا کہ کہیں فائزہ اس کے جذبات کی تہ تک نہ پہنچ جائے۔

☆☆☆

"میری حرا جیسے نصیب ہر بچی کے لکھے جائیں تو والدین بیٹی کی پیدائش پر ڈھول باجے بجائیں یہی سوچ کر میں خوشی سے نہال ہوئے جاتی ہوں کہ پچاس لاکھ حق مہر اور سو تولے سونا...... واہ میرے مولا...... ہم تو اس قابل نہیں تھے...... جیسا تو نے نواز ڈالا ہے۔ خوب تگڑی آسامی اور پھر زنجیریں بھی آہنی...... بھاگ کر کہاں جائیں گے۔" ماں بار بار اپنی خوشی کا اظہار کر رہی تھیں...... بھی ماں کی خوشی میں شامل تھے۔ چہک لہک کر باتیں ہو رہی تھیں۔

سوائے فائزہ کے...... جس کی اندرونی کیفیت اس کے چہرے پر نمایاں تھی۔ "کاش کہ جیسا آپ نے اپنی بیٹی کے مستقبل کے لیے سوچا آپ اپنی بہوؤں کے لیے بھی ویسا ہی دل رکھتیں۔" فائزہ نے چائے کا سپ لیتے ہوئے سوچا۔ اس کے ماتھے پر فکر کی گہری لکیریں تھیں۔

"تم جلی بھنی کیوں بیٹھی ہو......؟ تھوڑا سا، معمولی سا، ذرا سا مسکرا ہی دو......" زین نے سب کو ہنستا دیکھ کر فائزہ کو چھیڑنے کے انداز میں کہا۔

"دیکھنا اگر میں نے اپنی اس خوش بخت پوتی کا دو کروڑ کا حق مہر نہ لکھوایا تو اس کی دادی نہ کہنا...... تم یاد رکھنا بہو......" وہ فخریہ انداز میں بولی تھیں۔

"جی ماما......! میں تو حق مہر کو ضروری نہیں سمجھتی...... اول تو سسرال والوں کو حق مہر لکھتے ہوئے سبکی محسوس ہوتی ہے...... کہ پرائی بیٹی کو اتنی اہمیت بھلا کیوں دیں...... اگر لکھ بھی دیا جائے تو ادائیگی میں انا آڑے آجاتی ہے۔" وہ بے ساختگی سے بولی۔

"اپنی ماں کو سمجھا دیا ہوتا تو آج ہمارے درمیان اتنے فاصلے نہ ہوتے...... تمہارے گھر والوں نے رشتے کی بنیاد ہی لالچ و طمع پر رکھی تھی۔ حرص پوری نہ ہوئی تو بیٹی کو خوب سکھا پڑھا کر ہمارے سر منڈھ دیا۔ آج تک تم ہمارے قریب ہی نہ لگیں۔ بس دور ہی دور رہیں۔ آج جل بھن کر کوئلہ ہو گئی ہو...... اللہ تمہاری نظر و حسد سے میری بچی کو محفوظ رکھے۔" وہ کڑک دار لہجے میں بولیں۔

"ماما! حق مہر ادا نہ کرنے کے بھی ہزاروں رستے ہیں...... جب مصیبت سر پر منڈلانے لگے تو خود بخود ہی ذہن کے چاروں طبق روشن ہو جاتے ہیں اور راہ بھائی دینے لگتی ہے۔" بڑے بیٹے نے تلخ لہجے میں کہا۔

"ماما آپ حرا کے لیے دعا کیا کریں...... حالات اور وقت بدلتے زیادہ دیر نہیں لگتی...... اس لیے حق مہر کو بیٹی کا تحفظ اور داماد کی اسیری مت سمجھیں...... یہ سب کاغذی کھیل ہیں۔ جس میں آج تک لڑکی والے نہیں جیتے...... بلکہ حق مہر اُن کے لیے بعض اوقات ندامت اور پچھتاوا بن جاتا ہے۔ پاؤں کی زنجیر بن کر عمر بھر قید رکھتا ہے۔"

"ایسی بھی بات نہیں...... بہت بڑا ڈراوا ہوتا ہے حق مہر۔"

"جی نہیں، تعلیم بہت بڑی تھریٹ ہوتی ہے سسرال کے لیے...... یہ ایسی دولت ہے جو مرتے دم تک ساتھ دیتی ہے۔ ہاتھوں کا میل نہیں ہوتی۔" فائزہ نے بے اختیاری سے کہا...... تو گفتگو کافی گرم ہو گئی۔

"کیا اول فول بکے جا رہی ہو......" اسی اثنا موبائل کی بیپ نے ماں کی چلتی زبان کو گرہ لگا دی۔ حرا کا نمبر دیکھ کر خوشی سے بے قابو ہو کر باتیں کرنے لگیں۔

"حرا بیٹا تمہاری آواز بہت اداس ہے۔ کیا بات ہے......؟" ماں نے فکر مندی سے کہا۔ "آج چہک نہیں رہی میری چڑیا رانی۔"

"آپ سب یاد آ رہے ہیں...... یہاں میرا دل نہیں لگ رہا...... جی چاہتا ہے کہ اڑ کر آپ کے پاس پہنچ جاؤں......" حرا نے روتے ہوئے کہا۔

"ہائے میرا دل بیٹھنے لگا ہے۔ ضرور عزیز نے جھگڑا کیا ہوگا...... بیٹا ڈرنے کی قطعاً ضرورت نہیں...... ایک کے بدلے دس سناؤ...... کچھ بھی ہونے والا نہیں...... فکر مت کرو...... پچاس لاکھ کی ادائیگی آسان نہیں ہوتی بیٹا...... سونا محفوظ رکھنا...... دس بار تمہیں سمجھایا تھا کہ میرے پاس رکھ جاؤ...... مگر تم نے ایک نہ سنی اب محتاط رہنا...... تم ہو بھی تو کملی اور سادی......" ماں نے تڑپ کر کہا۔

"ماما......! ایسی باتیں مت کریں...... حرا کو شہ

لفظوں کے موتی

☆ کسی کو بھی معلوم نہیں اس کا اگلا شکار کون ہوگا۔

☆ جب آپ پہلا قدم اٹھا لیتے ہیں، تہیہ کر لیتے ہیں تو پھر واپسی نہیں ہوتی، گھڑا بے شک کچا ہو پھر بھی پار پہنچا دیتا ہے۔

☆ موت ایک بہت بڑے صبر کی مالک ہے اور وہ کبھی بے صبری نہیں ہوتی۔

☆ ہمت بھی عجیب پھولے ہوئے غبارے جیسی ہوتی ہے۔ ذرا نا موافق بات کی سوئی چبھی، شکل ہی نہیں حالت اور حالات تک بدل دیتی ہے۔

☆ یہ دنیا مکافاتِ عمل کا نام ہے آج کسی کی راہ میں تم پتھر رکھو گے تو آنے والا وقت تمہاری راہ میں پہاڑ بن جائے گا۔

☆ خاموشی ایسے پردے کا نام ہے جس کے پیچھے لیاقت بھی ہو سکتی ہے اور حماقت بھی ہو سکتی ہے۔

☆ وہ بات اکثر بہت انمول ہوتی ہے جس میں الفاظ کم اور معانی زیادہ ہوں۔

☆ ادب بہترین کمال اور خیرات افضل ترین عبادت ہے۔

مرسلہ: نوشین اقبال نوشی، گاؤں بدر مرجان

دینے کے بجائے سمجھانے کی کوشش کریں۔" فائزہ نے بے ساختگی سے کہا۔

"تم اپنے نکاح نامے میں "خاموشی" پر دستخط کر کے میرے گھر آئی تھیں اس لیے خاموش ہی رہو...... حرا کا مقام تم سے بہت اعلیٰ اور بلند ہے۔ پانچ بھائیوں کی بہن اپنے میکے سے ہی بھاری تھی تو سسرال نے بھی اسی کے مطابق اسے مال و دولت سے نواز دیا تھا۔ ہم پر احسان نہیں کیا...... کہ ہم بچھ

بچھ جائیں۔'' ماں نے تیز لہجے میں اپنی بات مکمل کی اور بیٹی سے بات جاری رکھی۔ سب آہستہ آہستہ اٹھ کر اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ زین نے کمرے میں داخل ہوتے ہی شعلہ بار نظروں سے اسے گھورا۔ ماں سے بیوی کی تلخ کلامی زین کو بھول نہیں رہی تھی۔ وہ تو کمرے میں آکر اس پر اپنی بھڑاس نکالنے لگا اور دونوں میں جھگڑا فساد طول کھینچتا چلا گیا...... انجام زدوکوب تک پہنچ گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رات کے دو بجے فائزہ کو لعنت ملامت کرتے ہوئے گھسیٹ کر گاڑی میں ڈالا اور گاڑی دوڑاتا اسے میکے کے گیٹ پر جا اتارا مگر وہ ڈور بیل بجانا نہیں بھولا تھا جونہی مین ڈور کھلا...... وہ وہاں سے سرعت سے نکل گیا۔ فائزہ لٹے ہوئے جواری کی طرح گاڑی کی ریڈ لائٹس کو دور جاتا دیکھتی رہی۔ حامد گیٹ کا تالا کھول کر سامنے کھڑے تھے...... مگر وہ بے خبر تھی۔

☆☆☆

''تم تو پیدا ہوتے ہی مرگئی ہوتیں...... رشتے دار برادری والوں کو کیا جواب دیں گے۔ شازہ کے سسرال کو تو مزید شہ مل جائے گی۔ وہ تو اسے کل ہی رخصت کردیں گے۔'' ماں نے روتے ہوئے کہا۔

''تم نے ضرور زبان چلائی ہوگی، کیا کروں سارا بگاڑ تمہارے پاپا کا ہے۔''

''طیبہ......! بچی پہلے ہی پریشان ہے اسے مزید طعنے تشنے دے کر مضطرب مت کرو...... چند دنوں کی بات ہے وہ خود ہی بھاگے چلے آئیں گے، یہ بات یاد رکھو کہ اگر ہمیں اپنی بیٹی کا ہنستا بستا گھر دیکھنے کی تمنا ہے تو بیٹے کے لیے بھی والدین ایسی ہی خواہش رکھتے ہیں...... پھر چند ماہ کی بچی ماں کے بغیر کیسے پل سکتی ہے؟ اس وقت انہیں اس کی اشد ضرورت ہے...... خاوند کا غصہ تو دودھ کے ابال کی طرح ہوتا ہے۔'' حامد نے بیوی کو تسلی دینے کے انداز میں کہا۔

''اگر وہ لینے نہ آئے تو پھر......؟'' وہ آنسو صاف کرتے ہوئے بولیں۔

''بیگم......! فکر مت کرو...... بچی کو چین کی سانس تو لینے دو۔'' وہ آہستگی سے بولے۔

''وہ نہیں آئیں گے...... میری بات یاد رکھیے گا...... طلاق آئے گی...... میں انہیں خوب جانتی ہوں...... فراڈیے اور چور اُچکے ہیں، اس بدبخت کو خود چھوڑ آئیں...... یہ انہی کا بن مول مال ہے۔ ہم ان کے مال کی حفاظت نہیں کرسکتے۔'' وہ ہاتھ مسلتے ہوئے بولیں۔ ''حق مہر ہتھکڑی کا کام کرتا ہے۔ آپ تو اس میں بھی ناکام ہی رہے۔ نہ جانے اللہ نے آپ جیسے کمزور اور بزدل مرد کو بیٹیوں سے کیوں نوازا...... شازہ کے بھی ہاتھ پاؤں کاٹ کر ظالموں کے حوالے کردیا آپ نے۔'' وہ عجیب پریشانی کے عالم میں تھیں۔

''اٹھو فائزہ بیٹا...... تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آؤں۔ یہ ماں تمہیں چین نہیں لینے دے گی اور میرا بھی ناک میں دم کیے رکھے گی......'' حامد نے بیٹی کو اپنے سینے سے لگا کر دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

''ماما......! میں اس قدر بے عزتی کے بعد واپس وہاں جانے کا تصور بھی نہیں کرسکتی...... زین نے مجھ پر ہاتھ نہ اٹھایا ہوتا تو ضرور چلی جاتی۔ میں بچی کو کورٹ سے حاصل کرلوں گی۔ تعلیم اسی دن کے لیے کام آتی ہے، کل ہی نوکری کی تلاش شروع کردوں گی...... میں آپ کے اوپر قطعاً بوجھ نہیں بنوں گی۔ ماما میں خود کو سنبھال لوں گی۔'' فائزہ نے ماں سے منت سماجت کرنے کے انداز میں کہا۔

''پلیز مجھے تھوڑا سا وقت دیں۔''

''تم کورٹ جاؤ گی......؟'' ماں نے حیرت سے کہا۔

''جی...... دنیا کی کوئی طاقت مجھ سے میری اولاد نہیں چھین سکتی۔ مجھے اپنے حقوق کے حصول کے

لیے کورٹ کی مدد لینا ہوگی۔" وہ مستحکم لہجے میں بولی۔

"میں تمہارے ساتھ ہوں بیٹا...... تمہاری زندگی اتنی ارزاں نہیں کہ تم سسک، سسک کر تڑپ کر گزارو...... ماں کو سمجھاؤ کہ دنیا بدل چکی ہے۔ میں تمہاری ہمت و حوصلے کو داد دیتا ہوں۔ ایسے خبیث اور دھوکے باز لوگوں کے ساتھ تین گھنٹے گزارنے کسی اذیت ناک سزا سے کم نہیں ہوتے۔ تم نے تو تین سال سولی پر لٹک کر کیسے بتا دیے۔" حامد نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"آپ جیسا باپ میں نے آج تک نہیں دیکھا...... جو بیٹی کو طلاق کے لیے اکسا رہا ہو...... خدا کے لیے اس کا گھر مت اجاڑیں...... جان چھوڑ دیں اس کی...... اور اسے اپنے شوہر کی خدمت گار بیوی بننے کی تلقین کریں...... بیوی کو مار اسی کی زبان بے لگام ہونے پر پڑتی ہے۔" وہ چیخ کر بولیں۔ "یہ میسنی نہ جانے کیسا زہر اگل کر آئی ہے۔"

"بیٹا تم تو جا کر آرام کرو...... صبح ہمارے لیے خوشیاں لے کر نمودار ہونے والی ہے۔ ماں کی باتوں کی پروا نہ کرو...... یہ ماں ہی ہوتی ہے جو بیٹی کو بسانے کے چکروں میں ہمیشہ کے لیے اسے کھو دیتی ہے۔ مجھے ان لوگوں پر رتی بھر اعتبار نہیں رہا...... طیبہ تم سن لو اس بار بیٹی کو بھیجنے کی غلطی مت کرنا...... وہ لوگ اسے قتل کر دیں گے...... اور ہم زندہ درگور ہو جائیں گے۔" وہ تڑپ کر بولے۔

"تمام بے جا پیش گوئیاں ہیں......" وہ چڑ کر بولی۔

"ماما...... میں وہاں نہیں جاؤں گی اگر آپ نے مجھے مجبور کیا تو میں آپ کے سامنے زہر کھا کر مر جاؤں گی۔ وہاں کی ذلتوں بھری زندگی میں رہنے سے موت ہزار ہا درجے بہتر ہے۔" فائزہ نے مستحکم لہجے میں کہا اور ماں کے پاؤں پکڑ کر بیٹھ گئی۔

☆☆☆

"اوہ مائی گاڈ......!" فائزہ کی طرف سے طلاق کا مطالبہ...... میں تو اسے بہت ڈرپوک اور بے وقوف سمجھتا تھا...... وہ تو بہت عقلمند نکلی...... بیٹی کو بھی حاصل کر لے گی اور چند ہفتوں بعد آزاد بھی ہو جائے گی۔" زین بے قراری سے کمرے میں ٹہلتے ہوئے سوچے جا رہا تھا۔ آخر اس کی سوچ، تڑپ اور التجاؤں میں بدل گئی۔ دل چاہا کہ اڑ کر فائزہ کے پاس پہنچ جائے۔ اپنی غلطیوں کی تلافی کرے اور اسے واپس گھر لے آئے مگر مردانگی اور انا نے اسے ردِعمل سے وقتی طور پر روک دیا...... وہ دیر تک اس کی تصویر سے باتیں کرتا رہا، معافی مانگتا رہا مگر جواب نہ ملا...... آخر ہمت کر کے اس نے بچی کو اٹھایا اور باہر نکل گیا...... تھوڑی ہی دیر بعد وہ ایک سوالی کی طرح فائزہ کے گھر کے گیٹ پر کھڑا تھا۔

"فائزہ......! اب تم بے وقوفی اور بدلحاظی سے کام مت لینا...... زین تمہیں لینے آیا ہے مع تمہاری اولاد کے۔" ماں نے سختی سے کہا۔

"نہیں جاؤں گی۔ بیٹی دینا چاہتا ہے تو اس احسان کا بدلہ ضرور چکاؤں گی۔ نہیں دینا چاہتا تو بذریعہ کورٹ حاصل کر لوں گی۔ میرے معاملے میں آپ کچھ نہیں بولیں گی۔" وہ سنجیدگی سے کہنے لگی۔

"اس سے مل تو لو...... اگر مسئلہ حل ہو جائے تو اس میں برائی ہی کیا ہے؟ بیٹی اپنے سسرال میں شوہر کے ساتھ ہی سجتی ہے۔ میری چاند میرے دل کے ٹکڑے...... سمجھنے کی کوشش کرو...... تمہاری جلد بازی شازہ کو بھی لے ڈوبے گی۔ وہ بھی تو...... بے مول ہی چلی گئی۔"

"میں نے زین سے طلاق لینے کا فیصلہ کر لیا ہے، ماما...... وہ میرے لیے نامحرم ہو گیا ہے...... اب اس سے ملنے کا جواز نہیں بنتا......" ماں اس کے حتمی انداز پر حیرت زدہ رہ گئیں۔

"مجھے مجبور کرنے کی کوشش مت کریں ماما......

میرا فیصلہ اٹل ہے۔" انہوں نے اسے غصے سے گھورا اور ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گئیں۔ زین فوراً ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوگیا۔

"آنٹی...... صرف ایک بار فائزہ سے ملوادیں...... میں اپنی تمام غلطیوں، کوتاہیوں اور زیادتیوں کی معافی مانگنا چاہتا ہوں۔ معاملہ اتنا بگڑ جائے گا مجھے اس کا اندازہ ہی نہیں ہوا...... اتنی جلدی ہنسی مذاق میں ہی ہمارا گھر دوزخ کے دہانے پر کھڑا ہوجائے گا۔ مجھے یقین نہیں آرہا...... فائزہ تو..... بے مثال بہو اور بیوی تھی۔ میں نے اس کی قدر نہ کی۔" زین کی آواز کسی گہری کنویں سے آرہی تھی۔

"بیٹا......! وہ اب تمہاری کسی بات پر بھروسا نہیں کرے گی کیونکہ اعتماد اور بھروسے کے اس رشتے میں تم لوگوں کی طرف سے بہت گہری دراڑیں پڑ گئی ہیں۔ میاں بیوی کا رشتہ تو چند لفظوں سے جڑتا ہے۔ اس میں خون کی تپش و حدت شامل نہیں ہوتی۔ جڑنے ..... سے پہلے یخ بستہ اور ناتواں ہوتا ہے، جڑنے کے بعد دوطرفہ قربانیوں سے اس میں محبت، احترام کی گرمائش شامل ہوکر اسے مستحکم بناڈالتی ہے...... لیکن یہاں معاملہ ہی یکطرفہ تھا...... فائزہ کب تک خود پر جبر و ستم کرسکتی تھی۔ آخر وہ بھی احساسات و جذبات سے گندھی اِک گوشت پوست کا انسان ہے۔ مگر عورت کو یہاں انسان نہیں سمجھا جاتا ہے اور خصوصاً جب وہ بیوی بن جائے تو... کہ وہ بھی عقل سمجھ رکھتی ہے۔ کب تک اپنے ذہن و قلب پر قفل لگائے رکھتی۔" ماں نے افسردگی سے کہا۔ زین کے جھکے ہوئے سر کو دیکھ کر وہ مزید گویا ہوئیں۔

"قصور میرا بھی ہے کیونکہ میں اس کی سپورٹ نہ بن سکی...... اسے وہاں سے مر کر نکلنے کی تلقین کرتی رہی...... جبکہ اس کی اور میری سوچ اور زندگی میں.... بے تحاشا فرق ہے۔ میرے جیسی عورتیں چکی کے دوپاٹ میں پسنے کے لیے پیدا ہوئی ہیں۔ فائزہ جیسی عورتیں تو آکاش کا روشن ستارہ ہیں۔ جن کی زندگی روشنیوں سے ہمکنار رہنی چاہیے۔ ہم نے حق مہر کی ڈیمانڈ کر کے بہت بڑی غلطی کی تھی۔ جس نے اس رشتے میں زہر گھول دیا اور اب انجام ہمارے سامنے ہے۔"

"آپ درست فرمارہی ہیں...... حق مہر ہماری طرف سے مقرر نہیں ہوا وہ تو آپ کی طرف سے تعلیم کی صورت میں فائزہ کے پاس محفوظ تھا۔ جس کی مثال سے ہمیں سبق سیکھنا چاہیے۔ ہم نے حرا کا حق مہر اس کی سسرال سے فقط لکھت پڑھت کی صورت میں مقرر کیا تھا نقد تو شرعی ہی تھا اگر حق مہر اتنا ہی مضبوط اور فولادی ہوتا تو آج حرا کو تین کپڑوں میں گھر سے نکالا نہ جاتا کہاں گیا حق مہر اور سونا جو اسے تحفظ دے پاتا؟ وہ طلاق یافتہ یہ دکھ مرتے دم تک بھول نہیں پائے گی۔ کلنک کا یہ ٹیکا تعلیم سے مدھم پڑ سکتا تھا لیکن افسوس کہ ہم نے اس کے مستقبل کے لیے کچھ نہیں کیا...... نہ اعلیٰ تعلیم دی نہ ہی اس کے لیے بینک بیلنس کا انتظام کرسکے۔" وہ اس کی باتوں پر حیرت زدہ تھی۔ "مجھے آج احساس ہوا ہے کہ ہر بیٹی کے لیے ان دو میں سے ایک کا انتظام ہونا بہت ضروری ہے۔ ہمیں اپنی بیٹی کی خوشحالی اور کامیابی کے لیے سسرال اور اس کے شوہر کا مرہونِ منت نہیں رہنا چاہیے۔ اسے تعلیمی ہنر سے آراستہ کرنا چاہیے اگر ایسا ہونا مشکل ہے...... کیونکہ بعض اوقات بچی کا رجحان پڑھائی کی طرف نہیں ہوتا تو اس صورت میں اس کے ہاتھ میں بینک بیلنس اور سلیقہ شعاری، ہنر مندی اور وفاداری کی سند ہونی لازمی ہے۔" وہ مؤدبانہ انداز میں بولے چلے جارہا تھا۔ طیبہ اور فائزہ اس بات سے بے خبر تھیں کہ حرا زین کی بہن کے ساتھ سسرال میں کیا بیتی اس کا لمبا چوڑا حق مہر بھی اس کے بسنے کی ضمانت نہ دے سکا اور کچھ ساس سسر اور کچھ شوہر سے ناراضی طول اختیار کرتی چلی گئی اور طلاق پر قصہ ختم ہوا۔ زین کی والدہ جو فائزہ کو

ہمیشہ ٹھوکر پر رکھتی تھیں بیٹی کی طلاق سے ہل کر رہ گئیں۔ آج زین کے منہ سے حرا کی بابت جان کر طیبہ کے ساتھ ساتھ دروازے سے لگی کھڑی فائزہ بھی حیرت زدہ رہ گئی تھی۔

"آپ بالکل درست کہہ رہی ہیں۔ شوہر کو جب تک بیوی کے انسان ہونے کا احساس نہیں ہوگا...... ازدواجی زندگی خوشی، خوشی رواں دواں نہیں رہ سکتی۔"

"بے شک ماں، باپ کی عزت کی خاطر ہر دوسری لڑکی سمجھوتے کی چادر اوڑھے رہتی ہے مگر اس کے اپنے دل کی خوشی کیا ہے اس سے کسی کو کوئی غرض نہیں ہوتی۔" طیبہ نے خوشی کے آنسو پیتے ہوئے سنجیدگی سے کہا...... وہ دل ہی دل میں شکر ادا کررہی تھیں کہ بے شک اپنی بہن کے اجڑنے سے ہی سہی زین کو دوسرے کی بیٹی کے جذبات کا احساس تو ہوا۔

"آنٹی......! میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ بہت جلد میں فائزہ کے لیے الگ گھر خرید لوں گا...... اور اسے جنت کا گہوارہ بنانے کی پوری، پوری کوشش کروں گا۔ یہ اس کا حق ہے آنٹی...... گھر مرد کا نہیں عورت کا ہوتا ہے۔ وہ اس... جنت کی مالکن ہوتی ہے۔" وہ نہایت ملائمت سے بولا۔

"آنٹی فائزہ سے کہیں کیس واپس لے لے، میرا یقین کریں میں نے جو کہا ہے بالکل سچ کہا ہے۔ رتی بھر ہیر پھیر نہیں ہوگا اس میں۔"

"بیٹا...... تم لوگوں کے رشتے میں اسی چیز کی تو کمی رہی، تم میرے ساتھ چلو...... میں نہیں جانتی کہ وہ تمہاری باتوں پر اب کیسے یقین کرے گی۔" وہ یہ کہتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر ڈرائنگ روم سے نکل آئیں اور فائزہ کے کمرے کی طرف اشارہ کرکے وہ کچن کی طرف بڑھیں اور داماد کے لیے ٹرالی سجانے لگیں۔

وہ چائے کی ٹرالی ڈرائنگ روم میں پہنچا کر فائزہ کے کمرے کی طرف بڑھیں اور بیٹی کی آواز پر دروازے پر رک گئیں۔

"زین مجھے آپ کے والدین کے ساتھ رہنے میں رتی بھر اعتراض نہیں۔ آخر اُن کی دیکھ بھال کے لیے ایک بیٹے کی موجودگی تو بہت ضروری ہے۔ بہو جو ان کا خون نہیں ہوتی مگر شوہر کی توجہ، ہمدردی اور پیار میں انہیں اپنے خون سے بڑھ کر سمجھنے میں پہل کرلیتی ہے لیکن آپ نے تو مجھے ایسا چانس ہی نہیں دیا۔"

"بھئی اب معاف کردو...... میری نادانی اور احمقانہ پن کی وجہ سے تمہیں سسرال میں باعزت مقام نہ مل سکا۔ اس لیے ہمارا الگ رہنا ہی بہتر ہے۔ جب والدین کو ہماری ضرورت محسوس ہوگی تو ہم سب سے پہلے ہوں گے جو اُن کی نگہداشت کی ذمے داری اٹھانے کے لیے تیار ملیں گے کیونکہ میری بیگم لاکھوں میں نہیں بلکہ کروڑوں میں ایک ہے۔ جس کے بغیر میرا خاندان ادھورا ہے۔" زین نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگالیا اور فائزہ حسرت و بے یقینی کے ملے جلے جذبات سے مغلوب ہوکر سسک اٹھی۔

"آنسو خوشی کے سمجھوں کہ بے یقینی کے؟" وہ پیار بھرے لہجے میں بولا تو فائزہ نے ایشل کو اٹھا کر سینے سے چمٹالیا اور خوداعتمادی سے بولی۔

"اعتماد کا رشتہ بحال کرنے اور اسے ہمیشگی دینے کے لیے کچھ وقت درکار ہے۔ یہ مذاق نہیں زین، اچھی امید رکھو تمہیں مایوسی نہیں ہوگی صرف ایک بار مجھ پر بھروسا کرکے تو دیکھو...... بیوی پیار و محبت کے ساتھ ساتھ شوہر سے عزت و احترام کی بھی طلبگار ہوتی ہے جبھی تو یہ رشتہ خوب صورت اور پائندار بنتا ہے اور مضبوط خاندان وجود میں آتا ہے۔" فائزہ مسکرا کر ایشل کو بے اختیار چومنے لگی کہ وہی ان دونوں کے درمیان مضبوط ڈور تھی۔

"درست فرمارہی ہیں آپ میری سمجھدار بیگم صاحبہ......" زین نے محبت پاش نظروں سے اپنی چھوٹی سی فیملی کو دیکھا۔



منی ناول

اک نئے موڑ پر

رضوانہ پرنس

آخری حصہ

کبھی منزل ، کبھی رستہ کوئی کیسے بدلتا ہے
ہمیں معلوم ہی کب تھا کوئی کیسے بدلتا ہے
یقیں سے بے یقینی کے سفر تک ساتھ تھا میرے
بدل کر اس نے دکھلایا کوئی کیسے بدلتا ہے

راہِ زیست کبھی پُرخار و پُرپیچ تو کبھی رواں دواں ہوتی ہے۔ اسی راہ پر سفر کرتے ہوئے اجنبی مسافروں سے آشنائی، کبھی منزل کی جانب رہنمائی کرتی ہے تو کبھی راہ گم کردیتی ہے... ایسے ہی ایک مسافر کا دلگداز احوال جو منزل پر پہنچا تو ضرور مگر کیسے...؟

شوبز کی دنیا کے اسرار سے پردے اٹھاتی، گرماتی ایک دل فریب روداد



کتنی خوب صورت تھی اس کی زندگی کی وہ صبح جب عدیل نے بہت پیار سے اسے جگایا تھا...... وہ جو بالکل بے خبر سو رہی تھی، ایک لمحے کو تو اسے کچھ سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ وہ کہاں ہے۔ اس نے سوئی ہوئی آنکھوں سے عدیل کی جانب دیکھا اور دوسرے ہی لمحے جیسے اس کا ذہن مکمل جاگ اٹھا۔ وہ بے اختیار تیزی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کا یہ خوابیدہ حُسن عدیل کے دل پر مزید قیامت ڈھا گیا۔ وہ بے خودی میں اسے تکتا ہی چلا گیا۔

شہزادی کے چہرے پر حیا کے رنگ بکھر گئے اور پلکیں بے اختیار جھک گئیں۔

''اپنے نئے گھر کی پہلی صبح مبارک ہو شہزادی......'' عدیل نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے بے حد پیار سے اسے دیکھا تو نہ جانے کیوں شہزادی کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آ گئے۔

''مجھے بالکل یقین نہیں آ رہا عدیل کہ اللہ نے مجھے ..میرا اپنا گھر دے دیا ہے۔ اب آپ ہمیشہ میرے ساتھ رہیں گے ناں......'' آنسو ٹپ ٹپ اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے......عدیل نے بے ساختہ اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔

''شہزادی تم نے رات کو مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اب تم کبھی نہیں روؤ گی پھر یہ وعدہ خلافی کیسی......؟ بس اب ہماری زندگی میں صرف خوشیاں اور مسکراہٹیں ہوں گی اور یہ شادی اور ولیمے کے ہنگامے ختم ہو جائیں تو پھر میں خود تمہارے ابا اور اماں کو جا کر ڈھونڈوں گا...... اور دیکھنا انشاء اللہ وہ خود آ کر تمہیں گلے لگائیں گے۔'' کتنی محبت سے وہ اسے سمجھا رہا تھا، تسلی دے رہا تھا اور شہزادی کو کتنے تحفظ کا احساس ہو رہا تھا، اس کی بانہوں کے حصار میں...... بالکل اس طرح جیسے وہ ایک بہت محفوظ پناہ گاہ میں آ گئی ہو، کوئی بھی ڈر خوف یا وسوسہ اس کے دل میں نہیں رہا تھا...... اب اس کا محافظ اس کے پاس تھا پھر بھلا اسے اب کوئی فکر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ واقعی قدرت کبھی کبھی انسان کو بالکل اچانک اتنے ناقابلِ یقین طریقے سے خوشیوں سے نوازتی ہے، اس کے خوابوں کو حقیقت میں بدلتی ہے جس کا اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوتا۔ شہزادی کے ساتھ بھی تو ایسا ہی ہوا تھا...... عدیل کو اللہ نے فاران کے گھر جیسے صرف شہزادی کے لیے ہی بھیجا تھا...... اگر بچوں کے پہلے والے ٹیوٹر بیمار نہ پڑتے تو بھلا وہ کہاں عدیل کو پا سکتی تھی۔ اس نے دل ہی دل میں توبہ کرتے ہوئے ان بے چارے سر کی بیماری پر شکر ادا کیا تھا۔

''اچھا سنو، اب تم جلدی سے فریش ہو جاؤ تاکہ ہم باہر جا کر امی کے ساتھ ناشتا کر سکیں...... میں چاہتا ہوں کہ پہلے ہی روز سے تم اپنے رویّے سے میری امی کا دل جیت لو...... میری بہنوں کو اپنا گرویدہ بنالو تاکہ ہم سب سکھ چین سے اس گھر کی چھت تلے ایک آئیڈیل زندگی گزار سکیں۔'' اس بار عدیل نے اشارتاً...... یہ بھی جتانے کی کوشش کی کہ اسے شہزادی کے ساتھ ساتھ...... اپنی ماں اور بہنیں بھی کتنی عزیز ہیں۔

''ٹھیک ہے عدیل، میں جلدی سے تیار ہو جاتی ہوں۔'' اس کے لہجے میں چھپی فرمانبرداری کو محسوس کر کے عدیل بے اختیار ہنس دیا۔

''بس یار تمہاری یہی معصومیت تو ہمیں مارے ڈالتی ہے اور مجھے پورا یقین ہے کہ امی کو بھی اپنی یہ معصوم سی بہو بہت جلد بے حد عزیز ہو جائے گی۔'' اس نے شہزادی کے رخسار پر جھولتی لٹ کو پیار سے کھینچتے ہوئے اسے شرارت سے دیکھا تو شہزادی کے منہ سے بے ساختہ ''انشاءاللہ'' نکلا تھا۔

☆☆☆

''سنو اجالا، مجھے بہت ڈر محسوس ہو رہا ہے۔ جوں، جوں فاران کے آنے کے دن قریب آ رہے ہیں میری جان نکلی جا رہی ہے۔'' زنیرا فون پر اجالا سے اپنے اس خوف کو شیئر کر رہی تھی جو دن رات اسے کھائے جا رہا تھا۔

''پاگل ہو تم بھی زنیرا...... بھلا یہ بھی کوئی ڈرنے کی بات ہے، بس بتا دینا کہ ان دونوں نے ایک دوسرے کو پسند کیا عدیل نے فوراً رشتہ بھیجا اور جھٹ پٹ شادی ہو گئی کیونکہ عدیل کو بہت جلدی تھی۔'' اجالا نے زنیرا کے خوف کو یکسر رد کرتے ہوئے اس کی ہمت بندھائی۔ اجالا کو نہ جانے کیوں فاران کا شہزادی کے عشق میں دیوانہ ہونا اتنا ناگوار گزر رہا تھا۔ آخری بار فاران سے ملنے کے بعد وہ ایک بہت خوب صورت احساس لے کر واپس لوٹی تھی کہ فاران اسے ٹھکرا کر پچھتا رہا ہے۔ فاران کی اکثر ذومعنی باتوں کو اس نے اپنی مرضی کے رنگ دے کر یہ سمجھ لیا تھا کہ فاران کو اسے اپنی زندگی میں نہ لانے کا افسوس ہے اور وہ محبت جو اس نے کبھی فاران سے کی تھی اب جا کر اس کے دل میں بھی اجالا کے لیے جاگنے لگی ہے اور اسی احساس نے ہمیشہ اس کے دل کو ٹھیس پہنچاتے ہوئے زخم کو مندمل کر کے اسے ایک عجیب سا سکون بخش دیا تھا۔ حالانکہ اب اس کی زندگی کا مرکز اس کا شوہر اور اس کے بچے تھے لیکن ایک کسک جو کانٹے کی طرح اسے چبھتی رہتی تھی فاران کے رویّے نے جیسے اس چبھن کو یکسر ختم کر دیا تھا لیکن اس کے باوجود وہ دل سے یہی چاہتی تھی کہ زنیرا اور فاران پھر سے ایک ہو جائیں وہ ان کے بگڑتے ہوئے تعلقات پر بے حد فکرمند بھی رہا کرتی تھی لیکن جب زنیرا نے اسے بتایا کہ فاران کس طرح شہزادی کی محبت میں ڈوب کر اسے حاصل کرنے کا خواب دیکھ رہا ہے تو جیسے چھن سے کوئی چیز اجالا کے اندر ٹوٹی تھی۔ اپنے ٹھکرائے جانے کی اذیت دوبارہ دل میں جاگ اٹھی تھی۔ اسے زنیرا سے بالکل جلن محسوس نہیں ہوتی تھی لیکن شہزادی کے لیے جیسے جلاپے کی آگ اسے اپنے اندر دہکتی ہوئی محسوس ہونے لگی تھی۔ زنیرا جس کرب سے گزر رہی تھی ویسا ہی دکھ وہ خود بھی محسوس کر رہی تھی۔ اس کا دل چاہا تھا کہ وہ فاران کو فون کر کے بے نقط سنائے لیکن زنیرا نے سختی سے منع کر دیا تھا کہ وہ ہرگز فاران پر یہ بات ظاہر نہ کرے کہ اسے زنیرا کے ذریعے سب کچھ پتا چل گیا ہے ورنہ وہ برافروختہ ہو کر زنیرا کے خلاف کوئی بھی انتہائی قدم اٹھا سکتا تھا۔ اجالا بس کڑھ کر رہ گئی تھی۔

ہم یہیں آس پاس تھے لیکن
ہم تیرے التفات کو ترسے......
عمر بھر گفتگو رہی لیکن
پیار کی ایک بات کو ترسے

اپنی پرانی ڈائری میں لکھے ہوئے کسی مشہور شاعرہ کے یہ اشعار بے اختیار اسے آج پھر یاد آ رہے تھے۔

''اجالا بس دعا کرو کہ فاران کا ری ایکشن بہت سخت نہ ہو۔'' زنیرا کی آواز پر وہ اپنے خیالوں سے باہر آ گئی۔

''زنیرا مجھے تو تمہاری باتوں سے سخت الجھن ہو رہی ہے...... ارے اب بھی تمہیں فاران کی ناراضی کی فکر ہے اور کوئی وجہ سنے تو حیران ہی رہ جائے کہ تم نے اس کی محبوبہ کی شادی کہیں اور کرا دی ہے۔ شاباش ہے بھئی تم پر۔'' اس بار اجالا کو غصہ ہی آ گیا تو زنیرا اداسی سے مسکرا دی۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو اجالا، میں جو اتنی جیلس عورت ہوا کرتی تھی کہ فاران کا کسی لڑکی کی طرف دیکھنا بھی مجھے گوارا نہیں تھا آج قدرت نے دیکھو مجھے کس مقام پر پہنچا دیا ہے۔'' کتنا ٹوٹا ہوا لہجہ تھا اس کا......اجالا کو بے اختیار اس پر ترس آنے لگا۔

''زنیرا بی اسٹرونگ...... تم نے جو بھی قدم اٹھایا ہے وہ شہزادی کی خواہش اس کی خوشی اور مرضی

سے اٹھایا ہے۔ تم فاران کے کچھ کہنے سے قبل ہی سارا الزام عدیل اور شہزادی پر رکھ دینا۔ ویسے بھی عدیل کو شہزادی نے ساری سچویشن بتا ہی دی ہے سو وہ خود ہی فاران سے نپٹ لے گا۔ آفٹر آل شہزادی اب اس کی بیوی ہے۔" اجالا کا مشورہ جیسے زنیرا کے ڈوبتے دل کو ایک تقویت دے گیا۔ ہاں وہ ایسا ہی کرے گی...... بات ویسے بھی سچی تھی کچھ بھی جھوٹ نہیں تھا اس میں...... شہزادی کو تو اپنی منزل مل گئی تھی پھر اس کی وجہ سے بھلا وہ اپنی ڈولتی ہوئی ازدواجی زندگی کی ناؤ کو بالکل ہی کیسے ڈبو دیتی۔

☆☆☆

"ارے رانی، یہ سبز رنگ تم پر بہت کھلے گا اور پرنٹ بھی دیکھو کتنا خوب صورت ہے۔" یہ آواز سو فیصد فقیر محمد کی تھی جو اچانک ہی شہزادی کے کانوں تک آئی تھی۔ اس کا دل دھک سے رہ گیا......... بے اختیار اس نے اپنی چادر سے مزید اپنے چہرے کو چھپالیا...... وہ اپنی ساس کے ساتھ اس وقت.... بازار شاپنگ کے لیے آئی ہوئی تھی۔ اصل میں رخشندہ (عدیل کی ماں) کو قلق تھا کہ شادی اتنی جلد بازی میں ہوئی کہ وہ ڈھنگ سے بری نہیں بنا سکیں سو شادی کے کچھ ہی روز بعد وہ شہزادی کو کپڑوں کی شاپنگ کے لیے یہاں لے کر آئی تھیں۔ عدیل کے آفس جانے اور رافیہ اور مدیحہ کے کالج کے لیے نکلتے ہی انہوں نے فٹافٹ ماسی کے ساتھ مل کر گھر کا کام نمٹایا تھا۔ شہزادی کے لاکھ اصرار کے باوجود انہوں نے ابھی تک اسے کسی کام میں ہاتھ نہیں لگانے دیا تھا۔ خود رافیہ اور مدیحہ بھی اپنی اتنی حسین سی بھابی کے ناز اٹھاتے نہ تھکتیں۔ آج بھی بڑی مشکل سے کالج گئی تھیں۔ ورنہ تو شادی کے بعد سے دونوں کی چھٹیاں ہی چل رہی تھیں۔ بس پروانے کی طرح بھابی کے ارد گرد ہی گھوما کرتیں...... شہزادی کو ایک گڑیا کی طرح سجانے سنوارنے میں بھی انہیں بہت مزہ آرہا تھا۔ عدیل کو ان کی معصوم سی خوشیاں بہت اچھی لگ رہی تھیں۔ گھر میں بکھری اس خوب صورت سی رونق کو وہ ہمہ وقت اپنے دل میں اتارتا رہتا...... اور آج تو شادی کے بعد اس کا بھی آفس جانے کا پہلا ہی دن تھا بہت جبراً تیار ہو رہا تھا وہ اور شہزادی کو اسے دیکھ دیکھ کر ہنسی آئے جارہی تھی۔ ویسے بھی آج کل بات بے بات اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھل اٹھتی تھی۔ وقتی طور پر اماں ابا سے ملنے کی خواہش بھی شادی کے نئے، نئے خمار کی جھلملاہٹ میں کہیں چھپ گئی تھی۔

"سنو میرے جانے کے بعد مجھے کتنا یاد کروگی؟" عدیل نے جانے سے قبل بہت پیار سے اس کی آنکھوں میں جھانک کر پوچھا تو شہزادی کھلکھلا کر ہنس دی۔

"ارے، آپ شام کو تو واپس آجائیں گے اب اتنی سی دیر کے لیے یاد کرنے کا بھلا کیا فائدہ ہوگا...... ویسے بھی میں امی کے ساتھ مارکیٹ جارہی ہوں۔" شرارت اس کی آنکھوں میں جھلملا رہی تھی۔ عدیل مصنوعی غصے سے گھورتے ہوئے اس کی طرف بڑھا تو وہ جھپاک سے کمرے سے باہر نکل گئی۔ عدیل بھی مسکراتا ہوا اس کے پیچھے باہر آگیا جہاں رخشندہ اس کے لیے ناشتا لگا رہی تھیں اور حسب معمول بہت پیار سے شہزادی کو ڈانٹتے ہوئے دودھ کا گلاس تھما کر پورا ختم کرنے کی ہدایت کررہی تھیں۔ صبح سے کتنا اچھا لگ رہا تھا یہ سب کچھ شہزادی کو لیکن اس وقت فقیر محمد کی آواز نے جیسے اس کی روح ہی کھینچ ڈالی تھی۔ اسے رانی کی آواز بھی آرہی تھی جو شاید کسی دوسرے پرنٹ کی بات کررہی تھی۔ ان دونوں کی طرف شہزادی کی پشت تھی اسی لیے ان کی نظر اس پر نہیں پڑی تھی۔ شہزادی نے چادر سے مزید اپنے آپ کو چھپانے کی بھرپور کوشش کی جسے رخشندہ نے نوٹ کرلیا۔

"ارے شہزادی آرام سے بیٹھو، اتنی گرمی میں تمہاری طبیعت خراب نہ ہوجائے۔ ویسے بھی تمہاری چادر خاصی موٹی ہے۔" رخشندہ کے ٹوکنے پر بھی بس وہ یونہی ہونق چہرے کے ساتھ سر جھکائے بیٹھی رہی...... چہرہ پسینے سے تر ہوا جارہا تھا اور دل اتنی تیزی سے دھڑک رہا تھا گویا ابھی باہر آجائے گا۔ رانی اور فقیر محمد چند ہی لمحے اس شاپ پر رکے تھے اور پھر آگے بڑھ گئے لیکن یہ چند لمحے شہزادی کو صدیوں پر محیط لگے تھے۔ اس نے ہلکا سا منہ موڑ کر انہیں دوسری شاپ کی طرف مڑتے دیکھا تو اس کے دل کو قدرے سکون ہوا لیکن بہر حال ان کی اس جگہ پر موجودگی کی تلوار تو لٹک رہی تھی اس کے سر پر...... اگر فقیر محمد کی نگاہ اس پر پڑ جاتی تو وہ اس کی ساس کے سامنے اپنے اگلے پچھلے سارے بدلے نکال لیتا...... گھر سے بھاگی ہوئی لڑکی کا خطاب کتنی حقارت سے دے کر اس کی عزت دو کوڑی کی کردیتا۔ نہ جانے کیا کچھ کہہ دیتا، وہ اس کی ساس کے سامنے...... نادانی میں اٹھایا ہوا قدم اسے بار بار مختلف موڑ پر باور کراتا رہتا تھا کہ اس سے کتنی بڑی غلطی سرزد ہوچکی ہے۔ اس وقت بھی وہ شدید خوف اور پریشانی کے عالم میں سوچ رہی تھی کہ کیسے وہ ساس سے واپس چلنے کو کہے جو اسے بڑے شوق سے شاپنگ کرانے لائی تھیں۔ تبھی ان کی نظر شہزادی کے زرد ہوتے ہوئے چہرے پر پڑی تو وہ کچھ پریشان سی ہوگئیں۔

"بیٹا تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں......؟"

ان کے فکرمند لہجے پر شہزادی کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آگئے اور ساتھ ساتھ فوراً ہی ایک بہانہ بھی سوجھ گیا۔

"امی مجھے بخار سا محسوس ہورہا ہے۔ سر بھی بہت چکرا رہا ہے۔" اس کی بات پر رخشندہ اس کا ہاتھ تھام کر پریشانی کے عالم میں کھڑی ہوگئیں۔

"ارے تو مجھے پہلے بتانا تھا ناں...... چلو ہم فوراً گھر چلتے ہیں۔" شہزادی دل ہی دل میں اطمینان کی سانس لیتے ہوئے دکان سے باہر آگئی۔ اس نے کن انکھیوں سے اِدھر اُدھر دیکھا فی الحال اسے وہ دونوں کہیں نظر نہیں آرہے تھے۔ دل رانی کو دیکھنے کو مچل رہا تھا لیکن بس وہ کڑھ کر رہ گئی...... بہن کی محبت اپنی جگہ لیکن اس وقت اسے رخشندہ کے سامنے اپنی عزت کا بھرم رکھنا زیادہ ضروری محسوس ہورہا تھا۔ اتفاق سے رکشا بھی فوراً ہی مل گیا۔ رکشے کے چلتے ہی اسے لگا جیسے اس کی رکتی ہوئی زندگی بھی دوبارہ چل پڑی ہو۔

☆☆☆

"بس اب دو ہی دن تو رہ گئے ہیں واپس جانے میں لیکن پتا نہیں کیوں میرا دل چاہ رہا ہے میں ابھی اڑ کر پاکستان چلا جاؤں۔" فاران کی بات پر اس کے ڈائریکٹر نے ہنس کر اسے دیکھا۔

"یار تم پہلے ہیرو ہو جو اتنی خوب صورت اور رومینٹک جگہ پر بھی اپنی ہیروئن سے دور، دور ہی رہے۔ پتا ہے وہ کل شوٹ کے بعد مجھ سے کہہ رہی تھی کہ آپ نے اتنی رومینٹک فلم کے لیے اتنا خشک ہیرو کیسے چنا؟"

"پھر آپ نے کیا جواب دیا؟" فاران نے مسکرا کر ان سے پوچھا۔

"میں نے کہا کہ بھئی رومانس کے سین کرتے وقت تو وہ حقیقت کے رنگ بھر دیتا ہے ناں بس اسی پر گزارہ کرلو۔" ڈائریکٹر نے قہقہہ لگاتے ہوئے جواب دیا تو فاران کو بھی ہنسی آگئی۔ ویسے حقیقتاً فاران ہرگز اتنا خشک مزاج نہیں تھا لیکن اب تو جیسے اس کے دل کی ہر دھڑکن صرف شہزادی کو ہی پکارتی تھی...... اس کے حواسوں پر وہ کچھ ایسے چھائی جارہی تھی کہ سوائے اسے سوچنے کے کچھ اور کرنے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا...... سوئٹزر لینڈ کی ساری خوب صورتی اس کی یادوں نے جیسے ماند کردی تھی۔ اتنا ٹوٹ کر تو اس نے کبھی زنیرا کو بھی نہیں چاہا تھا۔ جس

کے عشق میں ڈوب کر اس نے اپنے گھر والوں کی ناراضی مول لے لی تھی اور اب وہی زنیرا اس کی زندگی میں کہیں دور، دور نہیں تھی لیکن ان کی زندگی میں آنے والی یہ دوریاں یہ فاصلے تو شہزادی سے ملنے سے قبل ہی ان دونوں کے درمیان آچکے تھے اور اس کی قصور وار بھی فاران کی نظر میں زنیرا ہی تھی جس نے اس کی زندگی میں آنے والے اس نئے موڑ پر قدم قدم پر اس کے راستے میں کانٹے بچھائے۔ اسے آگے بڑھتا دیکھ کر خوش ہونے کے بجائے اسے پیچھے کی طرف دھکیلنا چاہا...... اسے اپنی اس نئی فیلڈ میں کام کرنے کے لیے ذہنی سکون کی ضرورت تھی لیکن زنیرا نے اسے ہر پل ایک اذیت سے دوچار رکھا...... پتا نہیں کہاں کی نفرت سما گئی تھی فاران کے دل میں زنیرا کے لیے کہ اب وہ اس کی رفاقت میں زندگی گزارنے کا تصور کرتے ہوئے بھی گھبرانے لگا تھا۔ یہاں تک کہ اجالا جسے اس نے زنیرا کی محبت میں ٹھکرا دیا تھا اب اسے زنیرا کے مقابلے میں اچھی لگنے لگی تھی، اپنے فیصلے پر پچھتاوا محسوس ہونے لگا تھا۔ اسے اور پھر ایسے میں شہزادی کا اچانک اس کی زندگی میں آجانا اسے اپنی سپاٹ اور تنہا خزاں آلود زندگی میں بہار کے ایک مہکتے ہوئے خوشگوار جھونکے کے مانند محسوس ہوا تھا۔ وہ پہلی ہی نظر میں کچھ اس طرح سے دل میں اتر گئی تھی کہ بس پھر وہیں کی ہو کر رہ گئی، وہ اس لمحے کے سحر سے پھر کبھی نکل ہی نہیں پایا۔ کسی نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ محبت دل میں داخل ہونے کے لیے اجازت نہیں مانگتی۔ یہ تب ہو جاتی ہے جب نہیں ہونی چاہیے۔ ایسا ہی کچھ فاران کے ساتھ ہوا تھا۔ شہزادی کی محبت دل میں بس جانے کے بعد پھر اسے کسی اور کی تمنا ہی نہیں رہی تھی۔ کسی بھی عورت میں اسے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی تھی۔ اس بار وہ واپس جا کر شہزادی کو بتانا چاہتا تھا کہ اس کی محبت میں کوئی ہوس شامل نہیں ہے وہ اس کے جسم کی نہیں روح کی پکار ہے۔ وہ اسے ہمیشہ کے لیے اپنا کر اپنی زندگی میں بکھری ہوئی ساری تشنگی کو مٹا دینا چاہتا ہے۔ وہ اس سے عمر میں بہت چھوٹی سہی لیکن وہ اسے کبھی اس فرق کو محسوس نہیں ہونے دے گا۔ اب بھی وہ اتنا ینگ لگتا ہے کہ کم عمر ہیروئن بھی اس کے ساتھ سوٹ کر جاتی ہے۔ خوابوں اور خواہشوں کی راہ گزر پر چلتا ہوا وہ بہت دور تک نکل جایا کرتا تھا اور اب تو بس دو ہی دن رہ گئے تھے اس کی بے قراری کو قرار ملنے کے لیے...... اس نے پچھلے دنوں گھر کے لینڈ لائن نمبر پر فون کرنے کی کافی کوشش بھی کی تھی لیکن شاید فون خراب تھا کال مل کر ہی نہیں دی اور زنیرا کے موبائل پر وہ کال کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی کہ لینڈ لائن کا فون خراب نہیں بلکہ زنیرا نے اس کا تار ہی نکال دیا ہے وہ نہیں چاہتی تھی کہ بچوں یا نوکروں کے ذریعے شہزادی کی شادی کی خبر اسے مل جائے۔ جتنی خاموشی سے یہ شادی ہوئی تھی اسے فاران کے یہاں آنے تک اسی خاموشی کو برقرار رکھنا تھا۔

☆☆☆

وہ عدیل کے سینے میں منہ چھپائے بہت...... بےقراری سے رو رہی تھی۔ عدیل اس کا سر سہلاتے ہوئے اسے تسلی آمیز لہجے میں سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ”دیکھو شہزادی انشاء اللہ تم بہت جلدی بڑی عزت کے ساتھ اپنے اماں، ابا اور رانی سے ملوگی، مجھ پر بھروسا رکھو۔ میں آج تمہارے محلے میں گیا تھا لیکن اگر تم اپنا رونا بند نہیں کرو گی تو میں اس سے آگے کچھ نہیں بتاؤں گا۔“ اس کی پیار بھری دھمکی کام آگئی شہزادی نے بے اختیار اپنے آنسوؤں کو پونچھتے ہوئے بہت بے تابی سے اس کی جانب دیکھا۔

”عدیل جلدی بتائیں پھر کیا ہوا...... اماں اور ابا کے بارے میں بھی کچھ پتا چلا...... ہم کب ان سے ملنے جا رہے ہیں؟“ اس کی بے قراری پر عدیل کو ہنسی

آگئی۔ وہ آفس سے جونہی اندر داخل ہوا تھا رخشندہ نے اسے شہزادی کی طبیعت کے بارے میں فوراً ہی بتا ڈالا تھا۔ رافیہ اور مدیحہ اسی کے پاس بیٹھی ہوئی اس کا دل بہلانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ عدیل کے کمرے میں داخل ہونے پر وہ دونوں چائے لانے کا کہہ کر جیسے ہی کمرے سے باہر نکلیں شہزادی جو اتنی دیر سے اپنے اوپر ضبط کا بند باندھے ہوئے تھی فوراً ہی اٹھ کر عدیل سے لپٹ کر کچھ ایسے روئی کہ وہ پریشان ہو گیا۔

”کیا ہوا شہزادی سب خیریت تو ہے ناں......؟“

”عدیل آج بازار میں مجھے رانی نظر آئی تھی فقیر محمد بھی ساتھ تھا۔“ اس نے ہچکیوں کے درمیان... بمشکل بتایا تو عدیل گھبرا سا گیا۔

”اوہ...... تو کیا ان لوگوں نے امی کے سامنے تم کو کچھ کہہ دیا کیا؟“ عدیل کی پریشانی جائز تھی، اس نے ماں سے یہ بات چھپائی تھی کہ شہزادی گھر سے بھاگ کر زنیرا کے پاس رہ رہی تھی۔ وہ اپنی امی کے خیالات سے اچھی طرح واقف تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ وہ سب کچھ برداشت کرلیں گی لیکن گھر سے بھاگی ہوئی لڑکی کو کبھی قبول نہیں کریں گی کیونکہ ان کی نظر میں ایسی لڑکیاں بالکل بھی قابلِ عزت نہیں تھیں۔ وہ شہزادی کی بے گناہی کو کسی حال میں بھی تسلیم نہیں کرنے والی تھیں۔ تبھی اس نے انہیں یہ ہی بتایا تھا کہ شہزادی زنیرا کے دور کی رشتے داروں میں سے ہے اور کچھ گھریلو حالات کی خرابی نے اسے زنیرا کے ساتھ رہنے پر مجبور کر دیا ہے۔ زنیرا نے بھی عدیل کی درخواست پر ایسی ہی کہانی رخشندہ کو سنائی تھی اور رخشندہ نے بھی زیادہ کریدنے کی کوشش نہیں کی تھی ویسے بھی وہ زنیرا سے مل کر مطمئن ہو گئی تھیں اور پھر شہزادی کا اتنا معصوم چہرہ اور بے پناہ حسن انہیں بہت متاثر کر گیا تھا۔

”نہیں عدیل، اللہ کا شکر ہے کہ ان لوگوں نے ہمیں نہیں دیکھا اور میں فوراً طبیعت خرابی کا بہانہ بنا کر امی کو لے کر واپس آگئی لیکن رانی کو دیکھنے کے بعد مجھ سے صبر نہیں ہو رہا...... میں کیا کروں عدیل...... میں اتنی بے بس کیوں ہو گئی آخر کب میں اپنے گھر والوں سے مل سکوں گی۔“ وہ زار و قطار رو رہی تھی عدیل کو کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں دے رہی تھی اور اب عدیل کے یہ بتانے پر کہ وہ آج اس کے محلے گیا تھا جیسے اس کے آنسو ایک دم تھم گئے تھے۔

”شہزادی مجھے پتا چلا ہے کہ پرسوں تمہارے اماں اور ابا واپس لاہور آرہے ہیں۔ تمہارے پڑوس میں رہنے والے ایک صاحب نے میرے پوچھنے پر بتایا کہ اجمل صاحب پرسوں واپس اپنے گھر آجائیں گے کیونکہ آج ہی ان کی چھوٹی بیٹی اپنے شوہر کے ساتھ گھر کی صفائی وغیرہ کروانے آئی تھی۔“ عدیل اسے بتا رہا تھا اور وہ پوری آنکھیں کھولے اسے ایک ٹک دیکھ رہی تھی۔ بہت ہی عجیب سی کیفیت سے... دوچار ہو رہا تھا اس کا دل...... اماں، ابا اور رانی سے ملنے کی بے پناہ خوشی اپنی جگہ لیکن اس خوشی میں چھپا شدید خوف ایک عفریت کے مانند اسے سہما بھی رہا تھا۔

ابا کا ری ایکشن نہ جانے اسے دیکھ کر کیسا ہوگا...... وہ اسے معاف بھی کریں گے یا نہیں......؟ اماں بھی اپنی خفگی جتائیں گی ضرور لیکن پھر ان کی خفگی، ان کے آنسوؤں میں بدل جائے گی اور رانی وہ تو سب کچھ بھلا کر بے اختیار آکر اس سے لپٹ جائے گی۔ رہ گیا...... فقیر محمد تو عدیل کے سامنے اس کی ہمت ہی نہیں پڑے گی کچھ بھی کہنے کی۔ بس کاش ابا اسے معاف کر دیں...... ایسی ہی کتنی سوچیں اس کے ذہن میں ہلچل مچا رہی تھیں۔

”عدیل میرا تو دل بیٹھا جا رہا ہے۔ میں کیسے سب کا سامنا کروں گی۔ پتا نہیں وہ میری بات کا یقین بھی کریں گے یا نہیں۔“ شہزادی کی آواز میں لغزش تھی۔

”میں نے اس معاملے پر غور کر لیا ہے۔ کل ہم

دونوں زنیرا صاحبہ کے گھر چلتے ہیں۔ تمہیں ہمت کر کے اب انہیں ساری سچائی بتانی ہوگی۔ اتنے دنوں میں ویسے بھی وہ تمہیں سمجھ ہی گئی ہیں۔ تمہارے کردار، تمہاری معصومیت کی تو وہ قسم کھانے کو تیار رہتی ہیں تو پھر تمہارے مصلحتاً بولے ہوئے جھوٹ کو وہ بالکل مائنڈ نہیں کریں گی بلکہ انہیں تو خوشی ہوگی کہ تمہاری کوئی ظالم خالہ نہیں ہیں بلکہ تمہارے چاہنے والے ماں، باپ اور بہن موجود ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ تمہارا اس طرح اپنے ماں باپ کو چھوڑ دینا انہیں برا لگے لیکن بہر حال تم انہیں منا ہی لوگی۔'' عدیل کی باتوں پر اس نے الجھ کر اسے دیکھا۔

''لیکن عدیل انہیں یہ سب کچھ بتانے کی کیا ضرورت ہے؟''

''ارے پاگل لڑکی...... ان کی گواہی تمہارے اس کیس کو بہت مضبوط بنا دے گی...... پہلے میں، زنیرا صاحبہ اور ان کے بچوں کے ساتھ جا کر تمہارے ابا سے ملوں گا...... ہم لوگ ہر ممکن طریقے سے ان لوگوں کا دل صاف کرنے کی کوشش کریں گے۔ میں تمہارا شوہر ہونے کے ناتے تمہاری پاکیزگی کی گواہی دوں گا۔ زنیرا صاحبہ بھی تمہاری بے گناہی کی گواہ ہوں گی۔ میں روشانہ کو بھی سمجھا دوں گا کہ وہ اپنی شہزادی باجی کے بارے میں یہ ضرور بتائے کہ وہ اس کی باجی بن کر اس کے ساتھ رہتی تھیں۔ شہزادی پلیز تم مجھ پر بس دل سے بھروسا کر کے ہر فکر سے آزاد ہوجاؤ۔ میں ہوں ناں تمہارے ساتھ۔'' اس کے ڈوبتے ہوئے دل میں عدیل کا ہر جملہ جیسے ایک تقویت بن کر اتر رہا تھا۔

☆☆☆

وہ راستے پہ لا کے دامن چھڑا رہے ہیں
جس دل میں گھر بنایا اس گھر کو ڈھا رہے ہیں
پہچان کے بھی ہم کو، انجان ان کا بننا
اپنے تغافلوں سے دل کو دکھا رہے ہیں
ہم نے تو کبھی ان کو، ایسے نہیں ستایا
پوچھے کوئی شگفتہ، وہ کیوں ستا رہے ہیں

جہاز کی سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے وہ آنکھیں بند کیے اپنے حسین تصورات میں گم تھا۔ لاہور آنے میں بس اب کچھ ہی دیر باقی تھی۔ اس نے جیب سے بے حد خوب صورت ڈائمنڈ کی رنگ ایک بار پھر نکال کر دیکھی اور ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ دوڑ گئی۔ ساتھ بیٹھی ہوئی ماہ رخ نے کچھ جیلس ہو کر اسے ٹوکا۔

''فاران آپ بار بار یہ انگوٹھی نکال کر کیا جتانا چاہ رہے ہیں۔ ارے بابا ہم سب جانتے ہیں کہ آپ کی بیوی بہت پیاری ہیں اور......'' فاران نے کچھ خشک لہجے میں اس کی بات درمیان میں ہی کاٹ دی۔

''ماہ رخ پلیز یہ میرا بہت پرسنل معاملہ ہے، میں اس پر ڈسکشن کرنا بالکل پسند نہیں کروں گا۔''

ماہ رخ کچھ کھسیا سی گئی۔ وہ اس کی فلم کی ہیروئن ہونے کے باوجود اس وقت اپنے آپ کو ایکسٹرا سے بھی کم محسوس کر رہی تھی۔

''سوری فاران، آپ میرے کو اسٹار ہیں سو تھوڑا سا مذاق کرنے کا حق سمجھ لیا تھا...... لیکن آپ کچھ زیادہ ہی sensitive ہو رہے ہیں آج کل، اللہ خیر کرے......'' وہ تلخی سے کہتے ہوئے اپنی سیٹ سے اٹھ کر آگے جا کر بیٹھ گئی۔ ویسے بھی فرسٹ کلاس میں کافی سیٹس خالی تھیں۔ ان کے ڈائریکٹر نے جو ان کے ساتھ والی رو میں بیٹھا ہوا تھا ان کے درمیان ہوتی ہوئی اس تلخی کو محسوس کیا تو کچھ گھبرا سا گیا۔ ابھی اس کی فلم کا کچھ کام باقی تھا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ ان کے بگڑتے تعلقات کا اثر اس کی فلم پر پڑے...... وہ کچھ اپ سیٹ سا ہو کر فاران کے ساتھ آ کر بیٹھ گیا۔

''فاران یار، ذرا مجھ پر رحم کرو...... ماہ رخ کو تو تم جانتے ہی ہو اس کا نخرہ ساری فلم انڈسٹری میں مشہور ہے اگر اس نے کچھ گڑبڑ کر دی تو میں تباہ ہو جاؤں گا یار......'' شہریار کی پریشانی کچھ ایسی غلط بھی نہیں تھی۔ ماہ رخ اس سے پہلے بھی شہریار سے فاران کے رویے کے بارے میں شکایت کر چکی تھی۔

اسے اپنے حسن اپنی اداکاری پر کچھ زیادہ ہی ناز تھا۔ ویسے بھی آج کل وہ کافی ٹاپ پر جا رہی تھی بلکہ یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ ہر فلم پروڈیوسر اور ڈائریکٹر کی ضرورت بنتی جا رہی تھی وہ...... فاران کے ساتھ شوٹنگ میں جذباتی سین کراتے ہوئے اب وہ سچ مچ اس کے قریب آنا چاہ رہی تھی لیکن فاران کی طرف سے ملنے والے کولڈ رسپانس کو جیسے اس نے اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا تھا، اپنی انسلٹ محسوس کرنے لگی تھی وہ...... اس کے تو ایک اشارے پر لوگ جان دینے کو تیار ہو جاتے تھے اور فاران تھا کہ اس کی نگاہِ التفات کو اہمیت ہی نہیں دے رہا تھا...... اور اس وقت جب اس کی منزل کچھ گھنٹوں کی مسافت پر تھی اور وہ آنکھیں موند کر صرف اور صرف شہزادی کو سوچنا چاہ رہا تھا ایسے میں شہریار کی بے چارگی سے کی گئی ریکویسٹ پر عمل کرنا اسے انتہائی کٹھن لگ رہا تھا۔

شہریار فلم کا ڈائریکٹر اور پروڈیوسر دونوں ہی تھا اور ماہ رخ کا آف موڈ اسے بہت فکر مند کر رہا تھا...

شہریار کے اصرار پر وہ طوعاً و کرہاً اٹھ کر ماہ رخ کے پاس آ گیا کہ بقول شہریار تم جہاز کو اس وقت فلم کا سیٹ سمجھ کر تھوڑی سی ایکٹنگ کر کے ماہ رخ کا موڈ ٹھیک کر دو...... اور پھر ایسا ہی ہوا اس نے کچھ دیر کے لیے اپنے آپ کو ایک بار پھر ہیرو کے روپ میں ڈھال لیا تھا جو فلم میں اپنی ہیروئن کو منانے کے لیے بہت خوب صورت جملوں کا سہارا لیا کرتا تھا۔ ویسے بھی شہریار نے اسے اپنی دوسری فلم کے لیے سائن کیا ہوا تھا اور فاران جانتا تھا کہ شہریار کو نقصان پہنچنے کا مطلب اس کے اپنے کیریئر کو دھچکا لگنے کے مترادف تھا۔

لاہور کے ائرپورٹ پر جب جہاز لینڈ کر رہا تھا تو جہاں ماہ رخ کے چہرے پر مسکراہٹ بکھری

ہوئی تھی وہیں فاران کا دل بھی اپنی جانِ جاں سے ملنے کے تصور سے ہی کِھلا جارہا تھا۔ وہ ایک بہت خوب صورت احساس سے سرشار تھا، کتنی عجیب سی بات تھی کہ اس دوران اسے ایک پل بھی زنیرا کا خیال نہیں آیا تھا بس دل ایک ضدی بچے کے مانند... صرف شہزادی کے نام کی گردان کیے جارہا تھا۔ اس نے کسی کو بھی اپنی فلائٹ ٹائمنگ کے بارے میں نہیں بتایا تھا صرف اس کا سیکریٹری ائرپورٹ پر اس کا منتظر تھا۔ کار جب اس کے بنگلے کے پورچ میں آکر رکی تو لان میں کھیلتا ہوا فرحان دوڑتا ہوا آکر اس سے لپٹ گیا۔ فاران نے بے اختیار اسے گود میں اٹھالیا۔ اپنے بچے پر اسے بے تحاشا پیار آیا تھا۔ اتنے دنوں بعد جو دیکھا تھا اسے۔ فاران کو کچھ ندامت سی بھی محسوس ہوئی تھی اس وقت...... کیسا باپ تھا وہ جو شہزادی کی یادوں میں گم ہوکر اپنے بچوں کو بھلا ہی بیٹھا تھا۔ کیا شہزادی کی محبت سب رشتوں پر بھاری پڑ گئی تھی۔ وہ فرحان کو گود میں اٹھائے اس سے باتیں کرتا ہوا اندر داخل ہوا تو ڈرائنگ روم سے آتی ہوئی باتوں کی آواز پر وہ کچھ ٹھٹک کر رک گیا۔ بے اختیار دل میں خیال آیا کہ کہیں راحیلہ باجی یا زنیرا کے امی ابو تو نہیں آئے ہوئے ہیں۔

''اچھا ہے اگر وہ لوگ آگئے ہیں تو اب مجھے بھی فیصلہ کرنے میں آسانی ہوجائے گی۔ اب میں مزید وقت نہیں ضائع کروں گا۔'' فاران نے بیٹے کو گود سے اتارتے ہوئے سوچا تھا۔

''بابا آگئے...... بابا آگئے ......'' فرحان خوشی سے اچھلتا ہوا اندر ڈرائنگ روم میں دوڑتا ہوا چلا گیا۔ فاران بھی اس کے پیچھے ہی اندر داخل ہوا تھا اور پھر جیسے سامنے کے منظر نے اسے بالکل ہی منجمد کردیا۔ پتا نہیں موت کی تکلیف کیسی ہوتی ہوگی لیکن آج اس نے مرنے سے پہلے ہی اس کا مزہ چکھ لیا تھا۔ سامنے ہی شہزادی ڈیپ ریڈ کامدانی کے سوٹ میں عدیل کے ساتھ صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ گورے، گورے ہاتھوں میں رچی مہندی، سڈول کلائیوں میں کھنکتی سرخ سنہری چوڑیاں اور چہرے پر بکھرا دلہناپے کا روپ بہت واضح طور پر بتا رہا تھا کہ وہ نئی نویلی دلہن ہے اور اس کے بالکل نزدیک بیٹھا ہوا عدیل...... فاران کا دل جیسے ڈوبنے لگا تو کیا زنیرا نے اس کی غیر موجودگی میں شہزادی کو اس سے چھین کر عدیل کا بنادیا...... وہ تہی دامن رہ گیا۔ اس کی آنکھوں میں ہر پل بسنے والے خواب کی تعبیر بجائے اس کے، عدیل کو کیسے مل سکتی ہے۔ ایسا کیسے ہوسکتا ہے، وہ جنونی انداز میں آگے بڑھا...... زنیرا جو عدیل کی کسی بات پر مسکرا رہی تھی۔ اچانک ہی فرحان کی اس آواز پر کہ بابا آگئے بے اختیار متوحش ہوکر سامنے دیکھنے لگی جہاں فاران شدید غصے کی کیفیت میں اسے اپنی طرف بڑھتا ہوا نظر آیا تھا۔ اسے لگا جیسے ایک دم سے اس کے پیروں کی جان نکل گئی ہو۔ وہ ویسے ہی بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی جبکہ شہزادی کے چہرے کا رنگ بھی اڑ گیا تھا البتہ عدیل اپنے آپ کو سنبھالتا ہوا جلدی سے کھڑا ہوگیا۔

''السلام علیکم...... سر what a pleasant surprise'' فاران کو تو جیسے کچھ سنائی دے رہا تھا اور نہ کچھ دکھائی...... وہ عدیل کا بڑھا ہوا ہاتھ نظر انداز کرتے ہوئے زنیرا کے قریب آگیا۔

''یہ تم نے کیا کردیا زنیرا...... میں تمہیں بھی معاف نہیں کروں گا۔ خدا کی قسم میں تمہیں اس کی بہت بڑی سزا دوں گا۔'' اس کے لہجے کی دہکتی آگ جیسے زنیرا کو جھلسائے جارہی تھی۔ خوف کے مارے منہ سے آواز ہی نہیں نکل رہی تھی کہ وہ اپنی صفائی میں کچھ کہہ پاتی۔ عدیل اس گمبھیر سچویشن کو سنبھالنے کی خاطر جلدی سے آگے بڑھ آیا۔

''سر اس میں زنیرا صاحبہ کا کوئی قصور نہیں ہے اصل میں......'' لیکن عدیل کا جملہ آدھا ہی رہ گیا

کیونکہ فاران نے پلٹ کر اس کے گال پر اتنی زور تھپڑ مارا تھا کہ وہ لڑکھڑا کر قریب رکھی ہوئی میز سے ٹکرا گیا۔ شہزادی کے منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی۔ فاران نے پلٹ کر اسے دیکھا اور بے اختیار اس کے قریب آکر دیوانگی کے عالم میں اس کے کاندھوں کو جھنجوڑ ڈالا۔

''شہزادی میں نے تم سے کہا تھا ناں کہ میرا انتظار کرنا لیکن پھر تم کیوں اس عورت کی باتوں میں آگئیں۔ تمہیں نہیں پتا اس وقت میرے دل پر کیا گزر رہی ہے۔ تم ابھی اسی وقت میرے ساتھ چلو میں ان سب سے نپٹ لوں گا۔'' فاران بالکل ہوش میں نہیں دکھائی دے رہا تھا۔ عدیل تیزی سے ان لوگوں کے نزدیک آیا اور پوری قوت سے فاران کو دھکا دے کر شہزادی کو اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا جو تھر تھر کانپ رہی تھی۔

''خبردار جو آئندہ میری بیوی کے قریب بھی آنے کی کوشش کی۔ میں تمہیں جان سے مار دوں گا۔'' عدیل بھی آپے سے باہر ہورہا تھا۔ آنکھوں میں جیسے خون اتر آیا تھا۔ زنیرا پھٹی، پھٹی آنکھوں سے یہ سب دیکھ رہی تھی جبکہ فرحان سہم کر زور، زور سے رونے لگا۔ شور کی آواز شاید باہر تک بھی پہنچ گئی تھی تبھی دونوں گارڈز بھاگتے ہوئے اندر آگئے جہاں فاران، عدیل کے دھکا دینے کے بعد اس کی دھمکی کے جواب میں اس پر جھپٹا تھا اس نے عدیل کو مُکا مارنا چاہا لیکن عدیل نے اپنے ہاتھ سے اسے روک دیا۔ اتنے میں دونوں گارڈز نے جلدی سے بڑھ کر عدیل کو اپنے قابو میں کرلیا جو فاران سے گتھم گتھا ہوچکا تھا۔

''لے جاکر باہر پھینک دو اس منحوس کو۔'' فاران نے چیخ کر گارڈ کو حکم دیا۔ ایک گارڈ نے زور سے عدیل کو تھپڑ مارتے ہوئے اسے باہر کی طرف گھسیٹا جبکہ دوسرا ابھی اسے مارنے سے گریز نہیں کررہا تھا۔ شہزادی روتے ہوئے زنیرا سے لپٹ گئی تب زنیرا میں نہ جانے کہاں سے ہمت آگئی وہ بے اختیار زور سے چلّائی۔

''قادر چھوڑ دو انہیں، یہ میرے مہمان ہیں۔'' گارڈز نے کچھ گھبرا کر فاران کی طرف دیکھا۔ اتنے میں عدیل نے تیزی سے اپنے آپ کو چھڑایا اور روتی ہوئی شہزادی کا ہاتھ تھام کر قہر آلود نظروں سے فاران کو دیکھتا ہوا باہر کی جانب بڑھا۔ فاران نے بہت کرب سے دونوں کو جاتے ہوئے دیکھا۔ جس کی یادوں، جس کے خیالوں نے اسے دنیا سے بیگانہ کردیا تھا...... وہ اس کے عشق اس کے جنون سے کتنی بیگانہ تھی۔ اس کے جذبات اس کے احساسات سے وہ کیسے اتنی لاتعلق تھی کہ اسی کے سامنے عدیل کا ہاتھ تھام کر جاتے ہوئے اسے جتا گئی تھی کہ اس کی چاہت وہ نہیں بلکہ عدیل ہے۔ دونوں گارڈز بھی ان کے پیچھے باہر جا چکے تھے، وہ خالی، خالی نظروں سے دروازے کی جانب دیکھ رہا تھا۔ تب ہی زنیرا جھجکتی ہوئی اس کے نزدیک چلی آئی۔ اس نے روتے ہوئے فرحان کا ہاتھ تھاما ہوا تھا جو سسکیاں بھرتا ہوا خوفزدہ نظروں سے باپ کو دیکھ رہا تھا۔ وہ تو اچھا ہی ہوا تھا کہ روشانہ اس وقت وہاں موجود نہیں تھی وہ اپنی کسی کلاس فیلو کی برتھ ڈے پر ابھی کچھ ہی دیر قبل گئی تھی ورنہ صورتِ حال مزید گمبھیر ہوجاتی کیونکہ وہ بڑی حساس بچی تھی۔

زنیرا کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ فاران یوں اچانک آجائے گا۔ عدیل آج شہزادی کو لے کر اس کے پاس بہت اہم مسئلہ ڈسکس کرنے آیا تھا...... اور جب شہزادی نے ڈرتے، ڈرتے اسے اپنی اصل کہانی سنائی تھی تو لمحے بھر کو تو وہ شاکڈ رہ گئی تھی اسے شہزادی کے جھوٹ پر غصہ بھی آیا تھا لیکن پھر عدیل کے سمجھانے اور شہزادی کے آنسوؤں نے اسے موم کردیا تھا اور اس وقت وہ لوگ کل کا پروگرام طے کررہے تھے کہ کیسے شہزادی کے والدین سے مل کر انہیں اس کی بے گناہی کا یقین دلایا جائے لیکن

فاران کی آمد نے جیسے ماحول کو یکسر بدل دیا تھا...... زنیرا کا دل بری طرح سے دھڑک رہا تھا۔ فاران نے اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا...... عجیب سا دکھ، شکایت، نفرت اور غصہ سب ہی کچھ تو تھا اس کی آنکھوں میں۔

''تم فرحان کو چپ کروا کے فوراً میرے کمرے میں آؤ۔'' فاران کا لہجہ اتنا سرد تھا کہ اس کی کاٹ زنیرا کو اپنی رگ و پے میں اترتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

☆☆☆

''عدیل مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ ہاتھ پاؤں کانپ رہے ہیں میرے۔ میں کیسے ابا اور اماں کا سامنا کروں گی۔'' شہزادی کی آواز خوف سے کپکپا رہی تھی...... وہ دونوں اس وقت موٹر سائیکل پر تقریباً شہزادی کے محلے کے اندر داخل ہونے والے تھے، اس نے سیاہ چادر سے اپنے آپ کو اچھی طرح سے لپیٹا ہوا تھا۔ دل کچھ اتنی زور سے دھڑک رہا تھا کہ اس کی آواز شہزادی کو اپنے کانوں تک آرہی تھی۔

''شہزادی پلیز ہمت سے کام لو...... میں تمہارے ساتھ ہوں ناں...... انشاء اللہ سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا۔'' عدیل نے اسے تسلی دیتے ہوئے موٹر سائیکل اس کے گھر کی گلی کے سامنے روک دی۔

کل فاران کے گھر ہونے والے واقعے کے بعد وہ چاہتا تھا کہ شہزادی جلد از جلد اپنے والدین سے باعزت طریقے سے مل لے۔ فاران کے اتنے سخت... ری ایکشن کے بعد اب زنیرا کو اس معاملے میں انوالو کرنا خارج از امکان لگ رہا تھا اور خود اس کی اپنی غیرت بھی یہ گوارا نہیں کررہی تھی کہ اب وہ دوبارہ فاران کے گھر سے کسی قسم کا بھی کوئی تعلق رکھے...... اس وقت بھی اس کا یہی دل چاہا تھا کہ وہ فاران کو جان سے مار دے اگر گارڈز اپنی بندوقوں کے ساتھ اندر نہ آجاتے تو شاید وہ یہ کر بھی گزرتا لیکن بعد میں اسے یہ احساس ہوا تھا کہ شدید غصے میں کیا گیا فیصلہ خود انسان کے لیے کتنا نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے۔ اگر وہ فاران کو مار ڈالتا تو خود اس کی اپنی زندگی بھی تو ختم ہی ہوجاتی...... پھانسی یا پھر ساری عمر کی جیل...... وہی تو اپنی ماں اور بہنوں کا واحد سہارا تھا۔ شہزادی ایک بار پھر سے تنہا ہوجاتی...... اس نے دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا تھا کہ اس سے کوئی ایسی ویسی احمقانہ حرکت سرزد نہیں ہوئی جو بعد میں اس کی فیملی کے لیے ایک مصیبت بن جاتی۔ فاران کے گھر سے نکلنے کے بعد وہ شہزادی کو لے کر ایک پارک میں آگیا تھا۔ شہزادی کی حالت جو ناگفتہ بہ ہورہی تھی۔ رو، رو کر اس کی آنکھیں سوج گئی تھیں۔ خود عدیل کا حلیہ بھی اس لڑائی جھگڑے میں کافی بگڑ گیا تھا۔ ایسے میں اگر وہ لوگ سیدھے گھر چلے جاتے تو رخشندہ کا تو حال ہی برا ہوجاتا۔ کتنی ہی دیر وہ شہزادی کے ساتھ وہاں بیٹھا اسے نارمل کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ خوشگوار ماحول میں کولڈ ڈرنک اور برگر کھانے کے بعد شہزادی کا دل کچھ ٹھہرا تھا عدیل کی خوب صورت باتوں میں کھو کر وہ کافی بہل گئی تھی۔ پھر وہیں پر عدیل نے جب کل ہی اس کے اماں ابا سے ملنے کا پروگرام بنایا تو وہ کافی پریشان بھی ہوگئی۔

''عدیل پلیز اتنی جلدی نہیں...... اب تو زنیرا باجی بھی ہم لوگوں کے ساتھ نہیں چل سکتیں۔ تھوڑا سا انتظار کرلیں...... شاید فاران بھائی پھر کسی شوٹنگ پر چلے جائیں تو......'' عدیل نے اس کی بات درمیان میں ہی کاٹ دی۔

''شہزادی پتا نہیں ہمارے آنے کے بعد تمہاری زنیرا باجی پر کیا گزری ہوگی۔ فاران جس طرح غصے سے پاگل ہورہے تھے مجھے ڈر ہے کہ انہوں نے زنیرا صاحبہ کے خلاف کوئی سخت ترین ایکشن نہ لے لیا ہو۔'' عدیل کافی فکر مند لگ رہا تھا۔

''ہائے نہیں عدیل، اللہ نہ کرے جو میری زنیرا باجی کے ساتھ کچھ برا ہوا ہو۔'' شہزادی نے ہول کر اسے دیکھا۔

''اسی لیے تو میں تمہیں سمجھانا چاہ رہا ہوں کہ۔۔ فی الحال انہیں اپنی میریڈ لائف کو سنبھالنے دو اگر ہم لوگوں نے دوبارہ انہیں اپنے معاملے میں انوالو کرنے کی کوشش کی تو انہیں فاران پھر دوبارہ معاف نہیں کریں گے۔ ابھی تو پھر بھی کچھ امید ہے۔'' فاران کی بات پر متفق ہوکر شہزادی نے سر ہلا دیا لیکن چہرے پر تفکرات کے سائے لرزاں تھے۔

''عدیل، مجھے زنیرا باجی کی وجہ سے کافی ڈھارس محسوس ہورہی تھی۔ ان کی وجہ سے شاید ابا میری باتوں پر یقین کرلیتے۔'' عدیل نے پیار سے اس کے ہاتھوں کو تھامتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''شہزادی یقین جانو تمہاری سچائی ہی تمہارے لیے ڈھارس بن جائے گی اگر تم کوئی جھوٹی کہانی سنارہی ہوتیں تو یقیناً تمہیں کسی کی مدد کی ضرورت پڑتی...... تمہیں جھوٹی گواہی ڈھونڈنے کی بھی ضرورت محسوس ہوتی۔ لیکن تمہاری بے گناہی تمہاری پاکیزگی ثابت کرنے کے لیے ہمیں کسی کی ضرورت نہیں ہے۔ انشاء اللہ وہ ضرور تمہاری بات کا بھروسا کرلیں گے۔'' اور یوں عدیل کے اتنے سمجھانے پر وہ اس وقت لرزتے قدموں سے اپنے گھر کے دروازے پر آتو گئی تھی لیکن ہاتھ دستک دینے سے ڈر رہے تھے۔ تبھی اچانک ہی باہر جانے کے ارادے سے نکلتے ہوئے اجمل صاحب نے دروازہ کھول دیا...... ان کی نظر ایک دم ہی سامنے کھڑی شہزادی پر پڑی تھی۔ وہ دم بخود سے ایک لمحے کے لیے اسے دیکھتے رہ گئے خود شہزادی بھی ان کے اتنے اچانک سامنے آجانے پر بے حد نروس ہوگئی تھی۔ منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکل پایا تھا۔ عدیل بھی کچھ کنفیوزڈ ہوگیا تھا۔ دفعتاً شہزادی آگے بڑھی اور... بے اختیار جھک کر اجمل صاحب کے پیروں کو پکڑ لیا۔

''ابا میں بے بالکل بے گناہ ہوں...... خدا کے لیے میری بات سنے بغیر مجھے سزا مت دیجیے گا۔'' وہ گڑگڑا کر روتے ہوئے ان سے التجا کررہی تھی۔ اجمل صاحب جیسے ایک دم سے اپنے حواسوں میں واپس آگئے۔ انہوں نے گھبرا کر گلی میں اِدھر اُدھر دیکھا۔ اتفاق سے چند چھوٹے بچوں کے علاوہ جو کچھ فاصلے پر کھیل میں مگن تھے اس وقت وہاں کوئی اور نہیں تھا۔ انہوں نے بری طرح سے اسے جھٹکا دے کر اپنے پیروں سے ہٹایا اور تیزی سے دروازہ بند کرنا چاہا لیکن شہزادی ان سے بھی زیادہ تیزی سے دروازے کو دھکا دیتی ہوئی اندر آگئی۔ اجمل صاحب ذرا سا لڑکھڑا کر پیچھے ہٹے تھے۔ عدیل نے جلدی سے آکر دروازہ بند کرتے ہوئے انہیں ملتجی نظروں سے دیکھا۔

''انکل پلیز...... مجرم کو سزا دینے سے پہلے عدالت بھی اس کا بیان سنتی ہے...... آپ کی بیٹی... بے قصور ہے انکل۔''

''خبردار جو اپنی ناپاک زبان سے مجھے انکل کہا...... لے جاؤ اس گندگی کے ڈھیر کو یہاں سے...... مجھے اپنا گھر بھی پاک کرنا پڑے گا جو تم دونوں کی وجہ سے نجس ہوگیا ہے۔'' وہ بہت زور سے دہاڑے تھے۔ آنکھوں میں جیسے خون اتر آیا تھا۔

''اوہ......'' عدیل نے اک گہری سانس لی۔

''تو یہ لوگ سمجھ رہے ہیں کہ شہزادی میرے ساتھ گھر سے بھاگ گئی تھی۔'' تبھی اجمل صاحب کے چلّانے پر انیسہ گھبرا کر کمرے سے باہر نکل آئیں اور پھر اچانک ہی ان کی نظر شہزادی پر پڑی تھی۔ وہ سکتے کے عالم میں اسے دیکھتی رہی گئیں۔ شہزادی بھی سامنے اپنی ماں کو کھڑا ہوا دیکھ کر بے قراری سے آگے بڑھی اور روتے ہوئے ان سے لپٹ گئی۔

''اماں میری اماں...... خدا کے لیے آپ تو میری بات کا یقین کریں...... میں کسی کے ساتھ نہیں بھاگی تھی۔ اماں پلیز مجھ سے ناراض مت ہوں میں آپ لوگوں کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اماں مجھے یہاں سے مت نکالو میں مرجاؤں گی۔'' وہ ہسٹریائی انداز میں چیختے

ہوئے بے ہوش ہو کر ان کی بانہوں میں جھول گئی۔

انیسہ نے بے حد گھبرا کر اسے سنبھالنے کی کوشش کی جبکہ عدیل نے تیزی سے بڑھ کر اسے زمین پر گرنے سے پہلے ہی اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا تھا...... اجمل صاحب بھی سب کچھ بھول کر اس کی طرف لپکے۔

”کیا ہو گیا ہے میری بچی کو......؟“ وہ انتہائی پریشانی سے عدیل سے اسے برآمدے میں رکھے ہوئے پلنگ پر لٹاتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

”اجمل اگر میری شہزادی کو کچھ ہو گیا تو میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔ ارے سن تو لیتے کہ اس پر کیا گزری تھی۔“ انیسہ روتے ہوئے پانی کے چھینٹے مارتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ عدیل بھی گھبرا کر اس کے رخساروں کو تھپتھپاتے ہوئے اسے پکار رہا تھا جبکہ اجمل صاحب ڈوبتے ہوئے دل کے ساتھ اسے خاموشی سے دیکھ رہے تھے۔

”انکل آپ یقین کریں جب شہزادی آپ لوگوں کو چھوڑ کر گئی تھی تو اس وقت میں اس کو جانتا تک نہیں تھا۔ ملنا تو بہت دور کی بات ہے لیکن آج یہ میری بیوی ہے۔ میں ایک شریف فیملی کے گھر سے اسے عزت سے بیاہ کر لایا ہوں۔“ دفعتاً عدیل نے سر اٹھا کر بھرائی ہوئی آواز میں انہیں مخاطب کیا تو اس کے لہجے کی سچائی نہ چاہتے ہوئے بھی اجمل صاحب کو اپنے دل میں اترتی ہوئی محسوس ہوئی۔ تبھی شہزادی کے پپوٹوں میں ذرا سی جنبش ہوئی تھی۔

”شہزادی آنکھیں کھولو میری بچی...... تمہاری اماں ہمیشہ تمہارا ساتھ دے گی۔“ انیسہ نے اسے ہوش میں آتے دیکھا تو بے تابی سے اسے پکارتے ہوئے اس پر جھک گئیں۔ آنکھوں سے متواتر آنسو بہہ رہے تھے۔ شہزادی نے آہستہ سے آنکھیں کھولیں تو اجمل صاحب جلدی سے اس کے پاس سے ہٹ کر تخت پر بیٹھ گئے۔

”اماں پلیز ابا سے کہیں کہ مجھے معاف کردیں۔“ شہزادی نے نقاہت سے کہتے ہوئے ان کی گود میں منہ چھپالیا۔ اپنی ماں کے آنسوؤں میں وہ ان کی کھوئی ہوئی ممتا ڈھونڈ چکی تھی۔

”وہ تمہیں معاف کر چکے ہیں شہزادی...... میں ان کا چہرہ پڑھنا جانتی ہوں۔“ انیسہ نے دزدیدہ نظروں سے سامنے سر جھکا کر بیٹھے ہوئے اجمل صاحب کو دیکھتے ہوئے بہت آہستگی سے کہا تھا۔ ان کا دل اپنے شوہر کی اس بے بسی پر کڑھ رہا تھا۔ جنہوں نے کبھی شہزادی کا منہ نہ دیکھنے کی قسم کھائی تھی۔ اس وقت شہزادی کی بے گناہی کی گواہی اس کا وہ شوہر دے رہا تھا جس نے ان لوگوں کی غیر موجودگی میں ان کی بیٹی کا ہاتھ تھاما تھا۔ ان کی شہزادی بنا ان لوگوں کی دعائیں لیے کسی اور کے گھر سے رخصت ہوئی تھی۔ اس سے بڑا بھلا کوئی اور ستم ہو سکتا تھا کسی ماں باپ کے لیے...... لیکن بہرحال ان کے دل میں بس یہ سکون ضرور تھا کہ ان کی بیٹی کسی کے ساتھ بھاگی نہیں تھی۔ اس کا ایک، ایک آنسو اس کی معصومیت کا گواہ بن کر انہیں اس بات کا اطمینان دلا گیا تھا...... پھر اس کے ساتھ آنے والا اس کا شوہر چہرے، مہرے اور بات چیت سے کسی شریف خاندان کا نوجوان لگ رہا تھا لیکن پھر بھی شہزادی نے اپنی نادانی کی وجہ سے ان لوگوں کو جس اذیت اور کرب سے دوچار رکھا تھا اس دکھ کو بس وہی لوگ سمجھ سکتے تھے، جن کی بیٹیاں ان کی عزت کو اپنے پاؤں تلے روند کر انہیں ذلت اور بدنامی کے ایسے اندھیروں میں چھوڑ کر جاتی ہیں جہاں وہ کسی سے آنکھیں ملانے کے بھی قابل نہیں رہتے۔ وہ تو اجمل صاحب نے اپنی فہم و فراست سے کام لے کر کسی کو بھی نہیں پتا چلنے دیا تھا کہ ان کے گھر پر وہ قیامت ٹوٹی ہے جس نے انہیں زندہ درگور کر دیا۔

عام عورتوں کے برعکس انیسہ نے بھی اپنے شوہر کا مکمل ساتھ دیتے ہوئے اپنی کسی بھی بات سے اپنے خاندان اور جاننے والوں پر کبھی کچھ ظاہر نہیں ہونے دیا تھا حالانکہ دل اندر سے بالکل ختم ہوتا جا رہا تھا، رو رو کر آنکھیں بھی خشک ہو چکی تھیں۔ رانی کو ہی اپنے گھر پر گزرنے والے اس سانحے کی خبر تھی، وہ بھی انیسہ نے اپنے گاؤں جانے سے پہلے سامان کی پیکنگ کے بہانے اسے گھر بلا لیا تھا۔ فقیر محمد اسے چند گھنٹوں کے لیے ان کے پاس چھوڑ گیا تھا اور یہ چند گھنٹے رانی کے لیے اپنے اندر ایسے قیامت خیز لمحات چھپائے ہوئے تھے جن کی اذیت اس سے بالکل سہی نہیں جا رہی تھی...... شہزادی کے یوں اچانک غائب ہو جانے کی خبر نے اس کے تو ہوش و حواس ہی اڑا کر رکھ دیے تھے۔ وہ یوں چلا، چلا کر روئی تھی کہ ماں، باپ کو اسے سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔ خود ان دونوں کی اپنی حالت بھی دگرگوں تھی ان کے چھوٹے سے گھر میں ایک ماتم سا بپا تھا۔ ایک لڑکی کی عاقبت نااندیشی نے کیسے ان معصوم لوگوں کو آنسوؤں میں ڈبو کر ان سے ان کی خوشیاں بھی چھین لی تھیں۔ ابھی تو رانی نے اپنی زندگی کی نئی شروعات کو ڈھنگ سے سمجھا بھی نہیں تھا کہ ان کے خوشیوں بھرے رنگین دلوں پر ایک دم سے سیاہی بکھر گئی تھی۔ پھر اجمل صاحب نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے نہ جانے کتنی دیر تک رانی کو سمجھایا تھا۔

وہ معصوم کم سن سی لڑکی برستی آنکھوں اور سہمے ہوئے دل کے ساتھ اپنے ابا کی وہ تمام نصیحتیں سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی جس سے اس کے خاندان کی عزت بچ سکتی تھی۔ کتنے بڑے امتحان میں ڈال دیا تھا شہزادی نے اسے کہ اتنی بڑی خبر کو اسے ہمیشہ اپنے دل میں چھپا کر پہلے کی طرح ہنسنا بولنا تھا۔ اپنی بہن کی فرضی شادی میں گاؤں نہ جانے کا بس صرف تھوڑا سا افسوس ظاہر کر کے اپنی زندگی میں مگن ہو جانا کوئی آسان بات نہیں تھی لیکن اسے یہ ایکٹنگ بھی کرنا تھی اور ابھی فقیر محمد کے آنے سے پہلے، پہلے اسے اپنے آپ کو بالکل نارمل بھی کرنا تھا...... اور اس وقت انیسہ کو وہ تمام باتیں یاد آئیں تو ان کی گود میں منہ چھپائے شہزادی کو ایک دم اپنے سے الگ کر دینے کو دل چاہنے لگا...... بے اختیار ہی محبت کی جگہ غصے نے لے لی تھی لیکن پھر ایک سہمی ہوئی سی خوفزدہ چڑیا کے مانند ان کی ممتا کی چھاؤں میں پناہ لیتی ہوئی اپنی اس بیٹی پر ترس بھی آنے لگا۔

”جاؤ بیٹا، اپنے ابا کے پاس جا کر سب باتیں پوری سچائی کے ساتھ بتا دو...... جو داغ وہ اپنی نیک نامی پر تمہاری وجہ سے لگا ہوا محسوس کر رہے تھے اب اس کو تم اپنی بے گناہی ثابت کر کے ہی مٹا سکتی ہو۔“ انہوں نے بھرائی ہوئی آواز میں اس سے کہا تو عدیل نے بھی فوراً ہی آنکھ کے اشارے سے اسے اجمل صاحب کے پاس جانے کا اشارہ کیا تھا۔ شہزادی آہستہ سے اٹھی لیکن اجمل صاحب کے پاس جانے کے بجائے وہ ایک دم اندر کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ سب ہی نے حیران ہو کر اسے اندر کمرے میں جاتے ہوئے دیکھا۔ اس سے پہلے کہ انیسہ گھبرا کر اس کے پیچھے جاتیں وہ کمرے سے باہر نکل آئی۔ اس بار اس کے ہاتھ میں قرآن شریف تھا۔ وہ آہستگی سے آ کر اجمل صاحب کے نزدیک بیٹھ گئی۔

”ابا میں جانتی ہوں آپ کا مجھ پر سے اعتبار اٹھ چکا ہے لیکن آپ کو اس بات پر ہمیشہ یقین رہے گا کہ میں قرآن ہاتھ میں لے کر کبھی جھوٹ نہیں بول سکتی...... ابا میں اس قرآن کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں اس روز ہوٹل سے صرف اپنے غصے اور فقیر محمد کی مذاق اڑاتی ہوئی نگاہوں کی وجہ سے نکلی تھی...... میں ان لڑکیوں میں سے نہیں ہوں ابا جو صرف ایک محبت کی خاطر اتنی محبتوں کا خون کر دیتی ہیں...... اپنے پیارے رشتوں کو دنیا کے سامنے جینے کے قابل ہی نہیں چھوڑتیں...... ابا ایسی کوئی بات نہیں تھی اور ابا آپ کی بیٹی محفوظ ہاتھوں میں رہی ہے۔ میں نے آپ کی عزت پر کوئی حرف نہیں آنے دیا۔“ آخری

جملہ کہتے ہوئے وہ بے اختیار روتے ہوئے اجمل صاحب کے گلے لگ گئی۔ عدیل نے اس کے ہاتھ سے قرآن پاک لے لیا۔ اجمل صاحب کی آنکھوں سے بھی آنسوؤں کی برسات ہو رہی تھی...... پھر عدیل نے تفصیل سے شہزادی کے ہوٹل سے نکلنے کے بعد کے تمام واقعات ان لوگوں کو بتاتے ہوئے اجمل صاحب سے یہ التجا بھی کہ وہ اب چل کر اس کی امی سے بھی مل لیں لیکن ان پر کچھ ظاہر نہیں کریں کیونکہ وہ نہیں چاہتا کہ شہزادی کی عزت... بھی اس کی ماں کی نظروں میں کم ہو...... جب عدیل انہیں یہ سب تفصیل بتا رہا تھا تو شہزادی کی تشکر آمیز نگاہیں جیسے اس کے چہرے کی بلائیں لے رہی تھیں...... اسے عدیل کسی فرشتے سے کم نہیں لگ رہا تھا۔

شوہر بننا کسی مرد کے لیے کوئی بڑی بات نہیں ہوتی لیکن کسی عورت کی چھوٹی، چھوٹی سی خوشیوں کا ضامن بن جانا، اس کی عزت کا محافظ بن کر دنیا کے سامنے اس کے لیے ڈھال بن جانا...... یہ ہر مرد کے بس کی بات نہیں ہوتی اور وہ کتنی خوش قسمت تھی کہ اسے صرف شوہر نہیں بلکہ اپنی زندگی کا بہت سچا اور بے لوث محبت کرنے والا ساتھی ملا تھا...... گھر چھوڑنے کے بعد اگر زنیرا اور پھر عدیل جیسے لوگ نہ ملتے تو اپنی نادانی و نا سمجھی سے اٹھائے ہوئے قدموں کی وجہ سے وہ نہ جانے کن ہاتھوں میں پڑ گئی ہوتی...... شہزادی نے ایک جھرجھری لے کر سوچا تھا اور اس کے ساتھ ہی زنیرا کی یاد ایک فکر بن کر اسے پریشان کر گئی...... پتا نہیں ان پر اس دن ان لوگوں کے چلے آنے کے بعد کیا گزری تھی۔

☆☆☆

''تم ابھی اور اسی وقت اپنا سامان پیک کرو...... ہم لوگ رات کی فلائٹ سے کراچی جا رہے ہیں۔'' فرحان کو بہلا کر جب وہ کمرے میں آئی تھی تو فاران نے بہت درشت لہجے میں اپنا حکم اسے سنایا تھا۔

''نہیں فاران میں آج تو کیا... فی الحال ایک مہینہ کہیں نہیں جا سکتی۔ بچوں کے ایگزام نزدیک آ رہے ہیں۔'' زنیرا نے بہت نارمل انداز میں ایسے جواب دینے کی کوشش کی گویا فاران کوئی تفریحی پروگرام بنا رہا ہو حالانکہ اس کا دل اندر سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔

''شٹ اپ......'' فاران بری طرح سے دہاڑا تھا...... ''بچوں کی آڑ لے کر فضول بہانے بنانے کی ضرورت نہیں...... تم کیا سمجھتی ہو شہزادی کو مجھ سے چھین کر تم دوبارہ میری زندگی میں واپس آ جاؤ گی...... ارے تم تو شہزادی کے آنے سے پہلے ہی میرے لیے مر چکی تھیں۔ بس میں بچوں کی خاطر تمہاری لاش کو دفنانے سے ڈر رہا تھا...... لیکن اب میرا فیصلہ اٹل ہے، میں کسی کی بھی خاطر جبر کی زندگی نہیں گزار سکتا...... سمجھیں تم......؟'' فاران کا ایک، ایک جملہ زنیرا کے دل پر کوڑے کے مانند لگ رہا تھا۔

''فاران میں آپ کی نفرت اتنے عرصے سے صرف اس آس پر سہتی رہی ہوں کہ شاید آپ کے دل میں میری سوئی ہوئی محبت دوبارہ جاگ اٹھے لیکن......'' وہ اپنی بات ادھوری چھوڑ کر بے اختیار رو دی۔

''اب مجھے تم سے نہ محبت رہی ہے اور نہ ہی نفرت محسوس ہو رہی ہے، کوئی بھی احساس باقی نہیں رہا تمہارے لیے میرے دل میں...... آج میں جس اذیت سے گزر رہا ہوں اس کے بعد اب میرے لیے غم اور خوشی دونوں ہی کوئی معنی نہیں رکھتے......'' ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہتے ہوئے بے اختیار اس کی آواز بھر آ گئی۔ زنیرا نے بہت بے بسی سے اسے دیکھا...... کتنی سفاکی سے فاران نے اپنے الفاظ سے اس کی روح تک میں گھاؤ ڈال دیے تھے لیکن پھر بھی اس وقت فاران آنکھوں میں چمکتے آنسو دیکھ کر نہ جانے کیوں بے اختیار اس کا دل چاہنے لگا کہ وہ

اپنے اس بے درد محبوب کو اپنے گلے سے لگا کر اس کی آنکھوں کے آنسو اپنی آنکھوں میں اتار لے...... اپنے دل کو مضبوط کر کے اس سے شہزادی کے بچھڑ جانے کا دکھ بھی بانٹنے کو وہ تیار تھی لیکن اس بے مہر نے تو اسے اپنے آپ سے اتنا دور کر لیا تھا کہ وہ تو اب اس کے سائے کو بھی نہیں چھو سکتی تھی۔ آخر وہ ایسا کیا کرے کہ اس کا فاران اس کے پاس واپس لوٹ آئے...... زنیرا نے بہت بے بسی کے ساتھ اپنے دونوں ہاتھوں کو مسلتے ہوئے سوچا تھا۔

''کل کراچی میں، اپنے اور تمہارے گھر والوں کے سامنے میں اپنا فیصلہ سناؤں گا۔'' فاران نے مزید اسے مخاطب کیا تو اس کا دل دھک سے ہو گیا۔

''نہیں فاران...... پلیز آپ اتنی جلد بازی سے کام مت لیجیے...... کسی سے بھی کچھ مت کہیے...... میں بے شک بچوں کے ساتھ کراچی میں رہ لوں گی لیکن کم از کم میرے پاس ایک آس تو رہے گی کہ شاید آپ کبھی مجھے واپس مل جائیں۔'' بے چارگی سے کہتے ہوئے وہ بے اختیار رو دی۔

''ہونہہ...... تم نے قدم، قدم پر میری آس...... میری تمناؤں کا خون کیا ہے تو پھر تمہیں بھی کسی آس کے ساتھ جینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ چلو میں اس قصے کو ابھی تمام کر دیتا ہوں، میں نے تمہیں طلاق دی، میں نے تمہیں طلاق دی، میں نے تمہیں طلاق دی۔'' فاران کے بالکل اچانک کہے گئے یہ جملے ایک بم کی طرح جیسے زنیرا کے وجود کے پرخچے اڑا گئے، وہ سکتے کے عالم میں پھٹی، پھٹی نظروں سے اسے دیکھتی رہ گئی۔ پورا کمرا اسے گھومتا ہوا محسوس ہو رہا تھا...... اپنی چیخ روکنے کے لیے اس نے بہت مضبوطی سے اپنے ہونٹوں پر ہاتھ رکھا ہوا تھا...... ایک بہت ہی ناقابلِ یقین کیفیت سے دوچار ہو رہی تھی وہ اس وقت......

''ہو گئی تسلی تمہیں کہ اب میں تمہیں کبھی واپس نہیں مل سکتا......'' فاران نے اپنی سرخ ہوتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ اسے غصیلی نظروں سے دیکھا۔ اس وقت وہ اپنے آپے میں لگ ہی نہیں رہا تھا...... اپنے خوابوں کے چکنا چور ہونے کا بدلہ لے کر بھی جیسے اسے چین نہیں آ رہا تھا...... وہ زنیرا کی غیر ہوتی ہوئی حالت کا نوٹس لیے بغیر اسے مزید کچھ کہنے پر آمادہ تھا...... زنیرا کا پورا جسم کانپ رہا تھا اس نے زور سے فاران کو پکارا لیکن اس کے منہ سے آواز ہی نہیں نکلی۔

''اب ہمارے درمیان وہ کاغذی اور شرعی رشتہ بھی نہیں رہا جو مجھے ہر لمحہ گھٹن کا احساس دلاتا رہتا تھا۔ جاؤ اب جا کر تھوڑی بہت پیکنگ کر لو...... فلائٹ میں زیادہ وقت نہیں ہے۔ باقی سامان میں بعد میں بھجوا دوں گا...... اور ہاں بچوں کا کوئی مسئلہ نہیں ہو گا، وہ تمہارے پاس ہی رہیں گے، میں ہر مہینے ان سے ملنے آ جایا کروں گا۔'' فاران کا چہرہ بالکل سرخ ہو رہا تھا اور ماتھے پر پسینے کے قطرے چمک رہے تھے۔ زنیرا لڑکھڑاتے ہوئے قدموں کے ساتھ دروازے کی جانب بڑھی تو فاران کی آواز پر ایک لمحے کو اس کے پیر تھم گئے۔ کتنا درد تھا فاران کے لہجے میں......

''پتا نہیں اس کے چھن جانے کے بعد میں کبھی خوش رہ بھی سکوں گا یا نہیں...... لیکن ایک بات یاد رکھنا اس کی محبت اس کی یادیں تم کیا کوئی بھی مجھ سے نہیں چھین سکتا۔'' زنیرا کو اس کے الفاظ زہر میں بجھے ہوئے تیر کے مانند اپنے دل پر لگتے ہوئے محسوس ہوئے۔ اتنی بڑی قیامت اس پر توڑ کر بھی فاران کو اس پر ذرا بھی رحم نہیں آ رہا تھا۔ اس کے آنسو، اس کا کرب، اس کی اتنی تڑپ کچھ بھی تو فاران کو نظر نہیں آ رہا تھا بلکہ وہ اس وقت بھی شہزادی کے غم میں ماتم کناں تھا...... اس کی یادوں میں زندہ رہنے کی باتیں کر رہا تھا۔ زنیرا کے صدمے سے چور دل میں غصے کی چنگاریاں بھڑکنے لگیں۔ وہ ایک جھٹکے سے اس کی طرف مڑی...... بہت ہی سخت جملہ کہنے

کے لیے لب کھولے لیکن اس کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے۔ فاران سینے کو دونوں ہاتھوں سے تھامے قالین پر گر رہا تھا...... پسینہ پانی کی طرح اس کے چہرے کو بھگو رہا تھا...... زنیرا سب کچھ بھول کر اس کی طرف لپکی اس وقت تک وہ نیچے گر چکا تھا...... زنیرا نے گھبرا کر اس کے پسینے سے شرابور چہرے کو اپنے دوپٹے سے پونچھتے ہوئے اسے زور سے پکارا لیکن فاران کی بند آنکھوں میں کوئی جنبش نہیں ہوئی تھی۔

☆☆☆

کمرے میں بچھی ہوئی سفید چاندنی پر عورتیں بیٹھی ہوئی قرآن پڑھ رہی تھیں۔ زنیرا وہیں دیوار سے ٹیک لگائے خالی، خالی نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کے نزدیک ہی بیٹھی ہوئی راحیلہ اور ساجدہ باجی کے آنسو نہیں تھم رہے تھے...... اپنے بھائی کی اس اچانک موت نے انہیں صدمے کی شدت سے بے حال کیا ہوا تھا۔ ان کا بے قراری سے رونا کسی سے دیکھا نہیں جا رہا تھا۔ ذیشان بھائی بھی اپنے چھوٹے بھائی کے یوں ایک دم مرجانے کو برداشت نہیں کر پا رہے تھے...... ابھی دو دن پہلے تو فاران نے سوئٹزرلینڈ ...... سے انہیں فون کر کے بتایا تھا کہ وہ لاہور پہنچتے ہی انہیں فوراً اپنے پاس بلوالے گا۔ کتنی چہکتی ہوئی سی آواز تھی اس کی...... خوشی سے معمور لہجہ اب بھی ان کے کانوں میں گونج رہا تھا۔

''ذیشان بھائی اتنے دنوں سے آپ کو نہیں دیکھا ہے، بس میرے آتے ہی آپ بھی لاہور آجایئے گا...... میں اپنی زندگی کی کچھ خوشیاں آپ سے شیئر کرنا چاہتا ہوں۔''

اس کے جملے یاد آتے ہی ذیشان کے دل میں ہوک سی اٹھی اور وہ بے اختیار ہو کر زور سے رو دیے...... روشانہ کا تڑپنا بھی سب کا دل کاٹے دے رہا تھا۔ اپنے پاپا کو بار بار پکارتے ہوئے وہ نڈھال ہوئی جا رہی تھی۔ فرحان سہما ہوا سا اپنی نانی کی گود میں دبکا سب کی آہ و فغاں کو سن رہا تھا۔ سلیم صاحب اپنی بیٹی کے یوں اچانک اجڑ جانے پر بالکل ہی ٹوٹ گئے تھے...... پتا نہیں ان کی بیٹی کی اتنی رشک آمیز زندگی کو کس کی نظر لگ گئی تھی۔ یہ جملہ جب زنیرا کو گلے لگاتے ہوئے انہوں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا تھا تو زنیرا نے بہت اداسی سے اپنے باپ کو دیکھتے ہوئے سوچا تھا کہ لاعلمی، آگاہی کے کرب سے کتنی زیادہ اچھی ہوتی ہے۔ کل سے آج تک کا وقفہ اسے سالوں پر محیط لگ رہا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے وہ صدیوں کی مسافت ایک دن میں طے کر آئی ہو۔ کیا کچھ نہ سہہ لیا تھا، اس نے اتنے سے وقت میں......

فاران کو شدید ہارٹ اٹیک ہوا تھا اسپتال لے جانے کی نوبت ہی نہیں آسکی تھی۔ حالانکہ ڈاکٹرز اور ایمبولینس فوراً ہی گھر پہنچ گئے تھے لیکن فاران ان کے آنے سے قبل ہی زندگی کی بازی ہار چکا تھا۔ وہ سکتے کے عالم میں اپنے سامنے ابدی نیند سوئے ہوئے فاران کو دیکھ رہی تھی۔

''اگر آپ کو ہمیشہ کے لیے جانا ہی تھا تو فاران مجھ سے اپنی بیوی کی حیثیت سے الوداع کہنے کا حق تو نہ چھینتے...... صرف چند ہی لمحوں کی تو بات تھی۔'' زنیرا نے اس کے بے جان چہرے کو بہت شکایتی نظروں سے دیکھا...... ''فاران آپ کی اتنی اچانک موت مجھے صدمے سے چور کیوں نہیں کر رہی...... میں تو آپ کی معمولی سی بیماری سے دہل جاتی تھی...... آپ بہت بدقسمت ہیں فاران اتنے سالوں کا ساتھ آپ نے مرنے سے صرف چند منٹ پہلے ہی ختم کر دیا وہ بھی اس لڑکی کے عشق میں جو اپنی نئی زندگی میں مگن ہے۔ کچھ دیر پہلے آپ نے مجھ پر جو قیامت توڑی ان تین الفاظ نے میرے دل کو اندر سے ختم کر دیا ہے کہ اب اس میں آپ کی موت کا غم بھی نہیں سما رہا...... ہاں یہ صدمہ ضرور ہو رہا ہے کہ آپ کے آخری جملوں میں میرے لیے سوائے نفرت کے اور کچھ نہیں تھا۔'' وہ بے آواز رو رہی تھی۔

''بے شک آپ مجھ سے نفرت کا اظہار کرتے میں پھر بھی آپ کی پجارن بنی رہتی لیکن آپ نے اپنی آخری سانسیں شہزادی کو پکارتے ہوئے لی ہیں اس کے لیے میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔ آپ مجھے کراچی لے جانا چاہ رہے تھے ناں...... تاکہ سب کے سامنے یہ اعلان کر سکیں کہ آپ نے مجھے طلاق دے دی ہے تو کراچی تو مجھے جانا ہی ہوگا لیکن مطلقہ بن کر نہیں بلکہ آپ کی بیوہ بن کر...... شکر ہے اس طلاق کا گواہ کوئی نہیں...... آپ کی اس نام نہاد حسین رفاقت اور خوب صورت زندگی جس پر سارا خاندان مجھ پر رشک کرتا تھا اس بھرم کو میں ہمیشہ بنا کر رکھوں گی ورنہ آپ نے تو مجھ سے دنیا والوں کے سامنے سر اٹھا کر جینے کا حق بھی چھین لیا...... میں کیسے سب کی تمسخر اڑاتی نگاہوں کا سامنا کرتی...... میرے ماں، باپ جو میری زندگی پر فخر کیا کرتے ہیں وہ جیتے جی مرجاتے...... اب کم از کم میں عزت کے ساتھ تو جیوں گی۔ لوگ ہمیشہ میری خوشیوں میری شاندار زندگی اور میرے شوہر کی سچی محبت کی مثال دیتے رہیں گے۔ کسی کو بھی نہیں پتا چلے گا فاران کہ مرنے سے بس چند لمحے پہلے ہی آپ نے مجھے طلاق دے کر اپنی نفرت کی انتہا بتا دی تھی۔ فاران میں نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ آپ کی موت میں میری عزت چھپی ہوئی ہوگی۔'' یہ سوچ ایک عجیب سی خوشی بن کر جب اس کے دل میں چھائی تو اس نے بے اختیار گھبرا کر اپنے سر کو جھٹکا دیا تھا۔

فاران کے انتقال کی خبر جنگل کی آگ کی طرح ہر طرف پھیل گئی تھی۔ پوری فلم انڈسٹری تو جیسے ہل کر رہ گئی تھی۔ خاص کر پروڈیوسرز تو بے حد شاک میں تھے فاران کی موت سے زیادہ انہیں فلموں کی فکر پڑ گئی تھی۔ کچھ ہی گھنٹوں میں اس کے میکے اور سسرال والے اس کے پاس پہنچ گئے تھے۔ آہ و بکا سے اس گھر کے در و دیوار لرز رہے تھے...... فاران کی اس اچانک جوان موت کو کسی کا ذہن قبول نہیں کر رہا تھا۔ بس ایک زنیرا تھی جو اپنی خشک آنکھوں اور منجمد ہوتے ہوئے ذہن کے ساتھ بالکل خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ سب لوگ اسے رُلانے کی کوشش کر رہے تھے۔ زنیرا کا دل چاہا وہ چیخ، چیخ کر سب کو بتائے کہ فاران اپنے آخری لمحات میں اسے اتنا رُلا کر گیا ہے کہ اب اس کے پاس آنسوؤں کا ذخیرہ ختم ہو چکا ہے۔ تبھی اسے سامنے سے شہزادی آتی ہوئی نظر آئی۔ سیاہ چادر میں اپنے چاند کی طرح چمکتے ہوئے چہرے کے ساتھ وہ انتہائی خوب صورت لگ رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی زنیرا کے کانوں میں فاران کی آواز کی بازگشت گونجنے لگی۔

''میں نے تمہیں طلاق دی، میں نے تمہیں طلاق دی، میں نے تمہیں طلاق دی... ہاں اس کی محبت اس کی یادیں مجھ سے تم تو کیا کوئی بھی نہیں چھین سکتا۔''

زنیرا کا دل جیسے پھٹنے لگا...... اس کے شوہر نے اس لڑکی کے عشق میں ڈوب کر اس کے چھن جانے کے غم میں اسے طلاق دی تھی۔ وہ شہزادی کی محبت...... اس کی یادیں اپنے دل میں بسا کر موت کی آغوش میں گیا تھا پھر بھلا وہ کیسے اس سے اپنے شوہر کا پُرسہ لیتی...... اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔

''میری طبیعت بہت خراب ہو رہی ہے امی، مجھے کمرے میں لے چلیے......'' اس کا ہذیانی انداز سب کو پریشان کر گیا...... وہ اپنی امی اور فاران کی بھابی کے سہارے اٹھ کر کمرے میں آگئی تھی۔ چہرے سے اس نے اپنے ہاتھ ہٹائے ہی نہیں تھے۔ بس وہ ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھی۔ شہزادی اس کے قریب آ ہی نہیں سکی۔ بس اپنی باجی کی اس حالت پر وہ وہیں کچھ دیر بیٹھی آنسو بہاتی رہی پھر واپس لوٹ گئی اسے پتا بھی نہیں چلا کہ اس کی باجی جو اس سے بے حد پیار کرتی تھیں اب اس کی صورت تک دیکھنے کی روادار نہیں۔ زنیرا اپنے بیڈ پر آ کر کچھ خاموش

ہوئی تو اس کی امی نے سکون کی سانس لی ورنہ وہ تو بیٹی کی یہ حالت دیکھ کر گھبرا ہی گئی تھیں۔ تبھی روشانہ بے حد پریشان اور خوفزدہ سی اس کے پاس چلی آئی۔

"مما...... آپ ٹھیک ہیں ناں...... بابا کی طرح آپ تو نہیں جائیں گی ناں......" وہ زنیرا سے لپٹ کر زور، زور سے رونے لگی تو زنیرا نے بے اختیار اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔

"نہیں میری جان، میں کہیں نہیں جاؤں گی۔ اب میں تمہارے اور فرحان کے لیے تمہاری مما بھی ہوں اور بابا بھی۔" اور فاران کے انتقال کے بعد پہلی بار وہ پھوٹ، پھوٹ کر رو دی۔ فرحان بھی سہما ہوا اس کے پاس چلا آیا۔ دونوں بچوں کو لپٹائے وہ نہ جانے کتنی دیر تک روتی رہی کسی نے بھی اسے چپ کرانے کی کوشش نہیں کی کہ سب ہی یہی چاہتے تھے کہ اتنی دیر سے اس کے دل پر چھایا شدید صدمے کا غبار آنسوؤں کے ذریعے نکل جائے۔ اسی شام اجالا کا فون اس کے پاس آ گیا۔

"زنیرا یہ کیا ہو گیا...... فاران ایسے اچانک کیسے چلا گیا......؟" اجالا کی آواز آنسوؤں سے بوجھل تھی...... زنیرا کا دل چاہا کہ ہمیشہ کی طرح آج بھی وہ اس سے وہ سب کچھ شیئرز کرے جو وہ ایک بوجھ کی طرح اپنے دل پر اٹھائے ہوئے تھی...... لیکن نہیں...... اب اسے زندگی کا یہ سب سے بڑا راز اپنے ساتھ قبر تک لے جانا تھا۔ یہ صرف اس کے اور فاران کے درمیان تھا اور فاران اب کبھی واپس لوٹ کر کسی کو کچھ نہیں بتا سکتا تھا۔ اس نے دراز کھول کر اس میں رکھی ہوئی وہ ڈائمنڈ کی رنگ نکالی جو اسے فاران کی سائڈ ٹیبل پر رکھی ہوئی ملی تھی اور وہ اچھی طرح سے جانتی تھی کہ وہ یہ کس کے لیے لایا تھا۔

"اجالا بس وہ اچانک چلے گئے، وہ سوئٹزر لینڈ سے میرے لیے ڈائمنڈ کی رنگ لے کر آئے تھے اتنے دنوں بعد وہ مجھے بالکل پہلے جیسے لگ رہے تھے ویسی ہی محبت، وہی والہانہ انداز...... انہوں نے بہت پیار سے مجھے رنگ پہناتے ہوئے دوبارہ نئی زندگی شروع کرنے کی باتیں کی تھیں لیکن لمحوں میں سب ختم ہو گیا...... اجالا اب یہ رنگ ان کی یاد بن کر ہمیشہ میری انگلی میں رہے گی۔" وہ بری طرح سے روتے ہوئے اپنے آپ کو جھوٹ کی اس خوب صورت دنیا میں پہنچا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ آس پاس بیٹھی ہوئی عورتیں جن میں اس کی ماں بھی شامل تھیں اس کی اس ٹریجڈی کو سنتے ہوئے آنسو بہا رہی تھیں لیکن اجالا اس کے ایک، ایک لفظ میں پروئے ہوئے جھوٹ کو اچھی طرح سے محسوس کر رہی تھی۔ اتنے عرصے سے وہ زنیرا کے دکھوں میں شریک رہی تھی۔ فاران کی بے اعتنائی، اس کی نفرت کی شدت کو اچھی طرح سے دیکھا اور سمجھا تھا...... زنیرا کی وہ واحد راز دار تھی جس سے اس نے اپنے آنسو شیئرز کیے تھے...... اور اجالا یہ بھی جان رہی تھی کہ زنیرا جس رنگ کا ذکر کر رہی ہے وہ فاران کس کے لیے لے کر آیا ہو گا...... وہ چپ چاپ اس کی باتیں سنتے ہوئے آنسو بہاتی رہی...... فاران کی موت خود اس کے لیے بھی تو ایک ایسا سانحہ تھا جس نے اس کا دل چیر کر رکھ دیا تھا۔ فون بند کر کے برستی آنکھوں کے ساتھ اس نے سوچا۔

"زنیرا میں جانتی ہوں کہ فاران نے آ کر تم کو اپنے رویے سے جیتے جی مار دیا ہو گا لیکن میں یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ خود بھی اپنے دکھ دل میں چھپائے یوں اچانک چپ چاپ چلا جائے گا۔ چلو اچھا ہے کہ تم اپنی زندگی کے اس تاریک باب پر ایک بہت حسین جگمگاتا خوشیوں بھرا کور چڑھا کر اسے دنیا کو دکھا رہی ہو۔" اجالا جب یہ سب کچھ سوچ رہی تھی تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ زنیرا کے اس جھوٹ میں چھپا اس کی زندگی کا سب سے کڑوا سچ وہ کبھی نہیں جان پائے گی جو فاران کے ساتھ اس کی قبر کی تاریکیوں میں گم ہو گیا ہے۔

(ختم شد)

حجاب

عقیلہ حق



اس کے ہاتھ پیر جیسے بے جان ہو رہے تھے...... دل کی دھڑکن بہت تیزی سے کم ہو رہی تھی...... سانس لینی دشوار ہو رہی تھی اس نے چکراتے سر کے ساتھ چاروں طرف نظریں دوڑائیں...... رش تھا کہ بڑھتا جا رہا تھا...... وہ یہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا...... چھپ جانا چاہتا تھا، مر جانا چاہتا تھا، بہت رونا چاہتا تھا...... اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ زمین پر بیٹھ جائے اور مٹھیاں بھر بھر کر ریت اپنے

اوپر ڈالے اتنی ریت ڈالے کہ وہ اس ریت میں زندہ دفن ہوجائے...... مگر دفن ہونا...... مرجانا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ ان چند لمحوں میں اسے اچھی طرح معلوم ہوگیا تھا...... اس نے دھندلی ہوتی نظروں سے اس منظر کو پھر دیکھنا چاہا...... لیکن آنسوؤں سے لبالب بھری آنکھوں نے اس منظر...... میں پانی بھر دیا...... اس نے بے دردی سے آنکھیں رگڑ ڈالیں...... اور پھر اس کی آنکھیں بھیڑ میں گم ہوتی اس لڑکی پر جم سی گئیں......

☆☆☆

''اوئے تیری خیر...... کیا بات ہے رانی...... آج بڑی دیر کردی۔'' مئی کے مہینے میں آگ برساتا آسمان...... اور مسافروں سے کھچا کھچ بھری بس سے بڑی مشکل سے اپنے وجود کو صحیح و سالم گھسیٹ کر باہر نکالتی حجاب نے اس جملے پر پلٹ کر دیکھا...... جہاں گنے کا رس نکالنے والے ٹھیلے کے پاس کھڑا...... پان سے رنگے دانتوں کی نمائش کرتا...... میلی سی جینز اور نیلی ٹائٹ شرٹ جس کے فرنٹ پر لکھی انگریزی گالیوں کے ترجمے سے بے خبر...... بالوں میں انگلیاں پھیرتا...... حسبِ معمول وہی نوجوان کھڑا تھا...... اس نے جلدی سے سر سے اتر جانے والی چادر کو سر پر جماتے اچھی طرح جسم کے گرد لپیٹا...... اس نوجوان کی سیٹی کو روز کی طرح نظر انداز کیا...... گرمی کی شدت اس کے چہرے کو جھلسا رہی تھی۔ قریب ہی لگے نل کو دیکھ کر اس کا جی چاہا اس کی ٹونٹی سے منہ لگا کر غٹاغٹ پانی پی جائے...... لیکن کمر پر چبھتی اس نوجوان کی ہوس بھری نظروں نے اسے رکنے اور اس کی سوچ کو عملی جامہ پہنانے سے روکا...... اس نے سوکھے ہونٹوں پر زبان پھیری...... چادر کے پلو سے چہرہ پونچھا اور آگے بڑھتی گئی...... گلی لمبی سے لمبی ہوتی چلی گئی...... اس نے پیچھے آتے نوجوان کو دیکھ کر رفتار تیز کردی اور پھر گھر کا دروازہ اسے جیسے جنت کا دروازہ لگا...... اس نے دروازے پر لگی تاب گھمائی جو اس طرح لگائی گئی تھی کہ اگر باہر سے گھمائی جائے تو اندر سے لگی ہوئی کنڈی کھل جائے۔ حجاب، موسم اور زمانے کے سرد و گرم کو سہتی روز ہی تقریباً دو اور سوا دو کے درمیان گھر پہنچتی تھی۔

وہ فطرتاً ایسی لڑکی تھی جو اپنی ذات سے صرف دوسروں کو آرام ہی دے سکتی تھی...... وہ صلح جو تھی...... وہ محبت کرنا جانتی تھی اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ محبت قربانی مانگتی ہے...... محبت دینے کا نام ہے اور وہ بھی صرف دیتی تھی...... اُسے پسند نہیں تھا کہ اس کی وجہ سے کسی کو تکلیف ہو سو وہ خود ہی دروازہ کھول کر اندر آجاتی تھی...... اندر داخل ہو کر اس نے ایک نظر سارے گھر پر ڈالی...... صحن کے بیچوں بیچ لگا...آم کا درخت سارے گھر کو ایک عجیب سی محبت بھری چھاؤں میں لیے ہوئے تھا...... بھیا اور بھابی کے کمرے کا دروازہ بند تھا...... اندر سے دبی، دبی معنی خیز ہنسی کی آوازیں گھر کے سناٹے میں صاف سنائی دے رہی تھیں۔

حجاب نے مایوسی سے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بند دروازے کی طرف دیکھا اور سر سے چادر اتارتے ہوئے اندر کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

''آج پھر وہ کمبخت عبدالشکور آیا تھا دروازے پر بہت چیخ چلا کر گیا ہے۔'' حجاب جو سارے دن کی مشقت کے بعد بینگن کے رائتے پر بہت سارا چاٹ مسالا چھڑک کر روٹی کے ساتھ کھا رہی تھی...... ماں کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''کون عبدالشکور اماں......؟'' اس نے ٹھنڈے پانی کو حلق سے اتارتے ہوئے پوچھا۔

''مکان دار...... اور کون بیٹا...... اور وہ بھی کیا کرے...... تین مہینے کا کرایہ چڑھ گیا ہے...... کہہ رہا

تھا...... میں تین، تین مہینے انتظار نہیں کرسکتا یا تو اسی مہینے سارا کرایہ دو...... ورنہ پھر گھر خالی کردو......'' نسیمہ بیگم نے خاموشی سے سر جھکائے کھانا کھاتی حجاب سے کہا۔

''تو اماں کرایہ دے دیں گے...... وہ ایسا کیوں کررہا ہے؟'' حجاب کے لہجے میں بیزاری تھی...... اس نے دوپٹے کے پلو سے گردن پر بہتے پسینے کو پونچھتے ہوئے سر اٹھا کر چھت پر لٹکے پنکھے کو دیکھا۔

''ارے بیٹا پنکھے کو کیا دیکھ رہی ہے...... کمبخت بجلی والے بجلی کاٹ گئے ہیں...... وہ تو اللہ بھلا کرے برابر والی ہاجرہ کا...... اس نے خود ہی اپنے گھر سے تار لگا دیا...... کہنے لگی آپا...... ایسی گرمی میں کیسے رہوگی کم از کم پنکھا اور ایک بتی تو جلے ناں...... سو اتنا بھی گھوم رہا ہے تو خدا کا شکر ادا کرو......'' نسیمہ بیگم نے بیٹی کی بیزار نظروں کو پنکھے پر لگا دیکھ کر تازہ ترین حالات سے آگاہ کیا۔

''اماں...... مکان دار آیا تھا...... بجلی کٹ گئی...... گھر میں سودا ختم ہوگیا...... یہ سب تم نے بھائی کو بتایا تھا؟ یا وہ صبح سے کمرے سے نکلے ہی نہیں۔'' حجاب نے بقایا روٹی کو دسترخوان میں لپیٹتے ہوئے ماں سے سوال کیا۔

''بڑا بھائی ہے تمہارا......'' نسیمہ بیگم نے بیٹی کو ٹوکا۔

''کیا کروں اماں...... تم اس قدر پریشان بیٹھی ہو...... مجھے دو نوالے کھانے مشکل ہوگئے...... بچے پڑھنے کے لیے آتے ہوں گے...... اب رات تک ان کو پڑھاؤں گی...... لیکن مسئلے ہیں کہ ختم ہی نہیں ہورہے اور بھائی صاحب اور ان کی بیگم آرام کررہے ہیں۔'' حجاب نے کھانے کی ٹرے اٹھا کر کھڑے ہوتے ہوئے ایک نظر دوبارہ بھائی کے کمرے کے بند دروازے کو دیکھا اور پلٹ کر پریشان بیٹھی ماں سے کہا۔

''ارے بیٹا کیوں اس قدر غصہ کررہی ہے...... گیا تھا...... لیکن کہیں بات ہی نہیں بنی...... ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی آیا ہے، کوشش تو بہت کررہا ہے لیکن اب آدمی اپنی تقدیر کا کیا کرے...... جب تقدیر میں ہی خواری ہو تو پھر بندہ بھی کیا کرے......'' نسیمہ بیگم نے بھرپور انداز میں بیٹے کی حمایت کی۔

''ارے میری بھولی اماں وہ کہیں نہیں گئے بس گھر سے پیٹ بھر ناشتا کرکے، گلی کے نکڑ پر جا بیٹھتے ہیں...... اور آتی جاتی لڑکیوں پر آوازیں کستے ہیں اور جب بھوک ستانے لگتی ہے تو گھر آجاتے ہیں...... کھانے کے لیے روٹی اور آرام کے لیے بستر موجود ہے تو کاہے کو کام کریں گے۔''

حجاب صرف سوچ کر رہ گئی...... غربت تنگدستی کی آگ میں جھلستی ایک امید کا دامن ہاتھ میں تھامے بیٹھی ماں کو وہ کیسے بتاتی...... وہ کیسے بتا سکتی تھی اور وہ بتانا بھی نہیں چاہتی تھی۔

☆☆☆

عبدالغفور اور نسیمہ بیگم کی کُل کائنات یہی دو بچے تھے حجاب اور سلمان...... حجاب نے بی ایس سی کیا تھا جبکہ سلمان مڈل سے آگے نہ پڑھ سکا۔

گھر میں اللہ کا شکر تھا...... سلمان ایک گارمنٹ فیکٹری میں ملازمت کرتا تھا اگر ضرورت سے زیادہ نہ تھا تو ضرورت کے لیے پریشان بھی نہیں ہونا پڑتا تھا...... زندگی سکھ اور آرام سے بسر ہورہی تھی کہ اچانک عبدالغفور کے ہارٹ اٹیک سے فوت ہوجانے سے زندگی درہم برہم ہوگئی سلمان جو بنیادی طور پر ایک آرام طلب لڑکا تھا گھر کی ذمے داریوں سے گھبرا گیا۔ جمع پونجی ختم ہوئی تو حجاب نے ایک پرائیویٹ اسکول میں نوکری کرلی یوں فاقوں کی نوبت آتے آتے رہ گئی۔

چند ماہ پہلے ہی نسیمہ بیگم نے سلمان کی شادی اپنی بھانجی بتول کے ساتھ کردی...... بتول، سلمان

کی بچپن کی منگ تھی۔ بالکل اسی طرح بتول کے بھائی حیدر سے حجاب کی نسبت طے تھی۔

شادی کے کچھ ہی دنوں بعد سلمان کی نوکری ختم ہوگئی۔ روز روز دیر سے جانا...... چھٹی کرنا...... بہانے بنانا ...... فیکٹری کا منیجر برداشت نہ کرسکا اور سلمان کا حساب کتاب بند کردیا۔

حجاب نے تو بھائی کا ہاتھ بٹانے کے لیے نوکری کی تھی...... لیکن جلد ہی نوکری اس کی مجبوری اور ضرورت بن گئی...... ضرورت ...... مجبوری میں تبدیل ہوئی تو اس نے شام میں بچوں کو ٹیوشن بھی پڑھانا شروع کردیا اور پھر بالکل غیر محسوس طریقے سے سارے گھر کی ذمے داری اس کے نازک کندھوں پر آگئی اور وہ اس بوجھ تلے دبتی چلی گئی۔

☆☆☆

''کیا سوچ رہی ہو......؟ نوٹوں میں کیا تلاش کررہی ہو......؟'' وہ خالی الذہنی کی کیفیت میں ...... ہاتھ میں سو، سو کے چند نوٹ لیے بیٹھی تھی اپنی کولیگ فرزانہ جو اس کی بہت اچھی دوست بھی تھی کی آواز پر چونک اٹھی۔ اس نے اِک نظر اپنی دوست پر ڈالی۔ بہترین ڈیزائنر کا لان کا سوٹ، پیروں میں سوٹ کی میچنگ کی خوب صورت چپل...... ہاتھ میں قیمتی ہینڈ بیگ...... چہرے پر تازگی و بے فکری لیے اس سے مخاطب تھی۔ حجاب نے فرزانہ کا بھرپور جائزہ لیا اور پھر نظر اپنے ہی اوپر آکر ٹھہر گئی۔ معمولی سا کئی دفعہ کا دُھلا سِلا، سستے پرنٹ کا سوٹ...... ہاتھ میں دو سو روپے والا اس کی غربت پر قہقہے مارتا پرس...... پیروں میں کئی دفعہ کی سلائی کی ہوئی آخری سانسیں لیتی چپل...... چہرے پر تھکن، پریشانی پھر اس نے سامنے لگے آئینے میں نظر آتے اپنے عکس کو دیکھا۔

''کیا ہوگیا یار...... اتنی خاموش کیوں ہو......؟'' فرزانہ نے اب اس کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر اس پر جھکتے ہوئے پوچھا۔

ایک تیز برانڈڈ پرفیوم کی خوشبو اس کو حال میں کھینچ لائی۔

''کچھ نہیں یار...... سوچ رہی ہوں اس تنخواہ سے ایک چپل خرید لوں......'' حجاب نے ایک تھکی ہوئی...... نڈھال...... سانس کو خارج کرتے ہوئے کامن روم کے صوفے سے ٹیک لگاتے ہوئے عجیب شرمندہ، شرمندہ سے لہجے میں کہا۔

''تو لے لوناں بھئی ...... اس قدر پریشان ہونے اور سوچ بچار کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ چلو میرے ساتھ چلو...... طارق روڈ پر سیل لگی ہوئی ہے...... وہاں سے تم بھی خرید لینا بلکہ ایک میں بھی خرید لوں گی۔'' فرزانہ نے لاابالی سے انداز میں کہا۔

حجاب کو اس کی بے پروائی پر ایک لمحے کو حیرت ہوئی کہ وہ اتنے آرام سے پیسے کیسے خرچ کرسکتی ہے جبکہ ان دونوں کے گھر کے حالات اور مسائل تقریباً ایک جیسے تھے۔

''خرید لوں......؟'' حجاب نے اپنی حیرت پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

''ارے میری بہن...... میری گڑیا، میری چندا لے، لے، بہت ہی برا لگتا ہے اس حلیے میں اسکول آنا......''

حجاب کو فرزانہ کی بات ایک دفعہ پھر شرمندگی کے گڑھوں میں لے گئی۔ اس نے آئینے میں نظر آتے اپنے عکس کو دیکھا اور پھر اپنے آپ کو اس طرح سمیٹنے کی کوشش کی کہ اس کی روح اور جسم کی خستہ حالی سب سے اور خاص کر اس وقت فرزانہ کی نظروں سے پوشیدہ رہے۔

''ویسے ایک بات پوچھوں فرزانہ......؟'' حجاب نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔

''ارے ایک کیا، ہزار باتیں پوچھو...... اس طرح کرایے داروں کی طرح اجازت کیوں مانگ

رہی ہو......'' فرزانہ کا لہجہ خوشگوار تھا۔ وہ ایسی ہی تھی...... ہنستی مسکراتی اور خوش باش۔

''فرزانہ تمہارے گھر کے حالات بھی میرے جیسے ہیں اور تنخواہ تمہاری مجھ سے کم ہے...... لیکن تمہارے خرچے...... تمہارا رہن سہن بہت شاہانہ ہے...... یہ سب کس طرح ہوتا ہے......؟'' حجاب نے کئی ماہ سے سینے میں اٹکا سوال باہر نکالا۔

''ایک تو حجاب تم یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ ہم بھی انسان ہیں...... ہم قربانی کے جانور نہیں ہیں کہ رات دن کی مشقت کریں اور آخر میں حلال ہوجائیں......'' فرزانہ کا لہجہ تلخ ہوا۔

''لیکن......'' حجاب نے کچھ بولنا چاہا۔

''پہلے میری بات مکمل ہونے دو......'' فرزانہ نے ہاتھ اٹھا کر حجاب کو ٹوکا۔

''بظاہر میری تنخواہ کم ہے...... میں ٹیوشنز بھی نہیں پڑھاتی لیکن جو میں اپنے گھر والوں کے لیے کر رہی ہوں اس کے بعد میرا حق تو بنتا ہے ناں کہ میں اپنی چھوٹی موٹی خواہشات پوری کرلوں...... اور میں اپنی خواہشیں پوری کرتی ہوں۔'' فرزانہ کا لہجہ مضبوط تھا۔

''ارے تم اسکول میں پڑھانے کے علاوہ کوئی اور کام بھی کرتی ہو...... یہ تو مجھے پتا ہی نہیں تھا...... وہ کیا کرتی ہو؟'' حجاب کو واقعی حیرت ہوئی تھی۔

فرزانہ، حجاب کو دیکھ کر مسکرائی...... تھوڑا سا کھسک کر وہ حجاب کے قریب ہو کر بیٹھی پھر اس نے چاروں طرف دیکھا اور اپنا اطمینان کرنے کے بعد وہ آہستہ سے گویا ہوئی۔ ''میں ایک خاص دھندا کرتی ہوں۔''

''خاص دھندا......؟'' حجاب کے منہ سے خوف زدہ انداز میں سرسراتا ہوا نکلا۔

☆☆☆

''تم کہاں ہوتی ہو یار ...... نظر ہی نہیں آتیں...... کل آیا تو پتا چلا میڈم سوگئی ہیں...... خدا کا

راجا کی کہانی

ایک تھا راجا ایک تھی رانی
دونوں مر گئے ختم کہانی
دونوں مر گئے بات پرانی
کیسے مر گئے......؟ سنو کہانی
رانی تھی نوخیز سی لڑکی
الہڑ پن میں کوئی نہ ثانی
رانی کی اپنی دنیا تھی
الٹی سیدھی بھی نہ مانی
اِک دن راجا ملنے آیا
رانی کو کہلاتے رانی
رانی بہتیرا روئی دھوئی
ماں نے سنی نہ آنا کانی
آخر وہ بھی بنی دلہنیا
پچھلی دنیا ہوگئی فانی
آگے کنواں پیچھے کھائی
اب رانی نے بات یہ جانی
آگے چلے تو مر جائے گی
پیچھے مڑے تو ٹھوکر کھانی
دائیں نہ رستہ بائیں نہ رستہ
اوپر نیچے ہوا نہ پانی
راجا سے فریاد جو کی تو
راجا گونگا، رو دی رانی
رانی مر گئی راجا رویا
رانی نے یہ کیا تھی ٹھانی
راجا نے جی کر کیا کرنا؟
دونوں مر گئے سنی کہانی!

شاعرہ: شبینہ گل، راولپنڈی

شکر ہے آج تم مل گئیں۔" حجاب تو کھڑی جُونے سے کچن کے گندے سلیب رگڑ رہی تھی۔ حیدر کی آواز پر پلٹی۔

"تو کیا کروں حیدر...... اسکول...... ٹیوشن اور گھر کے کام...... مجھے تو منہ دھونے کی فرصت نہیں ملتی...... صبح کو جلدی اٹھنا ہوتا ہے تو رات کو جلدی سوجاتی ہوں۔" حجاب نے حیدر کو اپنی مجبوریاں گنوائیں۔

"اور بتول......؟" حیدر نے چاروں طرف نظریں دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

"وہ محترمہ تو ہل کر پانی بھی نہیں توڑتیں...... ان کے تو کمرے میں کھانا پہنچانا پڑتا ہے...... وہ بھی میرے ہی ذمے ہے۔"

"یار سمجھ میں نہیں آتا بتول کو کیا ہوگیا ہے...... میں گھر جا کر امی سے بات کروں گا...... کم از کم بتول کو گھر کے کام کاج میں تو تمہاری مدد کرنی چاہیے......" حیدر نے جیسے حجاب کی سوچ پڑھ لی تھی۔

اسے حجاب کو دیکھ کر شدید افسوس ہوا تھا...... نہ جانے اس سے بے حسی کیوں برتی جارہی تھی...... گھر اور گھر سے باہر وہ اکیلی پس رہی تھی اور کسی کو اس کا خیال نہیں تھا اور وہ سارے گھر کو آرام پہنچانے کے لیے ہلکان ہوتی چلی جاتی...... اس قدر بے حس رویّہ وہ سخت متعجب تھا۔

"ارے تم کیوں علامہ اقبال کی طرح سوچوں میں غرق ہو...... یہ سب تو چلتا ہی رہتا ہے...... یہ بتاؤ...... چائے پیو گے......؟" حیدر کو اس قدر شرمندہ دیکھ کر حجاب کو ایک عجیب سا افسوس ہوا...... سو اس نے زبردستی لہجہ شگفتہ بناتے ہوئے کہا۔

بلیک راؤ سلک کے کُرتے اور سفید شلوار میں وہ دل میں اتر جانے کی حد تک بہت ہینڈسم لگ رہا تھا۔ حیدر اور وہ دونوں بچپن ہی سے بالکل غیر محسوس طریقے سے بغیر کسی اظہار اور وعدے کی ڈوری کے ایک دوسرے کے تھے۔

"آپ محبت سے پلائیں اور میں نہ پیوں...... ایسے تو حالات نہیں......" حیدر گنگنایا۔

اور حجاب...... چولھے پر چائے کی کیتلی رکھتے رکھتے پلٹ کر مسکرادی کہ یہ لمحات تو حاصلِ زندگی ہوتے ہیں۔ اور وہ نہ جانے کتنے دنوں بعد اس طرح مسکرائی تھی۔

☆☆☆

"کوئی کام وام ملا بیٹا......؟" جیسے ہی صبح کا نکلا سلمان سہ پہر کو گھر میں داخل ہوا...... نسیمہ بیگم نے آس بھرے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں ملا۔" سلمان کا لہجہ وہی بے پروائی لیے ہوئے تھا۔

"نہیں ملا یا تو نے کوشش ہی نہیں کی......؟" نسیمہ بیگم کا لہجہ سوالیہ تھا۔ سلمان خاموش کھڑا واش بیسن پر لگے شیشے میں اپنا چہرہ دیکھتا رہا۔

"ارے اس طرح کب تک چلے گا، مکان دار روز ذلیل کر کے جارہا ہے۔ بجلی کے بل کی قسطیں کروائی تھیں تو بھرنا بھی تو ہے...... صبح کھالو تو شام کو نہیں ہے اور شام کو کھالو تو صبح کی فکر میں رات بھر نیند نہیں آتی...... ایک میری بچی کتنی محنت کرے......"

"ہاں...... ہاں...... تمہاری لاڈلی ہی تو محنت کرتی ہے ناں...... اگر پورا نہیں پڑتا تو تم بھی کہیں جا کر برتن مانجھ لو......" حجاب کے ذکر پر تو جیسے سلمان کے آگ ہی لگ گئی...... اس نے چیختے ہوئے ماں کی بات کو بیچ میں سے کاٹا۔

"اونہہ...... پورا نہیں پڑتا...... ان کا پورا نہیں پڑتا ہوگا میرے تو سارے کام ہوجاتے ہیں...... ساری بات یہ ہے کہ سلمان جو مجھ سے اتنی محبت کرتا ہے وہ ماں، بیٹی کو کھلتا ہے۔ یہ دونوں چاہتی ہیں سلمان دن بھر محنت کرے اور رات کو تھکا ہارا آ کر سو جائے...... اور میں سارا دن بور ہوتی رہوں...... اب کم از کم کچھ نہیں تو سلمان کے ساتھ جا کر پارک میں ہی بیٹھ جاتی ہوں۔" بتول سوچ کر رہ گئی۔

"خالہ میں بھی کہتی رہتی ہوں...... اب وہ بھی کیا کریں...... اس قدر کوشش تو کرتے ہیں...... کہیں بات ہی نہیں بنتی...... ورنہ انہیں کون سا اچھا لگتا ہے اس طرح فارغ بیٹھنا۔" بتول نے کن انکھیوں سے میاں کو دیکھا اور بلک بلک کر روتے ہوئے ساس سے گلوگیر آواز میں کہنے لگی۔

"کس قدر محبت کرتی ہے بتول مجھ سے...... اور یہ اماں......" سلمان نے بڑی بے فکری کے ساتھ فکر مند ماں کو دیکھا اور اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

☆☆☆

"اماں یہ پیسے......" حجاب نے تنخواہ کا لفافہ ماں کو تھماتے ہوئے کہا۔

"بیٹا اس دفعہ پیسے کم ہیں......؟" نسیمہ بیگم نے دوبارہ نوٹ گنتے ہوئے پرس میں کچھ ڈھونڈتی حجاب سے پوچھا۔

"ہاں اماں، ایک چُھٹی کی تھی ناں اس کے پیسے کٹ گئے ہیں۔" اس کی آواز دھیمی تھی۔

"لیکن بیٹا یہ تو پورے آٹھ سو روپے کم ہیں۔" نسیمہ بیگم کے چہرے پر کچھ کھوجتی ہوئی فکر تھی۔

"وہ اماں میں نے پانچ سو روپے اپنی چپل خریدنے کے لیے رکھے ہیں۔ بالکل ٹوٹ گئی ہے...... بہت شرم آتی ہے...... اب تو اسکول کے بچے بھی کہنے لگے ہیں......" حجاب نے اس طرح وضاحت دی جیسے اس نے یہ پیسے اپنی تنخواہ سے نہ روکے ہوں بلکہ چوری کیے ہوں۔

"پر بیٹا...... یہ......" ان کا لہجہ ہکلایا۔

"کیا بات ہے اماں...... کیا بات ہے؟" وہ بیٹی تھی، ماں کی ہمدرد اور غمگسار...... اس نے تڑپ کر پوچھا کہ ماں کے چہرے پر لکھی فکر اور پریشانی کی داستان کسی کو نظر آئے یا نہیں لیکن وہ پڑھ سکتی تھی، وہ پڑھ رہی تھی۔

"مکان دار بہت بے عزتی کرتا ہے...... اگر گلی محلے میں مل جائے تو وہیں چار لوگوں میں باتیں سنانے لگتا ہے...... میں چاہ رہی تھی کہ اس دفعہ چاہے فاقے کرنے پڑ جائیں...... تمہاری تنخواہ اور ٹیوشن کے پیسے ملا کر میں کرایہ دے دوں...... پیٹ بھرے نہ بھرے عزت رہ جائے...... تم بعد میں چپل لے لینا......" نسیمہ بیگم کے لہجے میں ایک عجیب سی بے بسی تھی۔

وہ کچھ نہ بولی...... بس پرس کھولا اور سلیقے سے تہ کیا ہوا پانچ سو کا نوٹ ماں کے ہاتھ میں تھما دیا۔

☆☆☆

"یا اللہ غربت سے زیادہ چھوٹی چادر تکلیف دیتی ہے...... سر چھپائیں یا پیر...... میرے اللہ...... ایک چپل...... ایک دوپٹے کے لیے بھی ترسنا پڑتا ہے...... لیکن تیرا شکر ہے، سر پر عزت کی چادر تنی ہوئی ہے۔ تیری مہربانی مالک......" حجاب نے عشا کی نماز میں دعا کرتے ہوئے اللہ سے حالِ دل کہا۔

"کیا ہوا چپل نہیں خریدی......؟" حجاب جو سر جھکائے اسٹاف روم میں بیٹھی بچوں کی کاپیاں چیک کر رہی تھی...... فرزانہ کے سوال پر چونکی۔

"نہیں......" حجاب نے لاشعوری طور پر پیروں کو چھپاتے ہوئے پست آواز میں کہا۔

"کیوں......؟ کیوں نہیں لی...... ارے یار ہر مہینے کی تنخواہ میں سے کم از کم ایک سوٹ اور ایک چپل تو خرید لیا کرو......" فرزانہ کے لہجے میں محبت تھی۔

"کیسے خرید سکتی ہوں......؟ میں کبھی نہیں خرید سکتی، میں اپنے لیے کبھی کچھ نہیں کرسکتی، میرے ساتھ، میری زندگی کے ساتھ بہت مسئلے ہیں، تم

نہیں جانتیں...... تمہیں نہیں پتا......'' حجاب کو ہمدردی سے نفرت تھی۔ لوگوں کے سامنے رونا سخت ناپسند تھا، اس کے باوجود اس کی آنکھ نم تھی۔

''مجھے سب پتا ہے، مجھے سب اندازہ ہے، میں بھی معاشرے کے اسی طبقے سے تعلق رکھتی ہوں...... جس طبقے کی فرد تم بھی ہو لیکن حجاب یوں چھوٹی، چھوٹی چیزوں کے لیے ترسنے اور ٹکے، ٹکے کے لیے شرمندہ ہونے سے بہتر ہے کہ کوئی چور راستہ ڈھونڈ لو...... کم از کم زندگی میں کوئی تو آسانی ملے......'' فرزانہ نے حجاب کے برابر میں رکھا پرس اٹھا کر سینٹر ٹیبل پر رکھا اور پھر اس کے برابر میں بیٹھتے ہوئے ہلکی آواز میں اس سے کہا۔

''رات دن محنت کرتی تو ہوں تم ایسا کرو، میرے لیے دوپہر کی شفٹ میں جاب ڈھونڈ دو، میں دونوں شفٹوں میں پڑھا لوں گی اور......''

''بس کرو...... بس کرو قربانیاں دینا...... ان نوکریوں سے کوئی پورا پڑتا ہے بھلا سارا دن کولھو کے بیل کی طرح یہ پرائیویٹ اسکول والے محنت لیتے ہیں اور گنتی کے چند ہزار بھیک کی طرح ہاتھ میں پکڑا دیتے ہیں...... اب چند ہزار سے کچھ نہیں ہوتا میری جان تمہاری سمجھ میں کیوں نہیں آتا...... میری بات مان لو...... جو میں کر رہی ہوں وہ کام تم بھی کر لو...... کون کہہ رہا ہے کہ ساری زندگی کرنا...... ارے جب گھر کے مسئلے حل ہو جائیں، تمہارا جہیز جمع ہو جائے تو لعنت بھیجنا ساری محنت مشقت پر اور آرام سے میاں کے گھر میں راج کرنا۔ میری تو بھئی یہی پلاننگ ہے۔'' فرزانہ نے حجاب کی بات کو بیچ میں کاٹتے ہوئے ایک لمبی تقریر کر ڈالی۔

''تمہارا کام......؟'' حجاب نے بہ مشکل تھوک نگلا۔

فرزانہ نے اثبات میں سر ہلایا اور حجاب کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھنے لگی۔

''میں کیسے کر سکتی ہو...... ہم غریب ضرور ہیں پر عزت دار ہیں، ہمارے کشکول میں عزت کے سوا کچھ بھی نہیں ہے اور جو کسی نے دیکھ لیا تو......؟ نہیں نہیں، میں نہیں کر سکتی۔'' حجاب نے عجیب سے خوفزدہ انداز میں جھرجھری لیتے ہوئے کہا۔

''عزت؟'' فرزانہ بے ساختہ ہنسی اور پھر ہنستی ہی چلی گئی۔ ''ارے میڈم آج کل تو عزت بھی ان ہی لوگوں کی ہوتی ہے جن کی جیب گرم ہوتی ہے...... جس کے پاس جتنے نوٹ وہ اتنا ہی عزت دار......'' فرزانہ نے جگہ، جگہ سے سلی ہوئی حجاب کی چپلوں پر نظریں جماتے ہوئے جیسے اپنے آپ سے کہا۔

☆☆☆

''تو آج یہ دن بھی آنا تھا......'' حجاب نے اپنے جسم کے گرد بڑی سی چادر لپیٹتے ہوئے، بے فکری سے لوڈو کھیلتے بھائی اور بھاوج کو دیکھا اور پھر بستر پر خاموش، بے بس لیٹی ماں کو...... اس نے آنکھوں میں آتے آنسوؤں کو بہت کمال سے پیا اور باہر نکل آئی۔

☆☆☆

''پھر ڈاکٹر صاحب......'' سلمان نے کاما اسپتال میں چیک اپ کرتے ڈاکٹر صاحب سے پوچھا۔

''دیکھیں...... ان کو دل کا دورہ پڑا ہے ابھی انہیں رکھنا پڑے گا پھر چند ٹیسٹ وغیرہ کے بعد ان کی انجیو گرافی کا فیصلہ ہوگا تو پتا چلے گا کہ اب کیا کرنا ہے...... ہوسکتا ہے انجیو گرافی کے بعد فوری ہی انجیو پلاسٹی کرنا پڑے......'' ڈاکٹر نے حجاب کے ہاتھ سے دوائیوں کی تھیلی لیتے ہوئے پروفیشنل انداز میں کہا...... سلمان بھی ساتھ کھڑا تھا۔

''ڈاکٹر صاحب خرچہ کتنا آئے گا......؟'' حجاب نے فکرمند لہجے میں پوچھا۔ سلمان نے چونک کر بہن کی طرف دیکھا...... پیسوں کے بارے میں تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا کہ کہاں سے آئیں گے۔

لیکن حجاب تو پیسے کی اہمیت اور ضرورت سے واقف تھی۔۔۔۔۔سو اس کی پوری توجہ ڈاکٹر صاحب کی طرف تھی۔۔۔۔۔اور ڈاکٹر کے لیے تو خرچہ بتانا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ مشکل تو آئے ہوئے مریض کے غریب گھر والوں پر آتی ہے۔ ڈاکٹر لمبا چوڑا خرچہ بتاتے ہوئے دوسرے مریض کی طرف متوجہ ہوگیا۔۔۔۔۔ آج صبح ہی سے نفیسہ بیگم سینے میں درد کی شکایت کررہی تھیں اور جب ان کا درد ناقابلِ برداشت ہوگیا تو دونوں انہیں رکشے میں بٹھا کر کارڈیو لے آئے تھے۔ اس وقت ایمرجنسی وارڈ میں لیٹی ماں کے سرہانے وہ لوگ شدید پریشانی کے عالم میں کھڑے تھے۔

حجاب نے ایک نظر درد کی شدت سے آنکھیں بند کیے لیٹی ماں کو دیکھا اور پھر اپنی بے بسی پر آنسو اس کی آنکھوں سے ٹپک پڑے۔

☆☆☆

''کچھ بندوبست ہوا بھائی۔۔۔۔۔؟'' حجاب نے گھر میں داخل ہوتے سلمان کو دیکھ کر بے قراری سے پوچھا۔

''نہیں، کہیں سے کوئی بندوبست نہیں ہوا ویسے تو سب بڑے مال دار کے بچے بنے پھرتے ہیں اور اب ہمیں ضرورت پڑی تو سب بھوکے ننگے ہوگئے۔۔۔۔۔'' اس نے جلے بھنے لہجے میں صحن میں پڑی چپل کو ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔

''اب کیا ہوگا۔۔۔۔۔؟ آج تو ہر حال میں پیسے جمع کروانے ہیں۔'' حجاب تقریباً رو دینے کو تھی۔

حجاب کے سوال پر اداس گھر پر، اداسی کے ساتھ ساتھ خاموشی بھی چھا گئی۔۔۔۔۔ اس کے سوال کا کسی کے پاس بھی جواب نہیں تھا۔

''کاش۔۔۔۔۔ کاش ابا اتنی جلدی نہ مرے ہوتے۔۔۔۔۔ کاش، کاش بھائی تم زندگی کو سنجیدگی سے لیتے۔۔۔۔۔ کاش تم کوئی کام کررہے ہوتے۔۔۔۔۔ تو آج صرف پینتیس ہزار کے لیے ہم یوں بھیک نہ مانگ رہے ہوتے۔۔۔۔۔ کاش۔۔۔۔۔''

''تمہارا فون ہے حجاب۔۔۔۔۔'' حجاب جو اپنی زندگی میں شامل بہت سارے کاش، اپنی سوچوں میں بیٹھی دہرا رہی تھی بتول کی آواز پر حال میں واپس آگئی۔۔۔۔۔ اس نے بے دلی سے ہاتھ بڑھا کر بتول کے ہاتھ سے موبائل فون لیا۔۔۔۔۔ فون کی اسکرین پر جگمگاتے ہوئے نام کو دیکھا اور پھر اس کے منہ سے نکلا۔

''ہیلو فرزانہ۔۔۔۔۔''

☆☆☆

''بہت بہت شکریہ فرزانہ۔۔۔۔۔ یقین کرو۔۔۔۔۔ میں جلد ہی تمہارے پیسے لوٹا دوں گی۔'' حجاب نے ہزار، ہزار کے پینتیس نوٹ گن کر پرس میں رکھتے ہوئے مشکور اور احسان مند لہجے میں فرزانہ سے کہا۔

''کوئی بات نہیں میری بہن۔۔۔۔۔ ہم سب کے دکھ مشترک ہیں، مجھے معلوم تھا اس وقت تمہیں پیسوں کی شدید ضرورت ہوگی، اسی لیے میں نے فوراً تمہیں فون کیا تھا۔۔۔۔۔ اور اتنا شکریہ مت ادا کرو، انسان ہی انسان کے کام آتا ہے۔'' اس کے لہجے میں خلوص ہی خلوص تھا۔

''تو کیا اس بھری دنیا میں صرف تم ہی واحد انسان بچی ہو۔۔۔۔۔؟ جن سگے رشتوں نے مدد کرنے سے منع کردیا تھا۔ کیا وہ سب انسان نہیں ہیں۔۔۔۔۔ یا ہم انسان نہیں ہیں۔'' حجاب نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''چھوڑو یہ سب باتیں، میرے خیال سے زندگی کا یہ حادثہ تمہارے لیے ایک سبق ہے۔۔۔۔۔ زندگی میں کوئی اور ایمرجنسی کہیں بھی، کسی بھی وقت آسکتی ہے۔۔۔۔۔ تم یہ سب باتیں چھوڑو۔۔۔۔۔ جاکر اسپتال میں فیس بھرو۔۔۔۔۔ ہاں یہ بتاؤ میرے ساتھ کب چلوگی۔۔۔۔۔؟'' فرزانہ کو ایک دم جیسے یاد آیا ہو۔

''جلد ہی۔۔۔۔۔'' حجاب نے جیسے اپنے آپ سے نظریں چراتے ہوئے جواب دیا۔

☆☆☆

''اچھا اماں میں جا رہی ہوں......'' حجاب نے پرس کی زپ لگاتے ہوئے بستر پر لیٹی نسیمہ بیگم سے کہا۔

''کہاں جا رہی ہے......؟ ابھی تو آئی ہے اور آتے ہی پھر جا رہی ہے۔'' سلمان جو مزے سے سنگترے چھیل، چھیل کر کھا رہا تھا، کرخت آواز میں بولا۔

''کام پر جا رہی ہوں......'' وہ بے پروائی سے سنگترے چھیلتی بھاوج کو اور سینہ تانے، سوال بنے کھڑے بھائی کو دیکھتے ہوئے آہستگی سے بولی۔

''کون سا کام......؟ ابھی تو اسکول سے آئی ہے۔'' نسیمہ بیگم کے منہ سے سلمان ہی کا سوال دوبارہ نکلا۔

''اماں بہت قرضہ ہوگیا ہے ایک نوکری سے پورا نہیں پڑتا میں نے ایک اور نوکری کرلی ہے...... بس وہیں جا رہی ہوں۔ آپ پریشان نہ ہوں...... جلد ہی واپس آجاؤں گی......'' حجاب نے بیمار ماں کو تسلی دی۔

''دل نہیں لگتا ہمارے ساتھ کیا جو ایک اور نوکری کرلی۔'' بتول نے میاں کی شہ پر بڑے طنزیہ لہجے میں مجرم بنی کھڑی حجاب سے پوچھا۔

''بس ایسے ہی شوق ہوگیا ہے دراصل سارا دن جھولے میں بیٹھے، بیٹھے تھک جاتی ہوں...... وزن بڑھنے لگا ہے پہلے سوچا جم جوائن کرلوں...... پھر سوچا نوکری کرلوں۔''

''اری کیا اول فول بکے جا رہی ہے...... یہ ایک دم کیا سوجھی ہے تجھے...... نہ کسی سے ذکر نہ مشورہ...... کوئی بڑا چھوٹا ہے تیرا یا نہیں؟'' بتول کے چہرے کے بگڑتے تیوروں سے گھبرا کر...... نسیمہ بیگم نے حجاب کو ڈانٹا۔

''ایک دم نہیں سوجھی اماں، بہت مشکل فیصلہ ہے بڑا دل کو سمجھایا ہے...... اماں میرا بھی دل چاہتا ہے دوپہر کو پیر پھیلا کر سوؤں اور سہ پہر کو صحن میں بیٹھ کر ڈوبتے سورج کو دیکھوں لیکن اماں یہ سب آسان نہیں ہے...... زندگی، موت سے زیادہ تکلیف دہ ہے...... زندگی بہت مشکل ہے...... آج پہلا دن ہے اللہ کے واسطے مجھے جانے دو...... تم بھول گئی ہو لیکن مجھے یاد ہے آج تیس تاریخ ہے اور کسی بھی دن ہمارا سامان سڑک پر پھینکا جانے والا ہے...... سڑک پر کھڑے ہونے سے بہتر ہے میں کام پر چلی جاؤں...... لہٰذا میں جا رہی ہوں اور خبردار جو کسی نے مجھے روکا......'' حجاب نے آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو بے دردی سے چادر کے پلو سے پونچھا اور تیز قدموں سے گھر سے باہر نکل گئی۔

''تم نے دیکھا اماں کس قدر بدزبان ہوگئی ہے بہت زبان چلنے لگی ہے اس کی...... میں بتائے دے رہا ہوں۔ اماں...... جس دن مجھے چڑھ گئی ناں تو سالی کی زبان گدی سے پکڑ کر کھینچ لوں گا...... سمجھالینا تم اس کو......'' سلمان نے غصے سے کھولتے ہوئے خاموش بیٹھی ماں سے کہا...... جن کی آنکھوں میں ایک عجیب سی بے بسی تھی ایک ایسی بے بسی جسے پڑھنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہوتی۔

☆☆☆

''زندگی اتنی بڑی آزمائش ہوگی...... یا اللہ ایسی آزمائش، ایسا کڑا امتحان...... پیٹ کا دوزخ آج سمجھ آیا...... ساری زندگی کیا، کیا میں نے...... میرے پاس تو عزت کے سوا کچھ نہیں تھا...... میں نے...... میں نے اس کی بھی پروا نہیں تھی...... چند ٹکوں کے لیے۔'' حجاب نے میز پر رکھے پرس کو دیکھتے ہوئے اپنے آپ سے کہا اور پھوٹ، پھوٹ کر رو دی۔ بعض اوقات آنسو زندگی بھر کے ساتھی بن جاتے ہیں...... اور شاید اس کے آنسو بھی......

☆☆☆

''زندگی کے کتنے کام پورے ہوگئے فرزانہ......'' حجاب نے پیسے گن کر پرس میں رکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں واقعی وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا...... کتنا عرصہ ہوگیا ہم دونوں کو یہ کام کرتے ہوئے...... انشاء اللہ اس اتوار کے بعد میں تو چھوڑ دوں گی...... رشتہ طے ہوگیا ہے اور جہیز جمع ہوگیا ہے......'' فرزانہ نے مطمئن لہجے میں کہا۔

''تم چھوڑ دو گی اور میں اکیلی......؟'' وہ گھبرا گئی۔

''ارے اب تمہیں میری کیا ضرورت...... تم تو خود بہت ایکسپرٹ ہوگئی ہو...... بس کچھ عرصے بعد تم بھی چھوڑ دینا اور پھر میاں کے گھر عزت سے بیٹھ کر روٹیاں پکانا۔'' فرزانہ نے ہنستے ہوئے حجاب کو چھیڑا۔

''عزت......'' حجاب کے منہ سے سرسراتا ہوا نکلا اور وہ گھر کے سامنے رکشے سے اتر گئی...... اکثر جب اسے دیر ہوجاتی تھی تو وہ دونوں رکشا لے لیتی تھیں کیونکہ حجاب کا گھر پہلے آتا تھا سو فرزانہ اسے اتارتے ہوئے اپنے گھر چلی جاتی تھی۔

☆☆☆

''آج تم کو کافی دیر ہوگئی بیٹا......'' حجاب جو نماز پڑھ کر جانماز تہہ کر رہی تھی...... ماں کی آواز پر پلٹی...... ایک نظر ماں کے مطمئن چہرے پر ڈالی اور پھر نظر جھکالی۔

''کیا بہت تھک گئیں بیٹا......؟'' نسیمہ بیگم نے بیٹی کی خاموشی میں چھپی تھکن اور اداسی کو محسوس کرتے ہوئے محبت بھرے لہجے میں پوچھا۔

''آج کیا اماں، میں تو ہر وقت تھکی ہوئی رہتی ہوں۔'' حجاب نے آہستگی سے کہا اور پاس رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

''بعض اوقات جسم ہی نہیں روح بھی تھک جاتی ہے۔ روح پر رکھا بوجھ سانس لینے نہیں دیتا...... سونے نہیں دیتا، میری روح کا بوجھ بھی اب ناقابلِ برداشت ہوگیا ہے...... میرا دم گھٹنے لگا ہے، لگتا ہے میں مر جاؤں گی......'' ہمیشہ کی طرح حجاب صرف سوچ کے رہ گئی۔

''اماں یہ کرایہ......'' حجاب نے پاس رکھے پرس میں سے نوٹ نکال کر ماں کو دیتے ہوئے کہا۔

''جیتی رہو...... خوش رہو...... اللہ تمہاری کمائی میں برکت دے...... ارے بیٹا میں کیا بتاؤں جب سے اس مردود کو کرایہ وقت پر ملنے لگا ہے...... ایسی عزت سے خالہ، خالہ کرنے لگا ہے کہ کیا بتاؤں......'' نسیمہ بیگم نے پیسے گنتے ہوئے خوشگوار لہجے میں کہا۔

''اللہ نہ کرے، میری کمائی میں برکت ہو...... اور اماں...... ہم کیا اور ہماری عزت کیا......'' حجاب کے منہ سے سرسراتا ہوا نکلا۔

''اے لو...... کیوں نہیں، ہماری عزت کیوں نہیں...... ارے غریب ہیں پر بے غیرت تھوڑا ہی ہیں......'' نسیمہ بیگم نے حجاب کی بات پر چونک کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''پر بیٹا...... ایک بات تو بتاؤ...... آخر تم کام کیا کرتی ہو......''

''کیوں؟'' حجاب نے ماتھے پر بل ڈالے۔

''ارے سب پوچھتے ہیں، اب مجھے کچھ پتا ہو تو میں بتاؤں ناں......'' نسیمہ بیگم نے حجاب کے قریب بیٹھتے ہوئے تجسس بھرے انداز میں پوچھا۔

''کیا ضرورت ہے بتانے کی...... جب ہم فاقے کر رہے تھے، بھوکے مر رہے تھے...... ارے غیروں کے ہاتھوں ذلیل ہو رہے تھے تو کسی نے آ کر نہ پوچھا...... اور اب سب کے پیٹ میں درد ہونے لگا ہے...... کوئی ضرورت نہیں، کسی کو جواب دینے کی...... بس خاموش رہا کریں......'' حجاب کا لہجہ

روکھا ہوگیا۔

"ہاں بیٹا، روٹی کما کر لا رہی ہو تو ماں کی زبان پرتالے بھی لگاؤ گی تم کیا جانو مجبوری......" نسیمہ بیگم کو حجاب کا انداز برا لگا تو انہوں نے دل ہی دل میں اپنے آپ سے کہا۔ لیکن بیٹی سے بدگمان ہونے سے پہلے کاش وہ جان سکتیں...... کہ وہ ان کی محبت میں کہاں، کہاں مجبور ہوئی ہے۔ کاش وہ جان سکتیں...... کاش......

☆☆☆

ٹرن...... ٹرن...... حجاب جو بیٹھی تولیے سے گیلے چہرے کو رگڑ رگڑ کر پونچھ رہی تھی نے چونک کر اسکرین پر جگمگاتے نام کو دیکھا...... اور دوبارہ سے چہرہ پونچھنے لگی...... اکثر حجاب کو ایک عجیب سا ڈپریشن ہوجاتا تھا اس کو ایسا لگتا تھا کہ اس کے سارے وجود پر ایک نہ نظر آنے والی...... بدبودار...... غلاظت لگی ہوئی ہے...... سو وہ گھنٹوں نل کے نیچے بیٹھی وہ نہ نظر آنے والی غلاظت صاف کرتی رہی...... دھوتی رہتی اور جب دھوتے، دھوتے تھک جاتی یا ٹنکی میں پانی ختم ہوجاتا تو پھر بیٹھی تولیے سے رگڑ، رگڑ کر ہاتھ پیر اور چہرہ پونچھتی رہتی...... اور اس وقت بھی وہ ڈپریسڈ تھی۔ اسے کسی بات کی پروا نہیں تھی حتیٰ کہ اسکرین پر جگمگاتے حیدر کے میسج کی بھی نہیں...

☆☆☆

"یار تم کہاں ہو......؟ میں تو ترس گیا ہوں تم سے ملنے کے لیے، تمہاری آواز سننے کے لیے...... اب بھی نہ جانے کب سے ٹرائی کر رہا تھا......" حیدر کی آواز سیل فون میں ابھری۔

"کہاں غائب ہوں...... کہیں بھی نہیں...... بس تم ہی کو نظر نہیں آتی۔" حجاب نے شگفتہ لہجے میں کہا۔

"اچھا چھوڑو، یہ بتاؤ تم فون کیوں نہیں اٹھاتیں۔" حیدر کے لہجے میں دبا دبا سا غصہ تھا۔

"ہائیں فون نہیں اٹھاتی...... اگر فون نہیں اٹھاتی تو اس وقت تم کس سے بات کررہے ہو۔" حجاب نے حیدر کو چھیڑا۔

"دیکھو حجاب میرا خون مت کھولاؤ، آج سارا دن ہوگیا مجھے خوار ہوتے ہوئے...... لیکن تمہارا فون بند جارہا تھا...... تمہیں کچھ اندازہ ہے کہ میں کس قدر پریشان ہوا ہوں آج...... آج اتوار کا دن تھا...... میں نے سوچا تم سے ملنے آؤں گا لیکن تم...... تم......" حیدر کا لہجہ بے انتہا ناراض تھا۔

حجاب کو حیدر کی ناراضی سے شدید تکلیف ہوئی لیکن زندگی میں آنے والی تکلیفوں، جھڑکیوں، جھڑکیوں نے اس کو مضبوط کردیا تھا یا شاید ڈھیٹ......

"ناراض کیوں ہورہے ہو حیدر، تم جانتے تو ہو...... میں سنڈے کو بھی جاب پر ہوتی ہوں اور سنڈے کو تو میں بہت ہی بزی ہوتی ہوں...... میں جاب پر ہوتی ہوں تو کیسے فون ریسیو کرسکتی ہوں۔" حجاب نے رسان سے لہجے میں کہا کہ حیدر کی ناراضی اس سے برداشت نہیں ہورہی تھی۔

"چھوڑو یار یہ سارے بہانے، تم اسکول میں تو سارے فون اٹینڈ کرتی ہو لیکن پتا نہیں یہ دنیا کی کون سی جاب ہے جس کا نہ تم نام بتاتی ہو اور نہ ہی دفتر کا پتا دیتی ہو...... میں تو تنگ آگیا ہوں اس خواری سے...... بس اماں سے کہہ کر جلد ہی شادی کی تاریخ رکھواتا ہوں اور ختم کرتا ہوں سارے مسئلے......" حیدر نے جھنجلاتے ہوئے دوٹوک لہجے میں کہا۔

"حیدر......"

"پلیز حجاب ایک لفظ نہ کہنا...... میں ایک لفظ بھی سننا نہیں چاہتا...... میں ایک دو دن میں تمہارے گھر آتا ہوں اور پھر بات کرتے ہیں......" وہ لہجے میں پیار سموئے بولا۔ "میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں، میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بس اس دوری کو اب ختم ہوجانا چاہیے...... میں چاہتا ہوں ساری زندگی تم دوسروں کے لیے جیتی رہی ہو اب میری جان اپنے لیے جیو...... بس......" حیدر نے حجاب کی بات سنے بغیر کہا اور فون بند کردیا۔

اور وہ پریشان ہونے کے باوجود مسکرادی...... کوئی تو تھا جو اس سے محبت کرتا تھا...... اس کی پروا کرتا تھا...... اس پر بھروسا کرتا تھا۔

اسے یقین تھا کہ اس کی زندگی میں بھی بہار آئے گی لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ ضروری نہیں ہر یقین حقیقت کا روپ دھار لے...... تقدیر کا صرف ایک وار...... کیا کرسکتا ہے کاش وہ جان پاتی...... لیکن کچھ باتیں نہ گزرتے حالات سمجھاتے ہیں اور نہ ہی کوئی استاد لیکن وقت...... وقت سب کچھ سمجھا دیتا ہے۔

☆☆☆

"اماں کا فون آیا تھا......" بتول نے چینل سرچنگ کرتے سلمان کو مخاطب کیا۔

"ہوں......" سلمان کی توجہ اسکرین پر تھی۔

"سن رہے ہیں ناں حیدر نے منگنی توڑ دی ہے آپ کی بہن سے......" بتول نے دھماکا کیا۔

"منگنی توڑ دی...... لیکن پرسوں تو خالہ کا فون آیا تھا کہ وہ اتوار کو شادی کی تاریخ لینے آرہی ہیں، کل جب حیدر آیا تھا تو اس کا موڈ بھی صحیح تھا۔" سلمان نے جلدی سے ٹی وی بند کیا اور پریشان ہوکر بتول سے کہا۔

کتنا ہی بے پروا تھا وہ پر حجاب کا بھائی تو تھا ناں۔

"میری تو پہلے ہی مرضی نہیں تھی، وہی دیوانہ ہورہا تھا، اس نے تو صاف کہہ دیا ہے میں اس لڑکی سے شادی کے لیے بالکل تیار نہیں...... جس کا کردار مشکوک ہو......"

خوب صورت نسخے

☆ چہرے کی جھائیوں کے لیے سویا کھانا، اسے ابال کر پانی پینا مفید ہے۔

☆ بکری کا کچا دودھ اور گلاب کی تازہ پتیوں کا پیسٹ بنا کر تین ٹائم چہرے پر لگائیں پھر نیم گرم پانی سے منہ دھولیں...... جھائیوں کے لیے مفید ہے۔

☆ دوپہر کے کھانے میں پھل اور کچی سبزیاں سلاد کی صورت لازمی کھائیں...... تلی ہوئی اشیا سے ہر ممکن پرہیز کریں...... اپنا الگ رومال یا تولیا رکھیں، کسی کی خوب صورت اور فریش اسکن دیکھ کر جلنے کڑھنے کے بجائے اللہ کی بنائی ہوئی چیز کی تعریف کریں۔

☆ پودینے کی سبز پتیاں ڈنٹھل سمیت دھو کر ابال لیں اور پانی چھان کر فریج میں بوتل میں رکھ لیں۔ درود شریف پڑھ کر آدھا کپ یہ پانی پی لیں نہار منہ...... باقاعدگی سے پئیں۔ جلد میں نکھار پیدا ہوگا۔

پانچ بادام بھگو کر چھیل لیں اور بھیگی ہوئی خوبانی کے ساتھ آدھا کپ دودھ ڈال کر پیسٹ بنالیں، صبح شام اس کا مساج کریں اور نیم گرم پانی سے چہرہ دھولیں...... پر ترکیب میں چہرہ، گردن اور بازو بھی شامل رکھیں۔

☆ لیموں کا رس نچوڑ کر چھلکے ہاتھوں کی پشت پر رگڑیں اسی طرح کہنی پر بھی...... ٹماٹر کاٹتے ہوئے جو ہاتھوں پر رس ٹپکے اسے کریم کی طرح چہرے اور ہاتھوں پر مل لیں اور کچھ دیر بعد نیم گرم پانی سے دھولیں۔

مندرجہ بالا نسخے بغیر اضافی خرچ کے آپ کے حسن کو یقیناً نکھار بخشیں گے۔ ہر وقت کی فضول سوچوں کے بجائے درود شریف اور یا اللہ، یا رحمٰن، یا رحیم کا ورد کرتی رہیں...... بے شک اللہ بہترین مصور ہے اسے یا مصور کہہ کر یاد رکھیں۔

مرسلہ: نفیسہ آرا، راس الخیمہ

"کردار مشکوک...؟ بھلا ایسا کیوں کہا؟" سلمان نے سوالیہ لہجے میں خاموش بیٹھی بتول سے کہا۔

"لو ایک حیدر ہی کیا ساری دنیا کہہ رہی ہے، ذرا سوچیں تو سہی یہ کوئی نوکری ہے، جس میں روز کا حساب روزِ ہوتا ہے صبح تمہاری بہن خالی پرس لے کر جاتی ہے اور شام کو بھرے پرس کے ساتھ واپس آتی ہے...... اب تو اس کا بٹوا نوٹوں سے بھرا رہتا ہے...... کہنے والے تو بہت کچھ کہہ رہے ہیں، میرا تو رشتہ ہی ایسا ہے کچھ کہوں اور چور بنوں...... میری تو خاموشی ہی بھلی۔" بتول نے سلمان کے سوال کے جواب میں اپنے آپ سے کہا اور خاموش رہی۔

"میں پوچھ رہا ہوں...... ایسا کیوں کہا حیدر نے؟" سلمان نے تیز آواز میں بتول سے پوچھا۔

"مجھے کیا پتا...... خود معلوم کرلو......" بتول نے بھی تڑخ کر جواب دیا۔

☆☆☆

"کیا ہوا اماں پیسے کیوں نہیں لے رہی ہو......؟" حجاب نے جب کرایہ نسیمہ بیگم کو دینا چاہا تو انہوں نے لینے سے صاف انکار کردیا۔

"دیکھو حجاب میں کہہ رہی ہوں چھوڑ یہ نوکری...... ہمیں نہیں چاہئیں تیرے پیسے...... سارا خاندان، سارا محلہ تھو تھو کررہا ہے ہر کوئی پوچھتا ہے آخر ایسا کون سا کام ہے جو تمہاری بیٹی کرتی ہے، نہ دفتر کا پتا، نہ آنے جانے کا وقت، نہ عید بقر عید پہ چھٹی، ہر روز جاتی ہے روز پیسے لاتی ہے، ارے میں کس، کس کو جواب دوں بس ختم کرو اس کام کو اور گھر میں بیٹھو بس۔" نسیمہ بیگم نے غصے سے بے قابو ہوتے ہوئے کہا۔

"ہاں، گھر بیٹھ جاؤں پھر وہی فاقہ مستی، لڑائی جھگڑے، شروع ہوجائیں گے...... اماں تم لوگ ہو ہی ناشکرے، کتنا ہی تم لوگوں کے لیے کرلو...... تم لوگ خوش ہونے والے ہو ہی نہیں۔" حجاب نے غصے میں ہاتھ میں پکڑے نوٹ فرش پر پھینکے۔

"خدا کے واسطے تو ہمیں معاف کردے...... ہم سب بہت برے ہیں، ناشکرے ہیں، ارے ہر کوئی انگلی اٹھا رہا ہے، ساری دنیا تھو تھو کررہی ہے...... بس سن لے اب تو گھر سے نکلی تو تیری ٹانگیں توڑ دوں گی۔" نسیمہ بیگم نے غصے سے چیختے ہوئے کہا۔

"ارے اماں تمہاری ضرورتوں کے لیے میں بازار میں جا کھڑی ہوئی، اپنی عزت بیچ دی اور تم میری ٹانگیں توڑ دوگی، بہت خوب...... واہ...... واہ......" حجاب نے عجیب تاسف اور دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"عزت بیچ دی...... بازار میں جا کھڑی ہوئی؟" حیدر نے چکراتے سر کے ساتھ جیسے اپنے آپ سے کہا اور وہ جو خوشی، خوشی حجاب کو بتانے آیا تھا کہ اتوار کو اس کی اماں شادی کی تاریخ لینے آرہی ہیں...... حجاب کے لفظوں میں الجھتا دبے پاؤں باہر نکل گیا۔

☆☆☆

"دیکھتا ہوں یہ کہاں جارہی ہے......؟" سلمان نے اپنے آپ سے کہا۔

آج جب حجاب کام پر جانے کے لیے گھر سے نکلی تو ایک ریوالور لے کر سلمان بھی اس کے پیچھے نکلا...... بتول کی باتوں اور اماں کی خاموشی نے اسے پاگل کردیا تھا...... اسے یقین تھا کہ حجاب بھٹک چکی ہے...... پیسوں کے لالچ میں اس نے اپنی عصمت داغدار کرلی ہے...... آج اس نے تہیہ کرلیا تھا کہ وہ اسے رنگے ہاتھوں پکڑے گا اور پھر موقع پر ہی اسے گولی ماردے گا کہ ایک غیرت مند بھائی کو یہی کرنا چاہیے۔

گھر سے نکل کر حجاب ذرا فاصلے پر کھڑی گاڑی میں جا بیٹھی جس میں پہلے ہی سے چادروں میں لپٹی چند لڑکیاں بیٹھی تھیں۔ چلتے چلتے وہ گاڑی ایک پوش علاقے میں داخل ہوگئی تھی۔ سلمان بھی تھوڑے فاصلے سے موٹر سائیکل پر پیچھا کررہا تھا۔

جب گاڑی وہاں کے سنڈے بازار کے پارکنگ لاٹ میں رکی تو اس کے منہ سے نکلا...... "یہ یہاں کیوں آئی ہے؟"

گاڑی سے لڑکیاں تیزی سے اتریں...... ایک دم لوگوں کے رش نے حجاب کو چند لمحوں کے لیے سلمان کی نگاہوں سے اوجھل کردیا...... وہ بھیڑ کو چیرتا ہوا تیزی سے آگے بڑھا...... اور پھر بھیڑ کا حصہ بنتی حجاب کو اس نے دیکھا۔

"اس کی بہن حجاب......" وہ ساکت تھا۔

آتے جاتے لوگ اس سے ٹکرا رہے تھے لیکن اسے کچھ ہوش نہیں تھا اس کی نگاہیں دور ہوتی حجاب پر گڑی تھیں جو گود میں ایک بچہ لیے...... صدا لگا رہی تھی۔

"باجی اللہ کے واسطے...... اپنے بچوں کے صدقے کچھ دیتی جاؤ، باجی اللہ کے واسطے اپنے بچوں کے صدقے کچھ دیتی جاؤ، غریب کو کچھ دے دو کہ بچے کا پیٹ بھر سکے، اللہ تمہارا پیٹ بھرے گا۔"

"یہ کیا آج پھر آلو کی ٹکیاں ہیں؟" سلمان نے دستر خوان پر رکھی سالن کی ڈش کو کھول کر دیکھتے ہوئے غصے سے ماں سے کہا۔

"ارے بیٹا...... یہ بھی نصیب ہو رہا ہے تو اللہ کا شکر ادا کرو......"

"ان آلو کی ٹکیوں پر اللہ کا شکر...... روز دال، سبزی، دال، سبزی...... اماں اب تو الٹی آنے لگی ہے ان کھانوں کو دیکھ، دیکھ کر تم گوشت کیوں نہیں پکاتیں...... میں نہیں کھاؤں گا یہ سب۔" سلمان غصے میں دستر خوان سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"کہاں سے پکاؤں تیرے لیے گوشت کے بچے، ناشکری مت کر خود کوئی کام کیوں نہیں کرتا...... ایک لڑکی کمانے والی...... اس کے پیسوں میں، میں کیا کیا کروں؟" نسیمہ بیگم نے سلمان کا ہاتھ پکڑ کر واپس دستر خوان پر بٹھاتے ہوئے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

"اماں کل تم ضرور بھائی کے لیے چکن کڑاہی پکا دینا میں کام پر مزید دو گھنٹے رک جاؤں گی۔" حجاب نے کھانا کھاتے ہوئے آہستگی سے کہا۔ قریب سے گزرتی ایک خاتون کا دھکا اسے واپس حال میں کھینچ لایا۔

"یا اللہ میری بہن...... میرے منہ کے ذائقے کے لیے...... میری ذمے داریاں پوری کرنے کے لیے بھیک مانگتی رہی...... اور ہم اسے برا بھلا کہتے رہے...... اسے بد کردار سمجھتے رہے...... ارے میری بہن جیسا کردار تو کسی کا ہو ہی نہیں سکتا......" سلمان...... دکھے دل...... روتی آنکھوں اور بے جان وجود کے ساتھ اس فقیرنی کو جو اس کی سگی بہن تھی...... جو ایک عظیم بیٹی اور باکردار بہن کو بھیڑ کا حصہ بنتے دیکھتا رہا...... اور پھر ضمیر کے کوڑے اس کے لیے ناقابلِ برداشت ہوگئے...... وہ ایک ڈھیر کی طرح زمین پر بیٹھتا چلا گیا...... اس نے اپنا گریبان پھاڑ لیا، مٹھی بھر بھر کر ریت سر پر ڈال کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔

وہ رو رہا تھا، چیخ رہا تھا اپنے آپ کو پیٹ رہا تھا اور ہاتھ جوڑ جوڑ کر معافیاں مانگ رہا تھا آس پاس سے گزرتے لوگ حیران ہو کر دیکھ رہے تھے...... کہ یہ اکیلا بیٹھا روتا بلکتا نوجوان آخر کس سے معافی مانگ رہا ہے۔

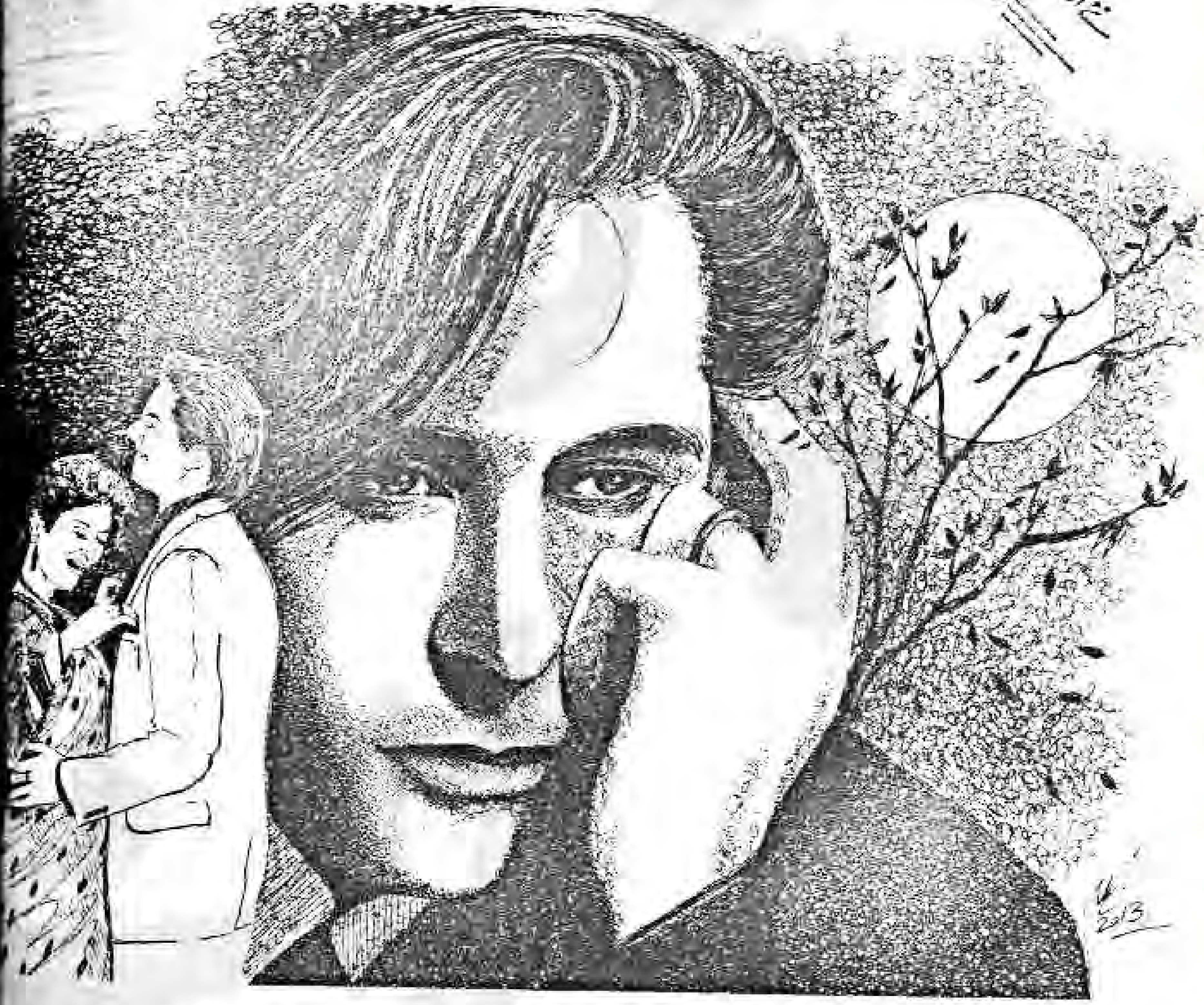
کوئی نہیں...... ہاں کوئی نہیں جان سکتا تھا کہ ان کی حجاب نے انہیں خود بے حجابی سے بچا لیا تھا۔



شامِ شہر یاراں

عنیزہ سید

قسط 14



زندگی اور محبت کے رنگ کبھی کوئی گن نہیں سکا ہے... خیر وشر، نیکی او ربدی... زندگی کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں مگر ایمان کی طاقت... ہر برائی پر حاوی ہوجاتی ہے اور اسی طاقت کی بدولت صحرا بھی ستاروں کا آنگن بن جاتا ہے۔

ہماری مایہ ناز مصنفہ عنیزہ سیّد نے اس ناول میں صحرا کی ریت میں کس طرح پھول اگائے ہیں یہ آپ کو ناول پڑھ کر ہی پتا چلے گا۔

رنگ و خوشبو کے حُسن و خوبی کے
تم سے تھے جتنے استعارے تھے

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

محمود دُرّانی اور مہرین کی تیسری اولاد حمزہ، مہرین کی زچگی میں پیچیدگی کے باعث نانی کے پاس ان کے آبائی گھر سیالکوٹ میں پروان چڑھتا ہے۔ جہاں نگین اس کے ماموں کی بیٹی سے اس کی خوب گاڑھی چھنتی ہے۔ علینہ کے والدین، نادیہ اور سعید کیانی نے کورٹ میرج کی تھی مگر شادی کے تین سال بعد سعید کیانی بیوی کو داغِ مفارقت دے گئے۔ آکسفورڈ کا پروردہ سردار مہرزاد خان اپنے باپ کے سیاسی قتل کے بعد حادثاتی طور پر سیاست میں شامل ہوا تھا اور زرنگار کے حسن و ذہانت کا شکار ہو چلا تھا...... بینش دو بھائیوں کی اکلوتی بہن، اپنی ضد اور صرف بھائیوں کے تعاون سے نیشنل کالج آف آرٹس میں تعلیم حاصل کر رہی تھی جہاں اس کا سینئر ساتھی دانیال اس سے ہر ممکن تعاون کرتا تھا۔ ایک پاکستانی مسلمان مرد اور بدھ مذہب کی پیروکار چینی عورت کی بیٹی زوئی حسین چین سے آکر پاکستان میں فارمیسی کی تعلیم حاصل کرتی ہے۔ دانیال آرٹ کا عشق رکھنے کے ساتھ فلائنگ میں بھی مہارت حاصل کرنا چاہتا ہے اور ایک دن طیارے کے دھویں سے نقش و نگار بنانے کی کوشش میں حادثے کا شکار ہو جاتا ہے۔ نادر، حمزہ سے ملتا ہے اور اسے کہتا ہے کہ اگر زوئی قصوروار ہوئی تو وہ خود اسے لے کر آئے گا۔ حمزہ کہتا ہے کہ اسے اب تنگ نہیں کیا جائے گا۔ علینہ اچانک فہد کی آمد سے بہت خوش ہوتی ہے لیکن جب وہ یہ سنتی ہے کہ وہ میرال کی تلاش میں آیا ہے تو یہ اسے اچھا نہیں لگتا۔ نادر اپنے گھر میں زوئی کو دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔ ییشل، مہرزاد کو سنبھل کر چلنے کا مشورہ دیتی ہے۔ مہرزاد حلف اٹھانے کے بعد سوچ رہا تھا کہ حلف اٹھانے والوں کو حلف کے الفاظ یاد بھی رہتے ہوں گے کہ وہ ان پر عمل کر سکیں۔ مہرین، حمزہ پر شادی کے لیے زور ڈالتی ہے لیکن وہ پس و پیش سے کام لیتا ہے تو محمود درانی کہتے ہیں کہ وہ کوشش کریں گے کہ وہ اس کی جاب اس کو اپرووَل دلا دیں۔ زرنگار کو اس خصوصی نمبر سے دبئی روانگی کا پیغام ملتا ہے اور پھر امراؤ بیگم کہتی ہے کہ سردار صاحب نے ٹکٹ بھیجا ہے۔ گڈی، مہرزاد سے کہتی ہے کہ اسے وزارت کا عہدہ ملنے کی خوشی میں بپا کی گئی تقریب میں زرنگار کو بلانا چاہیے تھا۔ علینہ، فہد کو بتاتی ہے کہ ایک سوشل ویب سائیٹ پر میرال صلاح الدین کے نام کا صفحہ موجود ہے۔ میرال کو بتایا جاتا ہے کہ اس کا نام ایگزٹ کنٹرول لسٹ میں شامل ہے اس لیے وہ دبئی نہیں جا سکتی۔ میرال حیران ہوتی ہے کہ وہ لوگ اسے کہاں لے کر جا رہے ہیں۔ مہرزاد کے آدمی اسے بتاتے ہیں کہ میرال کو بڑے گھر لایا گیا ہے۔ مہرزاد فون کرنا چاہتا ہے لیکن میرال سے رابطہ ممکن نہیں ہوتا۔ زوئی ٹیکسی کر کے میرال کی گاڑی کا پیچھا کرتی ہے۔ نادر، حمزہ محمود کو میرال کے بارے میں بتاتا ہے...... عافیہ ویب سائیٹ پر فہد کا میسج پڑھ کر اس سے رابطہ کرنے کا سوچتی ہیں۔ مہرزاد خان اپنی برادری کے لوگوں پر میرال کے سلسلے میں دباؤ ڈالتا ہے۔ ییشل، مہرزاد خان کی نیوز اینکر کے ساتھ منعقد کی گئی میٹنگ دیکھتی ہے تو اسے کچھ غیر معمولی محسوس ہوتا ہے۔ فہد اور حمزہ، دانیال اور عافیہ سے ملنے آتے ہیں۔ علینہ، فہد کے جانے کے بعد سوچتی ہے کہ اس کے ہونے سے کتنی رونق ہو گئی تھی۔ فہد، دانیال، عافیہ اور حمزہ سے کہتا ہے کہ اسے اپنے کچھ کانٹیکٹ آزما لینے دیں۔ مہرزاد کے انداز میں غیر معمولی تبدیلی پر ییشل حیران ہوتی ہے۔ نادر کی ماں اسے کہتی ہے کہ اس کی تجنیس آ رہی ہیں، وہ دونوں اپنا گروپ بنا لیتے ہیں۔ دانیال، بینش سے کہتا ہے کہ وہ اسے پرپوز کرنا چاہتا ہے۔ زرنگار کو ایک شخص لینے آتا ہے تو وہ اسے کہتی ہے کہ وہ اس پر یہ احسان کرے کہ اس کی زندگی ختم کر دے لیکن وہ ایسا کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ مہرزاد کے پاس اس کے نانا کا فون آتا ہے کہ... زرنگار جلد ہی اس تک پہنچنے والی ہے اور اب اسے اپنی ماں کی خواہش کا احترام کرنا ہوگا۔ وہ مہرزاد خان سے کہتے ہیں کہ وہ اپنی ٹون بدلے...... فہد، عافیہ اور حمزہ کو بتاتا ہے کہ میرال کو اس رات جس عمارت میں لے جایا گیا اس کا محرک مہرزاد نہیں ہے۔ دانیال کہتا ہے کہ لڑکی کو اگر وہاں سے نکالنا ہے تو پرائیویسی کو چھوڑنا ہوگا جس پر حمزہ، فہد اور عافیہ سب ہی خاموش رہتے ہیں۔ بینش کی ماں اس سے کہتی ہے کہ اب پڑھائی چھوڑ کر شادی کی فکر کرے۔ بینش ماں سے کہتی ہے کہ وہ تھوڑا انتظار کرے۔ زرنگار، مہرزاد سے کہتی ہے کہ اگر اسے پتا ہوتا کہ اسے مہرزاد کے سامنے لایا جا رہا ہے تو وہ یہاں نہ آتی اپنی زندگی ختم کر لیتی۔ مہرزاد، زرنگار کو یقین دلاتا ہے کہ اسے اب یہاں کوئی خطرہ نہیں...... وہ یہاں محفوظ ہے لیکن زرنگار کو اس کی کسی بات پر یقین نہیں آتا...... امراؤ بیگم کو پولیس پکڑ لیتی ہے۔ فہد، چیف منسٹر سے ملتا ہے لیکن اسے چیف منسٹر سے مل کر بھی کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ حمزہ، نگین کو بتاتا ہے کہ اس نے سیالکوٹ والا گھر ماموؤں سے خرید لیا ہے۔ بینش کی ماں اسے بتاتی ہے کہ وہ اپنے بھائی کے بیٹے سے اس کا رشتہ کر رہی ہے۔ نادر، زوئی سے کہتا ہے کہ اس کے پاس ایجنسی والوں کا فون آیا تھا۔ مہرزاد، عافیہ کو ملنے کے لیے بلاتا ہے۔

اب آگے پڑھیں

وہ کیا کہہ رہا تھا...... خود کو کیا قرار دے رہا تھا عافیہ کو اس کی بات پر غور کرنے اور سمجھنے میں مشکل پیش آ رہی تھی۔ وہ بے یقینی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ اب تک انہوں نے جو کچھ اس کے بارے میں سنا اور پڑھا تھا، اسے سننے اور پڑھنے کے بعد ان کے ذہن نے اس کا ایک خاکہ تیار کر رکھا تھا...... وہ ایک چالباز، مکار، کرپٹ، عیاش، ہمہ وقت اقتدار میں رہنے والے کروک شخص کا بیٹا تھا، ملکی تاریخ کے اکثر ایسے سیاست دانوں کے بیٹوں کی طرح آکسفورڈ، کیمبرج یا ہاورڈ سے پڑھا ہوا تو ضرور تھا مگر اس کی جبلّت میں وہی مکاری، کرپشن، عیاشی اور چالبازی موجود تھی جو اس کے خاندان سے تعلق رکھنے والے تمام سیاست دانوں کا خاصہ تھی۔ اسی شخص کے ہاتھوں ایک معصوم لڑکی کا اغوا ہوا تھا، اسی نے اُسے ... حبس بے جا میں رکھا ہوا تھا اور یہ ہی شخص اس کی عصمت پامال کرنے کے جرم میں سنگساری کا سزاوار قرار دیے جانے کا مستحق تھا۔ ان کے ذہن میں اس کا یہ خاکہ پختہ اور مکمل تھا مگر اس وقت وہ کیا سنا رہا تھا۔ وہ زرنگار کو میرال صلاح الدین ڈکلیئر کر رہا تھا۔ خود کو اس کے اغوا کے الزام سے بری قرار دے رہا تھا۔ میرال کی عصمت کو اپنی عزت بتا رہا تھا اور سب سے بڑھ کر وہ صوفی صاحب اور ان کی دعاؤں سے واقفیت کا حال سنا رہا تھا۔ عافیہ کا ذہن اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر پلٹے کھانے لگا تھا۔ وہ کس بات کو سچ سمجھیں کس کو جھوٹ، کس کو درست قرار دیں کس کو غلط......

''میں نے غلط کیا جو اکیلی چلی آئی...... دانیال کو ساتھ لانا چاہیے تھا۔'' انہوں نے ماؤف ہوتے دماغ کو قابو کرتے ہوئے سوچا۔

''میں جانتا ہوں کہ آپ کو میری ایک بھی بات پر یقین نہیں آ رہا ہوگا۔'' وہ ان کے چہرے کے تاثرات کو جانچتے ہوئے بولا۔ ''آپ نے اپنے ذہن میں جو میرا خاکہ تیار کر رکھا ہے اس کے مطابق آپ کو ایسا ہی سوچنا چاہیے۔''

عافیہ نے نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا، یقیناً ان کی نظروں میں تذبذب تھا۔

''آپ بھی غلط نہیں سوچ رہیں......'' اس نے سر جھکایا...... ''میری بدقسمتی کہ میری فیملی ہسٹری اور میرے موجودہ حالات، میرے بارے میں ایسے ہی خیالات کو جنم دے سکتے ہیں۔'' اس کی مسکراہٹ میں طنز کی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔

''لیکن مجھے خود کو ایسے امیج سے آزاد کروانے میں کوئی دلچسپی بھی نہیں۔'' اس نے عافیہ کو یقین دلانے کے سے انداز میں دیکھا۔

''ہاں مگر آپ کے سامنے......'' پھر وہ گہری سانس لیتے ہوئے سر اٹھا کر چھت کی طرف دیکھنے لگا۔ ''بلکہ شاید ہر اس شخص کے سامنے جس کا تعلق کسی نہ کسی طرح میرال صلاح الدین سے ہے، میں اپنی بے گناہی کا گواہ بننا چاہتا ہوں۔''

عافیہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا...... وہ بھی انہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''بلکہ اپنی کیا...... میرال صلاح الدین کی بے گناہی کا گواہ بننے کی خواہش رکھتا ہوں۔''

''تم بات کو گھما پھرا کر مت کرو......'' عافیہ نے بہ مشکل اپنے دل کی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ''تم جانتے ہو کہ تمہارے خلاف عوامی سطح پر ایک لابی سرگرم ہو رہی ہے اور تم آج کے دور میں سانس لے رہے ہو، آج کا دور......'' وہ سانس لینے کو رکیں...... ''جس میں آوازوں کو دبانا اور سروں کو کچلنا تمہارے باپ دادا کے

ادوار کی نسبت خاصا مشکل ہو چکا ہے۔" اپنی بات ختم کرنے کے بعد عافیہ نے دُزدیدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ اپنی بات کے ردِعمل میں اس کے چہرے کے تاثرات جاننا چاہ رہی تھیں۔ وہ عمر میں اس سے بڑی تھیں، ان کا ایمان بہت مضبوط تھا اور وہ خاصی خوداعتماد۔ بھی تھیں لیکن نہ جانے اس شخص کی شخصیت میں ایسی کیا خاص بات تھی کہ جو وہ خود کو اس سے دبتا ہوا محسوس کر رہی تھیں۔

"دور آج کا ہو یا گزرے کل کا......" انہوں نے دیکھا ان کی بات سن کر مسکراتے ہوئے کچھ دیر اس پر غور کرنے کے بعد وہ بولا تھا۔" یا اس سے بھی پہلے کل کا، آوازیں دبانے اور سر کچلنے کی روایتیں ختم نہیں ہو سکتیں اگرچہ ان پر عمل کے طریقے بدل چکے ہیں، بدلتے رہے ہیں اور بدلتے رہیں گے لیکن آپ اطمینان رکھیے۔" وہ ان کے سامنے دھرے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "میں چنگیز خان جیسی صفات رکھنے والوں کے خاندان سے ضرور تعلق رکھتا ہوں مگر چنگیز خان کے بھی کچھ اصول ایسے تھے جن کی وجہ سے وہ اپنے دور کے جنگجوؤں میں ممتاز ہوا، یاد رکھیں چنگیز خان بھی اپنی ماں کا بے حد احترام کرتا تھا اگرچہ اس بات کا ذکر تاریخ میں بہت کم ہوا۔"

"واہ...... مثال دینے کو تمہیں چنگیز خان ہی یاد آیا۔" عافیہ نے بے اختیار کہا۔

"ہوں......" وہ مسکرایا۔ "اس لیے کہ میں ایک سپہ سالار کی حیثیت میں اس کا بہت بڑا مداح ہوں، وہ صحیح معنوں میں ایک قابل ترین سپہ سالار تھا۔"

"ظاہر ہے جیسی تمہاری فطرت ہے ویسی ہی مثالیں بھی تمہیں بھاتی ہوں گی۔" عافیہ نے ناگواری سے کہا۔ "جب ہی اُس سے متاثر ہو کر کھوپڑیوں کے بجائے مُردہ روحوں کے مینار کھڑے کرنا تمہارا خاندانی مشغلہ ٹھہرا۔"

"مجھے آپ کی اس بات سے اختلاف ہو رہا ہے، روحیں مُردہ نہیں ہوتیں، جسم مُردہ ہو جاتے ہیں، روحیں تو عالمِ بالا کی طرف پرواز کر جایا کرتی ہیں۔ عالمِ ارواح میں جا کر واپس رجسٹر ہو جاتی ہوں گی۔"

"باتوں کے توتے، مینا بنا کر ہی تو تم لوگ عام عوام کو بے وقوف بنایا کرتے ہو اور پھر ان سادہ لوحوں کے ووٹوں کے ذریعے اقتدار کے ہما پر اپنی گرفت جاری رکھتے ہو۔" عافیہ اس کی بات سے متاثر نہ ہوتے ہوئے بولیں۔ "خیر" پھر انہوں نے سر جھٹکا...... "میں تم پر واضح کر دینا چاہتی ہوں کہ میں تمہاری باتوں میں آنے والی نہیں...... میں کانوں سنی پر نہیں آنکھوں دیکھی پر یقین رکھتی ہوں۔"

"خوب......" اس کی مسکراہٹ گہری ہونے لگی۔ "ابھی تک جس مفروضے کو لے کر آپ اپنے خیال میں ایک تحریک کو کمانڈ کر رہی ہیں، اس مفروضے کے کتنے مندرجات آپ نے آنکھوں سے دیکھ رکھے ہیں؟" عافیہ کے پاس اس کے سوال کا جواب نہیں تھا۔

"میں جانتی ہوں مجھے یہاں بلانے کا مقصد صرف اور صرف اس تحریک کو کنٹرول کرنا ہے۔" انہوں نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ "سیاست دانوں کے پاس مختلف ہتھکنڈے ہوتے ہیں تحریکوں کو کنٹرول کرنے کے...... لیکن میں واضح کر دوں، ہماری آواز بند ہو گی نہ ہی جدوجہد رکے گی۔ تم خود کو چاہے کتنا ہی پارسا ثابت کرنے کی کوشش کیوں نہ کر لو، یہ سچ ہے کہ میرال اب بھی تمہارے قبضے میں ہے، ایک معصوم بے گناہ لڑکی کے ساتھ جو ظلم تم نے کیا ہے اس پر تو آسمان بھی کانپ اٹھا ہو گا، تمہیں یونہی چھوڑ دینے کے گناہ میں کم از کم میں شریک نہیں ہو سکتی...... بھلے تم اپنے اقتدار کے نشے میں مجھ سے اور میری فیملی سے کیسا ہی سلوک کر لو۔" انہوں نے یہ بات

مہرزاد خان کی طرف دیکھے بغیر کہی تھی۔

☆☆☆

"آپ کا تو کچھ کہہ نہیں سکتا مگر میرا دماغ ابھی چل نہیں گیا جو میں ماے ممتاز سے کہوں کہ ہمارے گھر رشتہ ڈالے۔" بینش کے بڑے بھائی سلیم نے رات کے کھانے کے دوران گفتگو میں اپنی اماں کے نئے اور نادر خیال کو سننے کے بعد کہا۔

"بندے کو اپنی اوقات میں ہی رہنا چاہیے سلیم۔" اماں نے بیٹے کے جواب کی وجہ سمجھتے ہوئے کہا۔ "بندہ اپنے جیسوں میں ہی رہتا، بستا، جچتا ہے۔"

"نہ اماں نہ......" سلیم نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "بینش ہماری اکلوتی لاڈلی بہن ہے، اسے اتنا پڑھا لکھا کے ماے ممتاز کے گھر کیسے بیاہ دیں، جس کے گھر کے کونے، کونے سے جہالت ٹپکتی سامنے سے ہی نظر آ جاتی ہے۔"

"یہ سلیم ہے ناں......" اماں نے ناراض ہوتے ہوئے چھوٹے بیٹے کلیم کی طرف دیکھا۔ "اسے تو شروع سے ہی بڑے لوگوں میں بہنے کھلونے (بیٹھنے کھڑے ہونے) کا شوق ہے، تو بتا تو، تو سمجھ رہا ہے ناں میری بات۔"

"میں نے کیا سمجھنی ہے بات......" کلیم نے روغنی نان پر تلی ہوئی مچھلی کا بڑا سا ٹکڑا رکھ کر اسے رول کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "میرے پلّے تو اس بے وقت کی راگنی کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی، کدھر تو گلبرگ، کینٹ، جوہر ٹاؤن میں رہنے والوں کے رشتے دیکھنے کی بات کر رہی تھی اماں، کدھر ماے ممتاز کا پسر ور اب نظروں میں سما گیا۔"

"بس میں نے سمجھ لیا ہے، اونچے خواب دیکھنے لگو تو بندے کو اپنی اُڈیاں (ایڑیاں) بھی اوپر اٹھانی پڑتی ہیں۔" اماں نے ہاتھ جھٹکتے ہوئے کہا۔ "اور بندہ زیادہ دیر پباں بھار (پنجوں کے بل) کھڑا نہیں ہو سکتا، اڈیاں واپس اپنی جگہ پر لگانی پڑتی ہیں، اس کا قد واپس اپنی جگہ پر آ جاتا ہے اور وہ جن کی ہمسری کے خیال سے پباں بھار (پنجوں کے بل) کھڑا ہوتا ہے، وہ اس کا قد بُت پہچان کر منہ موڑ لیتے ہیں، بھا ممتاز کے گھر رشتہ دے کر ہمیں اپنی اڈیاں اٹھانی نہیں پڑیں گی بلکہ اس کی اٹھیں گی، وہ تھک کر واپس زمین پر اڈیاں لگا بھی دے گا ناں تو ہمیں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ہمیں تو پہلے ہی پتا ہے اس کا قد بُت کتنا ہے۔" اماں کی زندگی کے تجربوں سے لبریز ان باتوں پر پہلے تو وہ انہیں دیکھتا رہ گیا۔

"واہ اماں واہ...... آپ نے بھی لگتا ہے کتابیں پڑھ لی ہیں، بینش کے پاس بیٹھ کر، بڑی بڑی باتیں کرنے لگی ہو۔" اس نے مچھلی کے کانٹے منہ سے نکال کر پلیٹ میں رکھتے ہوئے کہا۔

"سولہ آنے سچ کہہ رہی ہوں سلیم، وقت پر عقل پر ہتھ (ہاتھ) ڈال لینے میں ہی فائدہ ہے۔" اماں اصل بات دل میں رکھتے ہوئے سلیم کو سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"رہنے دے اماں، عقل کو بھی اور ہاتھ کو بھی...... ہماری بینش ہیرا ہے ہیرا...... ہم اسے راکھ میں رُلنے کے لیے ماے ممتاز کے گھر بیاہ دیں......؟" سلیم نے دسترخوان سے ہاتھ پونچھتے ہوئے اماں کی نادر تجویز کو سرے سے رد کرتے ہوئے کہا۔

"بینش کو پڑھائی مکمل کر لینے دے...... پھر ہم اس کے لیے شہزادہ ڈھونڈ ہی نکالیں گے تو فکر نہ کر، اپنی

بینش شہزادی ہے شہزادی، اس کے ساتھ کوئی شہزادہ ہی جچے گا نا کہ ماموں ممتاز کا جوڑی چوگا ٹھ والا...... کیوں بھئی کلیم!" اس نے اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بھائی کی طرف دیکھا، دونوں بھائی ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر ہنس دیے۔ اماں کی تجویز ہنسی، ہنسی میں اُڑ گئی۔ وہ بیٹوں کو اصل بات بتانے سے کترا رہی تھی۔ ان کے مزاجوں سے واقف تھی، بہت اچھی طرح جانتی تھی اصل بات بتائے گی تو یہی بھائی جو بینش کو شہزادی قرار دے رہے تھے اُسے اگلے ہی روز ماموں ممتاز کے گھر تو کیا اس سے چھوٹے ماموں ریاض کے گھر بھی بیاہنے پر تیار ہو جائیں گے جس کا بیٹا کسی موٹر الیکٹریشن کے پاس ابھی کام سیکھ رہا تھا اور جس کا کام میں ابھی ہاتھ بھی سیدھا نہیں ہوا تھا۔

☆☆☆

عافیہ کے فون کی اسکرین نے روشن ہو کر انہیں دانیال کی کال کا اشارہ دیا تھا۔ انہوں نے ایک نظر مہرزاد خان کی طرف دیکھا اور پھر فون آن کر کے کان سے لگا لیا۔

"آپ خیریت سے تو ہیں ناں ممی...... اس (گالی) نے آپ سے کوئی بدتمیزی تو نہیں کی؟" دانیال کے لہجے میں شدید بے چینی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں دانیال......" عافیہ نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "گالی مت دو، تم جانتے ہو گالی دینا کیسا گناہ ہے۔"

"آئی ایم سوری ممی۔" دانیال کے لہجے میں شرمندگی ظاہر ہوئی۔ "لیکن جو شخص سراپا گالی ہو اسے کسی اچھے نام سے کیسے یاد کیا جا سکتا ہے۔"

"کبھی ایسا بھی ہوتا ہے دانیال کہ ہم حقیقتوں سے دور...... حقیقتوں سے بے خبر...... انہیں اپنی ہی نظر سے دیکھ رہے ہوتے ہیں، ہماری نظر پر ہماری سوچ زاویۂ نظر بن کر چھائی ہوتی ہے، ایسے میں حقیقتوں کو قریب سے دیکھنے پر ہم اچانک ہڑبڑا جاتے ہیں، کچھ ایسا ہی میرے ساتھ بھی ہو رہا ہے اس وقت، اس وقت میں ہڑبڑائی بلکہ بوکھلائی ہوئی ہوں، میرا انتظار کرو، گھر آ کر تم سے بات کرتی ہوں۔" عافیہ نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا اور فون بند کر کے ایک بار پھر مہرزاد خان پر نظر ڈالی جو انہیں غور سے دیکھ رہا تھا۔

"میں آپ کی اس ہڑبڑاہٹ اور بوکھلائے جانے کی صورتِ حال پر معذرت خواہ ہوں۔" وہ ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "میرا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا۔"

"میں نے اپنے بیٹے سے سچ بولا ہے۔" عافیہ نے جواب دیا۔ "حقیقت کو قریب سے دیکھنا ایک الگ ہی تجربہ ہے، اس وقت میں محسوس کر سکتی ہوں کہ خود پر کیچڑ اچھلتے ہوئے دیکھ کر تمہیں کیسا لگتا ہو گا۔"

"مجھے برا نہیں لگنا چاہیے تھا۔" وہ نرمی سے بولا۔ "کیچڑ میں کھلے کنول تک رسائی حاصل کرنے کی خواہش کرتے ہوئے مجھے معلوم ہونا چاہیے تھا کہ میرے اپنے ہی قدم کیچڑ میں پڑنے سے کیچڑ اچھلے گی بھی اور مجھ پر اس کے چھینٹے بھی پڑیں گے، میرے لیے یہ صورتِ حال غیر متوقع نہیں تھی۔"

عافیہ کچھ سوچتے ہوئے غور سے مہرزاد خان کو دیکھ رہی تھیں۔ ان کی بدگمانی، شکوک اور نفرت کا احساس دور کرنے کے لیے مہرزاد خان نے کچھ زیادہ وقت نہیں لیا تھا۔ اس نے صرف پینتیس منٹ کے اندر امراؤ بیگم کے ٹھکانے تک اتفاقیہ رسائی اور زرنگار سے ملاقات سے لے کر ایک ہزار راتوں کے معاوضے، کہانیاں کہنے اور کہانیاں سننے کے عمل، بدصورتی میں چھپی خوب صورتی کو بدصورتی سے نکال لینے کی کوششوں اور پھر ایک

طویل اعصابی جنگ کے بعد اپنی کوشش میں کامیابی کی داستان انہیں سنا ڈالی تھی۔ پینتیس منٹ کا عرصہ بہت مختصر مگر مہرزاد خان کا بیان جامع اور مکمل تھا۔

"پتا نہیں کیوں......" عافیہ نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔ "تمہاری بات پر یقین کرنے کو دل چاہ رہا ہے اگرچہ دل یہ بھی کہہ رہا ہے کہ تم جس بھنور میں پھنسے ہوئے ہو اس بھنور کے قریب تک بھی پارسائی نام کی شے نہیں پھٹکتی مگر میرال کے بارے میں تمہارا بیان ایسا ہے کہ اس کی سچائی کی ایک نامحسوس مگر عجیب سی گواہی کہیں سے آتی محسوس ہو رہی ہے۔"

"میرے لیے یہ سب اطمینان کا باعث ہے۔" مہرزاد خان نے متانت سے کہا۔

"زرنگار کو میرال جاننا اور صوفی صاحب کی دعاؤں کا ذکر...... دو ایسی باتیں ہیں جو صرف اُسے ہی معلوم ہو سکتی ہیں جس کو میرال نے خود یہ دونوں باتیں بتائی ہوں۔" عافیہ نے مزید کہا۔

"اسی لیے میں نے آپ کو بتایا کہ میں "زرنگار" کے قریب کہانیاں کہنے اور کہانیاں سننے کے لیے گیا تھا۔ میرے پاس تو سنانے کو کچھ ایسے الفاظ ہی تھے جن سے اس کا اعتبار مجھ پر بندھ جاتا مگر اس کے پاس سنانے کو بہت کچھ تھا، وہ بہت کچھ جس کا میں نے مختصراً آپ سے ذکر کیا۔"

"پتا نہیں......" عافیہ نے جھرجھری لیتے ہوئے کہا۔ "پتا نہیں کیوں، میرال کے متعلق وہ سب سن کر ڈسکس کرتے ہوئے جو ہم تک پہنچا... یا ہم نے خود assume کر لیا، میرے ذہن میں ایک ہی بات گردش کرتی تھی کہ اگر وہ اتنے برے حالات کو پہنچ چکی ہے جو ہم سوچ رہے ہیں تو اس کے لیے صوفی صاحب جو دعائیں کیا کرتے تھے جس طرح وہ آنٹی رابعہ کو تسلی دیا کرتے تھے پھر اس کی تو کوئی حقیقت نہ ہوئی ناں جبکہ میں نے اپنے بیٹے کے سلسلے میں خود ان کی یقین دہانیوں کو معجزے کی شکل میں حقیقت میں ڈھلتے دیکھا ہے، جب سب مایوس تھے ایک صرف وہ تھے جو یقین دلاتے تھے زندگی عطا کرنے والے کی ذات بہت بڑی ہے، وہ دنیا سے جاتے، جاتے اپنے جانے اور دانیال کی زندگی اور صحت کی خبر دے گئے، وہ انتہائی عبادت گزار، پرہیزگار، نیک اور متقی شخص تھے پھر ان کی دعائیں میرال کو کیوں نہیں لگیں، میں بارہا سوچتی تھی اور میرا ذہن اس سوال پر اٹک کر بند ہو جاتا تھا۔"

"میں صوفی صاحب کو نہیں جانتا، میں نے ان کا کبھی نام بھی نہیں سنا مگر میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ کچھ نیک لوگ جب دل سے دعا دیتے ہیں تو وہ دعا لگتی بھی ہے اور معجزے بھی دکھا سکتی ہے۔" مہرزاد خان نے کہا۔

"بہر حال......" عافیہ نے سر ہلایا۔ "جو تم نے سنایا میں جب تک میرال کو اپنی آنکھوں سے دیکھ اور کانوں سے اس سے یہ سن نہیں لوں گی کہ وہ امان میں ہے، تب تک دل سے یقین نہیں کر سکتی۔"

"آپ اس کا حق رکھتی ہیں۔" مہرزاد نے کہا اور اپنی کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر ڈالی۔

"تمہیں ثبوت دینا ہوں گے۔" عافیہ نے اپنے لہجے میں مضبوطی کا تاثر دیتے ہوئے کہا۔ "جب تک وہ نہیں ملتے، ہم اپنا کام جاری رکھیں گے۔"

"میں آج ہی میرال کو آپ کے حوالے کر دیتا کیونکہ میں بھی سمجھتا ہوں کہ میرے تحفظ میں رہتے ہوئے اسے تحفظ تو ضرور ملتا رہے گا مگر اس کے متعلق شکوک بدستور جاری رہیں گے مگر حالات اتنے پیچیدہ ہو چکے ہیں کہ فی الحال یہ ممکن نہیں، اسے آپ کے حوالے کر دینا آپ اور اس کی، دونوں کی سلامتی کو خطرے میں

ڈالنے کے مترادف ہوگا۔'' مہرزاد نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''اور رہا آپ کا کام...'' وہ مسکرایا۔ ''آپ اسے شوق سے جاری رکھ سکتی ہیں مگر یہ مت سمجھیے گا کہ آپ کے اس کام سے گھبرا کر میں نے آپ کو کوئی ''ڈیل'' کرنے کے لیے یہاں تک آنے کی زحمت دی ہے، ہمارے ساتھ تو اب یہ روٹین بن چکی ہے۔ ہم ہمہ وقت، اٹھی انگلیوں، سوالیہ چہروں، مشکوک اشاروں، اچھلتی کیچڑ اور غلیظ گالیوں کی زد میں رہتے ہیں، اس دورِ جدید نے سیاست کو گالی میں تبدیل کر رکھا ہے پھر بھی ہم سیاست ہی کے ذریعے تبدیلی کے خواہش مند بھی ہیں۔'' اس کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ تلخ ہوگئی۔

''مجھے سیاست میں کوئی دلچسپی ہے نہ غرض......'' عافیہ نے کہنا چاہا۔

''مگر مجھے اس بات میں دلچسپی ضرور ہے کہ ''میرال......'' کے نام پر سیاست نہ کی جائے کیونکہ وہ میرا سیاسی نہیں ذاتی معاملہ ہے۔'' مہرزاد نے عافیہ کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

عافیہ نے چونکتے ہوئے اس کی طرف دیکھا...... انہیں مہرزاد خان کے چہرے پر ایک تحریر واضح ہوتی دکھائی دی۔

''ٹھیک ہے۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولیں...... ''مجھے امید ہے کہ تم جتنی جلدی ممکن ہوا سے ہم تک پہنچا دو گے بظاہر وہ لاوارث نظر آتی ہے مگر تمہیں اندازہ نہیں کہ اس کے لیے چلائی تحریک میں کہاں، کہاں سے کون، کون سے مضطرب لوگ ایک، ایک کر کے ہم سے ملتے چلے گئے، یوں جیسے اس کے لیے ایک پورا خاندان سا بن گیا۔ ماں، باپ، بہن بھائی دوست سب رشتے اس کے اردگرد نظر آتے ہیں۔''

''میں سمجھ رہا ہوں اور میرا دل خوشی کی کیفیت بھی محسوس کر رہا ہے۔'' مہرزاد نے بازو کمر کے پیچھے باندھتے ہوئے کہا۔ ''میرا یقین اور بھی مضبوط ہونے لگا ہے کہ وہ یقیناً کسی کی دعاؤں کے حصار میں ہے۔ جب ہی تو میری نظروں نے اسے لوکیٹ کیا اور میرے اعصاب نے اسے وہاں سے نکال لینے کی تحریک پکڑی...... وہ یقیناً بہت خوش قسمت اور بلند بخت ہے ورنہ ان حالات میں کبھی اس طرح بچ نہ پاتی۔''

''ہوں۔'' عافیہ نے اس کی بات سن کر سر ہلایا۔ ''میں اب چلوں گی۔''

''ایک بار پھر آپ کو یہاں بلانے کی گستاخی پر معذرت خواہ ہوں۔'' مہرزاد نے کہا۔ ''ماؤں کو بلایا نہیں جاتا، خود ان کے پاس جایا جاتا ہے مگر یقین جانیں یہ میری مجبوری تھی۔''

''کوئی بات نہیں، میرال تک رسائی کے لیے تو میں کہیں بھی جانے کو تیار ہوں۔'' عافیہ نے کہا۔

''ایک درخواست بھی کروں گا آپ سے۔'' مہرزاد نے آگے بڑھ کر عافیہ کے لیے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ ''اپنے صفحے کی تفصیلات کی مد میں لکھے اس جملے کو نکال دیجیے گا۔ جس میں بولڈ الفاظ میں لکھا گیا ہے کہ ''seeing is believing'' کیونکہ جو نظر آتا ہے ہمیشہ وہی سچ نہیں ہوتا۔''

عافیہ نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا اور آگے بڑھ گئیں...... سردار زادہ مہرزاد خان جسے دیکھنے پر وہ اسے گولی مار دینے کی خواہش مند تھیں سے ملاقات ان کی زندگی کے گنے، چنے انوکھے تجربات میں سے ایک ثابت ہوئی تھی۔

☆☆☆

وہ اُس جگہ پر قید تھی یا وہ جگہ اس کی ملکیت تھی، اس جگہ پر رہائش کے اوّلین دنوں میں اسے یہ خیال نہیں آیا تھا، ایک طویل اعصابی اور ذہنی مشقت جھیلنے کے بعد اسے چند ایسے دن میسر آئے تھے جن میں اس کے ذہن پر کوئی بوجھ تھا نہ دل میں خوف...... ''شدّاد کی جس جنت کا ذکر اس نے کتابوں میں پڑھ رکھا تھا وہ شاید ایسی ہی ہوگی۔'' وہاں رہتے ہوئے اس نے البتہ یہ ضرور سوچا تھا، وہ جس، جس جہنم سے گزر کر یہاں پہنچی تھی اس کے بعد اسے یہ جگہ انسان کی بنائی جنت ہی محسوس ہو رہی تھی لیکن پھر وہ اولین دن گزر گئے اور اس کی فطرت اس جگہ اور یہاں کے آرام و سکون کی عادی ہونے لگی۔ اس کے بعد ذہن میں سوال اٹھنے لگے اور دل اکتانا شروع ہوگیا، الجھنا شروع ہوگیا۔

''آخر مجھے یہاں بھیجنے اور رکھنے کا مقصد کیا ہے؟''

''کیا آپ مجھے یہاں قید رکھ کر وہ ذہنی مسرت حاصل کرنا چاہتے ہیں جو کہانیوں کے جن کو کسی شہزادی کو اپنی قید میں رکھ کر محسوس ہوا کرتی تھی؟''

''کیا مجھے ایسی جگہ زندگی کے باقی دن بلا کسی قصور سولٹری کنفائنمنٹ کی سزا کاٹتے گزار دینا ہوں گے...... یہیں میری زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا اور میں یہیں دفن کر دی جاؤں گی؟''

''یہ جگہ وہ رنگون ہے جو میرے لیے کالا پانی ثابت ہو رہا ہے۔''

مہرزاد خان کو اس کے خصوصی نمبر سے اب اسی قسم کے پیغامات موصول ہو رہے تھے، وہ یہ پیغامات بھیجتی تھی، ان کے جواب نہ آنے پر جھنجلاتی تھی اور چڑ کر پہلے سے بھی زیادہ تلخ اور سخت پیغامات بھیجتی تھی۔ رفتہ، رفتہ اُسے اس جگہ پر موجود ہر چیز سے اکتاہٹ محسوس ہونے لگی...... بیش قیمت سامان سے سجے کمرے، سبزہ، پھل، پھول، کتابیں، ٹی وی جس پر محدود اور مخصوص چینلز آتے تھے یہاں موجود اس کی

خدمت کے لیے ہمہ وقت مستعد ملازمین، اس کا دل ان سب سے اچاٹ ہونے لگا۔ وہ اس گھر کے خصوصی پریئر روم میں جاتی اور گھنٹوں کوئی دعا، کسی نماز، کوئی ایک آیت کی تلاوت کیے بغیر وہاں بیٹھ کر باہر نکل آتی۔

"کیا میرے دل پر جہل اور کفر کی مہر لگ چکی ہے؟"

"کیا میں سماعت رکھنے کے باوجود بہری، بصارت کے باوجود بے بصر اور قوتِ گویائی رکھنے کے باوجود گونگی ہو چکی ہوں؟"

"آزمائش کا ایک دور ختم ہونے کے بعد کیا آزمائش کا یہ نیا دور شروع ہو چکا جس میں، میں اپنے عمل میں آزاد اور کوئی عذر، کوئی دلیل میرے حق میں میرے کام نہ آئے گی؟"

سوال تھے، سوچیں تھیں اور اَن گنت الجھنیں تھیں...... شاید وہ ان سوالوں، سوچوں اور الجھنوں میں گھر کر ذہنی توازن کے بگاڑ کا شکار ہو جاتی اگر ایک خوشگوار شام کو بغیر کسی پیشگی اطلاع کے مہر زاد خان وہاں نہ آجاتا...... اس کی آمد کے ساتھ ہی پہلے سے ہمہ وقت مستعد عملہ اور بھی زیادہ مستعد اور مصروف نظر آنے لگا تھا۔ یوں جیسے زندگی نے ہڑبڑا کر سانس لی ہو...... اس کی طرح اس گھر میں ایک مخصوص روٹین میں مگن ہر شخص جیسے بوکھلا کر گہری نیند سے جاگا تھا۔ ہر طرف دوڑ، بھاگ، رفتار نظر آنے لگی تھی۔ اپنی آمد کے آدھے گھنٹے کے بعد ہی وہ میرال کے سامنے موجود تھا۔

"جی فرمائیں...... اب میری زندگی جو آپ کے اختیار میں ہے کہ بارے میں آپ کا اگلا فیصلہ کیا ہے، اب مجھے کن نئے حالات سے دوچار ہونا ہے؟" اس نے اس کے اپنے سامنے بیٹھتے ہی بغیر کسی سلام دعا کے چُبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا تھا۔ مہر زاد خان کے چہرے پر تذبذب کا سایہ جھلکا تھا۔ جسے دیکھ کر وہ اس کا جواب سنے بغیر ہاتھ اٹھا کر اسے تسلی دینے کے سے انداز میں بولی تھی۔

"فکر مت کیجیے، میں نے آپ کے اس اندازِ حکمرانی کے سامنے خود کو بے اختیار جانتے ہوئے اپنی ذہنی، روحانی اور جسمانی شکست تسلیم کر لی ہے، فرمائیں اگلا حکم کیا ہے؟ خاکسار کسی روبوٹ کے مانند اسے بجالانے کو تیار ہے۔"

"اچھا......" مہر زاد خان نے اپنے چہرے پر چھائے تذبذب اور حیرانی کو چھپانے کی کوشش میں مسکرا کر کہا۔ "تمہاری زبان اور تمہارا بیان، بڑا زبردست ہے، تمہاری ایک اضافی خوبی...... جس کی تعریف نہ کرنا بھی زیادتی ہوگی۔"

"تعریف و توصیف کے چکر کو اب جانے دیجیے سردار زادہ صاحب، اسی چکر میں پھنسا کر آپ نے مجھے سنہری خواب دیکھنے کی عادت ڈالی تھی لیکن اب یہ ہتھکنڈا پرانا ہو چکا، کوئی نیا حربہ آزمائیں......" وہ تلخی سے بولی تھی۔

"میرے اندازِ حکمرانی کے سامنے اپنی شکست تو تم تسلیم کر ہی چکی ہو پھر مجھے کوئی ہتھکنڈا آزمانے کی کیا ضرورت ہے۔" وہ اسی طرح مسکراتے ہوئے بولا تھا۔ میرال کے چہرے پر ایک تلخ اور طنز سے بھرپور مسکراہٹ پھیلی۔

"چلیں پھر میرے شکست تسلیم کر لینے کے اعلان کا جشن ہی منا لیجیے، آپ پورا حق رکھتے ہیں اس جشن کو منانے کا۔" اس نے اپنی بوجھل پلکوں میں چھپی غلافی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ غور سے

اسے دیکھ رہا تھا۔ اسی طرح جیسے وہ امراؤ بیگم کے ہاں گھنٹوں اس کے سامنے بیٹھا اس کی بیان کی جانے والی داستان سنتے ہوئے دیکھا کرتا تھا۔

"کیا دیکھ رہے ہیں؟" اس کی محویت سے گھبرا کر اس نے اپنے لہجے کو مزید کُھردرا بنایا۔ "شیر اپنے شکار کو کس زاویے سے بھنبھوڑنے میں زیادہ لذت محسوس کرتا ہے۔ یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے ہیں کیا؟"

"ہوں......" وہ چونک کر اپنی محویت سے باہر نکلتے ہوئے بولا۔ "شکر ہے تم نے مجھے شیر سے تشبیہ دے دی ورنہ شکار تو کتے بھی کرتے ہیں۔"

"آپ جیسے لوگوں کے شکرانے کے بھی کیا، کیا پیمانے ہوتے ہیں۔" وہ مزید تلخ ہوئی۔ "جانوروں سے تشبیہ دیے جانے پر ناراض ہونے کے بجائے شیر اور کتے کے فرق پر شکر ادا کر رہے ہیں؟"

"Do you know that you are sounding quite rude?"

مہر زاد اچانک سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا۔ میرال نے جواب دینے کے لیے منہ کھولا مگر مہر زاد نے ہاتھ اٹھا کر اسے بولنے سے منع کر دیا۔

"تمہارا اگرچہ اس میں کوئی قصور بھی نہیں ہے، تم جن حالات کا شکار رہی ہو ان کی وجہ سے تمہارا ایسا ہو جانا ایک فطری ردعمل ہے لیکن شاید مجھے ایسا لگتا ہے کہ تم پر یہ انداز جچتا نہیں یا شاید اب کے میں تم سے اس انداز کی توقع نہیں کر رہا تھا۔" مہر زاد کے لہجے میں نہ جانے ایسا کیا تھا کہ وہ جواب دینا چاہتے ہوئے بھی جواب نہیں دے پائی تھی۔

"میں دو ہفتوں سے تمہارے ایسے ہی پیغامات وصول کرتے ہوئے بھی اِسی الجھن کا شکار رہا ہوں جو آج تمہارے سامنے بیٹھ کر تمہاری باتیں سن کر میرے دل کو جکڑ رہی ہے۔" مہر زاد خان نے کہا۔ "شاید تمہیں اندازہ نہیں کہ کس آگ کے دریا سے گزرنے کے بعد تم یہاں پہنچی ہو...... یہ جگہ یا زندگی جو اِک کنارہ ہے ایسا کنارہ جس پر زندگی اپنی تمام تر خوب صورتیوں کے ساتھ بستی بسائے بیٹھی ہے۔"

"کیا میں آگ کے دریا سے گزر چکی ہوں؟" میرال نے ابرو چڑھاتے ہوئے اس سے سوال کیا...... "آپ کہتے ہیں کہ میں آگ کا دریا پار کر چکی ہوں۔" اب کے وہ طنزیہ انداز میں ہنسی...... "جبکہ مجھے ایسا لگتا ہے کہ آگ کا دریا بے کنار ہے، یہ چہار سو پھیلا ہوا ہے کیونکہ اس کا تو کوئی کنارہ ہی نہیں ہے۔"

اس کی بات غور سے سنتا مہر زاد اچانک اٹھ کر کھڑا ہو گیا...... اس نے ایک نظر میرال پر ڈالی اور پھر ایک لمبی سانس لیتے ہوئے چہرہ دوسری طرف پھیر لیا۔ اس کا یہ انداز اتنا نامانوس اور اجنبی تھا کہ وہ ایک لمحے کے لیے ٹھٹک کر رہ گئی تھی۔

"اگر میں تمہیں بتا دوں کہ آگ کے دریا میں ہاتھ پاؤں مارنے اور اس کیفیت میں ہونا جس میں تم اِس وقت ہو...... میں کیا فرق ہے تو شاید تم عمر بھر کسی بات کا شکوہ نہ تو اللہ سے، نہ ہی کسی انسان سے کر سکو، تم خود پر نازل ہونے والی blessings (اللہ کی جانب سے عنایات) کو دیکھ لو اور سمجھ پاؤ تو شاید یہ بھی بھول جاؤ کہ تم پر اتنے سال کیا، کیا بیتی!" مہر زاد خان کا لہجہ سنجیدہ اور سخت تھا۔ "مجھے تو تم پر کبھی، کبھی رشک آنے لگتا ہے۔" اس نے میرال کی طرف دیکھا۔ "اتنی deprived (محروم) اور پھر اتنی blessed، کاش تم جان پاؤ۔"

"میں یہ جان کر بھی کیا کر لوں گی، آپ کی deprivations اور blessings کے

وہ ادب کی کتاب جیسا تھا

بہاروں کی ایک خوشبو بھری صبح میں یہ خوب صورت تقریب...... میڈم فرزانہ امین چوہدری کے لیے سجائی گئی تھی جو تحصیل کوٹ مومن ہائیر سیکنڈری اسکول کی پرنسپل رہ چکی ہیں...... ان کے بیسویں گریڈ کی ترقی پر ان کے اعزاز میں یہ خوب صورت تقریب منعقد کی گئی جس میں اسکول وکالج کے اسٹاف کے علاوہ کوٹ مومن کی دیگر معزز و معتبر شخصیات نے شرکت کی اور میڈم فرزانہ امین چوہدری کی علم کے شعبے میں دیرینہ وابستگی اور محنت وکامیابی پر مبارک باد کے ساتھ خراجِ عقیدت پیش کیا۔ اسی تقریب میں مس طیبہ کی ریٹائرمنٹ پر انہیں بھی زبردست خراجِ تحسین پیش کیا گیا کہ شعبۂ تدریس میں ان کی بھی نمایاں خدمات رہی ہیں۔ مقررین میں میڈم رابعہ طاہر خان، پھلروان۔ مس نعیمہ، سابق ڈپٹی ڈی ای او، مس روبینہ حسن، پرنسپل معظم آباد۔ مس عنبر، سرگودھا۔ میڈم شمیم، 10 چک شمالی۔ میڈم مسرت اعجاز، ڈھرانجھا۔ میڈم زیتون، 11 چک جنوبی۔ میڈم رشیدہ۔ پھلروان اور دیگر اسٹاف میں سے مس کوثر، مس رافعہ، مس صائمہ ستار، مس معظمہ بتول، مس مطلوب، مس فہمیدہ حسن...... نے فرداً فرداً اپنے خیالات وجذبات کا اظہار کیا۔ میں نے مس فرزانہ امین چوہدری کی کردار ساز شخصیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے انہیں جو خراجِ عقیدت پیش کیا تھا وہ اگرچہ کچھ بھی نہیں تھا میں ان کے عمل و ہنر کے علاوہ ظاہری و باطنی خوب صورتی کو لفظوں کی پوشاک پہنا ہی نہ سکی تھی مگر پھر بھی میرے الفاظ کو اور میرے جملوں کو شرکائے تقریب نے بہت سراہا اور انہی کے اصرار پر میں وہ الفاظ قارئینِ پاکیزہ سے شیئر کر رہی ہوں کیونکہ یہ تمام افراد بھی پاکیزہ کے بہت فین ہیں۔ فرزانہ امین چوہدری ایک کم ترقی یافتہ شہر کی ایسی صاحبِ کمال بیٹی ہے جس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ جو جرائت، شرافت، غیرت کا پیکر ہے جسے شہرت کی چاہ نہ آرزو اور نہ دولت کی حرص وہوس وہ فقط علم تقسیم کرنا جانتی ہے یہی اس کی زندگی کا مشن تھا، ہے اور رہے گا معاشرے کی ایسی باکردار اور باشعور بیٹیوں سے ہی معاشرے کا آدھا چہرہ مکمل ہوتا ہے اور ایسی صاحبِ کردار لڑکیاں ہی تو اماوس کی کالی سیاہ راتوں میں چراغ کی طرح ہوتی ہیں، میڈم فرزانہ نے میرے شہر کی لڑکیوں کو نہ صرف درسی کتب کا علم عطا کیا بلکہ ان کی ذہنی نشوونما اور کردار کی تربیت کرکے سنہری اقدار اور مثبت روایات کو پروان چڑھایا۔ میڈم فرزانہ نے اپنی فہم وفراست، علم ودانش اور اخلاق وکردار سے جہاں اپنے فرائضِ منصبی کو بطریقِ احسن نبھایا وہاں لوگوں کے...... خصوصاً اپنی شاگردوں اور ساتھی اساتذہ کے دلوں میں گھر کرلیا...... اسی لیے تو ان کے اس کالج سے چلے جانے کے ذکر سے ہی ہر آنکھ پُرنم تھی، ہر دل اداس تھا۔ ترقی کے اس تیز ترین دور میں جہاں حرص وہوس، لالچ، طمع اور بدلے کی خواہش نے معاشرے کے دلکش خدوخال کو مسخ کرکے... بدصورت شکل دے دی ہے وہاں میڈم فرزانہ جیسے بااصول، ثابت قدم اور شخصیت ساز لوگ اگرچہ خال، خال ہیں مگر ہیں ضرور...... اور ان کی خدمات اندھیری راتوں میں روشن چراغوں کے مانند نمایاں اور جگمگاتی رہتی ہیں...... جنہوں نے رشوت اور سفارش کی بدنما چھینٹوں سے خود کو عیب دار نہیں ہونے دیا، مساوات کے اصولوں کو اپنا کر طبقوں میں امتیاز نہ آنے دیا...... امیر غریب کے لیے یکساں اصول اپناتے ہوئے میرٹ کو فروغ دیا...... اور تحصیل کوٹ مومن کے اس نوزائدہ ادارے کی بنیادوں کو اپنے اخلاق، محنت اور لگن سے سینچا اور مضبوط کیا۔ یہی لوگ ہوتے ہیں جن کے نقشِ قدم پر چل کے کھوئی منزلوں کے نشان ملتے ہیں۔ یہ نسلوں کے امین ہوتے ہیں اور ذہنوں کو اپنی محنت، قابلیت سے شعور وآگہی اور پاکیزگی عطا کرتے ہیں اور فعال معاشرے کی تشکیل میں اپنا حصہ ڈالتے جاتے ہیں، میرے پیارے پاکستان کو ایسے ہی مخلص اور محنتی لوگوں کی ضرورت ہے اور کبھی، کبھی ایک ننھا سا دیا بھی کافی ہوتا ہے روشنی کے لیے...... بس آپ امید اور روشنی کا دیا کبھی بجھنے نہیں دیں۔

دعاؤں کی طالب

مسز نسیم غلام علی گوندل، کوٹ مومن

standards شاید میں کبھی سمجھ نہ پاؤں۔'' میرال، مہرزاد کے بدلے ہوئے انداز اور لہجے کو نظر انداز کرتے ہوئے بولی۔

''جان لوگی...... بہت جلد جان لوگی۔'' مہرزاد نے کہا۔

''جان لوں گی؟'' اس نے حیرت بھرے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ ''گویا ابھی اور بھی کچھ ہونا باقی ہے، کوئی نیا باب کھلنے والا ہے کیا......؟''

''تمہارے لہجے کی بدگمانی، نفرت، شکوک اور اس میں گھومتے بل کھاتے سوال اگرچہ جان لیوا ہیں مگر کیونکہ میں سخت جان ہوں، اس لیے سنبھل جاؤں گا۔'' مہرزاد نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ ''مجھے ابھی واپس جانا ہے، میں آج اِدھر تھوڑا وقت لے کر آیا تھا۔ سوچا تھا کہ تم سے کچھ اپنے دل کی کہوں گا مگر......'' وہ کہتے کہتے رکا...... ''ایک بدگمان دل سے اپنے دل کی بات کہنے کا کیا فائدہ...... اس لیے دل کی دل ہی میں لیے چلتا ہوں...... کہانیاں سننے اور کہانیاں کہتے، کہتے اصل کہانی ان کہی اور ان سنی رہ بھی جائے تو شاید کوئی فرق نہ پڑے......'' وہ اپنی بات کے جواب میں اس کی بات سنے بغیر تیز قدموں سے چلتا باہر نکل گیا۔ میرال کے لیے اس کے آخری الفاظ معنی خیز تھے اور غور طلب بھی......

☆☆☆

''آپ کو اندازہ ہے ممی کہ یہ سیاست دان جو ہوتے ہیں ان کے پاس ایک ہی تو ہنر ہوتا ہے کہ لچھے دار الفاظ میں سننے والے کو پھنساتے جائیں اور وہ پھنستا جائے۔'' دانیال نے جھنجلاتے ہوئے عافیہ سے کہا۔ مہرزاد خان سے مل کر واپس آنے کے بعد اُن کا رویّہ اور گفتگو اس کے لیے حیرت انگیز امر تھا وہ اسے الجھا بھی رہی تھیں۔

''لیکن میرا خیال نہیں تھا کہ آپ جیسی خاتون کو وہ یوں اپنے الفاظ کے جال میں پکڑ سکتا ہوگا۔'' پھر اس نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔ ''آپ کیا نہیں جانتیں...... آپ کو ان شعبدہ بازوں کے بارے میں کیا علم نہیں؟ اس ملک، اس معاشرے کی تاریخ سے آپ کی واقفیت بھی کم نہیں پھر بھی آپ اس کی باتوں میں آگئیں؟'' وہ عجیب کیفیت سے دوچار تھا۔

''میں اس کی باتوں میں نہیں آئی دانیال۔'' انہوں نے سنجیدگی سے کہا، ان کا لہجہ نرم تھا اور چہرے پر سکون چھایا ہوا تھا۔ ''نہ ہی اس نے مجھے اپنی باتوں میں الجھانے کی کوشش کی، جب میں یہاں سے گئی تھی اس وقت اس کے بارے میں میرے خیالات بھی وہی تھے جو تمہارے ہیں لیکن اس کے سامنے جا کر، اس کی گفتگو

سن کر مجھے ایسا لگا کہ جو نظر آتا ہے ہمیشہ وہی حقیقت نہیں ہوتا۔"

"آپ کا مطلب ہے جیسا آج کل وہ ہر جگہ portray ہو رہا ہے وہ ویسا نہیں ہے؟" دانیال کے لہجے میں ہلکا سا تمسخر جھلکا۔ "وہ ویسا ہی ہے ممی بلکہ شاید اس کا کردار اس سے بھی زیادہ گھناؤنا ہوگا۔"

"معاشرے کے ہر فرد نے اپنے، اپنے دائیں ہاتھ میں برش پکڑ رکھا ہے۔" عافیہ نے سامنے دیکھتے ہوئے کہا۔ "اپنے، اپنے برش سے ہم سب جسے چاہیں جب چاہیں اور جیسا چاہیں portray کر لیتے ہیں اور پھر اسی پورٹریٹ کو حقیقت سمجھ لیتے ہیں، اس لیے کہ ہمیں جو نظر آتا ہے ہم اسی پر یقین کرنے کے عادی ہو چکے ہیں۔"

"اوہ ممی!" دانیال کا دل چاہ رہا تھا اپنا سر پیٹ لے، اس کی ماں اسے میرال کے سلسلے میں کی جانے والی ہر کوشش بند کر دینے کا حکم سنا چکی تھی اور مسلسل مہرزاد خان کی وکالت کیے چلی جا رہی تھی۔ "آپ نے وہ کالمز نہیں پڑھے جو اس کے بارے میں لکھے جاتے ہیں، انٹرنیٹ پر اس کے بارے میں کیے جانے والے تبصرے نہیں دیکھے؟ وہ، اس کی فیملی، اس کی ہسٹری، میرال کے سلسلے میں اس کا سامنے آنے والا کردار کوئی ایک چیز بھی اس کی وکالت کرتی نظر آتی ہے آپ کو؟" وہ ان سے سوال کر رہا تھا۔ "اور آپ ہیں کہ ایک ہی ملاقات میں reverse ہو گئیں۔"

"کبھی، کبھی ایک ہی ملاقات کسی کو جان لینے کے لیے کافی ہوتی ہے دانیال۔" عافیہ نے اسی نرمی سے کہا جو وہ دانیال کو کوئی بات سمجھانے کے لیے اختیار کیا کرتی تھیں۔ "اور کالم نگاروں، صحافیوں، بلاگرز کا کیا ہے، ان کے ہاتھوں میں کوئی بھی رقم تھما کر جیسے چاہے پتھر پکڑا دے، انہیں کسی پر کچھ بھی لکھتے ہوئے کیا عار ہو سکتی ہے مگر ہم تم......" انہوں نے دانیال کی طرف دیکھا۔ "دانیال میری اور تمہاری حیثیت مختلف ہے، ہم جن تجربوں سے گزر چکے ہیں، ہمیں کسی پر پتھر برسانے سے پہلے کیا سو دفعہ سوچ نہیں لینا چاہیے، خصوصاً جب ہم جان چکے ہوں کہ جس پر پتھر برسانے کے لیے ہم ہجوم میں کھڑے ہیں، اس کا تعلق شیاطین کے اس قبیلے سے نہیں ہے جن پر پتھر برسائے جانے چاہئیں۔" اب عافیہ جذباتی ہو رہی تھیں۔ دانیال نے ان کی طرف دیکھا ان کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

"ہم کسی غلط سمت چلنے لگیں گے ناں دانیال یا ہم کسی سے زیادتی کر جائیں گے تو ہماری پکڑ دوسروں سے زیادہ ہوگی، ہم سے تو کہا جائے گا کہ "ارے تمہیں تو ایک موقع اور دیا گیا تھا، تمہیں تو مہلت عطا کی گئی تھی پھر بھی تم نہ دیکھ سکے، نہ سن سکے، نہ حق بات سہہ سکے۔"

دانیال نے ایک مرتبہ پھر ماں کی طرف دیکھا۔ وہ ان کے چہرے کے تاثرات جانچ کر ڈر گیا تھا۔

"اوکے، اوکے!" اس نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "جیسا آپ کہہ رہی ہیں ممی یقیناً ویسا ہی ہوگا۔"

"میں یہ نہیں کہتی کہ وہ کوئی پرفیکٹ انسان ہوگا۔" عافیہ نے اپنے جذبات کنٹرول کرتے ہوئے کہا۔ "وہ آدم زادوں کے جس قبیلے سے تعلق رکھتا ہے یقیناً اس پر ان کا اثر ضرور ہوگا مگر میرال کے سلسلے میں اس کا رویہ یقیناً مختلف ہے، ہمیں تحمل اور صبر سے اس کے دعوے اور وعدے کی تکمیل تک انتظار کرنا چاہیے۔ اگر وہ غلط ہوگا تو بھی سامنے آ جائے گا، سچا ہوگا تو بھی پتا چل جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" اب کے دانیال نے ماں کی گفتگو سے متاثر ہوتے ہوئے کہا۔ "ہم ایک معجزے کی امید میں دن، مہینے، سال صبر کے ساتھ انتظار کر چکے ہیں تو دوسرے معجزے کی امید میں مزید انتظار کر لینے میں کوئی

حرج نہیں۔"

"مجھے یقین تھا تم میری بات سمجھ جاؤ گے۔" عافیہ کے چہرے پر پہلی بار مسکراہٹ پھیلی۔

"میں سمجھ چکا اور اب حمزہ اور فہد کو بھی سمجھا دوں گا، مجھ سے زیادہ شاید وہ اس سلسلے میں جذباتی ہیں۔" دانیال نے کہا۔

"میں میرال کے سلسلے میں مکمل طور پر پُرامید ہوں، جب مہرزاد خان اُسے ہمارے پاس بھیجے گا...... میری خواہش ہے کہ میں تمہارے ڈیڈی، دانیال تم اور تمہاری فیملی اس گھر میں اس کا یونہی استقبال کریں جیسے کوئی خاندان اپنی مدتوں بعد گھر واپس آنے والی بیٹی کا کرتا ہے۔" اس شام عافیہ نے اپنی بہو سے اسکائپ پر بات کرتے ہوئے کہا تھا۔

☆☆☆

اشعر نے سیڑھیوں کے ساتھ اوپر جاتی منقش ریلنگ پر ہاتھ پھیرا، اس آبنوسی ریلنگ کے نچلے سرے پر شیر کا منہ بنا تھا، ایک ایسا شیر جس کا منہ کھلا تھا اور آنکھیں پوری کھلی تھیں، ریلنگ کے اوپری اور نچلی سطح کے درمیان بنی جالی کسی ماہر کاریگر کی مہارت کا منہ بولتا ثبوت تھی۔ اشعر کو وہ گھر اس وقت بھی بہت مانوس سا لگا تھا جب وہ نگین سے شادی ہو جانے کے بعد پہلی بار اپنی سسرال سیالکوٹ آیا تھا۔ شہر کے ایک پرانے محلے میں نگین کے والدین کے قدرے جدید طرزِ تعمیر پر بنے گھر کے ساتھ جُڑا یہ قدیم طرزِ تعمیر کا حامل گھر اسے بہت پسند آیا تھا۔ اس گھر میں نگین کی دادی اپنے نواسے حمزہ کے ساتھ رہتی تھیں۔ اسے یہاں آ کر محسوس ہوا تھا کہ اس کی نئی نویلی دلہن نگین کو بھی اس گھر سے خاصا اُنس تھا۔ اپنے والدین کے گھر کے بجائے وہ ان چند دنوں میں جب وہ سیالکوٹ میں مقیم رہے تھے زیادہ وقت اپنی دادی کے گھر میں گزارتی تھی۔

"یہ سیڑھیاں دیکھ رہے ہیں آپ؟" وہ نچلی منزل کی چھت سے اوپر ایک اور چھت کی طرف جاتی سیڑھیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتاتی۔ "اپنے بچپن کی گرمیوں کی اکثر چھٹیاں ہم نے انہی سیڑھیوں میں بیٹھے چھٹیوں کا کام کرتے، کھاتے پیتے، کھیلتے گزاری ہیں، انہی سیڑھیوں کے ذریعے ہم بالائی چھت پر جایا کرتے تھے اور نیچے محلے کی گلیوں میں جھانکتے ہوئے آتے جاتے لوگوں پر نظر رکھتے، ان پر کمنٹس پاس کیا کرتے تھے۔"

"لکڑی سے بنے اس کمرے میں ہم سردیوں کی شاموں میں بی اماں کے بستر میں گھس کر ان سے کہانیاں سنا کرتے تھے۔" وہ اسے اس گھر کا ایک، ایک کمرا دکھاتے ہوئے اس سے جُڑی اپنی یادوں کا ذکر کرتی۔

"اس بڑے کمرے میں جہاں یہ بڑا سا ریڈیو رکھا ہے ناں، یہیں بیٹھ کر ابا میاں اور چھوٹے چچا رات آٹھ بجے کی خبریں سنتے تھے، انہیں ٹی وی پر ہونے والی خبروں سے ریڈیو کی خبریں زیادہ اچھی لگتی تھیں۔ ہم بھی ان کے پاس بیٹھ کر خبریں سنتے تھے، اسی لیے تو ہماری اردو اتنی اچھی ہے۔" وہ کہتی۔

"تمہاری اردو اتنی اچھی ہے، جب ہی اس گھر سے جُڑی یادوں کا ذکر کرتے ہوئے تم خود کو میں کے بجائے ہم کہنے لگتی ہو مغلیہ شہزادی۔" اشعر مسکرا کر کہتا۔

"ارے ہم سے مراد میں اکیلی تھوڑی ہوتی ہوں۔" اس کی اس بات کا جواب نگین نے کھلکھلا کر ہنستے

ہوئے دیا تھا۔

''پھر؟'' اشعر اس جواب پر حیران ہوتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

''ہم سے مراد میں اور حمزہ ہیں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے بتایا تھا۔ ''میں اور حمزہ بچپن سے اکٹھے پڑھتے، اکٹھے کھیلتے آ رہے ہیں، دو سال ہی تو چھوٹا ہے مجھ سے حمزہ۔'' نگین کے اس جواب نے ہی اشعر کی توجہ حمزہ کی طرف مبذول کرائی تھی۔ نگین کے اپنے بہن، بھائیوں اور اس کے دیگر کزنز سے کہیں مختلف وہ خاموش طبع اور سنجیدہ لڑکا اسے اس وقت بھی چونکا گیا تھا۔

''یہ لڑکا تو بہت مختلف ہے بھئی، لیے دیے رہنے والا، خاموش سا۔'' اس نے حمزہ سے پہلی ملاقات کے بعد نگین سے کہا تھا۔ اس کی اس بات کے جواب میں نگین نے اسے حمزہ کی داستان سنائی تھی...... اور اس داستان کو سننے کے بعد اگلی ملاقات ہی میں اشعر کی حمزہ سے اسی طرح دوستی ہو گئی تھی جیسے نگین کی حمزہ سے تھی۔

اس نے یاد کرتے ہوئے سر جھٹکا اور مسکراتے ہوئے سامنے دیکھا۔ حمزہ اس نیم تاریک ڈیوڑھی سے نکل کر اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا تھا، جس میں بقول نگین کے گرمیوں کی دوپہروں میں وہ اور حمزہ بیٹھ کر تختیاں دھوتے، سکھاتے اور لکھنے میں مصروف رہتے تھے۔

''تم نے اس ڈیوڑھی کو بھی رینوویٹ کیا ہے کیا؟'' اشعر نے حمزہ سے پوچھا۔

''ہاں کچھ، کچھ، آئیں آپ کو دکھاؤں۔'' وہ اُسے لیے ڈیوڑھی کی طرف آ گیا، اس نیچی چھت والی نیم تاریک ڈیوڑھی کے سر پر اب نیچی چھت کے بجائے پرنٹڈ فائبر گلاس سایہ فگن تھا جس سے آسمان پر سجے سورج کی روشنی چھن کر نیچے تک آ رہی تھی۔ فائبر گلاس کی چھت کی وجہ سے اب یہ ڈیوڑھی ایک روشن اور کشادہ انٹرنس میں تبدیل ہو چکی تھی۔ اس کی مشرقی دیوار کے ساتھ دو سواتی کرسیاں اور ایک چنیوٹی میز رکھی تھی اور فرش پرنٹڈ ٹائلز سے آراستہ تھا۔

''میں تمہارے اعلیٰ ذوق کا قائل ہو گیا حمزہ، تم نے جس خوب صورتی سے اس گھر کو قدیم اور جدید انداز میں رینوویٹ کیا ہے اسے دیکھ کر لگتا ہے کہ تم کوئی ماہرِ تعمیرات ہو۔'' اس نے تحسین آمیز نظروں سے حمزہ کو دیکھا۔

''پتا نہیں یہ اچھا ہے کہ نہیں۔'' حمزہ نے کمرے میں چاروں طرف نظر گھماتے ہوئے جواب دیا۔ ''میری تو بس ایک کوشش ہی ہے۔''

''یہ صرف اچھا نہیں بلکہ بہت ہی اچھا ہے۔'' اشعر نے اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔ ''ویسے اس پر پیسہ بھی تو بہت خرچ ہوا ہوگا، جس طرح تم نے عمارت کی اصل شکل کو برقرار رکھتے ہوئے اسے جدید انداز میں ازسرِ نو سجایا ہے، ایسے کام کے لیے تو بہت زیادہ پیسہ چاہیے ہوتا ہے۔''

''ہاں، شاید اپنی استطاعت سے بڑھ کر خرچ کر چکا ہوں۔'' حمزہ نے سر ہلایا۔

''اس کا اب کرو گے کیا؟'' اشعر کا ذہن کب کا اس ایک سوال میں اٹکا ہوا تھا۔

''تم خود تو یہاں رہ نہیں سکتے، تمہاری جاب لاہور میں ہے، اس گھر کو رینٹ پر دو گے کیا؟''

''ارے نہیں اشعر بھائی۔'' وہ تیزی سے بولا تھا۔ ''اپنے شوق، اپنی محبت، اپنے جذبات اور اپنے اُنس کو کون رینٹ پر دیتا ہے؟''

''پھر؟'' اشعر نے ابرو چڑھا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

''پھر......'' حمزہ نے اشعر کی طرف سے دھیان ہٹا کر دوسری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''دیکھیں اس کا کیا مستقبل ہوتا ہے۔ ابھی تو اس کے بہت سے چھوٹے موٹے کام باقی ہیں۔''

''چلو تم نے جو بھی اس کے بارے میں سوچا ہے وہ اپنی جگہ، بہرحال یہ گھر اب پہلے سے بھی زیادہ آئیڈیل گھر بن چکا ہے۔'' اشعر نے کہا۔

''میں اسی لیے آج آپ کو ساتھ لایا تھا۔ مجھے یقین تھا آپ کو یہ پسند آئے گا، میں نے تو سوچا تھا نگین بھی ساتھ آئے گی مگر معذرت کے ساتھ اشعر بھائی، نگین کو آپ کے گھر نے اپنے کاموں میں کچھ زیادہ ہی جکڑ رکھا ہے۔'' حمزہ نے پہلی بار اشعر سے گلہ کیا۔

''شکایت کر رہے ہو، شکوہ، گلہ ٹائپ...... ہے ناں؟'' اشعر مسکرایا۔

''جی بالکل۔'' حمزہ نے سر ہلایا۔

''اب چھوٹے کی شادی ہو جائے گی تو اس کی بیوی آنے کے بعد نگین پر سے ذمے داریوں کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔'' اشعر نے اس کی بات کا مختصر سا جواب دیا۔

''پتا نہیں کیوں، مجھے لگتا ہے کہ نگین اس طرح گھریلو ذمے داریوں میں جکڑے جانے کے لیے نہیں بنی تھی۔ اس کا سارا علم، ذہانت، تعقل، کچن کے مسالوں اور ڈیٹرجنٹ پاؤڈر کے دانوں میں گم ہو رہا ہے۔ یہ اس کے ساتھ زیادتی ہے۔''

''میں جانتا ہوں یار۔'' اشعر نے تسلیم کرتے ہوئے کہا۔ ''مگر ہم لوگ جیسے گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں

وہاں لڑکی کی زندگی رفتہ رفتہ ایسی ہی ہوتی چلی جاتی ہے۔''
''ہوتی ہوگی۔'' حمزہ نے شانے اچکاتے ہوئے کہا۔ ''مگر آپ جیسے شخص سے مجھے یہ توقع نہیں تھی کہ نگین کو
یوں گم ہو جانے دیں گے۔ اس کے کمپرومائزز کو آپ کے سہارے اور کنسرن کا شانہ درکار تھا، آپ بدقسمتی سے
اسے وہ دے نہیں پائے۔''
اشعر نے حمزہ کی طرف دیکھا جو کچھ وہ خود نگین کے بارے میں محسوس کرتا چلا آ رہا تھا، حمزہ نے اسے الفاظ
کا پہناوا دیا تھا۔ اس وقت وہ دونوں اس قدیم گھر کے صحن میں کھڑے تھے جس کی مغربی جھری دار دیوار کی
جھریوں سے تازہ ہوا گزر کر ان تک پہنچ رہی تھی۔ وہیں کھڑے، کھڑے اشعر نے اپنے دل میں خود سے نگین
کے بارے میں ایک عہد کیا تھا اور یہ خاموش عہد کرنے کے بعد اس نے حمزہ کی طرف مسکرا کر دیکھا تھا۔ حمزہ کو
لمحے بھر کے لیے وہم ہوا تھا کہ شاید اشعر اس کی باتوں سے ناراض ہو گیا تھا مگر اس کی مسکراہٹ اسے نگین کے
لیے پُرامید کر گئی تھی۔

☆☆☆

''یقین کیجیے ڈیڈ اگر اس طرح کے کارنامے ریکارڈ کرنے والا کوئی ادارہ ہوتو دنیا کے بہترین ریکارڈ
فائنڈرز کی فہرست میں میرا نام ٹاپ آف دی لسٹ پر ہوگا۔''
''پہلی بار مجھے بھی ایسا لگ رہا ہے کہ تم نے کوئی ڈھنگ کا کام کیا ہے۔''
''انتقام ڈیڈ...... انتقام ایک ایسی آگ ہے جو انسان کی خوابیدہ صلاحیتوں کو تپا کر کندن بنا دیتی ہے۔''
''واہ رہے میرے بانکے تیری اردو دانی کے صدقے، لگتا ہے آج کل اپنے نامور دانشور و صوفی کزن
کے ساتھ خاصا وقت گزار رہے ہو۔''
''ارے کس کا نام لے دیا ڈیڈ! اس بے چارے کا تو اپنا سارا وقت چہرے پر مسکینی سجا کر، آنکھوں میں
ذہانت کے سرے لگا کر، لہجے میں دانشوروں سے تاثر ٹپکا کر، لیکچر دینے کی تیاریوں میں گزر جاتا ہے، اس کے
ساتھ کوئی دوسرا کیا وقت گزارے گا۔''
''جو بھی ہے ویسے بندہ ہے اوّل درجے کا فنکار، ایک دم اے کیٹیگری!''
''جی بالکل! بڑی محنت کے بعد وہ نمونہ تیار ہوتا ہے جسے لوگ آدھی رات کو ٹی وی اسکرین پر جلوہ گر
دیکھتے ہیں۔''
''ارے ہمارے خاندان کی فنکاریوں کا تو ایک زمانہ گواہ ہے۔''
''بس پھر یاد رکھیے اس خاندان کے فنکاروں میں ایک اور فنکار کا گراں قدر اضافہ ہونے جا رہا ہے، ایسا
رس بھر دیا ہے اپنی فنکاری میں کہ اس کا ڈسا وہ سردارزادہ پانی بھی نہ مانگ سکے گا۔''
''ارے پانی کی بوتل ساتھ رکھ دینا اپنے ڈنک کے، اس بے چارے نے اتنے جتن سے جوگر میں کی دختر
کے عرق سے جان چھڑا کر خود کو پانی پر لگایا ہے تو تڑپ، تڑپ کر جان دیتے ہوئے اسے ایک عدد امپورٹڈ پانی
کی بوتل تو نصیب ہونی ہی چاہیے۔''
''ہاہا پانی کی طلب میں اس کی نظریں اویس خان کے گھر کی طرف دیکھیں گی، وہ کبھی بھول کر بھی نہیں بوجھ
پائے گا کہ زہر اس کے پیالے میں دراصل گھولا کس نے تھا۔''
''ایک ہی وقت میں ہر سرحد پر جنگ چھیڑ لینے کا یہی نتیجہ ہوتا ہے، بچہ ابھی کچا ہے، ورنہ جو چالیس سالوں

میں چلنی چاہیے تھیں ایک ہی سال کے اندر، اندر چلنے کی کبھی نہ سوچتا۔''
''بس پھر اب اس کچے بچے کو دیکھیے اور میرا تماشا دیکھیے ہوتا کیا ہے۔''
''مجھے اپنی پشت پر ایک تھپکی دے لینے دو، تم جو کارنامہ انجام دینے جا رہے ہو اس کے سرانجام ہو جانے کے
بعد میدان ہمارے لیے اتنا وسیع ہو جائے گا کہ اس میں کھُل کھیلتے ہوئے شاید تمہاری پشت پر تھپکی دینے کا وقت
نہ ملے۔''
''یس مائی ڈیئر ڈیڈ میرا شانہ بھی حاضر ہے اور پُشت بھی، ایک کے بجائے زیادہ تھپکیاں دے لیں ایک
ہی بار میں...... کیونکہ اس کارنامے کو انجام دے لینے کے بعد ایک کے بعد ایک کتنے ہی کارناموں کا راستہ کھُلنے
والا ہے اور پھر وقت کا کیا پتا آپ کو ملے نہ ملے۔''
''ہاں یہ بھی ٹھیک ہے، ان سردارزادوں کے گھر کی لڑائی ان کے گھر میں ہی مچا دینے جیسی عقل مندی
سے بڑا کارنامہ کوئی ہو ہی نہیں سکتا جی بھر کر تھپکیاں لو۔''
''میں تو اس پاتال سے 'امراؤ بیگم' کا ہیرا نکال لانے کا تہیہ کیے بیٹھا تھا ڈیڈ مگر قسمت دیکھیں ایک رکھیل
کے بجائے درمیان ہی میں میرے ہاتھ سردارزادے کی نہ ہونے والی منگیتر لگ گئی، اب صبح ہو یا شام، رات ہو
یا دن، وقت اس کی مہربان زلفوں کی چھاؤں ہی میں گزرتا ہے۔''
''بڑے لکی ہو بھئی! ورنہ اس خاندان کی مہ جبینوں سے ہمارا واسطہ کم ہی پڑا ہوگا کبھی، وہ حسینائیں
انتخاب کرتے ہوئے اپنے خاندان اور قبیلے کی دشمنیوں، دوستیوں کا بڑا لحاظ کرتی ہیں۔''
''اس بار خاندان کی نہیں ذاتی دشمنی نے اس کی اور ہماری پرانی دشمنی کو دوستی میں بدل دیا ہے۔ ہمارا
aim ایک ہے اور game بھی ایک سا ہی ہونے والا ہے۔''
''چلو بھئی بیسٹ آف لک، میں وہیں انتظار کروں گا تمہارا فیڈرل کیپٹل میں۔''
''آپ جا رہے ہیں کیا؟''
''ہاں آج ہی، بڑے صاحب کی عزیزہ نے طلب کیا ہے، کچھ ذاتی مصروفیات ہیں ان کے ساتھ۔''
''گویا یہ سرکاری وزٹ نہیں ہوگا؟''
''نہیں خالصتاً ذاتی۔''
''چلیں پھر وہیں بیٹھ کر اس بریکنگ نیوز کا انتظار کیجیے گا کہ کب آتی ہے۔''
''شیور، شیور۔''

☆☆☆

''میں نے مہرزاد خاناں ایک ہی فرمائش رکھی تھی تمہارے سامنے...... اور برادری کو تمہارے پیچھے کھڑا کر دیا
تھا۔'' بلغمی آواز میں بولنے والے نانا جان نے اپنے قریب رکھے پیچوان کا کش لگاتے ہوئے اس سے کہا تھا۔
''میں برادری کا مشکور ہوں نانا جان'' وہ احترام سے بولا تھا۔
''مگر وہ جو برادری تم سے ناراض ہے، اس کا کیا کریں؟''
''انہیں ناراض نہیں ہونا چاہیے نانا جان...... کسی سے کوئی کام زبردستی نہیں کرایا جا سکتا، میرے پیچھے
کھڑے ہونے میں برادری کا اپنا مفاد تھا، ایک ایسی وزارت جاتی رہتی جو برسا برس تک حاصل کرنے کی
کوشش کی جاتی رہی، سو اور وزارتیں تو ہاتھ آئیں مگر یہ نہیں آئی، ایسے میں اسے بچانے کے لیے میرے پیچھے

کھڑے ہونے کا سودا برا نہیں تھا۔" اس کے لہجے میں خاصا اطمینان تھا۔

"تم چیزوں کو فار گرانٹڈ لے رہے ہو مہرزاد خان۔" بلغمی آواز کی دہاڑ بھی خاصی زبردست تھی۔

"وہ ایک unconditional سپورٹ تھی نانا جان۔"

"نہیں تھی unconditional اویس خان کی بہن اور عبدالکریم خان کی پوتی کو تمہارے گھر آنا ہے بدلے میں بیاہ کر، تمہاری ماں نے خود ان کے گھر جا کر نشانی میں بیس تولے سونا ڈالا تھا بچی کو۔"

"یہ سب کام بالا ہی بالا سوچ اور کیے گئے ہوں گے نانا جان! میرا ان سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں، میں نے صاف الفاظ میں کہا تھا کہ برادری میرا ساتھ دیتی ہے تو ٹھیک ہے، دوسری صورت میں مجھے بھی اپنا راستہ معلوم ہے۔"

"بلاؤ اپنی ماں کو، وہ بھی تو یہیں ہے، پوچھو اس سے کیا نشانی کے ساتھ اس نے قبیلے سے تمہاری غیر مشروط حمایت طلب نہیں کی تھی؟"

"وہ ماں ہیں اور ان کی ممتا ان سے کچھ بھی کرا سکتی ہے لیکن میں نے ان سے بھی اس سلسلے میں اتفاق نہیں کیا تھا۔"

"بہت برا ہو جائے گا مہرزاد خان، بہت برا کرو گے تم اگر اس بات سے ہٹ گئے، صدیوں سے پختہ چلی آ رہی دیواروں میں دراڑیں پڑنے لگیں گی۔"

"دراڑوں کے ساتھ بھی بہت عرصہ چل جائیں گی یہ دیواریں نانا جان، یہ عمارت اتنی جلد ڈھے جانے والی نہیں ہے۔ اس کی بنیادوں میں کتنوں ہی کا خون دفن ہے، بے شمار آہیں اور سسکیاں دبی ہوئی ہیں ان کے نیچے، ان دیواروں کو اپنا بھرم تو بہر حال رکھنا ہی ہے۔ جتنی جلد زمیں بوس ہوں گی اتنی ہی جلد ان کے نیچے دبی آہیں اور سسکیاں نکل کر باہر آ جائیں گی، سو دیواروں کی دراڑوں سے مت ڈریں۔"

"تم نہیں جانتے مہرزاد خان! تم کیوں نہیں سمجھتے...... بہت برا ہوگا اگر تم اس کمٹ منٹ سے ہٹ جاؤ گے، کیا فرق پڑے گا تمہیں جو ایک بار باجے ان کی مرضی سے بجوا لو گے، اس کے بعد جتنی بار مرضی ہے سہرے باندھنا، حرم پال لینا، تمہیں کسی نے منع کرنا ہے کیا؟"

"صرف ایک بار ہی کی تو بات ہے نانا جان، ایک بار ہو گیا تو باقی کیا رہ جائے گا؟" مہرزاد خان نے کہا اور ان کی طرف دیکھا جو اپنے فون پر کسی کا نمبر ملا رہے تھے۔

"ہاں، میں بول رہا ہوں مہرزاد کی ماں......" وہ کہہ رہے تھے۔

"مجھے تمہارے بیٹے کی جوانی کا خیال آتا ہے اسی لیے بار، بار بیچ میں پڑ جاتا ہوں، اس کے باپ نے تو کھا ہنڈا کے گولی کھائی تھی، یہ جوانی میں ہی سینہ تان کر کھڑا ہو گیا ہے، اسے سمجھا میری بچی، مجھ سے یہ صدمہ برداشت نہیں ہوگا اس عمر میں۔" وہ کہہ رہے تھے اور مہرزاد خان خوب اچھی طرح جانتا تھا کہ ان کے کان سے لگے فون میں ابھرتی آواز دوسری طرف جس کان تک پہنچ رہی تھی اس کی سماعت پر کیسے دھماکے ہو رہے ہوں گے اور اس دل پر کیا گزر رہی ہوگی۔

جاری ہے

اِحتجاج

ارجمند عقیل



اسکول کی نوکری شروع کیے مجھے چند ماہ ہی ہوئے تھے۔ شروع شروع میں تو صبح سویرے اٹھنے کی یہ ڈیوٹی مجھے بہت کھلی لیکن پھر آہستہ آہستہ کام اور ذمے داریوں کے علاوہ مختلف فیصلے کرنے کا بوجھ بھی جب میرے ناتواں کندھوں پر آن پڑا تو خود بخود ہی نیند بھی قابو میں آنے لگی اور چند ماہ میں ہی میں اس نئے روٹین کی عادی ہو چکی تھی اور اپنی ذمے داریوں کو خاصا انجوائے کرنے لگی تھی۔

اس سے پہلے کبھی میں نے پرنسپل کی ذمے داری نہیں لی تھی۔ بس ایک ٹیچر تھی جسے اپنے کام میں اچھا سمجھا جاتا تھا۔ اچانک ہی ظہیر، میرے شوہر کے ایک دوست نے مجھے تجویز کیا اور انہی کے اصرار پر میں ظہیر کے ساتھ ٹرسٹی صاحب سے ملنے چلی گئی اور جب میں واپس آئی تو اپائنٹمنٹ لیٹر میرے ہاتھ میں تھا۔ یہ ایک درمیانے درجے کا اسکول تھا اور اس کے مالکوں نے گویا اسے خدمتِ خلق کے پیشِ نظر قائم کیا تھا۔ تنخواہ اگرچہ دیگر اسکولوں کے مقابلے میں کم تھی مگر کچھ تو اپنی مصروفیت کے لیے اور کچھ اس خیال سے بھی کہ اگر میں اس کارِ خیر میں اپنا حصہ بھی ڈال دوں تو سودا برا نہیں ہے، میں نے بھی حامی بھرلی۔

اسکول میں عام طور پر مڈل اور لوئر مڈل کلاس کے بچے تھے جن کا مجھے پہلے تجربہ نہیں تھا کیونکہ خود میں نے ہمیشہ پرائیویٹ اسکولوں میں پڑھا اور پڑھایا' اس لیے یہاں کی استانیاں اور بچے مجھے عجیب سمجھتے ہوں گے...... خود مجھے بھی ان کے رویّوں کی عادت نہ تھی مگر وہی بات کہ آہستہ آہستہ انہوں نے مجھے اور میں نے انہیں قبول کر ہی لیا۔ سب سے مشکل کام یہ تھا کہ ہر ماہ ہی کوئی نہ کوئی استانی ملازمت چھوڑ دیتی، کچھ کو تو میں نے خود ہٹایا کیونکہ ان کے کام کا معیار ہی بہت کمتر تھا اور کچھ مجھے ہی ''سخت'' کہہ کر چلی گئیں لیکن اب کوئی سال بھر ہونے کو آیا تو لگا کہ اب کافی بہتری آنے لگی ہے معاملات میں......

مجھے ہمیشہ سے ہی یہ عادت رہی کہ اپنے بچوں کے بولنے کا سلسلہ شروع ہوتے ہی میں انہیں چھوٹی، چھوٹی دعائیں سکھانے لگتی تھی، کھانے کی دعا، باہر جانے کی دعا، سواری کی دعا، سونے کی دعا اور ایسے ہی بہت سی وہ دعائیں جو ہم نے بچپن میں سیکھی تھیں...... پھر ایک اسکول جہاں میں نے چار سال ملازمت کی وہاں میں نے ایک بڑا خوشگوار طریقہ دیکھا کہ صبح اسمبلی کے علاوہ وہاں اسکول ختم ہونے کے وقت پر یعنی آخری پیریڈ میں بیل بجنے سے پانچ سات منٹ پہلے سب بچے کلاس ٹیچر کے ساتھ قرآن پاک سے لی گئی... دو دعائیں لازمی پڑھتے تھے اس کے بعد انہیں جانے کی اجازت ملتی تھی۔ چنانچہ چھوٹی جماعتوں سے لے کر بڑی کلاسوں تک تمام بچیوں کو یہ دعائیں رٹی ہوئی تھیں، مجھے یہ طریقہ بہت پسند آیا تھا۔

اب کہ جب میرے پاس یہ اختیار تھا تو میں نے نہ صرف ان میں سے ایک دعا چھٹی کے وقت سے پہلے لازمی کردی...... بلکہ اس کے علاوہ ہفتے میں ایک بار صبح اسمبلی میں، میں ایک چھوٹی سی دعا اپنے سب بچوں کو سناتی اور ساری ٹیچرز اور بچے یہ دعا دُہراتے اور اسی طرح بہت کم دنوں میں ماشاءاللہ ان بچوں نے بہت سی چھوٹی' چھوٹی دعائیں سیکھ لیں۔ ہمیں استاد اور والدین کی میٹنگز میں اس پر فیڈ بیک بھی ملا کہ کس طرح بچوں نے دعائیں گھر میں پڑھیں...... مثلاً سوتے ہوئے' کھاتے ہوئے یا آیت الکرسی وغیرہ تو ماں باپ کو بھی یاد ہوگئیں اور ان کے بہن بھائیوں کو بھی......

بریک کے وقت جو چالیس منٹ کی ہوتی تھی عموماً دو ٹیچرز کی گراؤنڈ میں ڈیوٹی ہوتی تھی، جیسے ہی بچے بریک کی بیل سنتے انہیں باہر بھاگنے کی جلدی پڑتی...... اب ہوتا یہ کہ سب اپنے' اپنے لنچ باکس ہاتھ میں پکڑے باہر کی طرف دوڑتے اس افراتفری میں کسی کے ہاتھ سے کچھ گرتا تو کوئی خود ہی گر جاتا حالانکہ روز کہا جاتا کہ آہستہ' آہستہ لائن بنا کر نکلو مگر میرا خیال ہے کہ کھیلنے کا وقت کم ہوجانے کی فکر میں روز ہی یہ بات بھول کر باہر کو دوڑ پڑتے...... اب گراؤنڈ میں بھی یہی حال ہوتا، ایک ہاتھ سے منہ میں کھانا بھرا جارہا ہے اور جلدی' جلدی حلق سے اتارا

جارہا ہے تو دوسرے سے گیند پھینکی جارہی ہے۔ شور اتنا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دے۔ اسی افراتفری میں روز ہی کسی نہ کسی کو پہلے چوٹ لگتی، دو منٹ کی بھاگ دوڑ رک جاتی اور جونہی ڈیوٹی پر موجود ٹیچرز اُس بچے کو سنبھالتیں، چھوٹے بڑے ہر سائز کے طلبا پھر اپنے کھیل کی طرف متوجہ ہوجاتے۔ جیسے ہی بریک ختم ہوتی، میں تقریباً روز ہی باہر جا کر خاموشی سے ایک طرف کھڑے ہو کر ٹیچرز کو اور مختلف جماعتوں کے بچوں کو دیکھتی تاکہ اگر کوئی چیز صحیح سے نہ ہو رہی ہو تو اگلے روز اسمبلی میں سب کو بتا سکوں۔

یہ بات بڑی دلچسپ تھی کہ جیسے ہی یہ بچے کلاسوں میں جاتے، سارا گراؤنڈ مختلف قسم کے ریپرز، لفافوں، ڈبل روٹی کے ٹکڑوں اور چھوٹی موٹی کھانے پینے کی چیزوں سے پٹا پڑا ہوتا، دیکھتے ہی دیکھتے کوّوں کے غول کے غول کائیں کائیں کرتے اُمڈتے اور اِدھر تو اسکول کا جمعدار تھیلیاں اور کاغذ سمیٹ رہا ہوتا دوسری طرف تمام مہمان کوّے جلدی' جلدی چھوٹے سے چھوٹے کھانے کے ذرے تک بھی صاف کرتے اور کائیں، کائیں کرتے واپس اُڑ جاتے۔ جیسے شکریہ کررہے ہوں۔

روز کا یہ معمول تھا اور میں چپکے، چپکے یہ منظر دیکھا کرتی۔

ایک دن کچھ ایسا ہوا کہ بڑے بچے بھاگتے بھاگتے چھوٹوں کی طرف چلے گئے اور اتفاقاً جو دو موٹے بچے ایک دوسرے سے ٹکرائے تو ایک ننھی سی بچی کی ان سے زور سے ٹکر لگی اور وہ بے چاری منہ کے بل زمین پر گر پڑی...... اس کے گال پر نیل پڑ گیا اور گھٹنے چھلے سو الگ اور وہ روئی بھی خوب...... کیونکہ اسے تکلیف کے ساتھ ساتھ شاک بھی لگا تھا۔ خیر اس کی ٹیچر اسے بہلا پھسلا کر اندر لائیں اور فرسٹ ایڈ کے کمرے میں اس کے گال کی ٹھنڈی ٹکور کی گئی تب کہیں جا کر اس کا رونا بند ہوا۔

اگلے دن ہی اس کے والدین میرے دفتر میں موجود تھے اور غصہ بھی کررہے تھے کہ ایسا ہوا کیوں، خیر انہیں تو میں نے معذرت کرکے اور تسلی دے کر بھیج دیا مگر خود سوچ میں پڑ گئی، خاصی سوچ بچار کے بعد ایک حل سمجھ میں آیا کہ ایک تو بڑے بچوں کا کسی بھی حالت میں چھوٹی کلاسوں والے حصے میں جانا بند ہوا اور ان کی

ٹیچرز بھی اس بات کا خیال رکھیں۔ دوسرے تمام کلاسیں بریک کے پہلے دس..... منٹ کلاس روم میں ہی کھانے وغیرہ سے فارغ ہو جائیں اور پھر قطار بنا کر باہر جائیں، اس صورت میں ایک تو کھانا تمیز سے کھایا جاتا...... کوڑا بچے خود ڈسٹ بن میں ڈالتے...... دعا بھی پڑھ لیتے اور تم کھاتے ہوئے کھیلنے کی افراتفری بھی نہ ہوتی...... ساری ٹیچرز کو میں نے پانچ منٹ کو اپنے دفتر میں بلایا اور اسپورٹس ٹیچر کو تمام کلاسوں کے راؤنڈ لگانے کا کہہ دیا۔ ٹیچرز کو بھی یہ تجویز خاصی اچھی لگی اور سب نے کہا کہ اس پر عمل ہونا چاہیے۔

اگلے دن ایسا ہی ہوا بریک کی گھنٹی بجی تو ایک دم سے افراتفری کے بجائے خاموشی چھائی رہی...... ہر کلاس میں بچے جلدی جلدی کھانا ختم کرنے میں مصروف تھے۔ صبح اسمبلی میں، میں اس بات کی اناؤنسمنٹ کر چکی تھی اور ٹیچرز نے بھی اپنی اپنی کلاسوں میں بچوں کو سمجھایا تھا۔ دس منٹ کے بعد سب طلبا چھوٹے بڑے، باہر نکلنا شروع ہوئے، آج ہر ایک کو یوں لگتا تھا کہ جیسے کھیل کا وقت کچھ زیادہ ہی ہو گیا ہو، وقتِ مقررہ پر سب اپنی، اپنی کلاسوں میں آئے اور پڑھائی شروع ہو گئی۔

میں نے صبح ہی سب جماعتوں میں نوٹس بھیج دیا تھا کہ تمام ٹیچرز چھٹی کی گھنٹی کے فوراً بعد صرف دس منٹ کے لیے میرے دفتر میں آ جائیں تا کہ میں فیڈ بیک لے سکوں۔ سب استانیاں میرے کمرے میں پہنچیں کچھ کو جانے کی جلدی تھی مگر آنا بھی ضروری تھا اور کم عمر ٹیچرز تو ہنستی کھلکھلاتی، باتیں کرتی موجود تھیں، میں نے سب پر ایک نظر ڈالی۔

"ہاں بھئی تو کیسا رہا آج کا نیا تجربہ......؟"

"کافی اچھا۔" ہر طرف سے یہی جواب آیا۔

"تو پھر آپ لوگوں کا کیا مشورہ ہے اسے مستقل کر دیں؟" بعض سینئر ٹیچرز نے صاد کہا اور کہا "ضرور......"

"بھئی کسی کو کوئی بات ناپسندیدہ تو نہیں لگی؟ کوئی اعتراض ہو تو بلا جھجک ابھی بتا دیں تا کہ اس کا حل تلاش کیا جائے۔" میں نے پھر بھی احتیاطاً پوچھا۔

"میم کچھ ہیں ایسے جنہیں آپ کا یہ فیصلہ پسند نہیں آیا۔" شندرہ ایک شریر سی استانی نے مسکراتی نظروں سے مجھے دیکھا۔

"اوہو...... یہ ضرور مسز فاروقی اور مسز جرار ہوں گی، ان دونوں کو کوئی نئی چیز دل سے قبول کرنے میں زیادہ وقت لگتا ہے خیر......" میں نے دل ہی دل میں خود سے کہا۔

سب لوگ حیرت سے شندرہ کی طرف دیکھنے لگے جیسے پوچھ رہے ہوں...... "وہ کون ہیں؟"

مجھ سے بھی رہا نہیں گیا فوراً پوچھا۔ "شندرہ وہ کون ہیں؟"

"میڈم وہ کوّے...." ایک دم سے جواب آیا۔

سب نے بے ساختہ ہنسنا شروع کر دیا...... اور میری نظروں کے سامنے وہ منظر گھوم گیا۔ بچوں کے اندر جماعتوں میں جاتے ہی کوؤں کی ڈاریں حسبِ معمول اتریں مگر یہ کیا آج تو اُن کے لیے کچھ کھانے کو تھا ہی نہیں...... (بھلا ہو اس نئی پرنسپل کا) اس قدر کائیں، کائیں ہوئی کہ ہر ایک کو نہ چاہتے ہوئے بھی اس احتجاج کا نوٹس لینا پڑا۔ مگر کسی کو یہ خیال اس وقت نہیں آیا تھا کہ آج یہ مہمان اس قدر برہم کیوں ہیں، اگلے دن پھر یہی ہوا، استانیاں بھی خوش تھیں، بچے بھی خوش مگر کائیں، کائیں کے شور نے اچھی خاصی ایمرجنسی کا سماں پیش کر دیا۔

آج میں نے اپنے اسسٹنٹ کو بلا کر ہدایت دی کہ ان کے لیے دانے کا بندوبست کر دے اور حسبِ معمول وقتِ طعام... ان کا کھانا سرو کر دیا جائے کہ احتجاج کسی کا بھی ہو...... اس کا نوٹس لینا تو ضروری ہوتا ہے۔

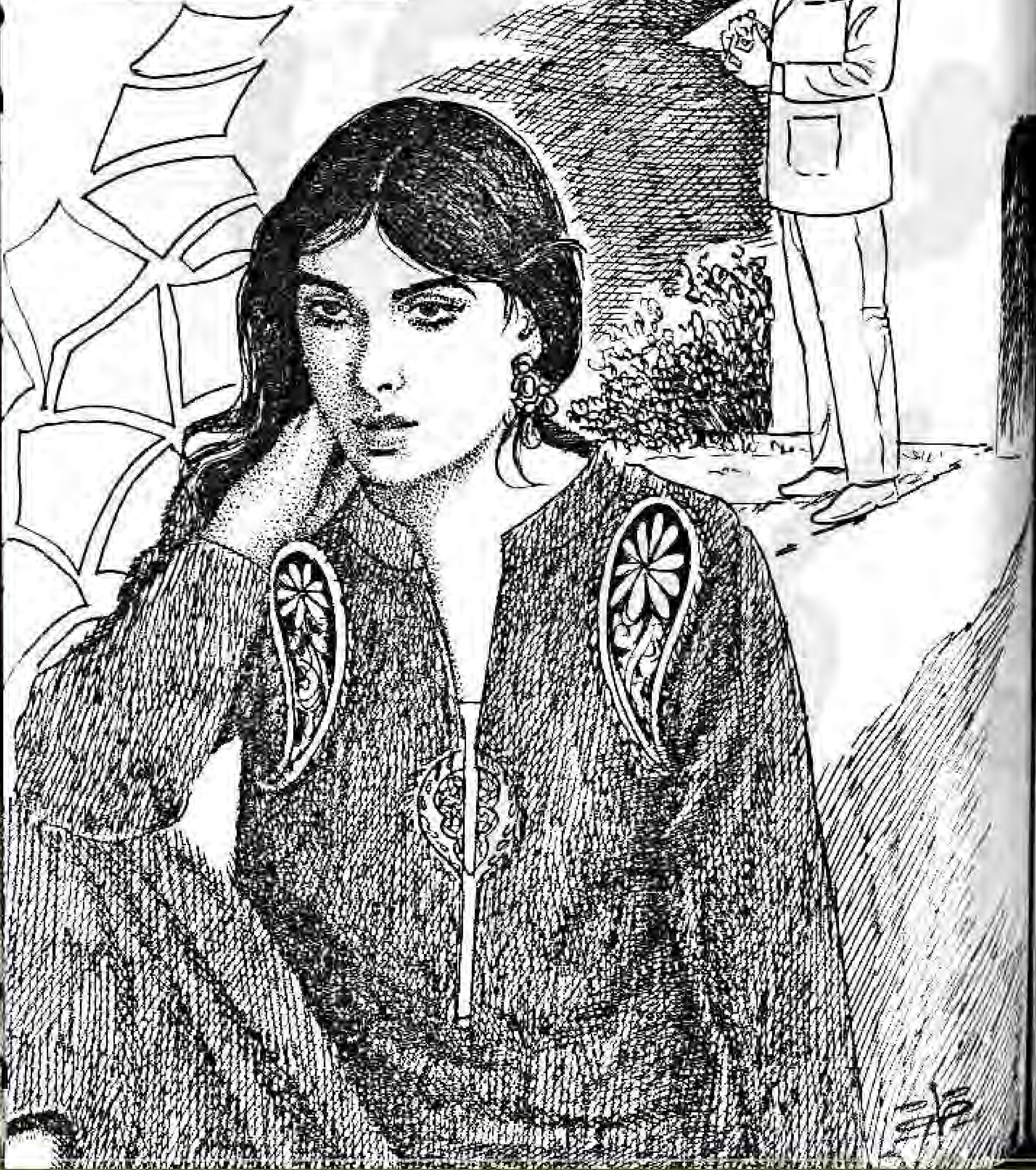
ناولٹ

ستارہ ہو کہ دل

سیما رضا ردا

ہماری دوستی کتابوں میں بسی خوشبو کے مانند تھی۔ اس کے ملنے والے اور میرے جاننے والے سب ہی کا دعویٰ تھا کہ مول اور نشاط کی دوستی بے مثال ہے اور یہ سچ ہی تو تھا کہ ہم تعلیمی مراحل طے کر چکے تھے۔ اپنی، اپنی دانست میں ہم زندگی کی بہت سی کامیابیاں حاصل کر چکے تھے اور کر رہے تھے مگر ہماری دوستی زیادہ کامیاب تھی۔

مول کانونٹ زدہ لہجے میں بات کرنے کی



عادی تھی۔ ہم دونوں کی دوستی کی بنیاد کالج سے پڑی تھی۔ ایک ہی کالج سے ہم نے پڑھا۔ نفسیات میں ایم اے کرنا میرا تو شوق تھا ہی...... مومل کا بھی جنون تھا۔ شناسائی کا یہ لمحہ گہرا ہوتا گیا اور ہماری دوستی بھی گہری ہوتی چلی گئی۔ مومل شاعرانہ مزاج کی حامل پر ایک کھردری لڑکی تھی۔ کھردری میں نے اس لیے کہا کہ اس کی ذات کا کھردرا پن تین چار ملاقاتوں میں ہی ظاہر ہو جاتا تھا۔ وہ کسی سے بھی بہت بے تکلف انداز میں بات کرنے کی روادار نہیں تھی۔ آج اس نے اگر کسی سے ہنس کر بات کرلی تو اگلے دن وہ اسی سے بے رخی کے ساتھ پیش آئے گی۔ اگر اس کے پاس وقت نہیں ہے تو وہ صاف کہہ دے گی اپنی گھڑی کو دیکھتے ہوئے کہ اس وقت تو ہم لائبریری جارہے ہیں۔ اور میرا ہاتھ پکڑ کر لائبریری چل دیتی۔

''اب بتاؤ امتحان سر پر ہیں اور یہ ہمیں اپنے بھائی کی شادی کی البم دکھانے لائی ہیں۔'' وہ بڑبڑاتی ہوئی چلنے لگتی۔

''لیکن مومل! تم نے ہی تو وعدہ کیا تھا آج دیکھیں گے۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''خیر اس وقت تو ہم فارغ تھے مگر آج ڈاکٹر یزدانی نے جو لیکچر دیا ہے لائبریری میں اس موضوع سے متعلق شاذ و نادر ہی کتابیں ہیں اور مجھے ہر صورت آج ہی اس پر نوٹس بنانے ہیں۔'' نوٹس بنانے ضروری تھے یا نہیں مگر یہ طے تھا کہ اس کا موڈ نہیں تھا اور جب موڈ نہ ہو تو وہ کسی کے بھی احساسات سے قطع نظر اپنی مرضی کیا کرتی تھی۔ رہ گئی میں یعنی نشاط پرویز تو میں اسے اچھی طرح انڈر اسٹینڈ کرتی تھی اور ہماری پائیدار دوستی کا ایک بڑا راز یہ بھی تھا کہ میں اسے جانتی تھی مگر کبھی کبھی نہ جانے کیوں...... ہماری اس دوستی میں مومل ہمیشہ بالا دست رہتی تھی اور اس کی یہ بالا دستی مجھے اکثر گراں بھی گزرتی .... مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ مجھے بے حد عزیز تھی اور وہ میری چھوٹی سے چھوٹی ضرورت کا خیال کچھ اس طرح رکھتی تھی کہ مجھے اکثر اس پر پیار آجاتا۔ وہ مجھے اپنے سے بے حد قریب لگا کرتی۔

☆☆☆

ہم صرف دو ہی بہنیں تھیں۔ فرزانہ باجی مجھ سے بڑی تھیں۔ امی، ابو نے ان کی منگنی ہمارے تایا زاد بھائی شاکر سے طے کردی تھی۔ وہ مقامی کالج میں لیکچرار تھے۔ بے حد نفیس طبیعت کے مالک تھے۔ میں اپنے امی، ابو کی بہت لاڈلی تھی۔ میرا صرف یہی شوق تھا کہ میں تعلیم حاصل کروں سو ابو نے میرے شوق کو دیکھتے ہوئے بخوشی اجازت دے دی تھی۔ ہمارے گھر میں اللہ کا کرم تھا کہ ہر طرح سے خوش حالی تھی۔ ابو ایک بہت اچھی انٹرنیشنل فرم میں اچھے عہدے پر فائز تھے۔ پرکشش تنخواہ تھی اور ہمیں کیا چاہیے تھا۔

میں کمپلیکس زدہ لڑکی نہ تھی اور نہ کوئی احساسِ محرومی میرے اندر پل رہا تھا۔ خوشگوار حالات نے میری طبیعت میں انکساری، نرمی، ہمدردی اور محبت جیسے مثبت اوصاف پروان چڑھائے تھے مگر مومل سے دوستی کے ساتھ رفتہ، رفتہ مجھ پر یہ احساس غالب آتا جارہا تھا کہ اس نے مجھے کچھ اس طرح رکھا ہوا ہے کہ میری اپنی حیثیت ختم ہو کر رہ گئی ہے حالانکہ وہ ایک آزاد طبع لڑکی تھی۔ نزاکت پسند ہونے کے ساتھ ساتھ اس میں ہٹ دھرمی یعنی اپنی غلط بات پر بھی ڈٹ جانے کی عادت تھی۔ وہ مجھے دوست سے زیادہ حاکم لگا کرتی۔ کبھی کبھی تو میں اسے باتوں، باتوں میں کہہ بھی دیا کرتی۔

''مومل کبھی دوست بن کر بھی بات کرلیا کرو...... یہ کیا، جب دیکھو حکمیہ انداز اپنائے رہتی ہو۔ ہر بات میں ضد، دوسرے کی مرضی تمہارے نزدیک کوئی معنی نہیں رکھتی۔ اب بتاؤ آرٹس کونسل جانے کی کیا ضرورت ہے؟ اتنی رات ہو جائے گی اور مشاعرہ کوئی جلدی ختم ہوگا؟'' میں رات کے بڑھتے سائے دیکھ کر خوف زدہ ہو جاتی تو وہ مزے سے ڈرائیونگ کرتے ہوئے بجائے جواب دینے کے زہر خند سے انداز میں مسکرا کر ایک رکشے کی جانب اشارہ کرتی بھاگتے ہوئے رکشے کی پشت پر لکھا تھا۔

''ضد میری ادا ٹھہری!''

یوں وہ اکثر ہی امی، ابو سے کہہ کر مجھے زبردستی ہر جگہ اپنے ساتھ لے جایا کرتی۔ کسی کی بات سے زیادہ اس کی بات اہم ہوا کرتی اور مزے کی بات تو یہ تھی کہ وہ اپنی بات منوا بھی لیا کرتی تھی۔

نفسیات میں میرے نمبر بے حد کم آئے تھے تقریباً سی گریڈ۔ سر امتیاز مارکس دینے کے معاملے میں بے حد کنجوس تھے مگر میں روہانسی ہوئی جارہی تھی کیونکہ باقی سبجیکٹ میں میرے نمبر اچھے تھے اور اس سے میری فرسٹ کلاس میں فرق پڑ سکتا تھا۔

''دونوں سمسٹرز میں سر امتیاز نے میرے ساتھ امتیازی سلوک ہی کیا، میری پرسنٹیج بالکل گر گئی ہے۔'' میں پریشانی میں مبتلا تھی اور بار بار یہی گردان تھی۔

''فکر نہ کرو تمہارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔'' مومل بڑے غیر معمولی انداز میں بولی۔

''وہ کیسے؟'' میں حیران ہوئی کیونکہ یہ کوئی آسان کام نہ تھا۔ سر امتیاز سب کو ایک ہی چھڑی سے ہانکتے تھے مگر یہ چھڑی مومل نے ایسی بدلی کہ سر امتیاز نے دوبارہ میری کاپیاں چیک کیں اور نتیجتاً جی ہاں میری فرسٹ کلاس میری منتظر تھی۔ آخر سر امتیاز کی سب سے چھوٹی بیٹی مومل کے اسکول میں زیرِ تعلیم تھی یہ دلیل کم تو نہ تھی۔

مومل کے پپا کا اسکول تھا اور شہر کے معروف ترین اسکولوں میں اس کا شمار تھا۔ سو سر امتیاز کے اصولوں میں لچک تو آنی ہی تھی۔ یہی نہیں کم و بیش اس نے میرے ساتھ ایسے بہت سے احسان کیے جن

کو اگر میں لکھنے بیٹھوں تو یہ کہانی دوستی سے زیادہ احسان مندی کے گرد گھومنے لگے گی۔

☆☆☆

وہ اصول پسند تھی مگر جانے کیوں جو لوگ خود اصول پسند ہوتے ہیں دوسروں کے اصول کیوں ان کی نظروں میں ہیچ ہوتے ہیں؟ ہر انسان کی اپنی زندگی ہوتی ہے۔ وہ اسے جس طرح چاہے گزارے مگر یہ بات شاید مومل یزدانی کے اصول کے خلاف تھی۔ وہ مجھے اکثر ہی اپنے انڈسٹریل ہوم اور بوتیک پر لے جایا کرتی تھی بقول اس کے... پپا نے اس کے شوق کو دیکھتے ہوئے اسے اس بات کی اجازت دی ہے۔ مومل کو بیٹ ورک، فینسی ورک، انٹیریئر ڈیکوریشن کے علاوہ تمام جتنے بھی بنیادی کورسز تھے ان سب پر عبور حاصل تھا۔ وہ بہت اچھی ڈیزائنر بھی تھی مگر اب یہ تھا کہ وہ ان بکھیڑوں میں خود نہیں پڑتی تھی۔ اپنے انڈسٹریل ہوم کے لیے اس نے بارہ لڑکیوں پر مشتمل اسٹاف رکھا ہوا تھا۔ انڈسٹریل ہوم کو مومل نے بڑی محنت سے ڈیکوریٹ کیا تھا۔ ہر شے ایک منظم طریقے سے سیٹ تھی۔ اسی طرح اس کا بوتیک بھی جدید فیشن کے ملبوسات سے آراستہ تھا یہاں بھی اس نے تین لڑکیاں رکھی ہوئی تھیں اور خود باہر کی ..... بھاگ دوڑ کرتی، اچھی ڈریس ڈیزائنر تھی اس لیے نت نئی تبدیلیاں لاتی رہتی۔ یونیورسٹی میں کلاسز کم اٹینڈ کیا کرتی۔

''چلو نشاط ذرا ماسٹر صاحب کی خبر لوں کہ ڈریس سلے یا نہیں۔ بوتیک پر اس دفعہ تو ماسٹر صاحب نے بہت دن لگا دیے۔ ان کے مزاج بھی ٹھیک کرنا پڑیں گے اتنی مشکل سے ڈیزائن ان کو سمجھایا تھا کہیں بگاڑ ہی نہ بیٹھے ہوں۔'' مجھے اس کے ساتھ جانا پڑتا۔ وہ ماسٹر جی کی خبر لیتی تب تک میں مشینوں میں لگے کپڑے اور اپنے کام میں مشغول کاریگروں کو دیکھتی رہتی۔

ایسے ہی ایک دن جب مجھے موبل کے ساتھ جانا پڑا تو میں اسی طرح بکھرے کپڑوں کے گرد.... بے انتہا سوچوں میں مصروف تھی کہ موبل کی تیز آواز پر چونکی جو ماسٹر جی پر بری طرح گرج رہی تھی۔

''جب میں نے آپ کو منع کیا تھا کہ'' لینا بوتیک'' کے کپڑے آپ نہیں لیں گے تو پھر آپ ہر دفعہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ اس طرح میرے ملبوسات کے ساتھ زیادتی ہوتی ہے کپڑوں کی سلائی بھی ڈھیلی ہوتی ہے۔ کالر دیکھ رہے ہیں آپ، میں نے اس طرح کہا تھا کیا؟ یہ آپ کی بے حد.... بے پروائی ہے میں آپ کو منہ مانگا معاوضہ دیتی ہوں۔ میرے یہ ڈریس باہر بھی جاتے ہیں۔ اگر آپ کی یہی بے نیازی رہی تو مجھے پھر کوئی دوسرا انتظام کرنا پڑے گا۔'' موبل بے حد طیش کے عالم میں بولی۔

''دیکھیں جی ہمیں بھی بہت کچھ دیکھنا پڑتا ہے۔ کاریگروں کو بھی دینا پڑتا ہے۔ ہمیں پورا نہیں پڑتا۔ اس لیے ہم آپ کے علاوہ دوسروں کو بھی مایوس نہیں کرتے ... یہ تو ٹھیک بات نہیں ہے کہ ہم صرف آپ ہی کے کپڑے سیا کریں۔ ہاں البتہ دوسری غلطیوں کی میں معافی چاہتا ہوں۔'' ماسٹر نے بہت سلیقے سے اپنی بات کی۔

''نہیں ماسٹر جی، میں اپنی کسی بھی چیز پر پوری توجہ چاہتی ہوں۔ یہ میں نے آپ سے پہلے ہی روز کہہ دیا تھا اور میرا معاوضہ بھی آپ جانتے ہیں لہٰذا آپ کی اگر مجبوری ہے تو پھر میرا بھی اپنا اصول ہے، آپ میرا کام پوری یکسوئی سے نہیں کر سکتے تو کوئی بات نہیں میں کوئی دوسرا انتظام کرلوں گی۔''

''دیکھیں جی آپ...'' ماسٹر جی گڑبڑا کر بولے مگر وہ سختی سے اپنی بات مکمل کر کے مجھے لے کر آگے بڑھ چکی تھی اور پھر پیسہ پھینک تماشا دیکھ اگلے ہی دن اس نے اشتہار دے دیا اور پھر جلد ہی اسے نیا درزی مل گیا۔ اس کے اصولوں پر ہاں کہنے والا۔ وہ ذرا سی بھی کوتاہی برداشت نہیں کرتی تھی۔ اس کا اسٹاف اس کے لہجے کی سختی سے خوف کھاتا تھا۔ وہ ذرا سی بے ترتیبی پر اسٹاف بدلنے کی قائل تھی۔ کسی کی خطا بہت کم معاف کیا کرتی تھی۔ وہ دلوں پر حکمرانی کے فن سے نا آشنا بس ظاہری حکمرانی کرنا جانتی تھی۔

''تمہیں معلوم ہے نشاط، آفاق کا آج پھر فون آیا تھا۔'' موبل مجھے آفاق کے بارے میں بتانے لگی۔

ابھی کچھ دنوں پہلے ہی اس کی اور موبل کی دوستی ہوئی تھی وہ بھی ٹیلی فون پر۔ آفاق نے اتفاقاً کوئی نمبر ڈائل کیا ہوگا مگر وہ نمبر موبل کے نمبر سے ٹکرا گیا اور یوں ایک رانگ نمبر نے دونوں کے بیچ دوستی کی راہ ہموار کردی۔ یہ مجھے موبل نے بتایا تھا۔ بقول موبل ''اُس کے اور میرے مزاجوں میں گہری ہم آہنگی ہے۔ اس کا مطالعہ اتنا وسیع ہے کہ بولتا ہی چلا جاتا ہے۔ وہ بے حد خوب صورت لہجے کا مالک ہے۔'' اور خوب صورت لہجہ موبل کی کمزوری تھا اور جہاں تک میرا خیال تھا آفاق کی خوب صورت آواز ہی اسے متاثر کرگئی تھی۔ چار مہینے تو ہو ہی گئے تھے انہیں فون پر باتیں کرتے ہوئے۔

''ہاں تو پھر؟'' میں نے پوچھا۔

''وہی مطالبہ کہ کسی طرح آپ مجھ سے مل لیں۔''

''تو پھر تم نے کیا سوچا؟'' میں نے اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''تمہیں معلوم ہے میں کس قسم کی.... لڑکی ہوں۔ میں نے اسے ملنے سے منع تو نہیں کیا کیونکہ میں مجبور ہوں اس لیے اس میں مجھے کوئی برائی نظر نہیں آتی۔ ہاں مگر یہ ہے کہ میں کسی ریسٹورنٹ میں ملنا نہیں چاہتی۔'' وہ پُرسوچ انداز میں بولی۔

''تو قباحت کیا ہے باہر نہیں تو گھر میں سہی، گھر بلالو اسے۔'' میں نے کہا۔

''اپنے گھر میں تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' وہ تیزی سے بولی۔

''تو اپنے بوتیک پر بلالو۔''

''نہیں، یہ بھی ٹھیک نہیں ہے۔'' عجیب منطق تھی اس کی۔

''بھئی تم کہیں بھی مل لو۔''

''کہاں ملوں؟''

''اچھا چھوڑو..ضرورت کیا ہے بلانے کی؟'' میں نے زچ ہو کر کہا۔

''نہیں، میں وعدہ کر چکی ہوں اور جو میں کہتی ہوں وہ کر کے رہتی ہوں خواہ کچھ بھی ہو۔'' وہ ہٹ دھرمی سے بولی۔ ''کیونکہ وہ مُصر ہے ملنے پر اور مسلسل انکار میں نہیں کر سکتی اور......اور یہ کہ میں نے سوچ لیا ہے کہ اسے کہاں بلانا ہے۔''

''کہاں بلانا ہے؟''

''تمہارے گھر پر۔'' وہ بھرپور سنجیدگی سے بولی۔

''کیا......تم ٹھیک تو ہو؟'' مجھے اس کی دماغی حالت پر شبہ سا ہوا۔ ''ایک اجنبی شخص کو جسے میں جانتی نہیں اور پھر ابو، امی، فرزانہ باجی، یہ سب کیا کہیں گے۔ ہرگز نہیں یہ اچھی بات نہیں ہے۔ موبل تمہیں کیا ہوگیا ہے۔ امی کیا سوچیں گی۔'' میں روہانسی سی ہو کر بولی۔ ''اور میں کیا کہوں گی کہ وہ کون ہے؟''

''افوہ...... کچھ نہیں ہوگا، تمہیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آنٹی، انکل کو منانا میری ذمّے داری ہے۔'' وہ رسان سے بولی اور آفاق احمد پر یہ بات ختم کر کے موضوع بدل دیا۔

عجیب سی بات تھی آخر وہ اپنے گھر کیوں نہیں بلانا چاہتی تھی آفاق احمد کو...... وہ اپنے فیصلوں میں آزاد تھی جہاں تک میرا خیال تھا۔ اس کے والدین کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہوتا کیونکہ بقول موبل سب کی اپنی، اپنی زندگی ہے پھر اس کے والد نے تو ویسے بھی ایک شادی اور کر رکھی تھی۔ شاید اسی سبب اس کو اس درجہ آزادی ملی ہوئی تھی بہرحال یہ میری سوچ تھی۔ میرا موبل کے یہاں جانے کا کم ہی اتفاق ہوا تھا۔ ہمیشہ جب بھی میں اس کے گھر گئی، گھر کے سناٹوں نے ہی میرا استقبال کیا یا پھر موبل کی دادی جان جو مجھ سے پیار سے ملا کرتی تھیں۔ اپنی ممی کے بارے میں موبل کا رویّہ ہمیشہ مبہم سا رہا اور ہمیشہ اس

رسولِ اکرم ﷺ کے فرمان

☆ جب مانگو تو خدا سے مانگو اور جب مدد چاہو تو اللہ سے مانگو۔
☆ انصاف کی گھڑی برسوں کی عبادت سے بہتر ہے۔
☆ جو بات تم کو شک میں ڈالے وہ چھوڑ دو۔
☆ جہنمی لوگ، خود پسند، خود پرست، متکبر، حریص اور بخیل ہوتے ہیں۔
☆ جس نے میری قبر کی زیارت کی، اس پر میری شفاعت واجب ہوگئی۔
☆ جو چپ رہا اس نے نجات پائی۔
☆ جس برتن کو ڈھکا نہ گیا ہو، اس کا پانی مت پیو۔
☆ دعا عبادت کی جان ہے۔
☆ جو لوگ اندھیروں میں مسجدوں کی طرف جاتے ہیں انہیں قیامت کے دن نور کی خوش خبری سنا دو۔
☆ سچ بولو خواہ کسی کو ناگوار ہی کیوں نہ ہو۔
☆ حیا ایمان کی ایک شاخ ہے۔
☆ چغل خور جنت میں داخل نہ ہوگا۔
☆ ہر گناہ کی توبہ ہے مگر بداخلاقی کی نہیں۔
☆ میوے دار درخت لگانا صدقۂ جاریہ ہے۔

مرسلہ: منور شہزادی، گوجرانوالہ

نے بتانے سے گریز کیا کیونکہ بارہا اس کی گفتگو سے یہ عندیہ ضرور ملتا تھا کہ ہمدردی جتانے والوں سے اسے سخت نفرت ہے۔

اس کو کیا دکھ تھے، کیا رنج تھے؟ اس نے آج تک مجھ سے معمولی سی بات بھی شیئر نہیں کی تھی۔ اور ایک میں تھی کہ اگر فرزانہ باجی یا امی نے ذرا سا مجھے ڈانٹ بھی دیا ہوتا تو وہ بھی مومل کو بتاتی مگر میرے سامنے اس کے گھر کے معاملات ہمیشہ پوشیدہ رہے۔

☆☆☆

آفاق احمد کے سلسلے میں جب میں نے فرزانہ باجی کو بتایا اور یہ بھی کہ وہ آفاق احمد کو یہاں بلانا چاہتی ہے تو فرزانہ باجی نے کہا۔

"تم کیوں فکر کرتی ہو جبکہ بقول اس کے وہ امی ابو سے بات کرلے گی۔" اور پھر واقعی میرے پریشان ہونے سے کچھ بھی نہ ہوا۔ مومل نے نہ صرف ابو سے کمالِ اعتماد سے بات کی بلکہ حد تو یہ کہ ابو مان گئے اور امی کو بھی اس نے نہ جانے کن دلیلوں سے قائل کرہی لیا۔

اور ایک عام سے دن جب ابو آفس گئے ہوئے تھے۔ مومل اور میں نے یونیورسٹی کی چھٹی کی ہوئی تھی۔ امی کچن میں مصروف تھیں اور فرزانہ باجی ان کا ہاتھ بٹارہی تھیں۔ مومل گھر پر آئی ہوئی تھی۔ سادہ سے گرے اور ریڈ کاٹن کے سوٹ میں وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔ اس کی شخصیت مزید بااعتماد اور پُرکشش لگ رہی تھی۔ ہم دونوں اس وقت ڈرائنگ روم میں بیٹھے باتیں کررہے تھے اور ساتھ آفاق احمد کا انتظار بھی۔ جنہوں نے ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے آنے کو کہا تھا اور مومل نے ان پر واضح کردیا تھا کہ وہ صرف آدھے گھنٹے سے زیادہ نہیں ٹھہریں گے۔

"مومل تم نے گھر کا ایڈریس تو اچھی طرح سمجھا دیا تھا ناں؟" گھڑی کی سوئی گیارہ تیس کی طرف رواں تھی اور مجھے تشویش ہورہی تھی کہ موصوف بھٹک نہ جائیں۔

"جی نہیں، بڑا سمجھ دار آدمی ہے بہت اچھی طرح یہاں کی لوکیشن کو سمجھ چکا ہے۔ بھٹکنے کی تم نے خوب کہی۔"

ہاں واقعی میں نے خوب کہی اور تب ہی گیارہ چالیس پر دروازے پر بیل بجی اور میں، امی اور فرزانہ باجی کے اٹھنے سے پیشتر ہی گیٹ پر موجود تھی۔ میں نے گیٹ کھولا تو سامنے ایک بے حد ہینڈسم سا شخص کھڑا تھا۔ اس نے بے حد شائستہ انداز میں پہلے سلام کیا اور پھر بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔

"آپ مومل؟"

"نہیں جی۔" میں نے اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ "وہ اندر ہیں۔ آئیں آپ تشریف لے آئیں۔" میری رہنمائی میں وہ اندر چلا آیا۔

"یہ ہیں مومل۔" اس کی نگاہ مومل پر پڑی اور میں ان دونوں کے پاس ذرا ہی دیر بیٹھی اور ایکسکیوز کرکے چلی آئی کیونکہ مجھے وہاں رکنا مناسب نہیں لگا تھا۔

امی کو یہ معلوم تھا کہ یہ مومل کے کزن ہیں اور کسی تنازعے کی بنا پر ان کا مومل کے گھر آنا جانا بند ہے سو مومل نے ہم پر اعتماد کرتے ہوئے انہیں یہاں بلالیا ہے۔

فرزانہ باجی مجھ سے پوچھتی رہیں کہ کیسے ہیں، کیا کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ ان کے ...... سوالوں کے جواب دیتے، دیتے کافی وقت گزر گیا اور جب میں آفاق احمد کے اعزاز میں مہمانداری نبھاتے ہوئے مشروب لے کر پہنچی تو کمرے میں سوائے مومل کے کوئی نہیں تھا۔ جو بڑے آرام سے صوفے پر گردن اونچی کیے بیٹھی تھی۔

"ہائیں، یہ تمہارے آفاق احمد کہاں چلے گئے؟" میں نے ٹرے میز پر رکھتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

"گئے جہاں انہیں جانا تھا۔"

"کیا مطلب؟"

"ارے بھئی کہ چلے گئے بھئی اور وہ جانے کے لیے تو آئے تھے۔" وہ کمالِ اطمینان سے بولی۔

"تو کیا مطلب...... تم نے ان سے بات نہیں کی؟"

"کیوں؟ بات کیوں نہیں کی۔"

"مگر اتنی سی دیر میں کیا بات ہوئی ہوگی؟"

"ارے واہ، میرے ہاتھ میں گھڑی بندھی ہے نشاط بیگم۔ بس جہاں تیس منٹ پورے ہوئے میں نے کہا اب آپ جاسکتے ہیں کیونکہ اتنی ہی میری کمٹمنٹ تھی۔"

"تو وہ چلے گئے؟" میں اس کی بداخلاقی پر برا مان گئی۔

"ہاں ظاہر ہے مگر تم کس فکر میں غلطاں ہو؟" وہ چڑ کر بولی۔

"کسی فکر میں نہیں مگر مومل بی بی کچھ اخلاقی تقاضے بھی ہوتے ہیں۔ وہ شخص ہمارے گھر مہمان تھا اور تم نے اسے ایسے ہی جانے دیا۔ اب یہ کون پیے گا؟" میں نے ٹرے میں رکھی کولڈ ڈرنکس کی طرف اشارہ کیا۔

"افوہ یہ کوئی غیر اخلاقی بات نہیں ہوئی اسے ہم پئیں گے اور کون پیے گا۔" وہ ڈھٹائی سے بولی۔

"بہرحال مجھے یہ اچھا نہیں لگا کوئی ہمارے گھر آیا اور ایسے ہی چلا گیا۔ تم فون پر ان سے معذرت کرلینا۔" میں اپنی دھن میں بولی۔

"خبردار جو تم نے معذرت کا نام لیا۔ معذرت کی اس میں کیا ضرورت پیش آگئی۔ بس ملنا مقصد تھا وہ پورا ہوگیا۔" وہ دوسرا گلاس بھی اٹھاتے ہوئے بولی۔ "اور ویسے بھی آج رات کی فلائٹ سے وہ جرمنی جارہا ہے سو اس لیے ملاقات ضروری تھی بس اور پھر پرسوں میری بھی فلائٹ ہے۔"

"روبرو گفتگو کیسی لگی؟" میں نے آفاق احمد کے بارے میں پوچھا۔

"بظاہر تو بہت اچھی لگی مگر تمہیں معلوم ہے کہ لوگوں کے بارے میں میرا مطالعہ کتنا وسیع ہے اس لیے رائے قائم کرنے میں دیر تو لگتی ہے مگر ہم میں زیادہ باتیں اسٹارز کے بارے میں ہوتی رہیں۔ میں تو ہوں ہی لبرا اور موصوف بھی لبرا ہیں اور یہ بات ذرا کچھ چبھتی ہے کہ وہ میرے ہم رنگ اسٹار ہیں۔ خیر زندگی میں تھرل ضروری ہے یہ ملاقات ادھوری سہی مگر جاندار تھی۔"

اور پھر دو دن بعد مومل بھی لندن چلی گئی، ہر سال کی طرح۔ اپنے انکل کے پاس جن کا وہ اکثر تذکرہ کرتی تھی۔ وہ واپسی پر میرے لیے ڈھیروں تحائف لاتی۔

☆☆☆

وقت کچھ آگے سرکا تو مومل اور آفاق کی دوستی اور آگے بڑھی اور بڑھتے بڑھتے ختم بھی ہوگئی۔ آفاق، مومل سے شادی کا خواہش مند تھا مگر مومل کو اس کی بہت سی باتوں پر اعتراض تھا۔ مومل کو چہرہ شناسی اور ستاروں کے علم پر کافی عبور تھا اس کی باتوں کے حوالے میں تجربے کا نچوڑ نہیں بلکہ ان دونوں کے علم کا نچوڑ ملتا مگر اسے آفاق کے اسٹار پر اعتراض تھا کہ لبرا مرد زندگی بھر تعریف و توصیف کے خواہش مند رہتے ہیں اور چاہے جانے کے عمل کی توقع دوسروں سے رکھتے ہیں۔ مومل نے بتایا "جتنا گریس فل وہ نظر آتا ہے، باتوں اور کردار میں بالکل نہیں ہے۔ وہ اپنے گھر کی چھوٹی سی چھوٹی بات مجھے یوں بتاتا ہے جیسے میں اس کی والدہ ہوں اور خصوصاً مردوں میں مجھے یہ خوبی اچھی نہیں لگتی۔" بہرحال مومل نے اسے آزمایا اور بہ آسانی اپنا راستہ بدل بھی لیا یہ کہہ کر کہ "ہم زندگی کے سفر میں ایک دوسرے کے لیے موزوں نہیں ہیں۔" اور یوں آفاق احمد کسی لائبریری میں رکھی ان کتابوں کی طرح ہوگیا جو کسی کام کی نہیں

ہوتیں مگر وقت پر سب کے ہی کام آتی ہیں۔ آزمائش کے اس سفر میں موحل وجاہت یزدانی کے آزمانے کا ہنر بہت سوں پر چلا مگر ہر ایک کو اس نے اپنے تجربوں کی نذر کر دیا۔ دوسرے معنوں میں رد کر دیا۔

ہر سال کی طرح وہ اس سال بھی جب لندن جانے لگی اپنے انکل کے پاس تو ہر دفعہ کی طرح اس نے مجھ سے پوچھا۔

''اس بار کیا لاؤں تمہارے لیے؟'' اور ہر بار کی طرح میرا یہی جواب تھا۔

''کچھ بھی نہیں، بس تم جلدی آجانا۔'' یہ حقیقت تھی وہ وہاں جاکے بھی مجھے نہیں بھولتی تھی۔ وہ چار ماہ کے لیے جاتی مگر اس کے خط مجھے اس کی یہاں موجودگی کا احساس دلاتے رہتے اور شاید یہ ہماری دوستی کی پائداری تھی کہ اس کے خط سے مجھے اپنے ہونے کا احساس ہوتا تھا۔ اتفاق یہ ہوتا کہ جن دنوں وہ باہر ہوتی ان ہی دنوں میں میری برتھ ڈے آجاتی اور اس جنم دن کا نیا سورج طلوع ہونے سے پہلے ہی اس کا فون آجاتا۔ یہی نہیں جب وہ واپس لوٹتی تو تحائف تو میرے لیے لاتی ہی تھی مگر برتھ ڈے کا اسپیشل گفٹ میرے نہ، نہ کرنے کے باوجود زبردستی مجھے دیتی۔ ہماری دوستی کو رشک سے دیکھنے والی آنکھیں بے شمار تھیں۔ مجھ سے متعلقہ لوگ ہماری دوستی کو نہ جانے کیسے، کیسے القابات سے نوازتے۔ میں چھوٹی، چھوٹی باتوں پر خوش ہونے والی عام سی لڑکی تھی۔ کسی بھی مذاق کو دیر تک انجوائے کرتی رہتی مگر اس معاملے میں مجھے موحل بے حس لگا کرتی۔ وہ اپنے موڈ کے تابع ہو کر ہنستی بلکہ زیادہ تر مسکرانے پر ہی اکتفا کیا کرتی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے وہ ہمارے ڈیپارٹمنٹ کا کوئی رنگا رنگ سا پروگرام تھا۔ سیکنڈ سمسٹر کے اختتام کے بعد یہ فنکشن منعقد کیا گیا تھا۔ ثاقب ہماری کلاس کا بے حد چلبلا لڑکا تھا۔ اپنی بذلہ سنجی کی وجہ سے سب کو محظوظ کر رہا تھا۔ کمپئرنگ کرتے وقت کلاس کے ہر لڑکے، لڑکی پر اس کے ریمارکس اتنے سچے اور مزے کے تھے کہ سب ہی ہنس، ہنس کر بے حال ہو رہے تھے۔ تب ہی اس کی نگاہِ انتخاب موحل پر پڑی۔

اس کی موحل سے دلچسپی کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی۔ پہلے تو اس نے ہلکے پھلکے انداز میں موحل کی بہت سی عادتوں پر ریمارکس دیے جس سے سب ہی محظوظ ہوئے موحل اپنے انداز میں مطمئن سی پروگرام دیکھتی رہی مگر اچانک ہی نہ جانے کیا ہوا ثاقب رحمانی بے اختیار موحل کی انا پرستی پر بول اٹھا۔

اسے خبر ہے ہم اس پر جان دیتے ہیں
انا پرست ہے اظہارِ روبرو چاہے

ثاقب شرارتی ہے یہ سمجھ کر سارے کلاس فیلو ہی انجوائے کر رہے تھے مگر کسی کو یہ خبر نہ تھی کہ وہ باتوں، باتوں میں ہی دل کا حال کہہ جاتا ہے اور اس وقت بھی اس نے موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ اس کی محبت میں اتنی شدت تھی کہ اس کی آنچ سے موحل کو وحشت ہوتی تھی اور وہ اس سے کتراتی پھرتی تھی مگر اس لمحے تو موحل کو جانے کیا ہوا تھا کہ وہ اپنی سیٹ سے اٹھی اور ''چلو نشاط'' کہتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

میں عجیب گومگو سی کیفیت اور خجل، خجل سی پہلے تو کھڑی رہی۔ میری نگاہ بے اختیار ہی ثاقب رحمانی کی طرف اٹھ گئی۔ جس کی نظریں موحل کا تعاقب کر رہی تھیں۔ کیا کچھ نہیں تھا اس کی آنکھوں میں، زخمی سے لہجے میں بولا۔

''ارے آپ کیوں رک گئیں؟ جائیں تیزی سے جائیں ورنہ غصہ پھٹتے دیر نہیں لگتی۔'' بظاہر اس نے ہنستے ہوئے بات ختم کی مگر مجھے نہ جانے کیوں موحل کے پیچھے جاتے ہوئے اس پر غصہ آئے جا رہا تھا جو ثاقب رحمانی کی محبت سے انکاری ہے پھر مجھے ایک دم ثاقب رحمانی پر غصہ آنے لگا۔ جس نے محبت کی بھی تو اس بے حس لڑکی سے جس کے پاس

جذبات ہی نہیں اور ضرورت بھی کیا ہے ثاقب رحمانی کو اس فضول سی لڑکی کے ساتھ دماغ کھپانے کی۔ محبت تو اس کی چڑ لگتی ہے۔

☆☆☆

''کیا حال ہے نشاط بی بی آپ کے؟'' میں لائبریری کے کونے میں تکی اپنا تھیسس مکمل کرنے میں مصروف تھی۔ آج موحل میرے ساتھ نہیں تھی تب ہی ثاقب رحمانی میری طرف چلا آیا۔

''بیٹھیں۔'' میں نے کہا۔

''وہ کہاں ہیں آج؟'' وہ متلاشی نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے بیٹھ گیا۔

''موصوفہ کا نام کیوں نہیں لیتے؟'' حالانکہ مجھے علم تھا وہ اس کو ہمیشہ ہی وہ، آپ، جناب جیسے لفظوں سے مخاطب کرتا تھا مگر پھر بھی مجھے الجھن ہوتی۔ ''کیا ڈرتے ہیں موحل سے یا اس کے رعبِ حسن سے مرعوب ہیں؟'' میں خود ہی جواب دیے جا رہی تھی تب ہی ثاقب رحمانی نے بے اختیار کہا۔

''وہ موم نہیں ہے موحل ہے اور موم تو نرم ہوتی ہے ملائم ہوتی ہے موحل پتا نہیں کیا ہے؟ اگر وہ موم ہوتی تو پگھل گئی ہوتی مگر نہ جانے یہ کیسی پتھر دل ہے، وہ مجھے روز زخمی کرتی ہے اپنے لہجے سے۔ تم ہی بتاؤ میں کس طرح اسے اس کے نام سے پکاروں۔ اگر نام لینے پر بھی اس نے دفعہ لگا دی تو پھر؟'' زخمی لہجے میں کہتے، کہتے ثاقب آخر میں مسکرا دیا۔

''نہیں ثاقب اگر تمہارا جذبہ سچا ہے تو اس سنگ دل پر ضرور اثر ہوگا۔'' میں نہ چاہتے ہوئے بھی کہہ گئی۔ ''انشاء اللہ سب صحیح ہو جائے گا آخر کب تک وہ تمہاری محبت سے دامن بچا سکے گی۔'' تب وہ بولا۔

''سب کچھ ایسے ہی ہو جائے، جب ہے ناں
چاند میری کھڑکی میں آجائے، تب ہے ناں
آپ کے دلاسے بیکار ہیں نشاط۔ بس چاند کا نظارہ دور سے ہی بھلا لگتا ہے۔ چاند کسی کے ہاتھ کب آیا ہے حالانکہ خلقت وہاں تک بھی پہنچ گئی ہے مگر چھو کوئی نہ سکا۔'' وہ مایوسی سے بولا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

میرا دل چاہتا تھا کہ میں اس بے حس لڑکی کو جھنجوڑ ڈالوں۔ اس پیارے سے شخص کی خاطر خوب لڑوں اور میں اس سے لڑ بھی پڑی مگر اس آسمان، زمین کے درمیان معلق لڑکی کی باتیں سن کر ایک لمحے کو تو مجھے اپنی اور اس کی دوستی پر شک ہوا کہ آخر اس نے مجھ سے دوستی کس بنیاد پر استوار کی ہوئی ہے۔

''پہلی بات تو یہ ہے نشاط کہ مجھے اتنی شدت کی محبت پسند نہیں ہے۔ اس نے مجھ سے محبت کرنا میری چڑ بنالی ہے، مجھے نہیں اچھا لگتا، وہ اتنی بھاگتی، دوڑتی تیز دنیا میں وہ پرانے عاشقوں کی طرح میرے لیے آہیں بھرتا ہے۔ وہ قطعاً پریکٹیکل نہیں ہے۔ اس کی باتیں، حرکتیں بس وہ لفظوں کا کھلاڑی ہے اور تمہیں خبر ہے اس کا اسٹار اسد ہے ایسے لوگوں کو میں اچھی طرح سمجھ لیتی ہوں۔'' وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔

''کیسے؟'' میں اس کی عجیب وغریب منطق پر حیران ہوتے ہوئے پوچھنے لگی حالانکہ مجھے اچھی طرح علم تھا کہ نفسیات اس کا Pet مضمون ہے۔ لوگوں کے بارے میں اس کی رائے بڑی پختہ ہوتی تھی البتہ ستاروں کے علم سے اس کی گہری دلچسپی اور شوق مجھ سے چھپا ہوا نہیں تھا۔ اس کے پاس اس علم پر ڈیل کارنیگی جیسے بڑے بڑے مصنفین کی کتابیں موجود تھیں۔ اس کی ستارہ شناسی پر گہری نظر تھی۔

سر کمال کے پیریڈ میں ایک بحث چھڑتی تھی اور موحل سبقت لے جاتی ہمیشہ کی طرح...... یہ تو طے تھا کہ اسے اسٹارز کا اس قدر کریز تھا کہ ہر اسٹار پر وہ کم از کم چار گھنٹے سے زیادہ بول سکتی تھی۔ خیر اسے کسی بھی چیز کو جاننے کا دعویٰ تھا اور اپنے اس دعوے کو وہ ہمیشہ ثابت کر دیتی تھی۔ جیسے اس وقت ثاقب رحمانی کے اسٹار کو چیلنج کر رہی تھی۔

''تمہیں پتا ہے، اس اسٹارز کے لوگ شاہانہ

مزاج کے ہوتے ہیں۔ بس محفلوں میں لوگوں کی نظروں کا مرکز بننا پسند کرتے ہیں۔ ان کی زندگی ساری عمران ہی ہنگامہ خیزیوں میں گزرتی ہے اور اگر کوئی محفل نہیں بھی ہے تو بھی انہیں یہ ہنر حاصل ہوتا ہے کہ محفل کا سماں پیدا کر دیتے ہیں اور لوگ ان کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں۔ بس خوش لباس رہنے کا فن جانتے ہیں۔'' گویہ ساری باتیں ثاقب رحمانی کی شخصیت پر دلالت کر رہی تھیں۔

''مگر موحل تم یہ بھی تو سوچو سچائی اور وفاداری ان پر ختم ہے۔ طبیعت کی جولانی اور بے پروائی کے باوجود بھی یہ ٹھہرے محبت کرتے ہیں پھر اس شخص میں تکبر بھی......''

''بس، بس۔'' وہ مجھے ٹوکتے ہوئے بولی۔ ''جو مجھے کہنا تھا میں نے کہہ دیا۔ میرے سامنے وہ جس عمل کا مظاہرہ کرتا ہے میرے لیے وہ ناقابلِ برداشت ہے۔'' وہ قدرے سختی سے بولی۔

''معلوم ہے موحل، وہ تمہیں کس قدر ٹوٹ کر چاہتا ہے۔''

''ہونہہ...... مجھے پروا نہیں ہے۔ بس ایسے لوگ میرے آئیڈیل نہیں ہیں۔ پوری کلاس کے سامنے اس نے مجھ سے محبت کر کے مسئلہ کشمیر بنایا ہوا ہے سارے ہی مجھے معنی خیز نظروں سے گھورتے ہیں اور یہ میری سراسر توہین ہے۔ تم اس سے صاف صاف کہہ دو نشاط کہ وہ میرا راستہ نہ روکا کرے پھر ایسے لوگوں سے میری کبھی نہیں بن سکتی...... میری انڈر اسٹینڈنگ لیو سے ہو ہی نہیں سکتی۔ میں لبرا ہوں اور تمہیں تو پتا ہے لبرا کے بہترین دوست Aquarius,Gemini ہیں اور میری زندگی کی کامیابی کا راز یہی ہے اور پھر تم بھی تو ہو۔ تبھی کہو کہ میری اور تمہاری دوستی کتنے خوشگوار انداز میں آگے بڑھ رہی ہے۔'' وہ تائید طلب نظروں سے میری طرف دیکھ کر بولی۔

''تو یہ طے ہوا کہ تم اپنی زندگی کے فیصلے ستاروں کی روشنی میں کروں گی؟'' میں نے جواب دیے بغیر سوال داغا۔

''یہ تو انڈر اسٹوڈ بات ہے نشاط۔'' اس نے اپنی نظریں مجھ پر مرکوز کیں۔

''تو کیا موحل، ثاقب رحمانی نے تمہارے دل میں اتنی سی بھی جگہ نہیں بنائی کہ......'' مجھ سے ثاقب رحمانی کی حمایت میں کچھ کہا بھی تو نہیں جا رہا تھا۔

''دل میں اور وہ بھی جگہ؟'' وہ تمسخر بھرے لہجے میں ہنسی۔ ''مجھے چڑ ہے اس کی حرکتوں سے، میرے نزدیک وہ ایک لاابالی انسان سے زیادہ کچھ نہیں ہے اور یہ بات ازبر کر لو نشاط کہ آج کے بعد ہمارے درمیان یہ موضوع کبھی نہیں آئے گا اور تم اسے اچھی طرح سمجھا دینا ورنہ میرا سمجھانا اور طرح کا ہوتا ہے۔'' اور جب میں نے اپنی دانست میں ثاقب رحمانی کو سمجھانا چاہا ہی تھا تو وہ بولا۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے، کیا محبت بھی ان بندھنوں کی پابند ہوتی ہے؟ نہیں، یہ ستاروں کی چال نہیں، یہ ان کی اپنی چال لگتی ہے۔ انہوں نے محسوس ہی نہیں کیا میرے جذبوں کو اگر وہ محسوس کر لیتیں تو......'' وہ چپ سا ہو گیا۔ ''انہیں ستاروں کا زعم ہے اور یہ زعم انہیں توڑ دے گا ایک روز دیکھنا۔'' وہ ٹوٹ رہا تھا اور میں اسے ٹوٹتے ہوئے دیکھتی رہی۔

''انہوں نے میرے پیار کو اس رخ سے دیکھا۔ آپ ہی کہیے کیا ایسا بھی ہوتا ہے؟ آخر وہ آپ کی طرح کیوں نہیں ہیں نرم سی۔'' وہ بے ربطگی سے بولا۔

''ستارہ اس کا میزان تھا
پیار میرا گمان تھا

میں تو اپنی ہی ذات میں مگن رہا اور گمان بھی نہ ہوا کہ وہ نہیں ہے میرا۔'' وہ جیسے اپنے آپ سے ہی باتیں کر رہا تھا۔ ''انہوں نے میری توہین کی ہے اگر میں ایسا ہی بے پروا ہوتا تو مجھے ان کی پروا کیوں ہوتی؟ دیکھیے گا وہ پچھتائیں گی ایک دن، انہوں نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔'' وہ کہہ کر جا چکا تھا۔

اور پھر ثاقب رحمانی ٹوٹتا ہی چلا گیا۔ وہ آنکھیں جو موحل کے رستے میں بچھ بچھ جاتیں ان آنکھوں میں اداسی کے گہرے سائے اتر آئے تھے۔ وہ مجھ سے اسی اپنائیت سے ملتا تھا مگر اس کی ذات میں خلا پیدا ہو گیا تھا اور وہ تھا زندگی کا خلا۔ یوں لگتا تھا کہ وہ یونیورسٹی کے دن پورے کر رہا ہے۔ موحل کے لیے تو وہ اجنبی تھا ہی مگر اس کے اطوار اوروں کے لیے بھی اجنبی ہو گئے۔ اس کے دوست احباب اس کی دلی کیفیت سے واقف تھے۔ اکثر اسے چھیڑتے کہ ''ناکام عاشق، زخمی ہیرو، سرمایہ دارانہ نظام کا شکار ہو گیا۔'' وہ ہنستا مگر نظر انداز کر دیتا کہ اگر وہ کچھ کہتا تو جلے اور پھبکے جاتے۔ وہ بلا کا حاضر جواب تھا مگر اب جواب میں اس نے چپ سادھ لی تھی۔ وہ بے نیاز بن کر موحل کے سامنے سے گزر جاتا البتہ مجھ سے گھڑی بھر کے لیے سلام دعا ضرور کرتا تھا۔

یونہی کتنے ہی دن بوجھل، بوجھل سے گزر گئے۔ امتحان سر پر آ گئے۔ آخری سال تھا۔ اسی مصروفیت میں بہت سارے دن نکل گئے اور پھر الوداعی پارٹی نے پوری کلاس کو یکجا کر دیا تھا... یہ فیئرویل یونیورسٹی کی آخری خوشگوار گھڑی تھی۔

ہر آنکھ اشک بار تھی۔ اس بار بھی ہلکا پھلکا فنکشن ارینج کیا گیا تھا مگر اسٹیج کا روحِ رواں ثاقب رحمانی اسٹیج سے غائب تھا۔ ایک اور کلاس فیلو عارف نے مائیک ہاتھ میں تھاما ہوا تھا مگر جو رونقِ محفل تھا سب ہی اس کی بے حد کمی محسوس کر رہے تھے۔ وہ ہال میں موجود ہی نہیں تھا۔ بار بار اسی ایک نام کی پکار تھی۔ سب اسے اسٹیج پر دیکھنے کے متمنی تھے اور اسے سننا چاہتے تھے اور چاہنے والوں کی دعائیں رائگاں

نہیں گئیں۔ وہ آ گیا تالیوں کی گونج میں عارف نے مائیک اس کے ہاتھ میں تھمایا جیسے یہ اسی کا حق ہو۔

تالیاں ابھی تک اس کے اعزاز میں رقصاں تھیں۔ غزل کی فرمائش ہو رہی تھی اور کسی کی خواہش رد کرنا اس کی عادت نہ تھی۔ میں اور موحل اسٹیج سے بے حد قریب کی سیٹوں پر براجمان تھے۔ ہال میں ایک سکوت سا چھایا ہوا تھا۔ کئی لمحے خاموشی کی سی کیفیت میں گزر گئے پھر ساز اور آواز نے ماحول میں ارتعاش سا پیدا کر دیا۔ ثاقب کی دلسوز آواز ماحول پر پھیلے سکوت کی چادر کو توڑنے لگی۔

''شب ڈھلی چاند بھی نکلے تو سہی
درد جو دل میں ہے چمکے تو سہی
وہ قیامت ہو، ستارہ ہو کہ دل
کچھ نہ کچھ ہجر میں ٹوٹے تو سہی
ہم وہیں پر ہی بسالیں خود کو
وہ کبھی راہ میں روکے تو سہی
دل اسی وقت سنبھل جائے گا
دل کا احوال وہ پوچھے تو سہی
اس کی نفرت بھی محبت ہوگی
میرے بارے میں وہ سوچے تو سہی
اس کے قدموں میں بچھا دوں آنکھیں
میری بستی سے وہ گزرے تو سہی''

''واہ یار کیا خوب غزل تھی۔ تم نے تو اس مغرور حسینہ کے لیے دل کھول کے رکھ دیا۔ وہ قیامت اگر دل رکھتی تو ضرور تمہاری محبت میں ڈوب جاتی۔'' ثاقب کے گروپ کا منچلا عامر اس کی غزل کی تعریف میں رطب اللسان تھا۔ اس بے چارے کو بھی کیا خبر وہ کیا کہہ رہا تھا۔ وہ سب اس کی غزل پر تبصرہ کر رہے تھے جو اس کے درد کی عکاس تھی۔ سارے دوست کن انکھیوں سے موحل کی طرف دیکھ رہے تھے۔

ثاقب نے اتنی درد بھری آواز میں غزل گائی تھی کہ محفل میں دیر تک اس کا سحر چھایا رہا۔ ہر کوئی

اپنی جگہ اسی غزل کے جادو میں جکڑا ہوا تھا اور شاید مومل بھی۔

میں نے دیکھا، اس بے تاثر لڑکی کا چہرہ کوئی مدھم سا تاثر دے رہا تھا مگر ایک اجنبی سا...... فنکشن ختم ہو چکا تھا۔ تمام اسٹوڈنٹس ٹولیوں کی صورت میں بٹے ہوئے تھے۔ تب ہی مومل، سر امتیاز کے بلاوے پر چلی گئی اور میں ثاقب اور اس کے گروپ کی طرف متوجہ ہو گئی اور وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ میری طرف بڑھ آیا۔

''کیسی ہو اچھی لڑکی؟'' وہ میرے قریب ہی بیٹھتے ہوئے بولا۔

''اچھی ہوں۔'' میں اس کی اپنائیت پر بھلا اور کیا کہتی۔ ''یہ کیا ہو رہا تھا؟'' میں نے اس کے دوستوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''ارے کچھ نہیں بس وضاحتوں کے درمیان سفر کر رہا تھا اور تمہیں تو خبر ہے اب دردِ غم چھپانے کے لیے ایسا ہی پردہ اختیار کرنا پڑے گا۔ اپنے اقرار کو انکار کہنا ہی پڑے گا۔'' اس نے چھوٹتے ہی اپنا حالِ دل بیان کیا۔

''ایک تو تم شاعر لوگ حساس بہت ہوتے ہو۔ حادثہ خواہ کسی بھی نوعیت کا کیوں نہ ہو غزلوں کے انبار لگا دیتے ہو، چھوٹی، چھوٹی باتوں پر شعر حاضر ہے۔''

''بس جناب!'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ ''مزاج ہی کچھ اس نوعیت کا ہے، نارمل گفتگو ہو ہی نہیں سکتی ورنہ گلہ کس بات کا تھا۔'' وہ افسردگی سے بولا۔ ''خیر چھوڑیں وہ کیسی ہیں؟'' بہت عرصے کے بعد ثاقب نے مومل کا پوچھا تھا اور پوچھ کے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

''وہ ویسی ہی ہیں جیسا انہیں ہونا چاہیے۔'' میں نے اس کے انداز میں جواب دیا۔

''بس نشاط بی بی گھڑیاں ختم ہونے کو ہیں چلتے، چلتے آخری بار ان کی بابت معلوم ہی کر لیا جائے تو کچھ لمحے تو میری مٹھی میں بند ہو جائیں گے۔'' وہ اپنی مٹھی کو کھولتے ہوئے بولا۔

''ثاقب! تم اسے بھول نہیں سکتے؟'' میں تقریباً چڑ کر بولی۔

''کیا انوکھا سوال کرتے ہو؟'' وہ کرب سے شعری انداز میں بولا۔

''دیکھو ثاقب محبت کوئی صحیفۂ آسمانی نہیں ہے کہ تم تمام عمر صرف ایک ہی نام پر عقیدت کے پھول چڑھاتے رہو۔ ایک لمبی زندگی ہے تمہارے پاس، ایک بے حس لڑکی کی خاطر جس کے نظریات ستاروں کے پیچ وخم میں الجھے ہیں، کیوں خود کو الجھاتے ہو؟'' میں نے رسان سے کہا۔

''تمہاری یہ باتیں، یہ نصیحتیں میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں لڑکی...... ہاں یہ ضرور ہے کہ میں اتنا الجھ گیا ہوں کہ سلجھنا بہت مشکل ہے اور اس کا حل بھی میں نے سوچ لیا ہے کہ میں شہر تو کیا یہ ملک ہی چھوڑ جاؤں گا یہاں میرے لیے کچھ نہیں۔''

''ایک لڑکی کی خاطر باقی رشتوں سے منہ موڑنا اتنا آسان ہے کیا؟''

''نہیں نشاط، دلِ وحشی ابھی قابو میں نہیں ہے۔ بہت دور جا کر شاید دل کی باتیں پچھتاوا بن جائیں تو میں لوٹ آؤں گا۔ تم بہت اچھی لڑکی ہو نشاط اور وہ بھی اچھی ہوں گی مگر اپنے لیے۔ بس تم دعا کرنا میرے لیے کہ دلِ مضطرب کو قرار آ جائے تو بات بنے۔'' یونہی بہت سی بوجھل، بے ربط باتیں اور دعائیں دیتے ہوئے وہ رخصت ہو گیا۔

ثاقب رحمانی کو جانا ہی تھا اور وہ چلا بھی گیا۔ میں نے اسے روکا بھی نہیں...... کیسے اسے روک سکتی اور کس بل پر جبکہ وہ ظالم لڑکی تو اس کے ذکر سے بھی گریزاں تھی۔

☆☆☆

بہت سے بوجھل دن امتحانوں کی مصروفیات میں گزر گئے۔ باجی کی شادی جیسے میری مصروفیات ختم ہونے کی منتظر تھی کیونکہ میں جیسے ہی امتحان سے فارغ ہوئی امی نے تیاری میں تیزی شروع کر دی۔ مبالغہ آرائی سے قطع نظر مومل، فرزانہ باجی کی شادی میں پیش، پیش تھی۔ ابو تو ویسے ہی اس کے معترف تھے ہم روزانہ شاپنگ کے لیے جاتے اور خدمات کے لیے مومل حاضر ہوتی۔ وہ اپنی گاڑی لیے ہمارے بہت سے بکھیڑوں کو نبٹا دیتی۔ شادی کی تمام رسومات، مہندی سے لے کر شادی اور ولیمے کی تقریب تک اس نے امی اور ابو کی یکساں ذمے داریاں اٹھانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

ابو نے بہت کہا دبے، دبے لفظوں میں کہ ''کم از کم پیٹرول تو ہماری طرف سے ڈلوا لو بیٹا۔'' مگر مومل برا مان گئی۔

''کیا آپ مجھے اپنی بیٹی نہیں سمجھتے انکل؟'' وہ شکوہ بھرے انداز میں اور کچھ، کچھ روٹھ کر بولی تو ابو جلدی سے بولے۔

''ارے نہیں بیٹا، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' ابو اس کی عنایتوں کے آگے شکر گزار ہوتے۔

شادی میں اس کے والدین کو بھی انوائٹ کیا تھا مگر نہ جانے اس کے گھر والے کیوں نہیں آئے؟ اور وہ ان کے نہ آنے کا ازالہ بھی اپنے ڈھیروں خلوص سے کر دیا کرتی۔ فرزانہ باجی کو اس نے ایک بے حد خوب صورت سونے کا نازک سا سیٹ دیا تھا جو امی، ابو نے بے حد تکلف سے لیا۔

باجی کی شادی کے ہنگامے بھی آہستہ آہستہ سرد پڑتے گئے۔ ہمارا رزلٹ آ چکا تھا۔ مومل کی وجہ سے بلکہ اس کی مہربانی سے میرے نمبر بہت اچھے تھے مگر ایک مسئلہ آن پڑا تھا۔ مجھے جاب کی اجازت لینا تھی ابو سے۔ یہی ایک مرحلہ دشوار نظر آ رہا تھا۔ ہمارے خاندان میں آج تک کسی لڑکی نے اسکول میں بھی جاب

نہیں کی تھی۔ کجا کہ کسی اسپتال یا کلینک میں سائیکاٹرسٹ کے طور پر۔ مومل کے سامنے بھی یہی موضوع زیر بحث آیا تو کہنے لگی۔

"تم فکر نہ کرو تمہیں اجازت دلوانا میرا کام ہے۔" نہ جانے اس نے ابو کو کن، کن دلیلوں سے منایا کہ وہ مان گئے اور اس نے بے حد خوش ہو کر بتایا کہ انکل کو اس نے بہ آسانی راضی کر لیا ہے۔ اس کے لہجے میں ایک مان، ایک فخر تھا۔ اپنی بات کا زعم کہ اس کی بات کوئی رد نہیں کر سکتا۔

مومل کی "میں" اکثر ہی مجھے چڑانے والی ہوتی تھی مگر نہ جانے کیوں میں اسے، اس کی عادتِ ثانیہ سمجھ کر اکثر ہی نظر انداز کر جاتی کہ کچھ بھی سہی پر وہ میری بہت اچھی دوست ہے۔ کئی دنوں تک وہ اسی بات پر مسرور رہی کہ اس نے مجھے ابو سے اجازت دلوانے میں بہت بڑا معرکہ انجام دیا ہے۔

"ارے جناب، ہم کہیں اور کوئی نہ مانے ایسا کبھی ہو ہی نہیں سکتا۔" وہ اترا کر بولی تو میں جل کر کہنے لگی۔

"ٹھیک ہے، تمہارے اندر یہ خوبی ہے تو اس پر خدا کا شکر ادا کرو نہ کہ اس کا چرچا کرتی رہو۔"

"چرچا نہ ہوگا تو لوگ معترف کیسے ہوں گے؟" اس کی ڈھٹائی عروج پر تھی۔ تب میں بھی خاموش ہو گئی مگر اس کی یہ بات مجھے گراں گزر رہی تھی۔ میں ہمیشہ بحث سے گریز کرتی تھی کیونکہ بحث مجھے گفتگو کی موت لگا کرتی اور طبیعت مزید مکدر ہو جاتی تھی۔

ایک اچھے پرائیویٹ کلینک میں مجھے بحیثیت سائیکاٹرسٹ جاب مل گئی تھی اور پھر زندگی بہت مصروف ہو گئی..... روز نت نئے لوگوں سے میرا واسطہ پڑتا تھا۔ طرح، طرح کے ذہنی مریض جب مجھے اپنی کیفیات بتاتے تو احساس ہوتا کہ زندگی اس کا نام بھی ہے۔

اس روز بھی ایک خاتون بیٹھی اپنی زندگی کے نشیب و فراز بتا رہی تھیں۔ ان کی باتوں میں ایک جملے کی بہت تکرار تھی۔

"بس جی مجھے خوش رہنا نہیں آتا۔ میرے شوہر میرا اتنا خیال رکھتے ہیں کسی چیز کی کوئی کمی نہیں ہے۔ روپیہ، پیسہ، نوکر، چاکر سب ہی تو ہیں بس میں مطمئن نہیں رہتی۔ خلا سا رہتا ہے۔"

"آپ کے بچے کتنے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"جی چار بچے ہیں۔ دو لڑکے، دو لڑکیاں، سب شادی شدہ ہیں۔ ایک بیٹا یہیں ہے مگر الگ رہتا ہے جبکہ دوسرا بیٹا کینیڈا میں ہے اس نے وہیں شادی کر لی ہے۔ سب اپنی، اپنی جگہ خوش ہیں۔" خاتون نے اپنی اولادوں کے بارے میں بڑے مطمئن انداز میں کہا۔

"تو آپ کو اُن کی کمی محسوس نہیں ہوتی؟"

"نہیں کمی کیا، سب لوگ اپنی، اپنی جگہ خوش اور مطمئن ہیں۔" خاتون نے آرام سے کہا۔ "سب کی اپنی، اپنی زندگی ہے، وہ جیسے چاہیں گزاریں پھر ان کی خوشی میں، میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ جب ان کا دل چاہتا ہے مجھ سے ملنے آجاتے ہیں۔ اولاد کے پاؤں میں جب بیڑیاں پڑ جاتی ہیں تو پرانی بیڑیاں اسے چبھنے لگتی ہیں پھر بھی میرے بچے اور بچیاں بہت اچھے ہیں کہ انہوں نے ہمیں یاد تو رکھا ہوا ہے۔ مجھے کسی سے بھی کوئی گلہ نہیں ہے۔ میں سب کو جانتی ہوں اور سمجھتی ہوں۔ بس مجھے خوش رہنا نہیں آتا اور میں چاہتی ہوں کہ میں خوش رہوں اور مطمئن رہوں۔" وہ خاتون بتا رہی تھیں مگر یوں لگتا تھا کہ وہ اپنے آپ کو کھولنا نہیں چاہ رہی ہوں۔ اپنی ذات کا بھرم بھی عجیب ہوتا ہے۔ کم از کم بندہ اس سے تو نہ چھپائے جس سے علاج دردِ دل مانگ رہا ہے۔

ان کے دماغ کی الجھنیں اس قدر پیچیدہ تھیں لیکن اگر وہ کھولتیں تو سرا ہاتھ لگ سکتا تھا اور وہ لوگ جو سب کچھ بتا کر بھی بے چین رہیں ان کی وحشت کا علاج اسی طرح ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی اصل وحشت بیان کریں۔

یہ خاتون انیلا انجم بھی کچھ اسی قسم کی تھیں۔ بظاہر رکھ رکھاؤ والی خاتون نظر آتی تھیں۔ دونوں ہاتھوں کو آپس میں جکڑے ہوئے بات کرتیں مگر گفتگو کے زیر و بم کے دوران ان کے ہاتھوں کی حرکت عجیب ہوتی تھی۔ لہجے کی سختی سے ہاتھوں کو مزید کس لیتیں۔ نارمل بات کرتے، کرتے ایک دم عجیب و غریب انداز میں باتیں کرنے لگتیں۔ کتنی ہی دیر تک میری باتوں کا جواب نہ دے پاتیں اور جب دس، پندرہ منٹ کے بعد بات کرنے کے قابل ہوتیں تو کہتیں۔

"ہاں تو آپ نے کیا پوچھا تھا؟"

یہ کیس اتنا عجیب و غریب تھا کئی دنوں تک میں الجھی، الجھی رہی۔ انیلا انجم دُہری اذیت کا شکار تھیں۔ ستم تو یہ تھا کہ وہ اپنے گرد حصار کھینچ کر کہتی تھیں۔ "پلیز مجھے خوش رکھو۔"

انیلا انجم تقریباً ہفتے میں تین بار میرے پاس آتی تھیں۔ میں ان سے دنیا بھر کے موضوعات پر باتیں کرتی تھی۔ یونہی چھوٹی، چھوٹی باتوں سے میں ان کو جاننا چاہتی تھی، پہچاننا چاہتی تھی۔ ان کی پرت، پرت کھلتی شخصیت سے ہی میں کوئی نتیجہ اخذ کرنا چاہتی تھی اور ایسا ہوتا مجھے ممکن بھی نظر آ رہا تھا۔

کئی دنوں سے مومل سے بھی ملاقات نہیں ہو پائی تھی۔ جب سے میں نے جاب کی تھی۔ ایسا کبھی ہوا نہیں تھا۔ وہ تو خیال رکھنے والوں میں سے تھی۔ ابو، امی بھی جیسے اس کے عادی ہو گئے تھے۔

"بیٹا! کیا بات ہے مومل کیوں نہیں آ رہی، کیا آپ دونوں میں کوئی لڑائی ہو گئی ہے؟" ابو نے بارہا پوچھا۔

"ارے نہیں ابو۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "ابو مزے کی بات تو یہ ہے کہ ہم دونوں میں آج تک لڑائی ہی نہیں ہوئی اسے کوئی مصروفیت ہوگی اسی لیے نہیں آ رہی۔"

"ارے بیٹا تم سے اتنا نہیں ہو سکتا کہ تم ہی اس کی خیر خیریت معلوم کر لو۔ وہ تو تمہاری ذرا سی تکلیف پر پریشان ہو جاتی ہے۔" امی تڑپ کر بولیں۔

میرے والدین اس کی محبت سے لبریز تھے پھر مجھے اپنی کوتاہی کا بھی احساس تھا۔ میں نے سوچا کہ آج کلینک سے فارغ ہوتے ہی اس کے گھر کا چکر لگاؤں گی مگر مومل خود ہی آ گئی اس کے چہرے کی رونق کچھ کم دکھائی دی تو میں نے سبب پوچھا اور وہ اصل سبب بتانے والوں میں سے نہ تھی اور مجھے اصرار زیادہ کرنا مناسب نہ لگا سو میں نے اس کے موڈ کے تابع بات بدل دی اور اِدھر اُدھر کی بات شروع کر دی۔

تب ہی انیلا انجم آ گئیں۔ ان سے میری اچھی خاصی دوستی ہو چکی تھی۔ مومل سے میں نے اس کا تعارف کروایا تو وہ مومل سے بڑے تپاک سے ملیں۔ ان سے بات کرتے، کرتے فیشن اور لباس پر بات ہونے لگی۔ مومل کا تو خیر یہ فیورٹ موضوع تھا کیونکہ وہ خود بہت بڑی ڈیزائنر تھی۔ اس لیے بدلتے ہوئے موسم کے ساتھ اور پرانے لوٹ آنے والے فیشن کے بارے میں وہ بے لاگ بول رہی تھی اور انیلا انجم کی بھرپور توجہ اسی کی طرف تھی وہ دلچسپی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھیں اور اسے سن رہی تھیں اور دھیرے، دھیرے مومل سے ان کا تکلف ختم ہو گیا اب گفتگو میں وہ بھی بھرپور حصہ لے رہی تھیں۔

اور یہ بات میں نے نوٹ کی کہ اس وقت ان کے چہرے کے بدلتے زاویوں اور ہاتھوں کی حرکات و سکنات میں بے چینی کم ہے تشنج کی وہ کیفیت جو اُن کی ابنارملٹی کو ظاہر کرتی تھی وہ اس وقت جیسے

کہیں معدوم ہوگئی تھی۔

یہ لمحہ میرے لیے حیرت کے ساتھ ساتھ خوشی کا باعث بھی تھا یوں لگ رہا تھا جیسے ان کے مرض کا درماں ہورہا تھا۔ اس روز انہوں نے بہت سارا وقت میرے کلینک میں گزارا۔ اس کی بنیادی وجہ مجھے موّل کی ذات نظر آئی۔

ہاں واقعی یہ موّل ہی تو تھی جس نے جیسے انجانے میں ان کے غم کو بانٹ لیا تھا اور اس روز مجھے بھی محسوس ہوا کہ موّل ان کی زبان سمجھتی ہے۔ ان کی نظر سمجھتی ہے، وہ ان کی نبض شناس ہے۔

''کیا آپ کل بھی آئیں گی؟'' انیلا انجم نے جاتے ہوئے بہت اچھے انداز میں خدا حافظ کہا اور بڑے ملائم لہجے میں موّل سے پوچھا۔ اس سوال پر مجھے اچنبھا سا ہوا اور موّل نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''حیرت انگیز، خوش کُن۔'' ان کے جانے کے بعد میں نے جیسے زیرِ لب کہا۔

''کیا حیرت انگیز اور خوش کُن؟'' موّل نے شاید میری بڑبڑاہٹ سن لی تھی۔

''یہی کہ یہ خاتون میرے لیے مسئلہ بنتی جارہی ہیں۔'' پھر میں نے ان کی پہلے دن سے آمد اور باقی دنوں کا حال تفصیل سے اس کے گوش گزار کردیا وہ سن کر بولی۔

''نشاط تم نے سنا ہے ناں

سچ تو یہ ہے کہ رہی ساکھ اسی کی قائم

گھر کے حالات کو جس شخص نے گھر تک ہی رکھا

ہم میں سے بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنی ساکھ کو برقرار رکھنے کے لیے اپنی ذات کے بھرم سے باہر نہیں آتے۔ عزتِ نفس ان کی دیرینہ ساتھی ہوتی ہے۔ اکیلے فرد کی جنگ اپنے آپ سے، بڑی اذیت لیے ہوتی ہے اور یہ اذیت کا عمل ہی ہوتا ہے جس میں وہ بڑے صبر آزما مراحل سے گزرتا ہے کہ ہر مرحلہ واقعی اس کے لیے ایک آزمائش ہے، امتحان ہے، وہ اس آگ کی بھٹی سے گزر کر کندن تو بن جاتا ہے مگر اپنا آپ جلا ڈالتا ہے۔ یہ کسی کو پتا نہیں چلتا کہ وہ کس طرح جلا؟'' عجیب باتیں کررہی تھی موّل مگر وہ میرے تاثرات سے بے پروا کہہ رہی تھی۔

''ہمارے اردگرد، ہم سے متعلق رشتے ناتے حتیٰ کہ ہمارے خون میں بسنے والے جب ہمارے وجود سے منکر ہوجاتے ہیں تو روح میں اسی طرح کی وحشت ہوتی ہے۔ ایسے ہی گھاؤ ٹیس دیتے ہیں۔ رد کیا ہوا فرد خود پر تو یہ ستم سہہ لیتا ہے مگر خود کھلتا نہیں ہے کہ اپنا آپ ظاہر کرنا بہت بڑا المیہ ہے...... بڑا ظلم ہے۔''

''کیسی باتیں کررہی ہو موّل، کیا ہوگیا ہے تمہیں؟'' میں نے اسے تقریباً جھنجوڑتے ہوئے کہا۔

''کچھ نہیں بس۔'' وہ جیسے سنبھلتے ہوئے بولی۔ ''بس تمہاری مریضہ کی اسٹڈی کررہی تھی۔ آخر میں بھی سائیکاٹرسٹ ہوں اب یہ اور بات ہے کہ پروفیشنل نہیں ہوں۔'' بڑے مزے سے اس نے کہا اور پھر بات کا رخ ہی بدل گیا۔ کافی عرصے کے بعد وہ آئی تھی تب ہم دونوں نے آؤٹنگ کا پروگرام بنالیا اس روز میں نے اور موّل نے شاپنگ بھی کی اور ایسی دوسری بہت سی تفریح جو ہماری دلچسپیوں میں شامل تھیں۔ شام ڈھلے وہ ابو، امی سے ملنے میرے گھر بھی چلی آئی اور ہمیشہ کی طرح ان سے بہت اچھی طرح ملی۔ امی اس کے کئی روز تک نہ آنے کا گلہ کرتی رہیں اور وہ ان کے ہاتھ تھام کر اپنے نہ آنے کی وضاحت کرتی رہی۔ اس روز اتفاق سے فرزانہ باجی بھی آئی ہوئی تھیں۔ گھر میں اچھی خاصی چہل پہل تھی۔ امی نے شام کے کھانے پر خاصا اہتمام کیا تھا۔ ظاہر سی بات ہے امی، ابو اسے بغیر کھانا کھائے جانے ہی نہ دیتے۔

موّل کے جانے کے بعد میں تھک ہار کر بستر پر لیٹی تو دل و دماغ میں ایک بوجھ سا تھا اور آج کا تمام منظر ایک فلم کی طرح میری آنکھوں کے سامنے چلتا رہا۔ موّل اور میری دوستی کے بیچ کوئی اشتباہ لمحہ نہیں آیا تھا مگر ہمیشہ میرے اس کے رویّوں میں توازن رہا تھا اور میں سمجھتی ہوں کہ میں نے ہمیشہ اس کے رویّوں اور عادتوں پر انکساری دکھائی تھی مگر آج انیلا انجم کے بارے میں اس کی جذباتی باتیں یہ سب میری سمجھ سے باہر تھا۔

وہ ہمیشہ جذبات سے بالاتر ہوکر حقائق پر مبنی باتیں کرتی تھی۔ اس کے نظریات ہمیشہ ٹھوس ہوتے تھے۔ وہ امید و بیم کی کشتی پر کبھی نہ سوار ہوئی تھی۔ وہ بڑی بہادری سے ہر کام کرتی تھی۔ اس کے لہجے میں کسی کمزوری کا شائبہ نہ تھا مگر آج اس کا انداز...... یوں ہی سوچتے سوچتے میری آنکھ لگ گئی۔

دوسرے دن جب میں کلینک میں بیٹھی مصروف تھی تب ہی موّل کا فون آگیا۔

''سنو نشاط! تم انیلا انجم کے کیس کو ڈیل کرتے وقت اس پوائنٹ پر ضرور غور کرنا کہ اس کے لیے مصروفیت بہت ضروری ہے بلکہ ہوسکے تو ان کے رجحان کو دیکھتے ہوئے انہیں ایسا مشورہ دو جس سے ان کے شوق کو تقویت مل سکے، سمجھ رہی ہو ناں تم میری بات؟'' وہ اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے بولی۔

''ہاں موّل، میرے دماغ میں بھی یہی نکتہ جڑ پکڑ رہا تھا کہ ایسے لوگوں کے اعصاب کو آزمانے سے بہتر ہے کہ ان کی چھوٹی، چھوٹی باتوں سے وہ گہر تلاش کیا جائے جو اُن کو خوشی دے سکتا ہے۔'' میں مطمئن ہوئی کہ چلو موّل نے اس کیس میں تو میرے ساتھ شیئر کیا۔

''ہاں، ہاں۔'' اس نے میری تائید کی۔ ''تم دیکھنا انیلا انجم کو چند دنوں کے بعد۔'' اور یہ اعجاز چند دنوں کے بعد موّل کے تعاون سے ظاہر ہوا۔ انیلا انجم نے اپنے گرد جو خول تانا ہوا تھا اس میں دراڑیں سی پڑنے لگیں۔ موّل اور میں نے ان کے شوق کو ان کے علاج کے لیے استعمال کیا۔ موّل نے آہستہ، آہستہ ان کو اپنی دوستی کے سحر میں جکڑ لیا اور بہ آسانی ان کو نارمل اور بااعتماد لوگوں کی صف میں لا کھڑا کیا۔ وہ اچھی مال دار خاتون تھیں۔ آہستہ، آہستہ موّل کی صحبت نے ان پر خوشگوار اثر ڈالا۔ کب کا بچھڑا اطمینان ان کے چہرے پر رقص کرنے لگا۔ یوں لگتا تھا کہ جینے کا گُر سیکھ لیا ہو۔ انہوں نے ایک بوتیک کھول لیا۔ ساتھ ہی ایک چھوٹے سے کمپیوٹر انسٹی ٹیوٹ کا بھی آغاز کیا اور ان کی توجہ اس طرف مبذول ہوتی چلی گئی سارا دن وہ اسی میں مصروف رہتیں۔ تنہائی کی ماری انیلا انجم نے اپنے لیے محفل ڈھونڈ لی۔

ایک تو ہم سائیکاٹرسٹ لوگ بھی عجیب ہوتے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ مریض اپنا آپ ہمارے سامنے کھول کر رکھ دے تب ہم اس کو شفا دیں گے۔ ارے یہ نہیں سوچتے کہ جس طرح کمرے کے چھوٹے، چھوٹے سوراخوں سے روشنی کا پتا چلتا ہے بالکل اسی طرح چھوٹی، چھوٹی باتوں سے انسان کے باطن کا پتا چلتا ہے اور کامیاب بات یہ تھی کہ انیلا انجم کے کیس میں دوسری بات لاگو ہوگئی اور ان کی ذات کا بھرم بھی رہ گیا۔ اکثر وہ مجھ سے ملنے آتی رہتی تھیں۔

مجھے جاب کرتے ہوئے دو سال ہوگئے تھے۔ اس عرصے میں بہت سی تبدیلیاں آئیں۔ فرزانہ باجی کے آنگن میں دو پھول کھل چکے تھے۔ ابو ریٹائرڈ ہوگئے تھے۔ امی بہت بیمار رہنے لگی تھیں۔ ابو نے اپنے دور پار کے عزیزوں میں میری منگنی کردی تھی۔ جنید میرے دور کے کزن تھے۔ چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ تھے اور دو ماہ بعد میری شادی تھی۔ اپنا اسٹار والا قانون موّل نے میری ذات پر بھی لاگو کیا مگر یہ شاید پہلا موقع تھا کہ اسے جنید سے مل کر میری قسمت پر رشک آیا اور پھر یہ بتانے کی تو ضرورت ہی نہیں ہے

کہ اس نے میری شادی کو کتنے بھرپور انداز میں انجوائے کیا کہ غیروں کی نظروں نے بھی اسے سراہا۔

میں نے بارہا اس سے کہا اور خصوصاً جب وہ لندن جانے لگی کہ وہ بھی اب شادی کرلے۔ کب تک یوں اِدھر سے اُدھر ڈولتی رہے گی۔ اس کی زندگی مجھے سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ ہول سا اٹھتا تھا اس کو دیکھ کر کہ بس بگولے کی طرح اِدھر سے اُدھر پھرتے رہنا اس کا شغل تو کم جنون بن چکا تھا۔

''تمہیں کیا خبر، میری بے خبر...... اس اِدھر اُدھر ڈولنے میں ہی میری نجات ہے۔'' ہمیشہ کی طرح اپنا جواب اس نے کھرا رکھا تو میں نے پھر زور دیتے ہوئے کہا۔

''نہیں موبل، مجھے تمہاری بے حد فکر رہتی ہے۔ چھوڑو ناں اسٹار کا چکر۔ تم Aquarius کے زعم میں ہی رہیں تو پھر ساری عمر شادی جیسی نعمت سے محروم رہو گی۔''

''او کے، او کے نشاط کیونکہ تم میری دوست ہو اس لیے تمہیں میری فکر رہتی ہے رہا سوال اَسٹار کے زعم کا تو یہ زعم میرا ورثہ ہے اور اپنے ورثے کی حفاظت ہی تو سیکھی ہے میں نے۔'' اس کی باتیں میری سمجھ سے بالاتر تھیں۔ ایک پردہ سا پڑا رہتا تھا اس کے اطراف بھی۔ ہر بار شاہانہ انداز میں کہہ کر بات ضائع کردیا کرتی۔

اس بار اس کے جانے کا مجھے بہت ملال تھا نہ جانے کیوں؟ اب کے اس نے آنے میں دن بھی بہت لگا دیے تھے۔ جانے کے بعد اس کا صرف ایک ہی بار فون آیا تھا اور دو خط۔ میں نے اسے خط میں لکھا تھا کہ ''اکیلے پھرنے کی اذیت کو ختم کردو اور خدا کے لیے گھر بسالو۔'' جواب میں اس نے لکھا تھا۔

''ہمیں احساس ہوتا ہے کہ ہم بھی اکیلے تھے
کبھی ہم نے بھی ان تنہائیوں کے درد جھیلے تھے
اگرچہ شہر میں دل کے لیے
لاکھوں جھمیلے تھے، ہزاروں رنگ میلے تھے
مگر اتنی بہت سی رونقوں میں ہم اکیلے تھے
پھر اِک دن ہم نے ان تنہائیوں سے دوستی کرلی
اکیلے رہ کے جینے کا قرینہ آگیا ہم کو
یہ عالم ہے کہ تنہائی کا اب موسم نہیں رکھتے
اکیلے ہیں مگر تنہائیوں کا غم نہیں رکھتے
کوئی بھی دکھ ہو، دلِ مضطرب پیہم نہیں رکھتے
اکیلا دیکھ کر تم کو نہ جانے کیوں خیال آیا
کبھی ہم نے بھی ان تنہائیوں کے درد جھیلے تھے
کبھی ہم بھی اکیلے تھے!''

اس نے یہ میرے آخری خط کا جواب دیا تھا۔ اس کے بعد نہ پھر اس کا فون آیا نہ ہی کسی خوب صورت تحریر نے میرے دروازے پر دستک دی۔

ان دنوں میں بے حد پریشان رہتی۔ ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ موبل کے ہفتے میں تین بار فون آتے تھے۔ میں موبل سے ملنے، اسے دیکھنے کو بے چین تھی۔ جنید کو میری اور موبل کی دوستی کا بہت اچھی طرح احساس تھا۔ وہ میری ڈھارس بندھاتے۔

''ہوسکتا ہے کہ کوئی الجھن یا پریشانی ہو یا اسے وقت نہ مل رہا ہو۔ کوئی ایسی بات ضرور ہے ورنہ تم ہی تو کہتی ہو وہ تم سے کبھی غافل نہیں رہی۔''

''ہاں واقعی، وہ مجھ سے کبھی غافل نہیں رہی۔'' میں نے سوچا۔ تبھی میں نے اس کے گھر فون کیا تو وہاں سے بھی اس کی سوتیلی بہنوں یا ماں نے کوئی حوصلہ افزا جواب نہیں دیا اور پھر وہ ہوگیا جس کا میں نے سوچا تو کیا تصور بھی نہیں کیا تھا۔ میرے انتظار کی آس کو اس ظالم لڑکی نے توڑا نہیں بلکہ وہ دو دن بعد آرہی تھی۔

ہاں وہ آرہی تھی اپنے پورے وجود سمیت...... وہ آرہی تھی۔ اس نے میرے ضبط کا خوب امتحان لیا تھا۔ اس بار میں نے سوچا تھا اس کی بے نیازی پر اسے بری طرح جھاڑوں گی مگر ہمیشہ کی طرح اس بار

بھی میں اس کے سامنے ہار گئی اور وہ مر کے بھی سرخرو رہی۔ ہاں وہ مرگئی...... یقین نہیں آرہا ناں آپ کو...... آنا بھی نہیں چاہیے۔ میری وحشت کا بھی یہی عالم تھا۔ میں بھی یقین و بے یقینی کے مراحل سے گزری۔ اپنے آپ کو باور کرنے کی سعی کی کہ ہاں ایسا ہوچکا ہے۔ میری سوچ جیسے بے جان ہوچکی تھی۔ اعضا شل ہوچکے تھے مگر گواہی دینے والی ہر نظر متحرک تھی اور کہہ رہی تھی۔ اس کا وجود بے معنی ہوچکا ہے مگر اس کی موت کوئی معمولی نہیں تھی میرے لیے بلکہ غیر معمولی موت تھی۔

وہ ہجر کی راتوں کا اشارہ وہ ہم نفس وہ ہم سخن ہمارا
سدا رہے اس کا نام پیارا، سنا ہے کل رات مرگیا وہ

دو دن بعد اس کی ڈیڈ باڈی آرہی تھی۔ اس کی دادی اماں کا فون آیا تھا کہ ائرپورٹ پر تمہاری موجودگی لازمی ہے اور ہمیشہ جب موبل واپس آتی تھی تو میرے لیے ڈھیروں تحائف لاتی تھی مگر اب کے اس نے مجھے سب سے انوکھا تحفہ دیا تھا۔ اپنا آپ امر کردیا تھا وہ برین ٹیومر کا شکار تھی مگر مجھے اس کا علم نہیں تھا۔

قدرت بھی بڑے، بڑے امتحان لیتی ہے۔ ثاقب رحمانی نے کہا تھا میں لوٹ کر جب آؤں گا جب میں سمجھوں گا کہ اس کی یادیں پچھتاوا بن گئی ہیں مگر ستم تو یہ تھا کہ جس جہاز سے موبل کا بے جان وجود آرہا تھا اسی میں وہ بے خبر سوار تھا اور جب ائرپورٹ پر اس نے مجھے دیکھا تو یکبارگی خوشی سے چیخ کر بولا۔

''ارے نشاط تم......! تمہیں کیسے خبر کہ میں آرہا ہوں؟'' وہ بے حد پُرجوش ہوکر بولا۔ تب ہی میرے لُٹتے ہوئے چہرے کو دیکھ کر کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس نے جنید کی طرف دیکھا اور جو کچھ جنید نے بتایا وہ وہیں کھڑے کھڑے بچوں کے انداز میں پھوٹ، پھوٹ کر رودیا اور پھر موبل یزدانی اوس میں بھیگی مٹی میں زمیں بوس ہوگئی۔ منوں مٹی تلے میری بہادر دوست سوگئی۔

☆☆☆

''اچھی نشاط! جس روز سے مجھے معلوم ہوا تھا کہ میرا وجود میرے خون کے رشتوں کے لیے بے معنی ہے۔ تب میں نے زندگی کا مفہوم سمجھ لیا تھا۔ اپنی محرومیوں کو شکست دینے کے لیے میں نے وہ طاقت حاصل کی تھی کہ میرے سامنے کوئی ٹھہر نہیں سکتا تھا۔ پاپا نے جب اپنے علم کو بنیاد بنا

نوجوان مصنفوں کو مشورہ

نوجوان مصنفوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے ہنر کا قریبی مطالعہ کریں۔ ایسا کرنے کے لیے ان کا اپنے ادب سے واقف ہونا لازمی ہے۔ آپ کو یہ نظر آئے گا کہ بعض نوجوان مصنفین کسی غیر ملکی مصنف سے اس وجہ سے واقف ہوئے ہیں کہ انہوں نے اس کے نام کا تذکرہ ٹیلی ویژن پر سنا ہے یا وہ کسی ایسی محفل میں موجود تھے جہاں اس مصنف کی تصانیف پر گفتگو کی گئی تھی لیکن اگر آپ ان سے پوچھیں کہ انہوں نے مذکورہ مصنف کی کون، کون سی تحریریں پڑھی ہیں تو وہ خجالت کا شکار ہوجائیں گے اور اپنی کرسیوں پر تلملانے لگیں گے کیونکہ انہوں نے اس مصنف کی کوئی بھی تحریر پڑھنے کی زحمت گوارا نہیں کی ہوگی۔ لکھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ لکھنے والا اپنے پیش روؤں کے تجربے سے سیکھے اور اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو صرف اپنے تصورات کی چہار دیواری میں قید ہوکر رہ جائے گا۔

اقتباس: از نجیب محفوظ
پسند: ثوبیہ ظہور، اٹک

کرمی کی حیثیت کو پامال کر دیا تھا۔ میری دادی اماں نے نہ جانے کیوں مجھے ان کے ساتھ جانے نہیں دیا تھا۔ میری ماں کے جانے کے بعد میرا حال بھی وہی ہوا جو عام بچوں کے ساتھ ہوتا ہے مگر میں زخم کھا کر اس قدر نکھر گئی کہ میرے اردگرد بسنے والے چارہ سازوں سے میرا معیار اونچا ہوگیا تھا اور اس دنیا میں رہنے کے لیے یہ سب سے بڑا ہتھیار تھا۔ میرے باپ نے پامسٹری، ستارہ شناسی، چہرہ شناسی کے علم پر عبور حاصل کیا تھا۔ وہ انگلینڈ آکسفورڈ یونیورسٹی سے مستفید تھے۔ اس علم پر انہیں اتنا کمال تھا کہ ان کے لہجے میں یقین بولتا تھا۔ انہوں نے جو کہا وہ پورا ہوا اور یہی وجہ تھی کہ جیت ہمیشہ ان کا مقدر رہی تھی۔ ان کا حلقہ انہیں مقدر کا سکندر کے نام سے تعبیر کرتا تھا اور اسی سکندر نے ایک نہیں چار شادیاں کی تھیں اس زعم میں کہ جو علم انہوں نے حاصل کیا ہے کیوں نہ اسے تجربات کی نذر کیا جائے۔ میری ماں ڈیڑھ سال بعد ہی ان کی دوزخ سے نکل گئی تھی۔ دوسری بیوی ثریا ان کی اذیتیں سہہ، سہہ کر خالقِ حقیقی سے جا ملی۔ تیسری بیوی صدف درحقیقت وجاہت یزدانی کی مزاج شناس تھی۔ کبھی مزاج کے خلاف بات نہ کی۔ وجاہت یزدانی اپنی اماں سے اس کی تعریف میں رطب اللسان رہتے اور میری ماں سے اس کا مقابلہ کرتے۔ وجاہت یزدانی کا شمار ملک کے مشہور صنعت کاروں میں ہوتا تھا جبکہ ان کی چوتھی بیوی ان کی بہت اچھی دوست تھی جس کا نام شیریں ملک تھا۔ شیریں ملک ان کی کاروباری دوست تھی بہت تیز، بہت ذہین۔ شیریں ملک خود وجاہت یزدانی میں انٹرسٹڈ تھی اور وجاہت یزدانی کے لیے اسے اپنی زندگی میں لانا کوئی مسئلہ نہیں تھا بلکہ وہ کاروباری معاملوں میں ان کی نبض شناس تھی پھر ایک عرصے سے ان کی دوستی تھی مگر یہ دوستی وجاہت یزدانی کی تیسری بیوی کے دل میں کانٹا بن کر چبھتی تھی۔ کم از کم شیریں ملک کے آنے سے اتنا ضرور ہوا کہ صدف یزدانی کی شخصیت کھل کر سامنے آگئی۔ وہ اس گھر میں حاکم تھیں لہٰذا اپنی سلطنت کا بٹوارا برداشت نہ کرسکیں۔ ان کا مزاج جو کبھی تیکھا نہ ہوا اس میں کڑواہٹ گھلنے لگی پھر اس کڑواہٹ میں طنز کی شدت ابھر آئی مگر کیونکہ وہ شوہر کو سمجھتی تھیں اس لیے ان کے مزاج کو دیکھتے ہوئے انہوں نے الگ گھر میں رہنے کا مطالبہ کردیا مگر وجاہت یزدانی نے ان کا یہ مطالبہ ماننے سے انکار کردیا اور انہیں کچھ اس انداز میں سمجھایا کہ انہیں ماننا ہی پڑا کہ وہ دو بیویوں کا انجام دیکھ چکی تھیں پھر یہ بھی تھا کہ شیریں ملک گھر میں شاذ و نادر ہی رہتی تھی اسے گھریلو امور سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ اس طرح کچھ اطمینان صدف کو تھا اور جب وقت کے ساتھ ساتھ شیریں ملک اور صدف کے بچے بڑے ہوئے تو ان کے درمیان مقابلے کی دوڑ ہونے لگی مگر اس دوڑ میں کسی کو یہ احساس نہ تھا کہ وجاہت یزدانی کی ایک بیٹی مومل یزدانی بھی ہے اس کی پرورش کس طرح ہو رہی ہے۔ کسی کو اس پہلو پر سوچنے کی فرصت نہ تھی۔ گو اس کا باپ پیسے والا تھا اور پیسے ہی سے اس کی پرورش ہو رہی تھی۔ آیا اس کی دیکھ بھال کرتی تھی مگر پیار جیسا لفظ اس نے سوائے دادی اماں کے کسی سے نہیں سنا تھا۔ وجاہت یزدانی کے پاس اتنی فرصت ہی کہاں تھی کہ اس کے سر پر ہاتھ رکھے۔ ہاتھ تو صرف دادی اماں ہی نے رکھا ہوا تھا۔ اگر یہ بھی نہ ہوتا تو مومل یزدانی ایک اور رویے کا دکھ سہہ لیتی۔

وجاہت یزدانی کے اس بڑے گھر میں میری پرورش مختلف رویوں میں ہی ہوئی اور رویوں نے ہی مجھے بڑا کیا۔ مقابلے کی فضا اس گھر میں مجھے

چھوڑ کر دونوں فریقوں کے درمیان ہوتی اور مجھے یوں نظرانداز کردیا جاتا جیسے میں وجاہت یزدانی کی بیٹی ہی نہ ہوں۔ اس لیے کہ میں وہاں اکیلی تھی۔ تنہا تھی، میرا کوئی ہمنوا نہ تھا۔ نہ دوست نہ کوئی میری پشت پناہی کرنے والا اور جب پشت پر کوئی سہارا دینے والا نہ ہو تو وار کرنے والے ہزاروں ہوتے ہیں۔ اگر میں اس وقت کمزور پڑتی تو آج یوں ہر ایک پر حاوی نہ ہوتی۔ میں نے بچپن ہی سے خاموش رہ کر سب کے چہروں کا مطالعہ کیا اور شخصیت کا یہ مطالعہ زور پکڑتا گیا اور مجھے بھی معلوم نہ ہوا کہ کب میں وجاہت یزدانی کے نقشِ قدم پر چل پڑی ہوں۔ اپنے اطراف میں بکھرے کمپلیکس کو میں نے اپنی قوتِ ارادی سے شکست دی تھی۔ میرے اوپر ماں کا سایہ تھا اور نہ ہی میرے زندہ باپ کا۔ میرے اوپر صرف دولت کا سایہ تھا اور دولت وہ چیز ہے جو بڑی سے بڑی خامی بھی دور کردیتی ہے اور تب اپنے نام ملنے والی ہر ماہ ایک خطیر رقم جمع کرکے میں نے ایک بوتیک اور ایک چھوٹی سی فیکٹری کا آغاز کیا اور پھر زندگی کی جہتیں بدلتی گئیں۔ جن کے رویے میرے ساتھ ہتک آمیز تھے دوستانہ ہوگئے کیونکہ میں نے ایک نئی دنیا کا آغاز کیا تھا اور اس نئی دنیا کی مالک میں خود تھی۔

میں ہر سال اپنی ماں سے ملنے لندن جاتی تھی۔ انہوں نے بھی دوسری شادی کرلی تھی اور رفیق انکل ان کے لیے بہت اچھے شوہر ثابت ہوئے تھے۔ گو وہ میرے ساتھ اچھے تھے اور ان کے بچے بھی ٹھیک تھے مگر ان سب کی نظروں میں میری حیثیت اپنی سگی بیٹی، بہن جیسی نہیں تھی لیکن میں کبھی دل برداشتہ نہیں ہوئی۔ میں صرف اپنی ماں کی وجہ سے وہاں جاتی تھی کچھ بھی تھا یہ ڈور ایسی تھی جو مجھے ان کی طرف کھینچتی تھی اور میں چاہتی تھی میں ان سے اپنے آپ کو منسلک رکھوں اور خود کو یقین دلاسکوں کوئی تو میرا اپنا ہے مگر یہیں ایسا کہاں ممکن ہے۔ میری ماں تو خود بٹی ہوئی تھی کہ اس کی اولاد اپنی حق تلفی برداشت نہیں کرسکتی تھی۔ اس کے باوجود میں پابندی سے ہر سال لندن آتی رہی۔ اپنا فرض نبھاتی رہی یوں میں نے سر اٹھا کر جینے کا قرینہ سیکھ لیا۔

خود کو نظرانداز کیے جانے کا دکھ میرے اندر خوداعتمادی بن کر پلتا رہا۔ یہ اور بات ہے کہ میں نے پیار دیا ہے تو پیار ملا ہے۔ میں نے خود پر کیے جانے والے مظالم کا کسی سے انتقام نہیں لیا۔ بس ایک خواہش تھی کہ کوئی مجھے سمجھ سکے اس سلسلے میں یہ ضرور ہوا کہ جو کھیل کئی سال پہلے وجاہت یزدانی نے کھیلا' کئی چہرے میری راہ میں آئے جن میں ثاقب رحمانی سرِفہرست تھا کہ وہ میرے لیے مخلص تھا مگر وہ تو Aquarius نہیں تھا۔ یوں وہ ٹوٹ کر میری زندگی سے نکل گیا مگر Aquarius بندہ مجھے کبھی نہیں ملے گا اس کا مجھے پتا تھا کیونکہ یہ میری اپنی چال تھی۔ وجاہت یزدانی کے سارے بچوں کی اپنی، اپنی زندگی تھی مگر ان کی زندگی مطمئن اور خوش باش تھی۔ میں نے کبھی کسی چیز کو اپنے اوپر سوار نہیں کیا تھا بلکہ میرا خیال تھا کہ میں خود اپنی مسیحا ہوں کیونکہ میں بچپن سے اپنے کمپلیکس کا علاج کرتی چلی آرہی تھی اور جو شخص آپ معالج ہو اس کا علاج ناممکن کیسے ہوسکتا ہے مگر یہ میری غلط فہمی تھی اور پھر ایک روز لندن میں ہی سر کو دونوں ہاتھوں سے تھامے ہوئے درد کی شدت سے میں بے حال ہوگئی تو ممی مجھے ڈاکٹر کے پاس لے گئیں۔ شروع، شروع میں تو کیس زیادہ سیریس نہیں تھا۔ میں باقاعدگی سے علاج کرواتی رہی مگر جب ڈاکٹر نے فائل تیسری دفعہ کے اٹیک کے بعد ممی کے ہاتھوں میں تھمائی تو برین ٹیومر پڑھ کر ممی پھوٹ، پھوٹ کر رو دیں لیکن پھر پتا نہیں کب کہاں غلطی ہوئی کہ ساری امیدیں دم توڑ گئیں اور میں خالی ہاتھ رہ گئی۔ تمہیں یاد ہے

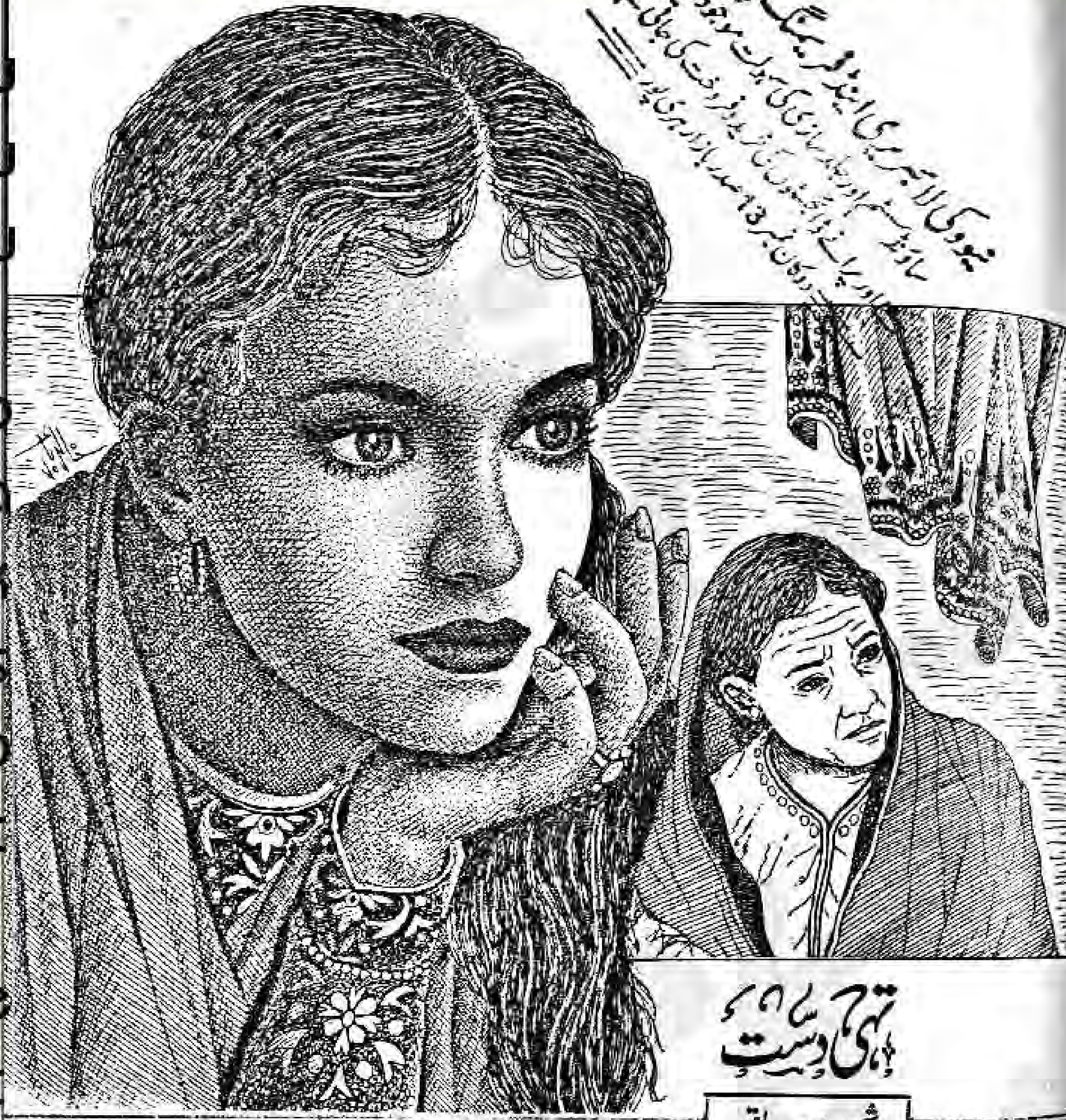
ناں وہ دن جب میں تمہارے پاس آئی تھی اور تم نے کچھ میری طبیعت کے بارے میں پوچھا تھا تو یہ اسی کا اثر تھا پھر میرے سرجن نے مجھے بتایا کہ میرے پاس زندگی کے چند مہینے رہ گئے ہیں۔ میں امید کی ہلکی سی روشنی کی تلاش میں کہاں، کہاں بھٹکتی رہی لیکن سب بے فائدہ، سب بیکار...... اور پیاری نشاط تم سوچ رہی ہوگی کہ اتنا بڑا راز میں نے تمہیں آج تک نہیں بتایا تم یہ بھی سوچ رہی ہوگی کہ میں تمہاری دوست نہیں ہوں۔ یہ سب آزمانے کے بعد ہی تو کھلا کہ تم ہی تو میری دوست تھیں کہ آزمائش تو میری گھٹی میں پڑگئی تھی۔ تم سے مل کر تو لگا کہ ہماری دوستی میں آسودگی زیادہ ہے۔ پیاری دوست، تم ہی دوست تھیں جبھی تو نہیں بتایا تھا۔ جب لندن، امریکا کے بڑے، بڑے اسپیشلسٹ میرے لیے کچھ نہیں کر سکے تو تمہیں بتا دینے سے میرے مرض میں کون سا فرق پڑ جاتا سوائے اس کہ کہ تمہیں دکھ ہوتا اور دوستوں کو دکھ تو نہیں دیا جاتا ناں۔ میں تو کسی سے سکھ شیئر کرنے کی بھی قائل نہیں اور پھر ایسے دکھ تو شیئر کرنے کے لیے نہیں ہوتے۔

اس اسپتال کے کمرے میں زندگی بڑی عجیب لگتی ہے اور احساس ہوتا ہے کہ زندگی بس تتلی کے کچے رنگوں کی طرح ہے بہت خوب صورت لیکن انتہائی ناپائدار بھی۔ زندگی نے جو کچھ بھی دیا وہ مجھے میری کوششوں سے دیا ورنہ زندگی کبھی کسی کے لیے اتنی تنگ نہیں ہوتی۔ تمہارے امی، ابو کی محبت کی بھی میں حصے دار ہوں۔ ان سے کہنا کہ میری قبر پر فاتحہ خوانی کو ضرور آتے رہیے گا۔ میرا اور کون ہے ان کے سوا۔ فیکٹری اور بوتیک اب تمہاری ذمے داری ہے۔ انیلا انجم کا دکھ تم سمجھ گئی ہوگی۔ نہ جانے کون سا پل مجھے موت کے قریب کردے۔ گزرتا ہوا ہر دن میری زندگی کو کم کرے گا اور میں کچھ نہیں کرسکوں گی بس خاموشی سے خود کو موت کی وادی کی طرف بڑھتا ہوا دیکھوں گی۔ ممی میرا بہت خیال رکھ رہی ہیں۔ میں نے ان سے قسم لی ہے وہ میری موت پر تو کم از کم شریک ہوں گی یعنی اگر میری موت یہاں ہو بھی گئی تو انہیں مجھے لے کر اپنی زمین پر اپنے لوگوں کے درمیان آنا ہوگا۔ کم از کم وجاہت یزدانی بھی اس روز موجود ہوں گے اور آنے والے اس دن کا مجھے شدت سے انتظار ہے۔ مجھے یقین ہے اب تم سے وہ ملاقات نہ ہوگی جس کی تمہیں تمنا ہوگی مگر تم میرے مرنے کا اتنا ملال نہ کرنا کیونکہ رنج کی باتوں کو بھلانے میں ہی مزہ ہے اور مرنے میں کیا مزہ ہے اس کو بھی دیکھ لیں گے، ہمیشہ خوش رہو۔

مومل!"

"تو یہ تھا مومل وجاہت یزدانی تمہاری بکھری شخصیت کا راز جس کو سمیٹنے کے لیے تم نے دیوانہ وار مقابلہ کیا۔"

میں نے مومل کے خط کو پڑھ کر تہ در تہ بند کرتے ہوئے سوچا۔ "تم نے اپنے اردگرد ایک ایسی فصیل کھڑی کی تھی کہ کوئی اسے پار نہیں کرسکتا تھا۔ تم پاگل تھیں مومل، کچھ تعلق، کچھ ناتے، کچھ دوستیاں ایسی ہوتی ہیں جن کو آزمائشوں کے باٹ سے نہیں تولا جاتا مگر تم ڈسی ہوئی تھیں اور ڈسنے والے خائف ہوتے ہیں۔ دل کی ڈور سے جڑی تحریریں تاقیامت رحمانی کو ازبر ہیں مومل اور تمہاری قبر اس کی ختم ہوتی زندگی تک مہکتی رہے گی۔ اب تم ہی کہو مومل ان اشار کے لوگوں پر سچائی، وفاداری ختم نہیں ہے؟ لیکن آج تم کچھ نہیں کہو گی کہ تم نے مجھے بھی آزمایا ہے تو مخلص ہی پایا...... مگر دل اور ستاروں کے بیچ تم نے بڑا ظلم کیا ہے...... بڑا ظلم...... لوگوں کا کیا ہے وہ تو کہتے ہی رہیں گے کہ ہماری دوستی.... کتابوں میں بسی خوشبو کے مانند تھی۔"



تہی دست

شمیم ناز صدیقی

اچانک سوتے سوتے میری آنکھ کھل گئی تھی۔ مسجد سے آتی فجر کی اذان کی آواز کان میں پڑی تو احساس ہوا کہ فجر کا وقت ہوگیا ہے۔ میں بیدار ہوگئی مگر آنکھیں بند کیے لیٹی تھی۔ میرے نزدیک میری اماں سفید لباس میں اداس بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان کی نظریں مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔ میرے کانوں میں فجر کی اذان کی آواز آرہی تھی اور یہ آواز مجھے یقین دلا رہی تھی کہ میں مکمل طور پر جاگ رہی ہوں۔

اس رات میں بہت اپ سیٹ سوئی تھی۔ زندگی میں نشیب و فراز آتے رہتے ہیں۔ میں بھی کچھ پریشانیوں میں الجھی ہوئی تھی۔

اماں کا ہاتھ میری پیشانی پر تھا۔ میں ان کے ہاتھ کا لمس محسوس کررہی تھی۔ اماں میرے اتنے نزدیک تھیں کہ میں سوچ رہی تھی آنکھیں کھول لوں

کہ نہیں...... میں اسے خواب نہیں کہہ سکتی تھی۔ میں جاگ رہی تھی۔ میری صرف آنکھیں بند تھیں لیکن ذہن جاگ رہا تھا۔ اذان کی آواز سن کر میں ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

میری نظر دائیں طرف پڑی تو میں بری طرح چونک گئی۔ اماں سچ مچ میرے بالکل قریب سفید لباس میں خاموش بیٹھی تھیں۔ جیسے ہی میں نے کچھ کہنا چاہا...... دوسرے لمحے وہاں کوئی نہیں تھا۔ بس صرف اماں کی قربت کا لمس اور احساس باقی تھا۔ بہت دیر تک میں اسی لمس کی خوشبو کے احساس میں گم صم بیٹھی رہی۔ مجھے یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ اماں ابھی ابھی میرے اتنے قریب تھیں اور پھر آنکھ سے اوجھل بھی ہوگئیں مگر اب اماں مجھے شدت سے یاد آرہی تھیں۔

اماں جنہیں میرے بغیر ایک پل قرار نہیں آتا تھا' یہ کیفیت ان کی بیماری کے دوران ہوتی تھی۔ وہ مجھے ہر وقت اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھنا چاہتی تھیں۔ وہ اپنا ہر کام مجھ سے ہی کروا کر مطمئن ہوتی تھیں۔

اماں جو قدم قدم پر مجھے پکارتی تھیں اور میں ان کی ایک آواز پر دوڑ کر ان کے کمرے میں پہنچ جاتی۔ ان کی آواز کی بازگشت اب بھی اکثر میرے کانوں میں گونجتی اور اس بازگشت پر میں بے چین اور بے قرار ہو جاتی ہوں' آج پھر اماں کے ساتھ گزارا ہوا ایک، ایک لمحہ میرے ذہن کے کینوس پر روشن ہو رہا ہے اور میں یادوں کی پگڈنڈی پر سرپٹ دوڑنے لگی ہوں۔

☆☆☆

''نازیہ...... نازیہ کہاں ہو......؟'' اماں کی آواز مسلسل میرے کانوں سے ٹکرا رہی تھی...... میں نے سلام پھیرا اور اٹھ کر اماں کے کمرے میں آگئی۔

''جی اماں کچھ چاہیے......؟''

''ہاں بیٹا تھوڑا سا پانی دے دو حلق خشک ہو رہا ہے۔ تم کہاں تھیں اتنی دیر سے آوازیں دے رہی ہوں۔''

''عشا کی نماز پڑھ رہی تھی اماں...... آپ کی آنکھ لگ گئی تھی تو میں نے سوچا نماز سے فارغ ہو لوں۔''

''اچھا تو پڑھ چکی نماز......؟''

''نہیں اماں، سلام پھیر کر آئی ہوں۔''

''اچھا جاؤ نماز مکمل کرلو......'' انہوں نے خالی گلاس مجھے تھماتے ہوئے کہا۔

عشا کی نماز سے فارغ ہو کر میں کچن میں آگئی، مجھے اپنے اور اماں کے لیے روٹی ڈالنی تھی، آج تو گھر پر صرف میں اور اماں تھے سب گھر والے آپا کے بیٹے کی برتھ ڈے پر گئے ہوئے تھے۔ میں اماں کی وجہ سے نہیں گئی تھی۔ میں انہیں کھانا کھاتے دیکھے جا رہی تھی پر ذہن کہیں اور تھا۔

☆☆☆

میری ماں صرف اچھی ماں ہی نہیں تھیں بلکہ اچھی اور مثالی بیوی بھی تھیں ایسی سگھڑ اور سلیقہ شعار کہ ہم سب کو اپنے ہاتھ سے کپڑے سی کر پہناتیں یہاں تک کہ ابا پینٹ شرٹ کے علاوہ قمیص' پاجامہ بھی شوق سے پہنتے تھے۔ اماں، ابا جی کے کپڑے بھی خود گھر پر ہی سیتی تھیں۔

ہمارے ابا جی کھانے پینے کے بہت شوقین تھے اور اماں کے ہاتھ...... میں تو لذت بھی بہت تھی۔ گویا کہ وہ ہر کام کی ماہر تھیں۔ وقت بہت تیزی سے گزر رہا تھا۔ ہم سب بہن بھائی سمجھ دار ہو رہے تھے۔

وہ دن بڑے خوب صورت تھے۔ زندگی بڑی حسین لگتی تھی۔ جب والدین کا سایہ کسی گھنی چھاؤں کی طرح سر پر موجود ہو تو زندگی کا رنگ ہی کچھ اور ہوتا ہے، عجیب بے فکری کا دور ہوتا ہے۔ وقت پر لگا کر تیزی سے اڑنے لگا اماں، ابا جی۔ نانا، نانی اور دادا' دادی بن گئے۔ گھر میں بچوں کی چہکاریں گونجنے لگیں۔ اماں نے اپنی ازلی بیماری کے ساتھ ساتھ نہایت خوش اسلوبی اور ذمے داری سے اپنے امور خانہ داری انجام دیے تھے۔ کبھی ایچ بی پی جیسی بیماری

کو دکھ کا پہاڑ بنا کر ہاتھ پاؤں چھوڑ کر نہ بیٹھیں اور ان کی ہمت و حوصلہ دیکھ کر ہم بھی مطمئن ہو جاتے۔ اماں کو کبھی غصہ نہیں آتا تھا۔ ابا جی غصے کے بہت تیز تھے مگر اماں کے ٹھنڈے مزاج کی وجہ سے ابا جی کا غصہ صابن کے جھاگ کی طرح جلدی سے بیٹھ جاتا۔ آپا کی شادی کے بعد ہی اماں، ابا میری بھی شادی جلد کرنا چاہتے تھے۔ سال پر سال دبے پاؤں سرکتے جا رہے تھے۔ بڑے بھیا کی شادی کے بعد تو ابا جی کچھ زیادہ ہی فکر مند ہو گئے تھے کہ اب میری شادی ہو جانی چاہیے کہ میں بہن بھائیوں میں تیسرے نمبر پر تھی اور ابا جی میرے فرض سے جلد از جلد سبکدوش ہونا چاہتے تھے۔

اماں نے میرا جہیز تو آپا کے جہیز کے ساتھ ہی جمع کرنا شروع کر دیا تھا کہ ہم دونوں اوپر تلے کی بہنیں تھیں مگر وقت جیسے دوڑنے لگا۔ ابا جی یہ آس لیے دنیا سے چلے گئے کہ میں ان کے سامنے اپنے گھر کی ہو جاؤں۔ ابا جی کیا گئے دنیا سے کہ گھر پر ویرانی چھا گئی۔ گھر کا ایک فرد کیا کم ہوا لگتا تھا گھر میں سناٹا چھا گیا ہے۔ دل کو یقین ہی نہیں آتا تھا کہ ابا جی ہمیں چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔ ابا جی کیا رخصت ہوئے' اماں کی جینے کی امنگ ہی ٹوٹ گئی۔ ابا جی کی جدائی میں اماں مہینوں میں ایک دم ہی بوڑھی نظر آنے لگیں۔ اماں کے بال جو اب تک سیاہ تھے ان میں تیزی سے سفیدی چمکنے لگی تھی۔

بھاگتے دوڑتے وقت نے اماں کو میری طرف سے مایوس کر دیا تھا۔ رشتے آتے مگر طے نہیں ہو پاتے تھے یا لڑکے والوں کی طرف سے انکار ہو جاتا یا اماں کی طرف سے انکار بس رشتہ طے نہ ہونے کا کوئی نہ کوئی بہانہ ہو جاتا۔ میں نے اماں سے کہا عدیل کی شادی کر دیتے ہیں' وہ مجھ سے تین سال چھوٹا تھا۔ اماں نے مجھے یوں گھور کر دیکھا جیسے میں نے کوئی انوکھی بات کہہ دی ہے۔ کچھ رک کر بولیں۔

''اور تم کیا یونہی بہن بھائیوں کی خدمت کرتی رہو گی؟''

''اماں میں اپنی زندگی سے بہت مطمئن ہوں۔ آپ ربیعہ کے لیے سوچیں۔''

''نہیں، پہلے تم اپنے گھر کی ہو جاؤ مجھے ابھی ربیعہ کی اتنی فکر نہیں ہے، وہ تم سے بہت چھوٹی ہے۔ مجھے تمہاری فکر زیادہ ہے جس تیزی سے تمہاری عمر بڑھ رہی ہے میں اس سے خوف زدہ ہوں۔'' وہ ماں تھیں اپنے انداز میں سوچتی تھیں۔ میں خود کو بہت خوش نصیب سمجھتی تھی کہ مجھے اتنی ساری محبتیں حاصل تھیں صرف ایک محبت کی کمی سے میری زندگی میں کوئی خلا نہیں تھا۔ ضروری تو نہیں انسان جو چاہے وہ سب اس کی مرضی کے مطابق ہو جائے۔

اماں بڑے بھیا کے بیٹے اذلان کو بہت چاہتی تھیں پہلے بیٹے کی پہلی اولاد جو تھی...... وہ سب کی آنکھ کا تارا تھا تو آپا کی بڑی بیٹی سمیلہ اماں کی پہلی نواسی نے بھی اماں کی بے پناہ محبتیں حاصل کی تھیں۔ اماں تو اسے پندرہ، پندرہ دن اپنے پاس رکھتی تھیں۔ اماں نے بڑے بھیا اور آپا کے بچوں کو خوب گودوں کھلایا تھا۔

اچھا خاصا وقت اور گزر گیا۔ بڑی آپا اور بڑے بھیا کی شادی کے بعد کسی اور کی شادی کا سلسلہ ہی شروع نہیں ہو رہا تھا۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ اماں میرے رخصت ہونے کا انتظار کر رہی تھیں اور پھر آخر کار سب کے بہت زیادہ اصرار پر اماں عدیل کی شادی کرنے پر تیار ہو گئیں...... ایک بار پھر گھر میں رونق اتر آئی۔ ایک عرصہ گزرنے کے بعد گھر میں شادی کی تقریب ہو رہی تھی۔ سب ہی بہت خوش اور مسرور تھے۔ ان دنوں اماں اپنی پرانی بیماری کی وجہ سے بہت پریشان تھیں، دو چار قدم گھر میں چلتیں تو سانس پھولنے لگتی مگر ان دنوں وہ خوش بھی بہت تھیں۔ ان کے بچوں کے ساتھ پوتے' پوتیاں' نواسہ، نواسی بھی اس خوشی میں شریک تھے ہر وقت گھر میں ایک رونق سی رہتی۔

عدیل کی شادی بہت دھوم دھام سے ہو گئی تھی

اور اب اماں گھر میں پھر سے چھوٹے بچے کی چہکار کے لیے بے چین تھیں اور پھر اللہ نے ان کی جلد ہی سن لی۔ شادی کی اینی ورسری آئی تو شاہانہ کی گود میں دو مہینے کی اجالا آچکی تھی۔ اجالا کی آمد سے جیسے پورے گھر میں اجالا سا بکھر گیا تھا۔ اماں تو پوتی کو دیکھ کر بہت نہال ہوگئی تھیں ہم سب کی آنکھ کا تارا تھی وہ بڑی آپا پیار سے اسے خوب صورت جہاں کہتی وہ تھی ہی اتنی پیاری...... میری آنکھوں کا نور جو پیدا ہوتے ہی میری گود میں آئی اور میں نے اسے اپنی بیٹی بنالیا جو میرے دل کی ٹھنڈک...... ربیعہ کی جان تو چاچو اور سب کی لاڈلی...... وقت پھر اپنی ڈگر پر چل پڑا...... اماں کی آنکھوں میں اب بھی میری شادی کا خواب سجا ہوا تھا جب کوئی رشتہ آتا وہ آنکھوں میں خواب سجالیتیں مگر جب قسمت ساتھ نہ دے تو سارے خواب ٹوٹتے چلے جاتے ہیں۔ اماں کا خواب بھی بار بار بکھر رہا تھا ٹوٹ رہا تھا اور ان کے چاروں طرف مایوسی کے اندھیرے تھے۔

☆☆☆

وہ گرمیوں کے دن تھے اماں نے صبح ہی کہا تھا ”نازیہ آج جا کر لان کے سوٹ لے آنا ربیعہ کو بھی ساتھ لے جانا......“ میں اور اماں صبح سویرے ہی اٹھتے تھے۔ شروع سے ہی صبح سات بجے انہیں چائے پینے کی عادت تھی یوں اماں کے ساتھ مجھے بھی عادت پڑگئی۔ میں کچن میں جا کر چائے کا پانی رکھ دیتی اور اماں واش روم سے فارغ ہوکر آجاتیں...... چائے پیتے ہوئے باتوں کا سلسلہ شروع ہوجاتا، آج کیا پکے گا، کیا لانا ہے کہاں جانا ہے۔ چھوٹی بہن ربیعہ ہمیشہ اماں کے پاس ہی سوتی تھی۔ اسے دیر سے سو کر اٹھنے کی عادت تھی۔ ہم دونوں بہنیں کم اور دوست زیادہ لگتے تھے جبکہ وہ عمر میں مجھ سے بہت چھوٹی تھی لیکن ہم دونوں میں بے تکلفی بہت تھی۔ ہم دونوں چائے پی کر فارغ ہوتے تو شاہانہ اٹھ جاتی۔ عدیل اور خلیل بھی اٹھ جاتے آفس جانے کے لیے میں اور شاہانہ مل کر صبح کا ناشتا بنانے میں مصروف ہوجاتے۔

اس دن بھی سب کاموں سے فارغ ہوکر میں اماں کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ شاہانہ دوپہر کا کھانا...... دسترخوان پر لگا رہی تھی کہ ہم تینوں دوپہر کا کھانا اماں کے کمرے میں ان کے ساتھ ہی کھاتے تھے۔ جبھی میں نے کھانے کے دوران ربیعہ سے کہا۔

”ربیعہ کھانے سے فارغ ہوکر فٹافٹ تیار ہوجاؤ شاپنگ کے لیے حیدری جانا ہے۔“

”اماں مجھے بھی دو لان کے سوٹ لینے ہیں۔“ ربیعہ نے فوراً کہا تو اماں مسکراتے ہوئے بولیں۔

”تم دونوں کو شاپنگ کے لیے بھیج تو رہی ہوں، نازیہ سے کہہ دیا ہے سب کے لیے دو، دو سوٹ لان لے کر آئے۔“

”او مائی گریٹ اماں......“ ربیعہ نے ایک دم ہنستے ہوئے کہا۔

”بس بس زیادہ مکھن نہ لگاؤ بس ذرا جلدی لوٹ آنا۔“ میں برتن سمیٹ کر کچن میں آگئی۔

ہم دونوں بہنیں تیار ہوکر بازار جانے والے تھے شاہانہ بچی کے ساتھ اپنے بیڈروم میں تھی۔ اماں بیڈ کے سرہانے تکیے سے ٹیک لگائے آرام سے بیٹھی تھیں۔

”اچھا جاؤ دیر نہیں کرنا جلدی آنا۔“ ہم دونوں بہنیں باہر کے دروازے کی طرف بڑھے تھے کہ اماں کی چیخ نے ہمارے بڑھتے قدم روک لیے...... ہم دونوں نے مڑ کر اماں کے کمرے کی طرف گھبرا کر دیکھا۔

اماں اپنی جگہ بیٹھی ہولے، ہولے کانپ رہی تھیں اور ان کے منہ سے مسلسل چیخیں نکل رہی تھیں۔ میں اور ربیعہ تیزی سے اماں کے قریب پہنچ گئے۔ شاہانہ بھی بچی کو گود میں لیے اپنے کمرے سے دوڑی چلی آئی۔

”کیا ہوا ہے...... اماں......؟“ میں نے ان کے کندھوں کو تھامتے ہوئے پوچھا مگر اماں کچھ بتا ہی نہیں رہی تھیں۔ ان کا پورا جسم بری طرح سے لرز رہا تھا۔ اچانک نہ جانے اماں کو کیا ہوگیا تھا ہم دونوں بہنیں بری طرح رونے لگیں۔ شاہانہ بھی اماں کی کیفیت دیکھ کر پریشان ہوگئی۔ ہم تینوں کے علاوہ گھر میں کوئی بھائی بھی اس وقت موجود نہیں تھا۔ شاہانہ نے محلے کے کسی لڑکے سے کہہ کر ٹیکسی منگوالی کہ اماں کو اسپتال لے کر جانا بہت ضروری تھا۔ اماں نے بڑی مشکل سے ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں بتایا تھا کہ جیسے ان کے جسم میں کرنٹ دوڑ رہا ہے۔ تکلیف کی شدت کی اذیت سے ان کے ہونٹ اور آنکھ کے پپوٹے تک پھڑ پھڑا رہے تھے اماں کی اذیت ناک تکلیف دیکھی نہیں جارہی تھی۔ میری اور ربیعہ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

نہ جانے کس طرح اماں ہم لوگ لے کر اسپتال پہنچے۔ بھائیوں کو فون کیا وہ سب بھی اطلاع ملتے ہی اسپتال پہنچ گئے۔ چند گھنٹوں میں اماں کے ڈھیروں ٹیسٹ ہوگئے۔ انہیں فوری طور پر اسپتال میں ایڈمٹ کرلیا تھا۔ ڈاکٹر نے فالج کا خدشہ ظاہر کیا تھا۔ اماں ایک ہفتہ اسپتال میں زیر علاج رہیں...... تو کافی بہتر ہوگئیں۔

اسپتال سے چھٹی مل گئی تھی ڈاکٹروں نے دوائیں تجویز کردی تھیں۔ ایک ہفتہ بھی نہیں ہوا تھا اسپتال سے آئے کہ اماں کو اچانک ایک صبح اسی طرح درد ہوا پھر بے ہوش ہوگئیں۔ فوراً اماں کو اسپتال پہنچایا گیا۔ اماں آئی سی یو میں تھیں ہم سب بہت پریشان تھے کسی کو قرار نہیں تھا۔ جب ڈاکٹر نے اماں کا سی ٹی اسکین کرایا اور رپورٹ آئی تو ہم سب بہن بھائیوں کو ایک چپ سی لگ گئی۔ اماں کو برین ٹیومر ہوگیا تھا۔ اس بری خبر نے ہم سب کو ہراساں کردیا تھا۔ اماں نے ساری زندگی ٹی بی کے ساتھ بڑی ہمت اور حوصلے سے زندگی گزاری تھی کہ اب یہ اذیت ناک بیماری بھی انہیں ہونی تھی۔ جب انہیں اچانک جھٹکے لگتے پورا جسم اس طرح پھڑ پھڑاتا کہ اماں کی یہ بے بسی اور تکلیف دیکھ کر ہم سب کی آنکھوں سے اشک جاری ہوجاتے۔ اب اماں کی ایسی حالت ہوگئی تھی کہ ایک ہفتہ کسی طرح گھر میں گزرتا تو دوسرے ہفتے اسپتال میں ایڈمٹ ہونا پڑتا۔ جب سے اماں کو برین ٹیومر تشخیص ہوا تھا وہ چاہتی تھیں میں ہر وقت ان کے پاس ان کے قریب

ماں کے نام

ستارے بھی گم ہوئے
چاند بھی سوگیا
سارا جہاں
اے ماں
تیرے بغیر اداس ہوگیا
دل لمحہ لمحہ پگھل رہا ہے
جیسے میرے اندر سب کچھ مر رہا ہے
میرے چار سو
تنہائی ہے ویرانی ہے
زندگی اپنی نہیں جیسے پرائی ہے
تیرے بغیر
میں ہر لمحہ جیتی
ہر لمحہ مرتی ہوں
کوئی اسم مجھے بتا جاتی
کوئی تو ہنر مجھے سکھا جاتی
کہ جن کی مائیں مر جاتی ہیں
وہ پھر
کیسے خوش ہو پاتے ہیں
وہ پھر
کیسے جی پاتے ہیں

شاعرہ: نسیم نیازی، لاہور

رہوں...... اسپتال میں بھی دن رات اماں کے پاس ہوتی۔ بڑی آپا چاہتی تھیں کہ وہ اسپتال میں اماں کے پاس رک جائیں کہ نازیہ تھک جاتی ہے مسلسل اماں کی خدمت گزاری میں لگی ہوتی ہے مگر میری ماں کو یہ گوارا ہی نہیں تھا کہ میں ایک پل کے لیے بھی ان کی آنکھوں سے اوجھل ہوں۔

اماں جب ٹھیک ہوتیں ویسے ہی اطمینان سے باتیں کرنے لگتیں یوں لگتا تھا کہ اب اماں بالکل ٹھیک ہوجائیں گی مگر پھر اکثر بات کرتے، کرتے انہیں وہی دورہ پڑ جاتا۔ ان کی اس تکلیف کا دورانیہ پانچ منٹ کا ہوتا تھا فوراً دوا دیتی تو انہیں آرام آجاتا...... ہم لوگوں نے اماں کو ان کی بیماری کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ وہ اکثر پوچھتیں۔

''مجھے کیا ہوا ہے نازیہ؟ ڈاکٹر کیا کہتے ہیں؟ میں ٹال جاتی...... مگر وہ اتنا ضرور سمجھ گئی تھیں کہ ہم ان سے کچھ چھپا رہے ہیں اور ان کے پاس وقت بہت کم ہے۔ جب ہی تو اکثر نصیحت کرتی رہتیں۔ ''دیکھو نازیہ میرے بعد تم ربیعہ کا بہت خیال رکھنا وہ بہت حساس ہے، مجھے پتا ہے تم سب بہن بھائیوں میں تم ربیعہ کو بہت چاہتی ہو بالکل میری طرح ابھی جس طرح اس کا خیال رکھتی ہو اس سے زیادہ رکھنا اسے میری کمی کا احساس نہ ہونے دینا۔''

''اماں پلیز اس طرح کی باتیں نہ کریں۔ آپ کو کچھ نہیں ہوگا۔ آپ ٹھیک ہوجائیں گی۔'' میں انہیں حوصلہ دیتے ہوئے کہتی اور اندر سے میرا دل رو رہا ہوتا کیونکہ اماں کی جو کیفیت تھی اس سے ہم سب بہن بھائی خود بہت مایوس تھے۔ مگر ہر لمحہ یہی دعا کرتے کہ ہماری ماں کا سایہ ہمارے سر پر سلامت رہے۔

ہمارا سب سے چھوٹا بھائی فیصل اماں کو بہت چاہتا تھا۔ صبح اٹھ کر جب تک تھوڑی دیر ان کے پاس نہیں لیٹتا اسے چین نہیں آتا اکثر اماں کی آنکھ کھل جاتی، میں کہتی۔

''دیکھو فیصل تم اماں کو ڈسٹرب کرتے ہو وہ اچھی خاصی بے خبر سو رہی تھیں تم نے انہیں اٹھا دیا۔''

''لیٹا رہنے دے نازیہ......'' اماں اسے پیار سے دیکھتے ہوئے کہتیں۔

اماں نے کسی نہ کسی صورت ہر بچے کو انفرادیت دی ہوئی تھی اپنی محبت کے انداز سے۔ ہر اولاد اپنی اپنی جگہ یہ محسوس کرتی کہ اماں سب سے زیادہ اسے ہی چاہتی ہیں۔ ہمارا ایک بھائی ملک سے باہر تھا اماں کو اس کی واپسی کا بڑا انتظار تھا اور جب سے انہیں اپنی زندگی کی ڈور ٹوٹتی ہوئی محسوس ہونے لگی تھی۔ ہر وقت اسی کو یاد کرتی رہتی تھیں۔

وہ ملک سے باہر تھا اور کچھ ایسے مسائل میں گھر گیا تھا کہ آ نہیں سکتا تھا پر آنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔ اماں کی بیماری کی وجہ سے وہ خود بھی بہت بے چین تھا۔ میں ان دنوں فیصل کے لیے اچھی سی لڑکی کی تلاش میں تھی اپنی دوست فرحانہ سے بھی کہہ رکھا تھا میں چاہتی تھی کہ کم از کم اماں کی زندگی میں فیصل کی منگنی ہی ہوجائے اماں کو کوئی ایک خوشی اور دیکھ لیں خود اماں کی بھی یہی خواہش تھی کہ اب ربیعہ یا فیصل کی شادی ہوجائے...... مگر فیصل کا کہنا تھا کہ جب تک نازیہ باجی اور ربیعہ کی شادی نہیں ہوجاتی میں شادی نہیں کروں گا۔ مگر اماں کا ایک دن کچھ زیادہ اصرار بڑھا تو وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''نازیہ باجی کہاں لڑکیاں تلاش کرتی پھریں گی میں خود ہی یہ کام کرلیتا ہوں۔''

''کیوں، کیا تم نے کوئی لڑکی دیکھی ہوئی ہے کوئی ہے تمہاری نظر میں؟'' اماں نے مسکراتے ہوئے سوال کر ڈالا تھا۔

''اماں ایک ہو تو بتاؤں، میری نظر میں تو کئی لڑکیاں ہیں۔'' اس نے شوخ سے لہجے میں چہکتے ہوئے کہا۔

''دیکھ بات مذاق میں نہ اڑا جو پوچھ رہی

ہوں اس کا جواب دے......'' اماں ہنسنے لگیں۔

''نازیہ باجی آپ نے عدیل بھائی کی شادی میں سدرہ کو دیکھا تھا؟''

''اچھا وہ گرین سوٹ والی......'' ربیعہ نے فوراً ہی ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا تو مجھے بھی یاد آ گیا۔

''اچھا وہ...... ہاں وہ لڑکی تو پیاری سی تھی......کون لوگ ہیں؟ کہاں رہتے ہیں کیسا خاندان ہے۔'' اماں نے دلچسپی سے پوچھا۔

''اماں سدرہ نے اسی سال گریجویشن کیا ہے کاسٹ کا تو مجھے نہیں پتا مگر کافی پیسے والے لوگ ہیں۔'' فیصل نے بتایا تو اماں بولیں۔

''بس تو پھر رہنے دو مجھے تو اپنے جیسے لوگ چاہئیں...... اور پھر وہی سدرہ جو تمہارے دوست کریم کی بہن ہے ناں بیٹا تھوڑا تو میں بھی ان لوگوں کے بارے میں جانتی ہوں؟ وہ لوگ ہمارے خاندانی پس منظر سے میچ نہیں کرتے۔ بس اس طرح کے ہوں جیسے میری دونوں بڑی بہوؤں کے گھرانے ہیں۔'' اماں نے انکار کرتے ہوئے فیصل کو سمجھانا چاہا...... فیصل کا منہ لٹک گیا...... اور مجھے اندازہ ہو چلا تھا کہ فیصل، سدرہ کو پسند کرتا ہے۔ یہ انکشاف بھی آج ہی ہوا تھا۔

☆☆☆

''نازیہ، نازیہ ارے کتنی روٹیاں پکا رہی ہے۔'' اماں کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی تو میں ایک دم چونک گئی۔ اُن کے بارے میں سوچتے سوچتے میں کتنی دور نکل گئی تھی۔

''جی اماں، میں آ رہی ہوں۔'' میں نے جلدی سے دو روٹیاں اور پکائیں اور کھانا نکال کر اماں کے کمرے میں آ گئی۔

''اتنی دیر سے کچن میں کیا کر رہی تھی؟'' اب اماں کو کیا بتاتی کہ اتنی دیر میں کتنی یادیں ذہن میں تازہ ہو گئی تھیں۔ کھانے سے فارغ ہو کر میں ان کے پاس ہی بیٹھ گئی۔ جس طرح میں اپنی ماں کو دیکھ کر جیتی تھی اسی طرح وہ بھی اپنی مرحومہ ماں کا ذکر کرتی رہتیں۔ ان کا چہرہ روشن سا ہو جاتا اماں جتنی بار بھی اپنی ماں کی باتیں بتاتیں ہم اتنی ہی توجہ سے سنتے جیسے کہ پہلی بار سن رہے ہوں، اماں اپنی چھوٹی بڑی یادوں کو اپنے ذہن کے کینوس پر تازہ کرتی رہتی تھیں انہوں نے ماں کی یاد کو وقت کی گرد سے مٹنے نہیں دیا تھا۔ وہ یاد کے آئینے کو شفاف کرتی رہتی تھیں اور آج بھی اماں یادِ ماضی میں کھوئی ہوئی آہستہ آہستہ باتیں کر رہی تھیں۔ کھانا کھا کر اور رات کی دوائیں وغیرہ لے کر وہ ماں کی یاد میں کھوئی ہوئی تھیں...... اور میں بھی شاید ان کی تقلید کرتے ہوئے آج اپنی ماں کی یادوں کو کھنگال رہی تھی۔

☆☆☆

اماں کو دماغی ٹیومر کی بیماری میں مبتلا ہوئے پورا سال گزر گیا تھا اور میں اماں کے ساتھ کبھی اسپتال میں تو کبھی گھر میں خدمت میں لگی ہوئی تھی سب بہن بھائی اماں کی طرف سے بہت پریشان تھے۔ رمضان کا پہلا عشرہ شروع ہو چکا تھا اور اماں ایک بار پھر اسپتال میں ایڈمٹ ہوئی تھیں ہم سب چاہتے تھے اماں جلد از جلد ٹھیک ہو جائیں۔ روپے پیسے کی کوئی کمی نہیں تھی علاج پر رقم پانی کی طرح خرچ ہو رہی تھی۔ اماں غنودگی میں تھیں مگر چند دنوں بعد اماں کافی بہتر ہو گئیں۔ ڈاکٹر نے روم میں آ کر کہا آج ہم ان کی چھٹی کر رہے ہیں۔ اس دن رمضان شریف کا چھٹا روزہ تھا۔ ہم لوگ اماں کو گھر لے آئے تھے۔ دوسرے دن ابا جی کی برسی تھی۔ ابا کی برسی پہ سب بہن بھائی اکٹھا ہوتے تھے۔ آج بھی سب موجود تھے۔ اماں بیڈ پر لیٹی ہوئی تھیں۔ میں نے کہا اماں آج ابا جی کی برسی ہے انہوں نے گردن ہلاتے ہوئے میری طرف دیکھا ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ بڑے بھیا اماں کے قریب آ کر بیٹھ گئے ماتھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔

''اماں کو تو اچھا خاصا بخار ہو رہا ہے۔'' میں نے انہیں بخار کی دوا کھلائی مگر بخار تھا کہ بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔

وہ رات ہماری جاگتے گزری۔ میں بار بار اٹھ کر اماں کا بخار چیک کر رہی تھی۔ ٹھنڈے پانی کی پٹیاں ماتھے پر رکھ رہی تھی۔ اماں کا بخار کچھ کم ہوا تو وہ سو گئیں۔ مگر ہم سب بہن بھائی جاگ رہے تھے۔ فجر کے وقت اماں کا بخار ایک دم تیز ہوا اور جھٹکے لگنے شروع ہو گئے۔ ہم فوری طور پر اسپتال لے گئے۔ انہیں ایک سو پانچ بخار تھا۔ بی پی شوٹ کر رہا تھا۔ اماں آئی سی یو میں تھیں۔ ہم سب اپنی پیاری ماں کی زندگی کی دعائیں کر رہے تھے۔

اماں کے سب بچے نواسیاں، نواسے، پوتا، پوتی اور اماں کی بھانجی وغیرہ سب موجود تھیں مگر انہیں کچھ خبر نہیں تھی۔ وہ تو بے ہوش تھیں۔

سب اماں کو دیکھنے آئی سی یو میں جا رہے تھے ایک، ایک کر کے...... میں آئی سی یو میں اماں کو دیکھنے کئی بار گئی...... ہر بار دیکھا اماں کی ایک آنکھ کھلی ہوئی تھی اور نظر ایک طرف کو ٹھہری سی گئی تھی۔ اس کھلی آنکھ میں کسی کا انتظار بے قراری کی جھلک نمایاں تھی۔ میرا دل ڈوبنے لگا اماں زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہی تھیں۔ ان کی نظر میں انتظار کی سی کیفیت تھی۔ انہیں اس حالت میں دیکھ کر میری آنکھوں سے آنسو تیزی سے بہنے لگے۔

''اماں آپ کو جس کا انتظار ہے وہ نہیں آیا۔ وہ نہیں آ سکتا اس کی اپنی مجبوری ہے۔ نہ جانے کس پریشانی میں گھر گیا ہے۔'' ہاں اماں کو اپنے بیٹے مشتاق کا انتظار تھا جو ملک سے باہر تھا۔ وہ رات تمام راتوں سے زیادہ کالی رات تھی۔ ربیعہ کا رو رو کر برا حال تھا۔ وہ اماں سے بہت زیادہ اٹیچڈ تھی۔ سب کو اس کی فکر تھی۔ اماں کو کچھ ہو گیا تو اس کو کیسے سنبھالا جائے گا۔ اسے سمجھا کر شاہانہ کے ساتھ گھر بھیج دیا گیا تھا۔

میں اور آپا اسپتال میں موجود تھے تینوں بھائی بھی تھے۔ میرے اور آپا کے ہاتھوں میں تسبیح تھی اور ہونٹوں پر اماں کی زندگی کی دعا...... سحری کا وقت ہو گیا تھا۔ میں نے اور آپا نے سحری کے لیے چند لقمے لیے تھے۔ عدیل نے صرف پانی کے چند گھونٹ لیے دل بہت گھبرا رہا تھا۔ دل کی بے چینی بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ ہم سب آئی سی یو کے سامنے ٹہلنے لگے۔

اماں کی حالت بگڑ چکی تھی۔ انہیں خون کی الٹی ہوئی تھی۔ سحری کا وقت ختم ہو گیا تھا۔ فجر کی اذان شروع ہو چکی تھی کہ ہم سب پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ ڈاکٹر نے آئی سی یو سے باہر آ کر بڑے بھیا کو بتایا کہ اماں کا انتقال ہو گیا ہے۔ ہم سب بری طرح رونے لگے بڑے بھیا روتے ہوئے کہنے لگے۔

''اماں ساری زندگی کسی نہ کسی بیماری سے جنگ لڑتی رہیں مگر آج اماں جنگ ہار گئیں...... ہم تہی دست ہو گئے۔'' ہمیں یاد تھا ابا جی بھی نویں روزے کو وقتِ سحر جدا ہو گئے تھے۔

''کیسے خوش نصیب تھے میرے اماں اور ابا جی انہیں رمضان شریف کا مبارک مہینہ ملا تھا۔''

میرے کانوں میں آج بھی اماں کی آوازیں گونجتی رہتی ہیں۔ نازیہ کہاں ہو اور میں اس آواز پر بے چین ہو جاتی ہوں۔

اماں کی دوسری برسی کے بعد میری بھی شادی ہو گئی۔ مگر اماں کے نہ ہونے کا ملال رہا کہ ان کی آنکھوں میں میری شادی کے خواب ہی سجے ہوئے تھے۔ آج میری بہن ربیعہ مدرز ڈے پر مجھے وِش کرتی ہے کہ آپ بھی تو میرے لیے ماں جیسی ہیں مگر میں کہتی ہوں مدرز ڈے کوئی ایک دن نہیں بلکہ ہماری پوری زندگی ماں کی محبت کی چھاؤں اور پھر یاد کے سائے میں ہی گزرتی ہے۔

ہم تہی دست تو ہو گئے مگر ماں کی دعائیں آج بھی ہمارے ساتھ ہیں۔





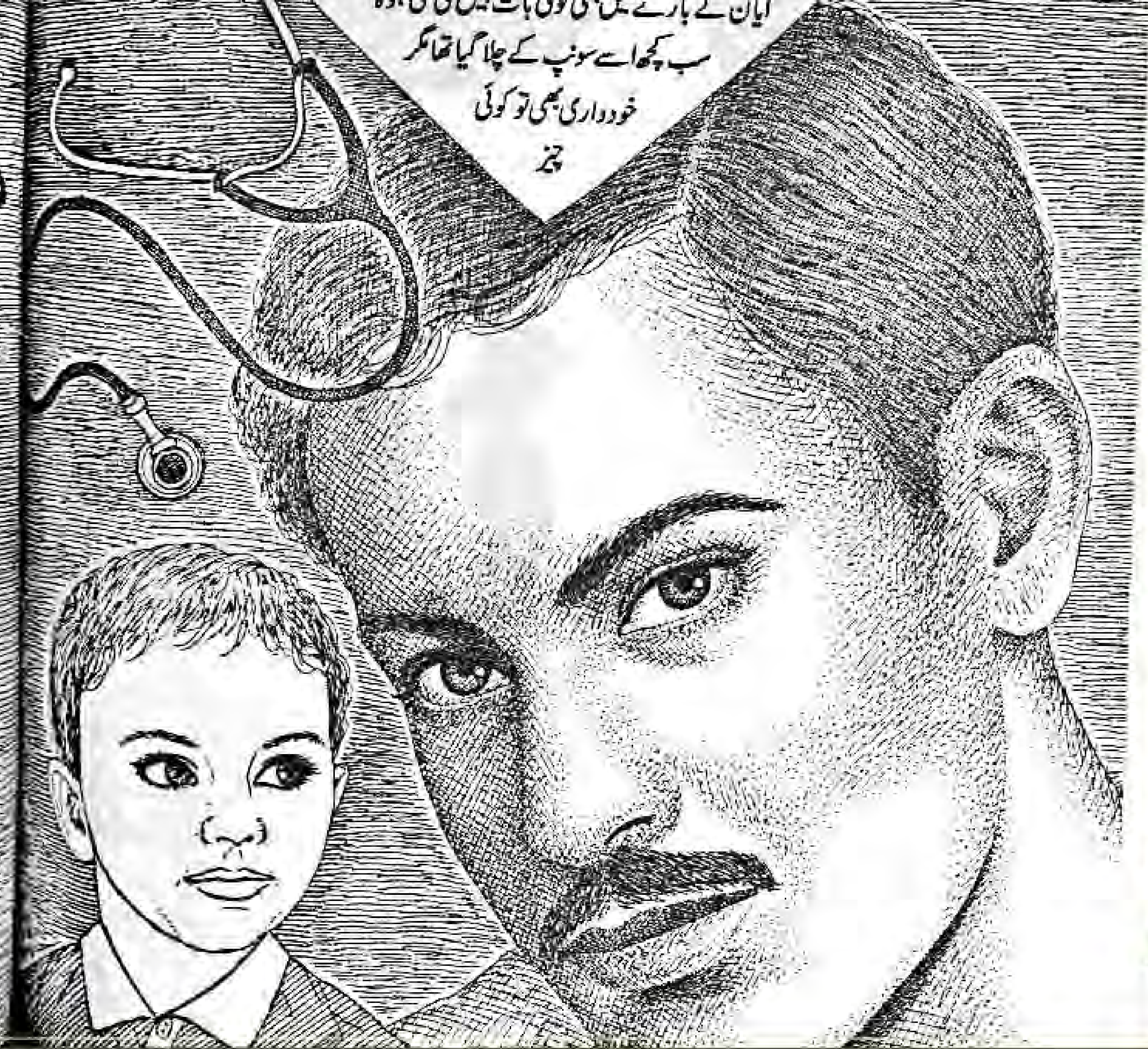
دوسرا اور آخری حصہ

مکمل ناول

اس صدی کی محبت

سکینہ فرخ

نئے سرے سے زندگی کا آغاز کرنا تھوڑا مشکل تو ہوتا ہی ہے...... اس نے مام کے فلیٹ میں اپنے اور ایان کے لیے ایک کمرا سیٹ کر لیا...... چھوٹا سا فلیٹ تھا اُسے مام کے سامنے دل ہی دل میں شرمندگی محسوس ہوتی...... وہ چاہتی تو سلمان کے فلیٹ میں آرام سے رہ سکتی تھی۔ سلمان نے اس سے فلیٹ، جیولری، کیش یہاں تک کہ ایان کے بارے میں بھی کوئی بات نہیں کی تھی، وہ سب کچھ اسے سونپ کے چلا گیا تھا مگر خودداری بھی تو کوئی چیز



ہوتی ہے...... وہ صرف ایان کو اپنے ساتھ لے آئی تھی اور سب کچھ وہیں چھوڑ آئی تھی۔

ماما اس کی دلجوئی میں کوئی کمی نہ چھوڑتیں مگر اس کی بے قراری کو قرار نہیں تھا۔ اس نے ایان کا ایڈمیشن ماما کے گھر کے قریب ہی اسکول میں کروادیا تھا اور خود اپنی جاب پہ جانا شروع کردیا...... بظاہر تو سب چیزیں سیٹ ہوگئی تھیں مگر ایان...... وہ اتنا آسان ثابت نہیں ہوا تھا جتنا ایمان نے سوچا تھا۔ ایمان اور سلمان کے ساتھ رہنے والا معصوم، بے ضرر، کھلنڈرا اور خوش باش ایان پہلے خاموش ہوا...... پھر ضدی اور اس کے بعد بدتمیز...... اس کی تان بابا پہ آکے ٹوٹتی...... اس کے ہونٹوں پر صرف ایک سوال تھا...... ”بابا کب آئیں گے؟“ ایمان کو اس کی حالت دیکھ کر اپنا بچپن یاد آیا۔

ماما کے لاکھ سمجھانے اور جھوٹ بولنے کے باوجود وہ حقیقت تک پہنچ گئی تھی۔ ڈیڈ کی یادوں کے دھندلے سے خاکے اور ان کی تصویر ہمیشہ اس کے حواسوں پر سوار رہی...... ڈیڈ سے محبت اور نفرت کے امتزاج سے جنم لینے والے عجیب و غریب محسوسات ہمیشہ اس کے ساتھ رہے...... ماما اسے کبھی مطمئن نہ کرسکی تھیں تو بھلا وہ کیسے ایان کو مطمئن کردیتی...... وہ تو اس عہد کا بچہ تھا، کمپیوٹر، نیٹ اور موبائل فون کے دور کی پیداوار تھا...... اپنے باپ کو جس سے وہ بہت محبت کرتا تھا ایک دم کیسے بھول جاتا...... اور اس کے نہ بھولنے کا مطلب، ایمان کے لیے ایک مسلسل عذاب...... سو اس نے ایان سے کھل کے بات کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

”تمہارے بابا نے ہم سے الگ ہونے کا فیصلہ کرلیا ہے۔“ اس نے ہمت جمع کرکے اس سے کہہ دیا۔

”کیوں...... آپ نے ان کے ساتھ کیا کیا تھا؟“ وہ خفگی سے بولا۔

ایمان نے حیرت سے اس سات سالہ مرد کو دیکھا۔ وہ شکل صورت اور انداز میں بالکل سلمان کی کاپی تھا۔

”تمہیں لگتا ہے اس میں میرا قصور ہے......؟“

ایمان کے اندر جیسے کچھ ٹوٹ گیا۔ انسان ہر ایک سے جھوٹ بول سکتا ہے، کسی کو نظروں سے گراسکتا ہے اور خود بھی کسی کی نگاہوں میں چھوٹا بن سکتا ہے، اتنی تکلیف نہیں ہوتی جتنی اولاد کی زبان سے بے اعتباری کے دو جملے سن کے ہوتی ہے۔

”مجھے کیا معلوم......؟“ اس نے کندھے اچکائے۔

”یہ میری غلطی نہیں ہے...... وہ خود پاکستان میں اپنے والدین کے ساتھ رہنا چاہتے تھے اس لیے وہاں چلے گئے......“ وہ قدرے غصے سے بولی۔

”تو...... پاکستان میں اپنے والدین کے ساتھ رہنے کا مطلب ہمیں چھوڑ دینا تو نہیں ہونا چاہیے۔“ اس نے جرح کی۔

”انہوں نے ہمیں بھی پاکستان لے جانا چاہا تھا......“ ایمان نے دل پر پتھر رکھ کے اعتراف کیا...... ایمان نے اب تک مہذب شہریوں کی طرح اپنے اور سلمان کے اختلافات کو بچے سے دور رکھا ہوا تھا مگر یہ بچہ......؟

”تو ہم ان کے ساتھ کیوں نہیں گئے؟“ وہ خفگی سے بولا۔

”اس لیے کہ ہم پاکستان میں نہیں رہ سکتے۔“ ایمان ناراضی سے بولی۔

”کیوں نہیں رہ سکتے......؟“ وہ حیرت سے بولا۔

”تم پاکستان کے بارے میں کیا جانتے ہو؟ وہاں رہنا آسان نہیں ہے...... ہم جس ماحول کے عادی ہیں وہاں ایسا ماحول نہیں ہے...... سب کچھ مختلف ہے۔“ اس نے ایان کو سمجھانے کی کوشش کی۔

”میں پاکستان کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا...... لیکن وہاں بابا ہوتے، وہ ہمارا خیال رکھتے پھر وہاں دادا، دادی بھی ہوتے وہ بھی ہمارے ساتھ ہوتے......“ وہ جلدی سے بولا۔

”بہر حال اب کچھ نہیں ہوسکتا......“ ایمان نے جلدی سے بات ختم کی۔

”کیوں نہیں ہوسکتا......؟ آپ بابا کو بتائیں کہ ہم پاکستان آسکتے ہیں......“ وہ اس کا ہاتھ تھام کے بولا۔

”دیکھو ایان، ابھی ہم نانی کے گھر اتنی مشکلوں سے سیٹ ہوئے ہیں، فی الحال کہیں بھی جانا ممکن نہیں......“ اس نے نرم لہجے میں کہتے ہوئے سلمان کا ہاتھ تھپتھپایا۔

”مگر کیوں......؟“ وہ جھنجلا کے بولا۔

”اس لیے کہ پاکستان جانے کے لیے بہت سارے روپوں کی ضرورت ہوگی فی الحال میرے پاس نہیں ہیں۔“ اس نے اسے بہلانے کی کوشش کی۔

”بابا سے منگوالیں......“ اس نے جھٹ مسئلے کا حل پیش کیا۔

وہ چند منٹ بغور اپنے بیٹے کی شکل دیکھتی رہی جو اس وقت صرف اور صرف سلمان کا بیٹا محسوس ہورہا تھا...... ”تمہیں ہر قیمت پر بابا ہی کے ساتھ رہنا ہے؟“ اس نے پوچھا۔

”جی......“ ایان نے زور سے سر ہلایا۔

”اور میں...... میرا کیا ہوگا......؟“ اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ پوچھا۔

”آپ کو بھی ہمارے ساتھ رہنا ہوگا......“ اس نے ”ہمارے“ پر زور دے کر کہا۔

”اوکے......“ ایمان نے چہرے پر زبردستی کی مسکراہٹ سجائی۔

ایان کو اپنی کامیابی کی اتنی جلدی امید نہیں تھی۔ وہ ایک دم خوش ہوکر بولا۔

”ہم کب جائیں گے؟“

”بہت جلد......“ ایمان نے اسے گلے لگالیا۔ وہ اپنی آنکھوں میں آئے ہوئے آنسوؤں کو ایان سے چھپانا چاہتی تھی۔

☆☆☆

اسے آئے ہوئے کافی دن گزر گئے تھے مگر بابا کا موڈ ٹھیک ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ وہ اس سے زیادہ بات چیت نہیں کررہے تھے، وہ مسلسل ایمان سے کانٹیکٹ کی کوششوں میں مصروف تھے اور ناکامی کی صورت میں ان کے ماتھے کی سلوٹوں میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا جارہا تھا۔ اس نے اپنے ذرائع سے معلوم کیا تھا، ایمان اس کا فلیٹ چھوڑ کے جاچکی تھی، اس نے اپنا نمبر بھی بدل لیا تھا...... وہ چاہتا تو کسی نہ کسی طرح اس سے رابطہ کرسکتا تھا مگر وہ خود ہی ایسا کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ اور ایمان ٹھنڈے دل و دماغ سے اس معاملے کے بارے میں سوچ بچار کرسکیں مگر بابا...... وہ تو نہ خود سکون میں تھے نہ اسے رہنے دے رہے تھے۔

”میں نے کہا بھی تھا عائلہ سے کہ واپسی پر یہاں کا چکر ضرور لگائے...... اب دیکھ لو اسے، کراچی سے واپس آئے ہوئے دو ماہ سے زیادہ ہورہا ہے مگر توفیق ہی نہیں ہورہی کہ ملنے آجائے، بس خالی خولی فون کرکے خیریت کا تبادلہ کرلیتی ہے اور دو چار بہانے گھڑ کے نہ آنے کا جواز بنالیتی ہے۔“ امی اسے چائے کا کپ تھما کے جھنجلا کے بولیں۔ شاید بابا نے بھی انہیں کچھ تلخ و شیریں سنایا تھا جس کی بھڑاس وہ عائلہ پر نکال رہی تھیں۔

وہ خاموشی سے چائے کے گھونٹ بھرنے لگا...... اسے عائلہ میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

”اب دیکھو، پنڈی اور اسلام آباد میں فاصلہ ہی کتنا ہے...... تمہارے بابا کی تو شدید خواہش تھی کہ وہ اس پوسٹنگ کے دوران ہمارے ساتھ ہی رہے مگر محترمہ بہانے بنا کر وہیں مقیم ہوگئیں، اس پر مہربانی کرتی رہیں کہ ویک اینڈ ہمارے ساتھ گزار لیا کرتی تھیں اب اس سے بھی گئیں...... تمہارے بابا...... کی صحت ٹھیک ہوتی تو وہ خود نہ جانے کتنے چکر اس کے پاس لگالیتے اب مجبور ہیں تو بیٹھ کر کڑھتے رہتے ہیں۔“ وہ بہت غصے میں نظر آرہی تھیں۔

”ہوسکتا ہے کہ وہ واقعی بزی ہو......“ سلمان نے انہیں ٹھنڈا کرنا چاہا۔

”میں کچھ نہیں جانتی...... کل ہفتہ ہے، تم اس کے پاس جاؤ اور اسے زبردستی یہاں لے آؤ، تمہارے بابا کا علاج صرف اُسی کے پاس ہے۔“ وہ اس بار تھکے ہوئے لہجے میں بولیں۔

”کون...... میں......؟“ وہ زور سے چونکا۔

”ہاں تم......“ وہ پھر سے تیز ہوگئیں۔

اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کہے...... کم از کم یہ کام وہ ہرگز کرنا نہیں چاہتا تھا...... اس کی خاموشی دیکھ کر امی پھر بولیں۔

”سلمان تم ہمیشہ ہر چیز گڑبڑ کیوں کردیتے ہو...... کرتے پہلے اور سوچتے بعد میں ہو...... اور ساری گڑبڑ کا آغاز وہاں سے ہوا جب تم نے عائلہ سے شادی کا انکار کیا...... اگر تم عائلہ سے......“ وہ کہتے کہتے رکیں۔ پھر ایک ٹھنڈی سانس لی اور پھر بولیں۔ ”تو شاید زندگی اتنی مشکل نہ ہوتی...... نہ تمہاری اور نہ میری......“ وہ اٹھیں اور

کمرے سے باہر نکل گئیں۔

''عائلہ سے شادی......'' اس نے کوفت کے عالم میں سوچا۔ ''سارا قصور ایمان کا ہے...... اگر وہ ساتھ آجاتی تو شاید یہ دن دیکھنا نہیں پڑتا...... ایمان اور ایان کی موجودگی میں بابا کا موڈ یقیناً اچھا رہتا...... وہ ٹھیک ہوتے تو مما بھی خوش رہتیں...... کسی کو عائلہ کی یاد نہیں آتی......'' اس نے سارا ملبہ ایمان پر ڈال دیا۔

''ضدی عورت...... نہ جانے کس حال میں ہوگی۔ اور میرا بیٹا......'' اس کی نگاہوں میں ایان کی شکل گھوم گئی۔ خون نے ایک دم جوش مارا۔

''ایان میرا بیٹا ہے اور میرا ہی رہے گا، چاہے میرے پاس ہو یا دور......'' اس نے خود کو تسلی دی۔

☆☆☆

ویک اینڈ پھر آگیا تھا...... ''یہ ویک اینڈ اتنی جلدی کیوں آنے لگے ہیں......؟'' اس نے جھنجلا کے سوچا...... ویک اینڈ اس کے لیے نائٹ میئر بن کے رہ گیا تھا۔

اس نے کچھ سوچا اور ہمت کرکے چاچی کا نمبر ملایا۔ سلام کے تبادلے کے بعد اس نے آواز میں خاطر خواہ کمزوری پیدا کرتے ہوئے کہا۔

''کل سے مجھے بخار ہوگیا ہے۔''

''اوہو طبیعت تو کافی زیادہ خراب لگ رہی ہے میجر عائلہ وقار آپ کی۔'' چاچی کا لہجہ مزاحیہ تھا یا طنزیہ اسے فوری طور پر سمجھ میں نہیں آیا۔

''جی بس...... فلو بھی ہے۔'' اس نے کھنکھارتے ہوئے جواب دیا۔

''چاچو سے تو بات ہوگئی ہوگی تمہاری......'' انہوں نے اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے کریدا۔

''جی...... وہ تو ہوتی رہتی ہے۔'' اس نے حیران ہوکے کہا۔

''ٹھیک ہے تم آرام کرو......'' انہوں نے آرام کا لفظ خوب کھینچ کے ادا کیا۔ چاچی نے اسے ایک بار بھی آنے کو نہیں کہا...... شاید ناراض ہوگئی تھیں ورنہ پہلے تو اصرار کرکرکے بلایا کرتی تھیں۔ لانگ ویک اینڈ تھا اس بار...... مگر اس کے پاس پورا ہفتہ اور اتوار دو دن کرنے کو کچھ نہیں تھا۔ چاچو کے پاس جاکے اس کا اپنا دل بھی تو بہل جاتا تھا مگر اب وہاں اس کا دل دکھانے کا سامان موجود تھا۔ وہ وہاں جا بھی کیسے سکتی تھی...... اسے اپنی طبیعت میں عجیب سا اضمحلال محسوس ہونے لگا۔ اس نے سر میں خوب اچھی طرح تیل لگایا...... اور اپنا لیپ ٹاپ لے کر بیٹھ گئی...... دفعتاً انٹرکام بجا...... اس کے لیے اطلاع تھی۔

''ڈاکٹر سلمان وقاص آپ سے ملنے آئے ہیں......'' اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔

☆☆☆

''دنیا میں بہت سارے کام انسان کو دوسروں کی خوشی کے لیے کرنے پڑتے ہیں۔'' امی نے اسے صبح ناشتے کے بعد ہی جانے کا حکم دے دیا تھا۔

''آپ بھی چلیں......'' وہ کچھ بدکا۔

''میں جاکے کیا کروں گی......؟ آدھے گھنٹے کا تو راستہ ہے فٹافٹ جاؤ اور وہ جس حالت میں ہے اٹھاکے لے آؤ۔'' انہوں نے جلدی سے کہا۔

''آپ بھی کمال کرتی ہیں، میری جیسے اس سے بڑی بےتکلفی ہے، جاؤں اور اٹھاکے لے آؤں...... نہ جانے وہ میس میں ہوگی یا کہیں نکلی ہوئی ہوگی۔'' وہ جھنجلایا۔

''وہ وہیں ہے...... بے چاری بڑی بیمار ہے...... ذرا آئے ناں، علاج کرتی ہوں اس کا۔'' امی نے تنگ کرکہا۔

تنگ آکے اس نے چابی اٹھائی اور منہ بناتا ہوا باہر نکل گیا۔

☆☆☆

وہ سلمان کو دیکھ کر دم بخود رہ گئی۔ اسے سلمان کی آمد کی ایک فیصد بھی امید نہیں تھی۔ اسے سلام کرنا، بیٹھنے کو کہنا سب کچھ اس کے ذہن سے نکل گیا اور وہ ہونقوں کی طرح کھڑی اس کی شکل دیکھتی رہی۔

''السلام علیکم......'' ناچار سلمان نے خود ہی سلام میں پہل کی۔

''وعلیکم السلام...... پلیز بیٹھیے......'' اسے ایک دم ہوش آیا۔

''چاہے کتنی ڈگریاں حاصل کرچکی ہو...... کندھوں پر رینک بھی سجالیا ہو...... مگر رہی وہی ہونق کی ہونق......'' سلمان نے بیٹھتے ہوئے سوچا۔ بارہ برس بعد بھی اس کا امپریشن سلمان کی نگاہوں میں بہتر ہونے سے بال، بال بچ گیا تھا۔ سلمان کو اسے دیکھ کر شدید مایوسی ہوئی...... وہ شاید کسی بہتر عائلہ وقار کا تصور لے کر آیا تھا۔

چیزوں کو جب غلط ہونا ہوتا ہے، خودبخود ہوتی چلی جاتی ہیں...... وہ رات کے کپڑوں میں تھی جو ملگجے ہوچکے تھے...... نہ منہ ہاتھ دھویا تھا نہ فریش ہوئی تھی...... اوپر سے سر میں ڈھیروں تیل بھی تھوپ رکھا تھا...... چھٹی منانے کا آئیڈیا اسے بڑا مہنگا پڑا تھا۔ وہ سلمان کی آمد کی خبر سن کر اتنی حواس باختہ ہوئی کہ اپنے حلیے کا خیال ہی نہیں رہا۔

''چاچو تو ٹھیک ہیں ناں......؟'' سلمان کے چہرے پر سب کچھ نارمل نظر آتے ہوئے دیکھ کر اس نے گہری سانس لے کر پوچھا۔

''ہاں...... بالکل ٹھیک ہیں، تمہیں یاد کرتے رہتے ہیں......'' سلمان نے بےنیازی سے کہا۔

''ان سے بات ہوئی تھی۔ میں نے انہیں بتادیا تھا کہ میں نہیں آسکوں گی اور انہوں نے مان لیا تھا۔'' اس کے ذہن میں آیا کہ شاید چاچو نے انہیں اسے لانے کو بھیجا ہے...... اس لیے جلدی سے بولی۔

''انہوں نے مان لیا ہوگا مگر امی...... نہیں مانی ہیں وہ تمہارا انتظار کررہی ہیں...... چلو۔'' سلمان نے کچھ اس طرح کہا جیسے کہہ رہا ہو۔ ''میرے پاس فالتو وقت نہیں ہے۔''

''لیکن میری طبیعت کچھ خراب ہے اس لیے میں جا نہیں سکوں گی......'' اس کے حواس بحال ہوئے تو اسے اپنے حلیے کا خیال آیا اور اس نے اپنے تیل لگے بالوں کو دوپٹے میں چھپاتے ہوئے جلدی سے کہا۔

سلمان نے بغور اس کی طرف دیکھا۔

''طبیعت تو تمہاری بالکل ٹھیک لگ رہی ہے، البتہ حلیہ خراب ہے، جاؤ حلیہ ٹھیک کرو اور چلو۔'' اس نے حکم سنایا۔

''وہ دراصل......'' اس نے کچھ کہنا چاہا۔

''باقی باتیں گھر جاکے......'' سلمان نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ اس کے لہجے میں وہی پرانا رعب اور بےنیازی تھی جس سے وہ اپنے بچپن میں خائف رہا کرتی تھی۔ ناچار اسے اٹھنا پڑا۔ تیار ہوتے ہوئے وہ سلمان کے بارے میں ہی سوچتی رہی...... گزرے ہوئے وقت نے سلمان پر بہت اچھا اثر چھوڑا تھا...... وہ پہلے سے کہیں زیادہ صحت مند اور خوبرو نظر آرہا تھا...... صرف مزاج پہلے ہی کی طرح تھا...... کڑوا، کسیلا...... کچھ لوگوں کو قدرت اتنی فیاضی سے نوازتی ہے کہ ان پر رشک آتا ہے...... وہ دوسروں کو اپنے آگے کچھ بھی نہ سمجھیں تو یہ ان کا حق محسوس ہوتا ہے۔

اسے سلمان میں ہمیشہ کشش محسوس ہوتی تھی مگر سلمان نے اسے کبھی اہمیت نہیں دی...... وہ اس کے گھر میں بن بلائے مہمان کی طرح ہر وقت پہنچی رہتی تھی اور اس کے باپ، ماں اور بہن کی توجہ اپنی جانب کھینچ لیتی تھی...... بس ایک سلمان تھا جو اسے گھاس ڈالنے کا روادار نہیں تھا...... سلمان کی بےنیازی کے پیچھے کون سا محرک تھا، یہ وہ کبھی نہیں جان پائی تھی۔ سلمان نے اسے ٹھکرادیا، ایمان سے شادی کرلی، اسے کسی بات پر اعتراض نہیں تھا...... اس نے کون سا کبھی اپنے رویے سے اسے کوئی امید دلائی تھی۔

''اچھا ہوا جو عزت رہ گئی......'' اس نے سوچا...... ''اچھا ہوا جو میرے پاگل پن کی سلمان کو کبھی ہوا نہیں لگی ورنہ آج میں اس سے آنکھیں کیسے ملاتی۔'' اس نے دل ہی دل میں خود کو تسلی دی۔

''اور اس عزت کے رہ جانے کی خوشی منانے کے سلسلے میں جو کچھ تم کررہی ہو اس کا انجام جانتی ہو......؟'' ہیر ڈرائیر سے بال سکھاتے ہوئے اس کے ہاتھ لمحے بھر کو ساکت ہوگئے۔

''شادی کرلو عائلہ ورنہ ابھی صرف ماں اور بہنیں اعتراض کررہی ہیں، کل کو ساری دنیا تم پہ انگلی اٹھائے گی...... حقیقت عموماً تلخ ہوتی ہے...... اب اور کس بات کا انتظار ہے...... آج وہ آیا ہے، کل کو اس کی بیوی اور بیٹا بھی آجائیں گے۔'' اس نے ہینڈ بیگ میں ضرورت کی دو چار چیزیں ڈالیں، ہونٹوں پر ہلکی سی لپ اسٹک لگائی اور کمرے سے باہر آگئی...... وہ اب خود کو پُراعتماد محسوس کررہی تھی۔ سلمان اسی پوزیشن میں بیٹھا ہوا تھا، اس کے ہاتھ میں سیل فون تھا...... نہ جانے کسی سے میسجنگ کررہا تھا یا کوئی گیم کھیل رہا تھا، اس قدر محو تھا کہ عائلہ کی آمد کی

اسے خبر ہی نہیں ہوئی۔

"چلیں......" وہ اس کے سر پر پہنچ کر بولی۔

"ہاں......" وہ ایک دم چونکا...... فون سے نظریں اٹھا کر اس کے اوپر ڈالیں اور جیسے ہٹانا بھول گیا...... اسٹائلش لباس، خوب صورتی سے کٹے ہوئے بالوں اور ہلکے، ہلکے میک اپ کے ساتھ وہ بہت پُرکشش لگ رہی تھی، تھوڑی دیر پہلے والی عائلہ وقار سے قطعی مختلف...... عائلہ کو ہلکی سی الجھن ہوئی اس نے قدم آگے بڑھا دیے...... اگلے ہی لمحے وہ اس کا ہم قدم تھا۔

اسے سلمان کے ساتھ چلتے ہوئے ایک انجانے سے تحفظ کا احساس ہوا۔ کار میں بیٹھنے تک دونوں کے درمیان کوئی بات چیت نہیں ہوئی۔ کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھاتے ہوئے سلمان ہی نے گفتگو کا آغاز کیا۔

"تو تمہارا آرمی میں جانے کا خواب پورا ہو گیا۔"

"جی......؟" اس نے مختصر سا جواب دیا۔

"اچھی لائف ہوتی ہے...... آئی مین، جن کو پسند ہے ان کے لیے اچھی ہوتی ہے۔" اس نے کندھے اچکا کے کہا۔

"میں آرمی میں چاچو کی وجہ سے گئی ہوں......" اس نے اسے کچھ جتانے کی کوشش کی۔

"جانتا ہوں، جو کام میں نہ کر سکا وہ تم نے کر دکھایا...... واہ......!" اس نے ایک دم اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا...... وہ ایک دم گڑبڑا گئی۔

"تمہیں بھی تو شہر، شہر گھومنے کا شوق تھا خیر کہاں، کہاں سروکر چکی ہو؟" اس نے پھر پوچھا۔

"پاس آؤٹ ہونے کے بعد ملتان سی ایم ایچ وہاں تین سال رہی پھر اس کے بعد جہلم پھر ابھی پنڈی......" اس نے اپنے سفر کی روداد سنائی۔

"بابا کے اٹیک کے وقت تم جہلم میں تھیں ناں......؟" اس نے کریدا۔

"جی......" اس نے سر ہلایا۔

"امی نے بتایا تھا، تم نے بابا کا بہت خیال رکھا۔" اس نے اعتراف کیا۔

"جہلم سے اسلام آباد دور ہی کتنا ہے...... اچھا ہے جو اس وقت میں ان سے قریب تھی اگر دور ہوتی تو مشکل ہو جاتی۔" اس نے جواب دیا۔

"پھر بھی اتنی پابندیوں سے بھرپور ملازمت کو جاری رکھتے ہوئے دوسروں کے لیے وقت نکالنا بڑی بات ہوتی ہے...... تم نے یقیناً مشکل سے ہی مینج کیا ہو گا...... بہرحال میں تمہارا احسان مند ہوں...... میرے حصے کی ذمے داری تمہیں اٹھانی پڑی۔" اس کے لہجے میں احسان مندی کے بجائے غرور کی بو آ رہی تھی...... نہ جانے سچ تھا یا عائلہ کو محسوس ہوا۔

"آپ کو احسان مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ جو کچھ میں نے کیا وہ احسان نہیں تھا بلکہ میرا فرض تھا......" اس نے قدرے تیز لہجے میں جواب دیا۔

"اوکے...... جیسا تم سمجھو......" اس نے پھر کندھے اچکائے۔

پھر سارے راستے دونوں کے درمیان مزید بات چیت نہیں ہوئی...... گھر آ گیا اور وہ خاموشی سے کار سے باہر آ گئی۔

"شکریہ......" اس نے رسماً کہا۔

"نہیں شکریے کی ضرورت نہیں ہے...... میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا ہے بلکہ اپنی ماں کے حکم کی تعمیل کی ہے۔" اس نے کندھے اچکائے اور اندر کی طرف بڑھ گیا۔ عائلہ نے چند سیکنڈ اس کی پشت کو گھورا اور پھر اس کے پیچھے، پیچھے چل دی۔

☆☆☆

مام کا فلو بگڑ گیا تھا...... بے چاری بستر پر جا پڑی تھیں تو اسے اندازہ ہوا کہ مام نے اس کی کتنی ساری ذمے داریوں کا بار اٹھایا ہوا تھا۔

وہ تو بس اسپتال اور جاب تک ہی محدود ہو کے رہ گئی تھی...... گھر کے کاموں کے علاوہ ایان کے اسکول کا پک اینڈ ڈراپ، اس کی پڑھائی، اسے کمپنی دینا خود بخود مام کے حصے میں آ گیا تھا اور وہ خوش دلی سے سب کچھ نبھا رہی تھیں...... اس کے لیے مام بہت بڑا سہارا تھیں انہیں اس حالت میں دیکھ کر ایمان کا حوصلہ جواب دینے لگا۔

"زندگی میں پہلے ہی مسائل کم تھے کیا......؟" اسے مام پہ افسوس ہوتا...... لوگ نہ جانے کیوں وفا،

خلوص اور عہد کی پاسداری جیسی روایات کو مشرق کے ساتھ جوڑ دیتے ہیں خواہ مخواہ مشرقی لوگوں کو سارے کریڈٹ دے دیتے ہیں مگر مام کے کیس میں تو سب کچھ الٹا ہو گیا تھا۔ مام نے مغربی عورت ہوتے ہوئے اس شخص سے وفا نبھائی جو انہیں بے قصور بیچ منجدھار میں دھوکا دے کر چھوڑ گیا تھا۔ چاہے وہ دل میں اس سے کتنی نفرت کرتیں مگر تنہا کسی روبوٹ کی طرح محنت کرتے ہوئے انہوں نے اس کی اولاد کو اپنے پیروں پر کھڑا تو کر دیا تھا...... کوئی کیا کر لیتا جو مام اسے بچپن میں کسی فلاحی ادارے کے سپرد کر کے اپنی زندگی نئے سرے سے شروع کر لیتیں اسے بالکل اسی طرح بھلا دیتیں جیسے ڈیڈ نے بھلا دیا تھا۔ اس نے مام کا سر سہلاتے ہوئے عقیدت سے ان کے ماتھے پر بوسا دیتے ہوئے سوچا۔ وہ نیند کی دواؤں کے زیرِ اثر سو رہی تھیں۔ مام کا سوچتے، سوچتے اس کی سوچوں کا رخ اپنی طرف مڑ گیا۔

"اور میں...... جو ساری عمر باپ کی شفقت اور اس سے ملنے والے تحفظ کے احساس کو ترستی رہی...... جس شخص کو سب کچھ سمجھ کے زندگی کا ساتھی چنا وہ بغیر کسی ٹھوس جواز کے بے یار و مددگار چھوڑ گیا...... اکلوتا لاڈلا بیٹا مجھ سے خواہ مخواہ بدظن ہو کے باپ کے پاس جانا چاہتا ہے...... جس خوش خبری کے انتظار میں میں نے اور سلمان نے...... بے شمار پلاننگز کی تھیں اس کی آہٹ ملتے ہوئے خوشی کے بجائے یہ خیال آئے کہ یہ خوشی واقعی خوشی ہے یا بوجھ...... جس سے جتنی جلدی ہو پیچھا چھڑا لیا جائے...... کیا رہا میرے پاس......؟" وہ کراہی...... اس کی آنکھوں سے دو آنسو نکل کر مام کے سنہری بالوں میں جذب ہو گئے...... وہ بے آواز روتی رہی۔

اس کا ڈپریشن روز بروز بڑھتا جا رہا تھا۔ اسے کبھی خود پر ترس آتا کبھی سلمان پر غصہ......

"مام...... آپ تو جلدی سے ٹھیک ہو جائیں۔" اس نے آنسو پونچھتے ہوئے مام کو دیکھ کر دل ہی دل میں کہا۔ فی الوقت اس کی سب سے بڑی خواہش یہی تھی۔

☆☆☆

"تمہیں عائلہ کو لانے کے لیے سلمان کو نہیں بھیجنا چاہیے تھا۔" بریگیڈیئر وقاص کو جب بیگم کی کارگزاری کا علم ہوا تو انہوں نے ناراضی سے انہیں دیکھ کر کہا۔

"کیوں......؟ میں جانتی ہوں، وہ نہ آنے کے لیے بہانے بنا رہی ہے۔" ارسلہ فوراً بولیں۔

"میں بھی جانتا ہوں کہ وہ نہ آنے کے بہانے بنا رہی ہے اور تم یقیناً اس کے بہانوں کی وجہ بھی جانتی ہو۔" انہوں نے خفگی سے کہا۔

"اگر اس کی وجہ سلمان ہے...... تو میرے حساب سے یہ بالکل بیکار وجہ ہے...... برسوں گزر چکے ہیں اس واقعے کو، میرے خیال میں اسے اب بھول جانا چاہیے۔" ارسلہ نے جلدی سے کہا۔

"تمہارے حساب سے، تمہارے خیال میں وغیرہ، وغیرہ...... تم اپنا حساب اور اپنا خیال اپنی حد تک ہی محدود رکھو تو بہتر ہو گا۔ ہر ایک کا اپنا خیال اور اپنا حساب ہوتا ہے، عائلہ جو کچھ اپنے لیے سوچ رہی ہے وہی درست ہے۔" وہ مزید برہمی سے بولے۔

"اچھا...... یہ بات ہے تو یہ اصول تو آپ پر بھی لاگو ہو سکتا ہے بریگیڈیئر صاحب......" وہ طنز سے مسکرائیں۔

"دیکھو...... عائلہ بہت ہی حساس بچی ہے...... اس نے میرے لیے، میرے بچوں سے بڑھ کر کیا ہے اور وہ مجھے میرے بچوں سے زیادہ عزیز ہے...... مگر افسوس کی بات تو یہ ہے کہ میں اس کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکا ہوں۔ کم از کم اسے پریشان تو نہیں کرنا چاہیے۔" انہوں نے بیگم کی بات کو گول کرتے ہوئے قدرے دھیمے لہجے میں کہا۔

"آپ کا کیا خیال ہے میں عائلہ کی دشمن ہوں......؟ بریگیڈیئر صاحب...... حقیقت تو یہ ہے کہ عائلہ مجھے بھی بے حد عزیز ہے...... میرے ذہن میں بھی سلمان کے لیے ہمیشہ عائلہ ہی کا خیال رہا...... مگر کچھ چیزوں کا تعلق ہمارے چاہنے یا سوچنے سے نہیں بلکہ قسمت سے ہوتا ہے...... جو گزر گیا اس کا ماتم کرنا بیکار ہے...... آگے کا سوچیں......" وہ افسردگی سے مسکرائیں۔

"اب عائلہ کی شادی ہی سارے مسئلوں کا حل ہے...... اس کی شادی ہو جائے تو میں سکون سے مر سکوں گا، ورنہ مجھے موت کے بعد بھی بے سکونی رہے گی۔" ان

کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا۔

”اس کی شادی کوئی بہت بڑا ایشو نہیں ہے...... اس کے لیے بے شمار رشتے آتے رہتے ہیں۔ وہ خود ہی تیار نہیں ہوتی۔“ انہوں نے حیرانی سے کہا۔

”تو یہی تو ایشو ہے بیگم صاحبہ...... حیرت ہے کہ آپ نہیں سمجھ پا رہی ہیں......“ انہوں نے پژمردگی سے کہا۔

وہ ایک دم چونکیں۔

”السلام علیکم......!“ عائلہ کی آواز ان کی پشت سے ابھری۔

”وعلیکم السلام!“ دونوں ایک ساتھ بولے...... عائلہ چاچو کے قدموں میں جا کے بیٹھ گئی انہوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

”کیسی ہے میری بیٹی......؟“ عائلہ کے لیے ان کا لہجہ محبت سے بھرپور اور شہد سے زیادہ میٹھا تھا...... ارسلہ نے مسکراہٹ دبا کے بیٹے کی طرف دیکھا۔

وہ انہی کی طرف دیکھ رہا تھا مگر اس کی نگاہوں میں شکایت سی تھی۔

”ہونہہ...... یہی چاپلوسیاں تو بابا کو اچھی لگتی ہیں۔“ سلمان نے بے دردی سے سوچا۔

وہ چاچو سے مل کر چاچی کے گلے آ لگی۔

”پھر کیسی رہی......؟“ وہ اس کے کان میں گنگنائیں...... جواباً اس نے انہیں شکایتی نگاہوں سے دیکھا۔

”چلو...... ہر بار ہماری بیماری آزاری میں تم آ کے ہماری خدمت کرتی ہو اس بار میں نے تمہیں، تمہاری خدمت کرنے کے لیے بلوایا ہے۔“ وہ ہنسیں۔

”نہیں، اب طبیعت ٹھیک ہے میری۔“ وہ جلدی سے بولی۔ سلمان کے لیے محبت بھرے یہ نظارے دیکھنا دوبھر ہو گیا...... وہ مڑا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

”اب یہ صاحب زادے کہاں چل دیے؟“ بریگیڈیر صاحب نے چونک کر بیوی کی طرف دیکھا۔ وہ ہمیشہ مشکل سوالات کا رخ ارسلہ کی طرف کر دیتے تھے۔ ان کا دل چاہا کہیں کہ جہاں آپ وہاں میں...... مجھے کیا معلوم...... مگر چہرے پر خواہ مخواہ کی مسکراہٹ سجا کے بولیں۔

”آ جائے گا...... کسی کام سے گیا ہوگا......“ پھر عائلہ کی طرف مڑ کے بولیں۔

”چلو بھئی اب تم آ گئی ہو، اپنے چاچو سے گپ شپ کرو، میں تمہارے لیے اچھا سا لنچ بنواتی ہوں۔“ آج سارا دن وہ بریگیڈیر صاحب کی توپ کے گولوں سے محفوظ رہنے والی تھیں، یہ خیال ان کے لیے جانفزا تھا...... وہ فوراً اس جگہ سے ہٹ جانا چاہتی تھیں۔

”میں بھی آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔“ عائلہ اٹھنے لگی۔

”ہرگز نہیں، تم اپنے چاچو کے ساتھ بیٹھی رہو ان کی سنتی اور اپنی سناتی رہو...... ویسے بھی تمہیں آرام کرنا چاہیے۔“ وہ جلدی سے کہتے ہوئے آگے بڑھ گئیں۔

”ہاں، ہاں بالکل انہیں جانے دو...... یہ تو آج یوم نجات منا ئیں گی ورنہ روز کتنا بھی بھاگیں میرے ہتھے چڑھ ہی جاتی ہیں اور نہ چاہتے ہوئے انہیں مجھے برداشت کرنا پڑتا ہے......“ چاچو نے انہیں کمرے سے نکلتے دیکھ کر زور سے ہانک لگائی۔

”چاچو آپ بھی ناں بس......“ وہ محبت سے ان کے گھٹنوں پر سر رکھ کے بیٹھ گئی۔

”یہاں آؤ اوپر میرے پاس بیٹھو......“ انہوں نے اسے اپنے برابر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

”جی چاچو......“ وہ اٹھ کر ان کے برابر آ بیٹھی۔

”تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔“ وہ ایک دم بولے۔

”جی کہیے......“ وہ ہمہ تن گوش ہو گئی۔

”عائلہ...... تم اب شادی کر لو......“ وہ اچانک بولے۔ عائلہ چاچو سے کم از کم اس فرمائش کی قطعی توقع نہیں کر رہی تھی...... سو بری طرح گڑبڑا گئی۔

”جی......؟“

”ہاں...... بیٹا تم نے ہمیشہ میرا مان رکھا ہے...... مجھے تم پر فخر ہے اور مجھے یقین ہے کہ تم میری اس بات کو رد نہیں کرو گی......“ انہوں نے آہستہ آہستہ کہا۔

ماما...... بابا، شہلا آپی، نائلہ آپی یہاں تک کہ اس بار کاشف بھی اس سے اشاروں کنایوں میں شادی کر لینے کا مشورہ دینے آئے تھے...... مگر چاچو...... انہوں نے پہلی بار اس موضوع پر کچھ کہا تھا...... اس سے کوئی جواب نہیں بن پایا۔

”وقار بھائی اور بھابی بتاتے رہتے ہیں کہ تمہارے بہت سے اچھے رشتے موجود ہیں...... وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا...... تم بھی اب دیر مت کرو۔“ انہوں نے اسی سنجیدگی سے کہا۔

وہ بھی اسی طرح خاموش بیٹھی رہی...... اسے عجیب سی شرمندگی کا احساس ہونے لگا تھا۔

☆☆☆

اسے سلمان کے جانے کے بعد بارہا اس کی یاد آئی...... کبھی غصہ آیا تو کبھی رونا...... مگر اسے سلمان کی ضرورت پہلی بار محسوس ہوئی تھی۔

اس نے ایان کی طرف دیکھا...... وہ روتے روتے سو چکا تھا...... اس کے گالوں پر آنسوؤں کی لکیریں صاف نظر آ رہی تھیں۔

ایان کا غصہ روز بروز بڑھتا جا رہا تھا...... وہ ماں سے برسرِ پیکار رہنے لگا تھا۔ اس دن بھی اس کی جھڑپ ہوئی تھی اور اس نے ماں سے صاف، صاف کہہ دیا تھا۔

”اگر آپ ڈیڈ کے پاس نہیں جانا چاہتیں تو آپ کی مرضی...... صرف مجھے ان کے پاس بھیج دیں۔“ ایمان کے لیے یہ دوسرا بڑا جھٹکا تھا...... وہ شوہر کے بعد بیٹے کو بھی کھونے کی ہمت اپنے اندر نہیں رکھتی تھی...... اور ایان اس کی کوئی بات سننے کو تیار نہیں تھا...... اسے ہر قیمت پر باپ کے پاس ہی جانا تھا۔

”اور اس کا باپ......؟ وہ پاکستان میں اپنے خاندان کے ساتھ مزے میں ہوگا...... اسے اپنے بیٹے کے لیے تڑپ محسوس کیوں نہیں ہو رہی......؟ کیا وہ واقعی اب ہمارے لیے اپنی زندگی کی ساری گنجائشیں ختم کر چکا ہے؟“ ایمان کے ذہن میں ان گنت سوالات تھے۔ اسے اپنی بے وقعتی کا احساس ہونے لگا۔

سلمان کے ساتھ گزرا ہوا وقت...... اس کی کہی ہوئی باتیں اسے یادوں کی شکل میں آ کر تکلیف پہنچانے لگی تھیں...... سلمان کے ساتھ اس نے بہت اچھا وقت گزارا تھا...... اتنا اچھا کہ وہ اپنی گزشتہ زندگی کے

سارے دکھ درد بھول گئی تھی۔ سلمان کو ایان سے محبت تھی لیکن اسے ایک بیٹی کی تمنا بھی تھی...... بلکہ وہ اکثر کہتا تھا کہ اسے کم از کم چار بچے چاہئیں...... ایمان اوپر، اوپر سے آنکھیں دکھاتی لیکن دل ہی دل میں اس کی خواہش بھی یہی تھی کہ اس کی بہت بڑی فیملی ہو...... وہ محبت اور رشتوں کے تحفظ کو ترسی ہوئی تھی...... اکیلی ماں کا ساتھ اور محبت شاید اس کے اطمینان کے لیے ناکافی تھا...... تنہائی اس کے لیے کسی عفریت سے کم نہ تھی...... ایان کی خودسری، مام کی بیماری گو کہ وہ اسپتال سے گھر آ چکی تھیں مگر پوری طرح ٹھیک نہیں تھیں، سلمان کی سنگ دلی...... وہ کس، کس کو روتی...... ڈپریشن کے علاوہ اور کیا نتیجہ نکلنا تھا؟

☆☆☆

لنچ پر چاچی نے کافی اہتمام کروا دیا تھا۔ سلمان غائب تھا...... اور چاچو ہمیشہ کی طرح اس سے خفا...... چاچی اسے اصرار کر کے کھلا رہی تھیں...... اور وہ ان کی خوشی کی خاطر کھائے جا رہی تھی۔ کھانا کھاتے ہوئے اچانک چاچو کو کچھ یاد آیا۔

”تمہیں شاہنواز یاد ہے......؟ شاہنواز بخاری...... آئی ایم میجر شاہنواز بخاری......“ عائلہ ایک دم چونکی۔

”شاہنواز بخاری...... کرنل نواز بخاری کے بیٹے......؟“

”ہاں، ہاں وہی......“ انہوں نے سر ہلایا۔

”کیا ہوا شاہنواز کو......؟“ ارسلہ نے حیرت سے پوچھا۔

”ہوا تو کچھ نہیں...... بس اس کی پوسٹنگ ہو گئی ہے پنڈی ایم ایچ......“ انہوں نے نیپکن سے منہ صاف کرتے ہوئے جواب دیا۔

”اوہ......“ عائلہ کو کچھ یاد آیا۔ ”تو جس آئی اسپیشلسٹ میجر ڈاکٹر شاہنواز کی آمد کی خبر گرم ہے وہ یہی موصوف ہیں......“ عائلہ نے اڑتی پڑتی خبروں پر کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی...... اب اسے متوجہ ہونا پڑا۔

”جی چاچو...... سنا ہے میں نے بھی، وہ شاید اگلے ہفتے تک پہنچ جائیں۔“

''بخاری سے بات ہوئی تھی میری اس نے بتایا۔''

''بھائی اور صبیحہ بھابی کیسے ہیں؟'' ارسلہ نے پوچھا۔

''ٹھیک ہیں سب...... حرمے میں......'' بریگیڈیر وقاص مسکرائے۔

''بڑے دنوں کے بعد آپ لوگوں کی بات چیت ہوئی ہے...... کہاں غائب ہوگئے تھے سب......'' ارسلہ نے فیض کو برتن اٹھانے کا اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''غائب تو کہیں نہیں ہوئے تھے بس مصروف تھے...... صبا کے پاس کچھ عرصہ کینیڈا رہ کر آئے ہیں...... پھر عمرے کے لیے چلے گئے...... اب میری یاد آئی موصوف کو......'' انہوں نے ڈائننگ چیئر سے اٹھتے ہوئے لاؤنج کا رخ کرتے ہوئے جواب دیا۔ عائلہ ان کے پیچھے پیچھے تھی...... چاچو کی باتیں ماضی کے دروازے کھول رہی تھیں۔ کرنل بخاری، چاچو کے کورس میٹ تھے پھر ملتان کینٹ میں پوسٹنگ کے دوران ان کے نیکسٹ ڈور نیبر بھی...... فورٹ کالونی میں دونوں کے گھر ساتھ ساتھ تھے۔ چاچو اور وہ دونوں اس وقت لیفٹیننٹ کرنل تھے اور اپنی، اپنی یونٹس کمانڈ کر رہے تھے۔

شاہنواز ان کا سب سے بڑا بیٹا تھا...... سلمان کا کلاس فیلو...... دونوں اس وقت نائنتھ میں تھے...... صبا، نادیہ کی کلاس فیلو تھی...... صبیحہ آنٹی، چاچی کی بیسٹ فرینڈ...... سو دونوں خاندانوں میں بہت دوستی اور قربت تھی، وہ گرمیوں کی چھٹیوں میں ملتان جارہی تھی تو گھر میں سب نے ڈرایا تھا۔

''بے وقوف ...... ملتان کی گرمی تمہیں روسٹ کردے گی......'' شہلا آپی نے کہا تھا۔

''گرد، گرمی، گدا، گورستان۔'' ملتان کے چار گاف مشہور ہیں......'' نائلہ آپی نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

''ہم تو وقاص بھائی سے کہہ رہے ہیں کہ وہ خود ہی پوری فیملی کو لے کر کراچی آجائیں اور تم وہاں جانے کی ضد کررہی ہو......'' امی نے اسے گھر کا...... لیکن اس کی ضد ختم نہیں ہوئی اور اس نے ملتان جا کے دم لیا...... اور وہاں پہنچ کے اس نے اپنے فیصلے کو بارہا سراہا۔

''اگر میں ملتان نہ آتی تو اس جگہ کو بھلا کیسے دیکھ پاتی...... !'' اسے ملتان کینٹ اور صدر سے لے کر پرانا ملتان سب کچھ بے حد پسند آئے تھے۔ اولیائے دین کی سرزمین کی فضا میں ایک عجیب سا سکون تھا جو اس نے اس کم عمری میں بھی محسوس کرلیا تھا۔

وہاں اس نے شاہنواز بخاری کو پہلی دفعہ دیکھا تھا...... ضد، اکھڑ پن اور بے نیازی میں وہ سلمان سے کسی طور کم نہیں تھا۔ دونوں لڑکے سر شام ہی اپنی، اپنی کرکٹ کٹ اٹھا کے گراؤنڈ کی طرف نکل جاتے...... کبھی جم چلے جاتے، صبا، نادیہ اور وہ اکھٹا اپنی دلچسپیوں کے سامان ڈھونڈا کرتیں...... چاچی اور صبیحہ آنٹی واک کے لیے نکل جاتیں اور چاچو، انکل بخاری کے ہمراہ جم کا رخ کرتے...... اس نے سب سے زیادہ ملتان کینٹ میں اپنے ایک ماہ کے قیام کو انجوائے کیا تھا اور وہ اس کے حافظے میں محفوظ تھا۔

شاہنواز بخاری سے دوسری ملاقات اس کی آرمی میڈیکل کالج میں ہوئی تھی...... جس سال اس کا وہاں ایڈمیشن ہوا تھا...... شاہنواز پاس آؤٹ ہو کے جارہا تھا...... شاہنواز نے تو اسے قطعی نہیں پہچانا مگر وہ شاہنواز کو پہچان گئی تھی۔ وہ اپنی اکیڈمک لائف میں آؤٹ اسٹینڈنگ پر فارمنس دینے کے بعد ویسے بھی سب کی نگاہوں میں تھا...... پہلے سے بھی زیادہ اکھڑ اور بے نیازی سے بھرا انداز عائلہ کو اس کے قریب جانے سے روکے رہا...... وہ عائلہ کے کالج میں آتے ہی پوسٹنگ پر چلا گیا تھا مگر اس کے نام کی بازگشت کافی عرصے تک گونجتی رہی تھی...... اس نے شاہنواز کے بارے میں ساری یادیں چند لمحوں میں کھنگال لیں۔

''شاندار کیریئر رہا ہے شاہنواز کا...... بڑے اچھے کورسز کیے ہیں اس نے...... سیاچن میں پوسٹنگ تھی اس کی، شاندار کارکردگی دکھا کے آرہا ہے۔ اس سال بورڈ ہے اس کا لیفٹیننٹ کرنل بن جائے گا......'' چاچو نے وثوق سے کہا۔

''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔'' ارسلہ نے سر ہلایا۔

''اگر سلمان نے بھی آرمی جوائن کی ہوتی تو......'' چاچو کہتے، کہتے رک گئے۔

''چھوڑیں بھی اب...... آپ ہر بار......'' ارسلہ بے بسی سے بولیں۔

''صبا کینیڈا میں ہوتی ہے......؟'' عائلہ نے ماحول بوجھل ہوتے ہوئے دیکھ کر جلدی سے پوچھا۔

''ہاں...... اس کی شادی وہیں ہوئی ہے...... بخاری کے بھتیجے سے...... دو بچے ہیں اس کے بھی......'' انہوں نے بتایا۔

''اور شاہنواز...... اس کے بیوی بچے......؟'' چاچی کو کچھ یاد آیا۔

''شاہنواز نے ابھی تک شادی نہیں کی...... میجر بننے کے بعد اسے سانس لینے کی فرصت ہی نہیں ملی...... کورسز، ہارڈ ایریاز، اسائنمنٹ وغیرہ...... سب نے مل کر اسے کنوارا رہنے پر مجبور کردیا......'' انہوں نے قہقہہ لگایا۔

''کرنل بخاری......'' ارسلہ کچھ کہنے لگیں۔

''کرنل نہیں بھئی بریگیڈیر بخاری...... وہ بھی میری طرح اسی رینک پر ریٹائر ہوئے تھے...... کیا بھول گئیں آپ......؟'' وہ جلدی سے بولے۔

''یاد ہے...... بس زبان پر کرنل چڑھ گیا ہے۔'' وہ جھینپ کے بولیں۔

''میرے لیے بھی ان کی زبان پر کیپٹن چڑھ گیا تھا...... جب تک کرنل نہیں بن گیا کیپٹن ہی کہتی رہیں۔'' وہ ہنسے اور عائلہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

''توبہ ہے آپ سے بھی...... میں چائے کا کہہ کے آتی ہوں......'' ارسلہ نے وہاں سے اٹھ جانے میں عافیت سمجھی...... ان کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔

عائلہ کو ہنسی آگئی...... چاچو کا ہلکا پھلکا موڈ اسے بھی مطمئن کر گیا تھا۔

☆☆☆

عائلہ کی موجودگی میں اسے گھر پہ رکے رہنا بہتر معلوم نہیں ہوا...... بابا کا کیا بھروسا وہ اس کے سامنے ہی کلاس لینے سے باز نہ آئیں...... کم از کم عائلہ کے سامنے اسے اپنی ہتک منظور نہیں تھی۔

اسے عائلہ وقار سے بچپن ہی سے پرخاش تھی...... عائلہ اس کے بابا کی جتنی توجہ کھینچتی، بابا کی نگاہوں میں سلمان کا گراف اسی قدر نیچے آجاتا۔ نہ جانے سچ تھا یا اس کا وہم...... اور رہی سہی کسر عائلہ نے آرمی میں جا کے پوری کردی تھی۔

''بابا کی لاڈلی۔'' اس نے چڑ کر سوچا۔ ''بلکہ چمچی......'' اس نے اپنی سوچ کی تصحیح کی۔

اس کا رخ زید کے اسپتال کی طرف تھا۔ زید بھی اس کا بچپن کا دوست تھا۔ اس کے والد بھی آرمی آفیسر تھے...... اتفاقاً تین جگہوں پر ان کی پوسٹنگ بریگیڈیر وقاص کے ساتھ ایک ہی اسٹیشن پر رہی......دو، دو سال کی پوسٹنگز اکھٹے گزارنے سے ان کی اور بچوں کی دوستی تو پکی ہونی ہی تھی...... جب سے وہ اسلام آباد واپس آیا تھا زید اور دانیال کے پاس ہی اس کا زیادہ وقت گزرتا تھا۔ زید کافی سیٹلڈ زندگی گزار رہا تھا...... اس کی بیوی بھی ڈاکٹر تھی، بہن اور بہنوئی بھی ڈاکٹر سو پورے خاندان نے مل کر اپنا ایک چھوٹا سا اسپتال قائم کیا تھا جو اپنی اچھی سروس اور ماحول کی وجہ سے لوگوں کا اعتماد جیت چکا تھا۔

زید نے اسے بھی کنسلٹنسی کی آفر کی تھی...... سلمان نے اپنی کوالیفیکیشن اور تجربے کی بنیاد پہ یقیناً اس سے کہیں بہتر کی امید رکھی ہوئی تھی مگر کسی اور جگہ بات نہ بن پانے کی وجہ سے وہ اب اس آفر کو قبول کرنے کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنے لگا تھا۔ اسپتال پہنچنے پر پتا چلا کہ ڈاکٹر زید راؤنڈ پر ہیں...... وہ اس کے کمرے ہی میں بیٹھ گیا...... زید کا اسسٹنٹ ڈاکٹر فہد کمرے میں داخل ہوا۔

''اوہ...... سر آپ...... السلام علیکم......'' وہ اسے دیکھ کر چونکا۔

''وعلیکم السلام...... کیا حال چال ہیں ینگ مین......؟'' وہ مسکرایا۔

''بالکل ٹھیک...... آپ سنائیں۔'' وہ اخلاقیات نبھانے اس کے سامنے آبیٹھا۔

''میں بھی بالکل ٹھیک ہوں...... تم اگر بزی ہو تو اپنا کام جاری رکھو......'' اس نے جلدی سے کہا۔

''ڈیوٹی ٹائم میں بزی تو رہنا ہی پڑتا ہے...... سر زید بھی بس آتے ہی ہوں گے۔'' وہ مسکرایا۔ جبھی ڈاکٹر زید مسکراتے ہوئے اندر داخل ہوئے تھے۔

''سر اس سے پہلے کہ میں آپ دونوں دوستوں کی

محفل میں مخل ہوں...... پلیز یہ واؤچرز سائن کر دیں اور مجھے اجازت دیں۔" فہد نے جلدی سے زید کے سامنے فائلز رکھتے ہوئے کہا۔

زید نے سائن کر کے فائل فہد کے حوالے کی اور وہ اجازت لیتے ہوئے باہر چلا گیا۔

"لیب کے بلز تھے۔" ڈاکٹر زید نے اسے مطلع کیا۔

"کیا مطلب...... کیا تمہارے اسپتال میں لیب کی بھی سہولت ہے؟" وہ حیرانی سے بولا۔

"نہیں یار...... اسپتال میں تو صرف کلیکشن پوائنٹ ہے...... سیمپلز یہاں سے کلیکٹ کر کے لیب بھیج دیے جاتے ہیں اور وہاں سے رپورٹ تیار ہو کے آ جاتی ہے۔" اس نے بتایا۔

"اور ہر رپورٹ... پہ تمہیں کتنے پرسنٹ مل جاتا ہے؟" سلمان نے چبھتا ہوا سوال پوچھا۔ جواب میں زید نے زوردار قہقہہ لگایا...... پھر خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

"مریضوں کے ٹیسٹ تو کروانے ہی پڑتے ہیں، اس میں عجیب کیا بات ہے...... اور تمہیں اعتراض کس بات پر ہے...... ٹیسٹ پر یا کمیشن پر؟"

"اعتراض کرنے والا میں کون ہوں...... مگر مریضوں کے بے شمار غیر ضروری ٹیسٹس کے میں حق میں نہیں ہوں اور آج کل یہی ہو رہا ہے......" اس نے کندھے اچکائے۔

"پورا ملک ہی کمیشنز پہ چل رہا ہے، مختلف قسم کے مافیاز کے ہاتھوں کھیل کھیلا جا رہا ہے۔" اس نے بیزاری سے جواب دیا۔

"ہاں مگر نہ جانے کیوں میڈیکل پروفیشن کے ساتھ جو ایک تقدس کا احساس وابستہ ہے وہ اس قسم کی باتوں سے مجروح ہو جاتا ہے۔" سلمان نے جواب دیا۔

"دیکھو سلمان، اب جب تم پاکستان آ ہی گئے ہو اور یہاں کے سیٹ اپ میں شامل ہونے کے بارے میں سنجیدہ بھی ہو تو تمہیں اس قسم کی بے شمار کڑوی گولیوں کو نگلنے کے لیے تیار ہو جانا چاہیے...... اسپتال اور ڈاکٹر پہ بھی بہت سارے پریشرز ہوتے ہیں...... انہیں اس معاشرے میں سروائیو کرنے کے لیے بہت کچھ ایسا بھی کرنا پڑتا ہے جو خود انہیں بھی ناگوار گزرتا ہے۔" زید نے صاف، صاف بات کی۔

"میں جانتا ہوں...... لیبز اور فارماسیوٹیکل کمپنیز کا ایک ڈاکٹر سے کیا رشتہ ہے...... اور ڈاکٹر کہیں مجبور ہوتا ہے تو وہ کہیں دباؤ میں آ جاتا ہے اور کبھی، کبھی لالچ کا شکار بھی ہو جاتا ہے مریض کے غیر ضروری ٹیسٹ کروانے اور اسے غیر ضروری ادویات استعمال کروانے والے ڈاکٹرز کا ضمیر بالآخر سو جاتا ہے اور اسے سب کچھ نارمل لگنے لگتا ہے۔" سلمان نے تلخ انداز میں کہا۔

"تم ابھی یہاں کے لوگوں کی نفسیات سے واقف ہی نہیں ہوئے ہو......" زید نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"کیا مطلب......؟" سلمان نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"جب میں نے پریکٹس شروع کی تھی، میں تمہیں اس دور کا ایک واقعہ سناتا ہوں۔" ڈاکٹر زید نے سیدھے ہو کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"میرے پاس درمیانی عمر کی ایک خاتون آئیں...... انہیں ایک معمولی سا عارضہ تھا۔ میں نے مرض کی تشخیص کی، احتیاطاً ایک ٹیسٹ بھی کروالیا...... رپورٹ کلیئر تھی سو میں نے انہیں ایک دو ضروری دوائیں دے کر فارغ کر دیا...... مجھے یقین تھا کہ اس سے جلد ٹھیک ہو جائیں گی ...... غیر ضروری ٹیسٹ کروائے نہ نسخے پر دواؤں کی لمبی قطاریں تحریر کیں...... یہ میری ایمانداری تھی مگر ہوا کیا...... وہ خاتون مطمئن ہی نہیں ہوئیں...... میں جہاں کام کرتا تھا وہ اسی اسپتال میں مجھ سے سینئر ایک بڑے نام والے ڈاکٹر کے پاس تشریف لے گئیں انہوں نے ان کی ای سی جی، الٹراساؤنڈ، ایکسرے اور ڈھیروں بلڈ ٹیسٹ کروائے...... نکلنا تو کچھ تھا ہی نہیں، ہوتا تو نکلتا، خیر...... اس کے بعد انہیں مہنگی، مہنگی آٹھ دس دوائیں تجویز کر دیں اور وہ نسخہ لے کر خوشی، خوشی چلی گئیں...... ایسے لوگوں کے بارے میں بھلا تم کیا کہو گے......؟" اس کا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔

"یقیناً ایسی سوچ کے لوگ بھی ہوتے ہیں لیکن تم سب کو ایک ہی لاٹھی سے نہیں ہانک سکتے۔" سلمان نے زور دے کر کہا۔

"میرے بھائی تم مانو یا نہ مانو یہ حقیقت ہے...... یہ جو تمہیں اسپتال ہر روز بے شمار لوگوں سے کھچا کھچ بھرے ہوئے نظر آتے ہیں...... سرکاری اسپتال میں تو وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ وہاں مفت کا علاج دستیاب ہے وہ بھی اگر ہو جائے تو......" وہ کہتے، کہتے رکا...... پھر بولا۔ "مگر پرائیویٹ اسپتال میں حقیقتاً بیمار کم اور بیماری کے خوف میں مبتلا لوگ زیادہ آتے ہیں...... وہ لوگ بڑے، بڑے ناموں والے ڈاکٹرز کے پاس ...... جا کے اپنا چیک اپ کروانے پر اطمینان محسوس کرتے ہیں باریک، باریک ٹیسٹ کروانا فخر سمجھتے ہیں اور آج کل تو ویسے بھی معلومات بہت ہو گئی ہیں لوگوں کو...... ڈاکٹرز کے پاس بیٹھ کر برابر سے معلومات کا تبادلہ ہوتا ہے بہر حال ڈاکٹرز کی تجویز کردہ دوائیں کھا کے وقتی طور پر وہ مطمئن ہو جاتے ہیں...... مگر اس کے بعد پھر سے انہیں یہ خیال ستانا شروع کر دیتا ہے کہ نہ جانے اب تک ان کے خون میں مزید کون، کون سی تبدیلیاں رونما ہو چکی ہوں گی۔ کہیں کوئی خرابی تو واقع نہیں ہو گئی اور یہ سوچ کر وہ دوبارہ ڈاکٹر کے پاس دوڑے چلے آتے ہیں اور پھر ایک وقت ایسا آتا ہے جب خواہ مخواہ کے ٹیسٹ اپنا اثر دکھانا شروع کر دیتے ہیں اور واقعی انہیں علاج کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔" زید نے تفصیلاً بتایا۔

"چلو یہ تو ان پیسے والوں کی کہانی سنا رہے ہو جن کے پاس دولت بہت زیادہ ہے اور خرچ کرنے کا انہیں کوئی بہانہ چاہیے ہوتا ہے۔" سلمان نے اس کی بات پر پورا یقین نہ کرتے ہوئے کہا۔

"بات پیسے کی نہیں ہے سلمان...... نفسیات کی ہے...... ہم لوگ اندیشوں، خوف اور واہموں میں مبتلا قوم بنتے چلے جا رہے ہیں اور اپنی انہی کمزوریوں کی وجہ سے جگہ جگہ خوار ہو رہے ہیں۔" زید نے افسوس سے کہا۔

"بہر حال میں اپنے کسی بھی مریض کا کوئی غیر ضروری ٹیسٹ نہیں کرواؤں گا یہ تمہیں ابھی سے بتا رہا ہوں بعد میں مجھ پر کوئی دباؤ مت ڈالنا......" سلمان نے وارننگ دی۔

"ڈاکٹر سلمان...... یو آر ویلکم...... آپ ضرور اپنے

طریقے سے کام کر کے دیکھ لیں...... میری نیک تمنائیں آپ کے ساتھ ہیں......" زید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تھینک یو...... میں پرسوں سے جوائن کر لوں گا......" سلمان کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ دوڑ گئی...... لیکن اس کا ذہن پھر بھی الجھا ہوا تھا۔

☆☆☆

چاچو کا گھر اس کے لیے اجنبی نہیں تھا...... وہ بچپن سے ہی ان کے پاس بے تکلفی سے رہنے کی عادی تھی...... کتنے اسٹیشنز اور کتنے گھر اس نے چاچو کے حوالے سے ہمیشہ اپنے ہی سمجھے تھے...... اور یہ تو ویسے بھی ان کا ذاتی گھر تھا...... لیکن اس گھر پہ اسے کبھی پہلے جیسا استحقاق محسوس نہیں ہوا۔ "اس سے تو اچھے وہ سرکاری گھر تھے جہاں اجنبیت کا احساس نہیں تھا...... اب کیا ہو گیا ہے......؟ سارا فرق شاید سوچ سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ گھر ایمان کا ہے...... چاہے وہ یہاں نہ رہتی ہو تب بھی...... اور میں خود اس گھر میں رہتے ہوئے بھی ہمیشہ اجنبی رہوں گی......" اس نے ہونٹ چباتے ہوئے سوچا۔

رات ہو چکی تھی...... وہ گیسٹ روم میں سونے کے لیے آ چکی تھی...... دن بہت اچھا اور ہلکا پھلکا گزرا تھا...... شاید اس کی وجہ یہ بھی رہی ہو کہ سلمان رات میں دیر سے گھر واپس آیا تھا...... اس وقت جب کھانا ختم ہو رہا تھا...... اور وہ باہر سے کھا کے آیا تھا اور سیدھا اوپر ہی چلا گیا...... شاید اس کے معمولات کی تبدیلی عائلہ کی وجہ سے تھی۔

"میں نے ان کا آخر بگاڑا کیا ہے......؟" عائلہ نے سوچا۔ بچپن اور نوعمری میں وہ اسے قابلِ توجہ نہیں سمجھتا تھا...... اس نے اس کو شریکِ حیات بنانے کے قابل بھی نہیں سمجھا...... ٹھیک مگر اب کیا ہے......؟" اب اس طرح اگنور کرنا اسے اپنی ہتک محسوس ہو رہا تھا۔

"امی کو پتا چلے گا کہ میں نے ویک اینڈ یہاں گزارا ہے تو وہ بہت خفا ہوں گی...... ہفتے کی دونوں چھٹیاں بستر میں گزار لیتی تو زیادہ اچھا ہوتا......" مگر اب کیا ہو سکتا تھا وہ تو یہاں آ گئی تھی اور کل کا دن بھی گزارنے والی تھی۔

"چاچو تو خوش ہوئے ہیں ناں...... اور چاچی بھی......" اس نے اپنے دل کو تسلی دی۔

www.paksociety.com

سوچتے سوچتے نہ جانے کب وہ نیند کی آغوش میں چلی گئی۔ اگلی صبح زیادہ خوشگوار نہیں تھی...... چاچو کی طبیعت بگڑ گئی تھی۔

☆☆☆

''میں نے تم سے پرامس کیا تھا ناں کہ ہم جلد ہی پاکستان جائیں گے......'' ایمان نے ایان کے گھنگرالے بالوں کو پیار سے چھو کے کہا۔ اس نے چونک کر ماں کی طرف دیکھا۔ پچھلے پورے ہفتے سے اس نے ماں کی ناک میں دم کر رکھا تھا۔

اسے پھر سے سلمان کی یاد کا جنون چڑھا ہوا تھا اور وہ بات بے بات ایمان سے جھگڑ رہا تھا۔

''آپ مجھ سے جھوٹ بول رہی ہیں، آپ مجھے کبھی پاکستان لے کر نہیں جائیں گی، آپ سمجھتی ہیں کہ وقت کے ساتھ ساتھ میں ڈیڈ کو بھول جاؤں گا۔'' اس نے غصے سے ماں کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے کہا۔

''تمہارے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ میں جھوٹ بول رہی ہوں؟'' اس نے بہ مشکل برداشت کرتے ہوئے پوچھا۔

''آپ مجھے اپنے روٹین میں ہی مصروف نظر آرہی ہیں...... اسپتال کی ڈیوٹی، گرینڈ ما کے ساتھ شاپنگ اور اپنی فرینڈز کے ساتھ وقت گزارنے کے علاوہ اور کیا کررہی ہیں؟'' وہ پھر غصے سے بولا۔

''بے وقوف لڑکے کسی دوسرے ملک جانے کے لیے پاسپورٹ اور ویزے کی ضرورت پڑتی ہے...... اور بھی بہت ساری فارمیلٹیز ہوتی ہیں...... پہلے سارے...... ڈاکومنٹس تیار ہوجائیں اس کے بعد پیکنگ کا نمبر آتا ہے ناں...... پھر مجھے اسپتال سے اور تمہیں اسکول سے چھٹی بھی تو لینی ہوگی اس لیے تھوڑا صبر کرو میں نے ویزے کے لیے اپلائی کیا ہوا ہے۔'' اس نے اسے سمجھایا۔

''واقعی......؟'' اس کی آنکھوں میں خوشی کی چمک نظر آئی۔

''ہوں......'' وہ مسکرائی۔

''اچھا تو میری ڈیڈ سے بات کروادیں...... میں انہیں اپنے آنے کا بتانا چاہتا ہوں۔'' اس نے دوسری فرمائش کی۔

''میری خواہش ہے ایان کہ تم بڑے ہو کر وکیل بنو......'' ایمان نے اپنا سر پکڑتے ہوئے بے چارگی سے کہا۔

''نہیں...... مجھے تو ڈیڈ کی طرح سرجن بننا ہے۔'' وہ بدک کر بولا۔

سرجن تو وہ خود بھی تھی لیکن ایان صرف اور صرف اپنے باپ کو آئیڈیالائز کرتا تھا۔ اس نے آپ دونوں کی طرح کہنے کے بجائے صرف ڈیڈ کا نام لیا۔

''ٹھیک ہے، تم اپنے ڈیڈ کی طرح سرجن ضرور بننا...... مگر ان کے جیسے انسان مت بننا۔'' اس نے جملے کا دوسرا حصہ زیرلب کہا۔

وہ اپنے باپ کی شخصیت کا پرتو تھا...... سارے آثار یہی تھے کہ وہ دوسرا سلمان بننے والا ہے۔ کچھ کچھ مغرور...... ضدی اور تھوڑا تھوڑا خودغرض...... اپنی چلانے اور منوانے والا بھی...... اس نے بیٹے کی شکل دیکھتے ہوئے سوچا۔

''تو آپ میری بات کب کروارہی ہیں......؟'' وہ اپنی بات پہ ڈٹا ہوا تھا۔

''دیکھو اگر ہم اپنی روانگی سرپرائز رکھیں گے تو تمہارے ڈیڈ کو، دادا اور دادی کو زیادہ خوشی ہوگی...... پہلے سے بتادیا تو سارا سسپنس ہی ختم ہوجائے گا۔'' اسے بروقت بات سوجھی۔

وہ تھوڑی دیر وہیں بیٹھا ایمان کو گھورتا رہا جیسے کچھ سمجھنے کی کوشش کررہا ہو...... پھر ایک دم اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ ایمان نے تاسف سے اسے جاتے ہوئے دیکھا...... اس نے ٹھنڈی سانس لی اور کھڑکی سے پردہ سرکا کے باہر کی طرف دیکھا۔ برف باری کا آغاز ہوچکا تھا۔ اس کے اپارٹمنٹ کے اطراف کا سارا حصہ برف سے ڈھک چکا تھا۔

لندن کا موسم بادلوں کے بغیر نامکمل ہے۔ کبھی یہ بارش تو کبھی برف برساتے نظر آتے ہیں جو کچھ بھی نہ کریں تو ہر وقت سر پر تو ضرور موجود رہتے ہیں...... سردیوں کی صبحیں دھند تو شامیں افسردگی لے کر نمودار ہوتی ہیں...... ایمان کو بچپن سے ہی اس موسم سے عجیب سی وحشت محسوس ہوتی تھی...... برف باری شروع ہوئی اور ایمان ایک سمجھ میں نہ آنے والے خوف کے حصار میں چلی جاتی...... مام اسے آتش دان کے قریب بٹھاتیں...... گرما گرم چاکلیٹ والا دودھ پینے کو دیتیں اور اسنو وائٹ اور سنڈریلا کی کہانیاں بھی سناتیں اس کا دھیان ضرور بٹ جاتا مگر خوف اپنی جگہ رہتا......

وہ کافی بڑی ہوگئی تھی مگر مام کے ساتھ سوتی تھی...... اسے اکیلے سونے سے ڈر لگتا تھا۔ بڑے ہو کے اس نے یہ جانا کہ وہ اس وقت عدم تحفظ کا شکار تھی۔

وہ دوبارہ صوفے پر آکے بیٹھ گئی...... باہر کی برف بتارہی تھی کہ ٹمپریچر صفر سے نیچے جاچکا تھا...... لیکن اس کا گھر گرم تھا...... آتش دان تو اب پرانی چیز بن چکا تھا...... اب تو گھر اور اپارٹمنٹ سینٹرلی ائرکنڈیشنڈ ہونے لگے تھے جن سے باہر کی سردی یا گرمی کا اندر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

اس کے باوجود اس کے ہاتھ ٹھنڈے ہورہے تھے...... اسے اپنے بچپن والے گھر کا آتش دان یاد آیا...... جہاں مام اور ڈیڈ بیٹھ کر اپنے ہاتھ تاپا کرتے تھے...... ڈیڈ اسے گود میں بٹھالیتے اور وہ بھی اپنے ننھے منے ہاتھوں کو آگے بڑھاتی...... ڈیڈ اس کے دونوں ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں تھام لیتے اور اس کے ہاتھ دو منٹ میں گرم ہوجاتے پھر وہ چلے گئے...... اور ایمان کے ہاتھوں کو ہمیشہ کے لیے ٹھنڈا کرگئے۔ ان کے جانے کے بعد اکیلی مام اسے اس خوف سے کبھی باہر نکال نہیں پائیں...... یہ کام سلمان نے کیا تھا...... سلمان کے مضبوط ہاتھوں کو تھامنے کے بعد اس کا بچپن کا خوف آہستہ آہستہ مٹنے لگا تھا...... مگر اسے محسوس ہورہا تھا جیسے طویل مسافت کے بعد وہ وہیں آکے کھڑی ہوگئی تھی جہاں سے اس نے سفر کا آغاز کیا تھا۔

''کاش ایک بار...... صرف ایک بار تم مڑ کے دیکھ لو سلمان...... میں ہارنے لگی ہوں۔'' وہ ایک دم پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی۔

☆☆☆

وہ فجر کی نماز پڑھ کر لیٹی ہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی...... ایک تو اتنی صبح کا وقت...... دوسرے دستک کا انداز...... اس نے گھبرا کر دروازہ کھولا...... سامنے سلمان تھا۔

''کیا ہوا......؟'' اس نے پریشان ہو کے پوچھا۔

''نیچے آجاؤ...... بابا کی طبیعت خراب ہورہی ہے...... اسپتال لے جانا ہوگا......'' وہ کہہ کر فوراً مڑ گیا۔

''اللہ خیر......'' اس کے دل سے صدا نکلی۔

اس نے بالکل وقت ضائع نہیں کیا...... اپنا موبائل اٹھایا اور جس حلیے میں تھی اسی طرح سلمان کے پیچھے دوڑ لگادی۔ نیچے چاچی کی حالت غیر تھی...... ان کی آنکھیں رو رو کے سوجی ہوئی تھیں...... چاچو نیم غنودگی کے عالم میں تھے۔

''کیا ہوا......؟'' اس نے چاچو کی نبض تھامتے ہوئے چاچی کی طرف دیکھا۔

''صبح فجر کی نماز کے لیے اٹھے تو تھوڑے سست تھے...... کہنے لگے کہ درد ہورہا ہے اور کمزوری محسوس کررہا ہوں...... اس کے تھوڑی دیر بعد گر گئے...... میں سلمان کو بلانے کے لیے دوڑی...... سلمان آگیا اس نے انہیں دیکھا ایمبولینس کے لیے فون کیا...... نہ جانے اب کیا ہوگا......'' وہ ہاتھ مل کے دوبارہ رونے لگیں...... چاچو کی نبض بہت آہستہ چل رہی تھی...... اس نے ان کا ہاتھ آہستہ سے بیڈ پر رکھ دیا اور چاچی کو گلے لگا کے تھپکنے لگی...... خود اس کا اپنا دل بیٹھا جارہا تھا۔

''ایمبولینس آگئی ہے۔'' سلمان نے آکے بتایا۔

انہیں اسٹریچر کی مدد سے ایمبولینس میں منتقل کیا گیا...... سلمان ان کے ساتھ ہی بیٹھ گیا تھا...... اس نے بھی ساتھ جانے کی کوشش کی تو سلمان نے اسے روک دیا۔

''نہیں...... تم امی کے ساتھ رکو...... میں اسپتال پہنچ کے کال کروں گا۔'' سلمان کا لہجہ حتمی تھا...... اس وقت اس کی نظر میں وہ صرف عائلہ تھی...... ڈاکٹر عائلہ نہیں...... اسے سلمان کا انداز بہت برا لگا...... لیکن چاچی کو سنبھالنا بھی ضروری تھا...... اس نے انہیں پانی پلایا اور تسلی دینے لگی۔

''پریشان مت ہوں...... سب ٹھیک ہوجائے گا۔''

''عائلہ مجھے ابھی اسپتال جانا ہے...... تم مجھے وہاں لے چلو......'' انہوں نے بے بسی سے کہا۔

''ہم دونوں چلیں گے......'' اس نے انہیں لپٹاتے

ہوئے کہا۔

ایک، ایک لمحہ صدی بن کے گزر رہا تھا...... سلمان نے کال نہیں کی...... دو گھنٹے گزر گئے تھے۔

''عائلہ چلو...... میں اب اور نہیں رک سکتی......'' انہوں نے بے چین ہو کے کہا۔

''چاچی انہیں کال ملائیں...... پہلے بات کر لیتے ہیں۔'' چاچی نے اپنا موبائل اِدھر اُدھر دیکھا...... ان کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

''عائلہ تم کال کر لو...... میرے اندر ہمت نہیں ہے۔'' وہ رک رک کے بولیں۔

عائلہ نے ان کے موبائل پر سلمان کا نمبر ڈھونڈا اور جلدی سے کال ملائی۔

''ہیلو......'' دوسری ہی بیل پر سلمان نے کال ریسیو کی۔

''چاچو کیسے ہیں؟'' اس نے فوراً پوچھا۔

''ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا...... ڈاکٹرز کوشش کر رہے ہیں، دعا کرو......'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''اٹیک ہوا ہے......؟'' اس نے ڈرتے، ڈرتے پوچھا۔

''بہت ہلکا سا...... شکر ہے زیادہ نقصان نہیں ہوا ہے...... لیکن ہارٹ ریٹ، پلس اور بی پی بہت لو ہے...... یہ مسئلہ ہے۔'' اس نے تفصیل بتائی۔

''ہم لوگ آجائیں......؟'' اس نے پوچھا۔ حالانکہ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ کہے، ہم آرہے ہیں مگر تھوڑا لحاظ آڑے آ گیا۔

''امی کو مت لاؤ...... انہیں تسلی دے دو کہ بابا اب بہتر ہیں۔'' اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''نہیں...... میرا خیال ہے انہیں میں ساتھ لے آتی ہوں...... وہ اکیلے پریشان ہوں گی...... اور اب بھی بہت پریشان ہیں...... رکیں گی نہیں۔'' عائلہ نے کہتے ہوئے فون بند کر دیا...... سلمان کا جواب سننے کی کوشش نہیں کی۔

''چلیں چاچی......'' اس نے انہیں دیکھ کر کہا۔

''کیسے ہیں وہ......؟'' وہ جلدی سے بولیں۔

''بہتر ہیں......'' اس نے کمرے سے نکلتے ہوئے کہا۔

چاچی اس کے پیچھے لپکیں۔

اسپتال تک کے راستے میں دونوں کے دل زور، زور سے دھڑک رہے تھے...... اور وہاں پہنچ کر عائلہ کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے اب دھڑکن رک جائے گی...... ایمرجنسی کے باہر سلمان کھڑا مل گیا۔

چاچی بے تابی سے بیٹے کے گلے لگ کے رونے لگیں...... وہ آہستہ آہستہ ماں کو تھپکیاں دیتا رہا۔

''امی خود کو سنبھالیں...... ابھی ڈاکٹر نعیم سے میری تفصیل سے بات ہوئی ہے...... بابا کا ہارٹ ریٹ بہتر ہو رہا ہے...... اچھی امید رکھیں اور دعا کریں......'' اس نے انہیں سمجھایا۔

''تم تو خود ہارٹ اسپیشلسٹ ہو...... تم باہر کیوں کھڑے ہو...... جاؤ ناں اپنے بابا کے پاس......'' وہ روتے ہوئے بولیں۔

''امی...... یہ میرا اسپتال نہیں ہے...... اب بابا ان کی ذمے داری ہیں...... میں از خود اندر نہیں جا سکتا...... مگر آپ فکر مت کریں میں ہر لمحہ ان کے ڈاکٹر کے ساتھ رابطے میں ہوں۔'' اس نے ماں کو بٹھایا۔

''تم امی کے پاس ٹھہرو......'' وہ اس کی طرف مڑا۔

''تم کہاں جا رہے ہو......؟'' وہ تڑپ کے بولیں۔

''میں ایک چکر لگا کے آتا ہوں...... فکر مت کریں...... انشاء اللہ اچھی خبر لاؤں گا۔'' وہ کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

وہ چاچی کے سرد ہوتے ہوئے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھام کے ان کے نزدیک ہی بیٹھ گئی۔

''میرا دل کہتا ہے چاچو ٹھیک ہو جائیں گے۔'' وہ پُر یقین لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''انشاء اللہ......'' چاچی کی بجھی بجھی آواز ابھری۔

''میں بابا کو فون کر دوں......'' اس نے اپنا موبائل آن کیا۔

بابا کو اطلاع دینا بھی ضروری تھا...... دونوں بھائیوں کا ایک دوسرے کے سوا اور تھا بھی کون......! چاچی نے فوری طور پر نادیہ کو بتانے سے منع کر دیا تھا۔ بابا کو اطلاع دی تو وہ حسبِ توقع بے حد پریشان ہو گئے۔

''میں پہلی فلائٹ سے پہنچ رہا ہوں۔'' انہوں نے فوراً کہا۔

بابا کے آنے کی اطلاع چاچی کو دیتے ہوئے وہ خود بھی دل ہی دل میں اطمینان محسوس کر رہی تھی۔

☆☆☆

''وہ بھی وہیں ہے۔'' سعدیہ نے شوہر کی طرف دیکھا۔

''ہاں...... ظاہر ہے۔'' انہوں نے بھویں اچکائیں۔

''اب تو سلمان موجود ہے اپنے والدین کے پاس...... پھر......؟'' انہوں نے کچھ کہنا چاہا۔

''وقاص کی حالت بہت کریٹیکل ہے...... یہ ایسا وقت نہیں ہے کہ ہم بیکار کی باتوں میں الجھیں۔'' انہوں نے بیوی کی بات کاٹتے ہوئے خفگی سے کہا۔

''اللہ پاک وقاص بھائی کو صحت دے...... اور عائلہ کو عقل......'' وہ یہ کہہ کر چپ ہو گئیں۔

''میرا بیگ تیار کر دو...... میری آج شام چار بجے والی فلائٹ کنفرم ہو گئی ہے۔'' وقار نے کہا۔

''کتنے دنوں کے لیے جائیں گے؟'' انہوں نے پوچھا۔

''فی الحال تو چند دنوں کا پروگرام ہے...... باقی جیسی صورتِ حال ہوگی اس کے حساب سے اپنا پروگرام بنا لوں گا...... بس اللہ خیر رکھے...... وقاص مجھ سے عمر میں چار برس چھوٹا ہے...... وہ بے چارہ اتنے برسوں سے اتنی سخت بیماری جھیل رہا ہے اور مجھے دیکھو......'' انہوں نے ٹھنڈی سانس بھری۔

''توبہ ہے بھئی...... خود اپنی صحت کو کیوں ٹوک رہے ہیں...... اللہ تعالیٰ آپ کو صحیح سلامت رکھے۔'' سعدیہ برامان کے بولیں۔

''ایک بج رہا ہے، تین بجے تک ائر پورٹ پہنچنا ہے، میں تیاری شروع کرتا ہوں، تم میرا سامان رکھنا شروع کرو۔'' انہوں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''اچھا ہے، آپ وہاں ہوں گے تو مجھے عائلہ کی طرف سے بھی پریشانی نہیں ہوگی۔'' سعدیہ زیرِ لب بولیں اور پھر اٹھ کر الماری کی طرف بڑھ گئیں۔

☆☆☆

رات دس بجے بریگیڈیر وقاص کو ہوش آ گیا......

ڈاکٹرز کے مطابق اب ان کی حالت خطرے سے باہر تھی...... ڈاکٹرز کا کہنا تھا کہ یہ ایک معجزہ ہی تھا...... سب کی رکی ہوئی سانسیں بحال ہونے لگیں۔

انہیں سی سی یو شفٹ کر دیا گیا تھا اور باری باری سب کو ان سے صرف چند منٹوں کی ملاقات کی اجازت بھی دے دی گئی تھی...... مگر بات کرنے کی نہیں۔

''بڑے ابا یہ سب آپ کی آمد کے طفیل ہوا ہے...... بھائی کے لہو نے بھائی کو قریب پا کے جوش مارا...... اور ہارٹ ریٹ، پلس، بلڈ پریشر سب کچھ نارمل ہو گیا۔'' سلمان نے مسکراتے ہوئے کہا...... اس کے چہرے پر سترہ گھنٹوں کی شدید ٹینشن کے بعد پہلی مرتبہ سکون نظر آیا۔

''نہیں، بیٹا...... یہ تو بس اللہ پاک کا کرم ہے...... میں سارے راستے بہت تکلیف میں رہا...... بہت بے بسی محسوس کرتا ہوا آیا...... مگر یہاں پہنچ کے جیسے دعائیں قبول ہو گئیں۔ میرے بھائی نے مجھے دیکھ کر آنکھیں کھولیں اور سلام بھی کیا......'' وقار صاحب کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں۔

''بس اب آپ سب لوگ گھر جائیں...... میں بابا کے پاس رکوں گا۔'' سلمان نے سب کی طرف دیکھ کر کہا۔

''نہیں، میں یہیں رکوں گی......'' ارسلہ جلدی سے بولیں۔

''امی یہ سی سی یو ہے...... یہاں پر کسی بھی اٹینڈنٹ کو ساتھ رکنے کی اجازت نہیں ہوتی...... نہ ہی وزیٹرز ہر وقت جمع ہو سکتے ہیں...... آپ لوگ جائیں آرام کریں...... صبح پھر آ جائیے گا۔'' اس نے سمجھایا۔

''جب اجازت نہیں ہے تو تم کیسے رکو گے؟'' انہوں نے جرح کی۔

''میں بھی باہر ہی بیٹھا رہوں گا...... کبھی کبھار اندر کا چکر لگا لوں گا اور بس......''

''عائلہ تم لے جاؤ سب کو۔'' وہ ماں سے کہتا ہوا

عائلہ کی طرف گھوما۔ اس نے سر ہلایا۔

واپسی کا دل نہ چاہتے ہوئے بھی سب کو واپس جانا تھا...... لیکن بریگیڈیر وقاص کی سنبھلتی ہوئی حالت پہ سب کو اطمینان ضرور تھا۔

☆☆☆

”سچی بات تو یہ ہے کہ آپ نے ہمیں ڈرا دیا تھا......“ ارسلہ نے ویجی ٹیبل سوپ کا پیالہ ان کے سرہانے رکھتے ہوئے کہا۔ وہ اسپتال میں پانچ دن گزارنے کے بعد گھر واپس آگئے تھے...... ان کی حالت تسلی بخش تھی۔

”اللہ نے بہت کرم کیا...... اس کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے......“ وقار نے بھائی کو سہارے سے بٹھاتے ہوئے کہا۔

”میں نے سب کو بہت پریشان کیا......“ انہوں نے سوپ پیتے ہوئے جواب دیا۔

”نہیں چاچو، پریشانی آپ کی وجہ سے نہیں بلکہ آپ کی بیماری کی وجہ سے تھی۔“ عائلہ مسکرائی۔

”تم گھر آگئے ہو، میں بھی اب واپسی کا سوچ رہا ہوں۔“ وقار نے کہا۔

”ابھی تو میں آیا ہوں، میرے آتے ہی آپ واپسی کا کیوں سوچ رہے ہیں...... کچھ دن تو رکیں......“ بریگیڈیر وقاص جلدی سے بولے۔

”بابا، چاچو بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں...... چاچی نے نادیہ کو بھی حالات تھوڑے نارمل ہونے کے بعد بتا دیا ہے...... وہ بھی پہنچنے والی ہے...... پھر ہم سب چاچو کی صحت یابی کا جشن منائیں گے، آپ چلے گئے تو بھلا کیا مزہ آئے گا۔“ عائلہ نے جلدی سے باپ کی طرف دیکھ کر کہا۔

”بالکل بھائی جان...... میں نے تو اس پریشانی میں آپ کی کوئی خاطر مدارات بھی نہیں کی...... اب اس کا موقع تو دیں......“ ارسلہ جلدی سے بولیں۔

”اچھا بھئی اچھا...... لیکن صرف دو دن اور...... اس کے بعد نہیں، سعدیہ گھر پر اکیلی ہیں۔“ وہ جلدی سے بولے۔

”ٹھیک کہتے ہیں آپ بھائی جان، بھابی واقعی اکیلی ہوں گی...... ظاہر ہے بیٹیاں بے چاریاں تو اپنے گھر کی ذمے داریوں میں مصروف ہو جاتی ہیں...... گھر کا بیٹا اگر چلا جائے تو ساری رونقیں ساتھ لے جاتا ہے...... ماں، باپ کو اکیلا کر جاتا ہے۔“ بریگیڈیر وقاص ٹھنڈی سانس لے کر بولے۔

”مجبوری ہو یا مصلحت، بہت ساری باتیں برداشت کرنی ہی پڑتی ہیں...... کاشف کو شارجہ میں اتنی اچھی جاب مل گئی ہے کہ اس کے بہتر مستقبل کے لیے ہمیں اس کی جدائی کا کڑوا گھونٹ بھرنا ہی پڑا۔“ وقار نے آزردگی سے کہا۔

”سچ کہتے ہیں آپ...... بچوں کو اپنے لیے زبردستی اپنے قریب رکھنا خودغرضی ہے...... سلمان کے جانے کا مجھے بھی بہت غصہ تھا مگر اس کی آمد پہ میں سوچتا ہوں کہ شاید میرا غصہ غلط تھا...... ماں، باپ اولاد پر جب بھی اپنے فیصلے مسلط کرتے ہیں انجام اچھا نہیں ہوتا...... اولاد مجبوراً مان لے تو وہ ناخوش، نہ مانے تو ماں باپ ناخوش، خواہ مخواہ کی محاذ آرائی شروع ہو جاتی ہے......“ بریگیڈیر وقاص نے اعتراف کیا۔

”کچھ بھی ہو بھائی صاحب جوان بیٹے کی موجودگی سے والدین کو بڑی ڈھارس رہتی ہے...... اب دیکھیے سلمان کے یہاں ہونے سے کتنا مشکل وقت آسانی سے گزر گیا۔“ ارسلہ جلدی سے بولیں۔

”اس دفعہ تو میرے سارے اپنے ہی میرے پاس تھے...... سلمان بھی موجود تھا، بھائی جان بھی دوڑے چلے آئے، نادیہ کو تو خیر اطلاع دیر سے دی تھی، اب وہ بھی آرہی ہے اور میری یہ بیٹی تو ہوتی ہی میرے پاس ہے۔“ بریگیڈیر وقاص نے نگاہیں عائلہ پر مرکوز کر دیں۔

”یہ تو ہے، ان کے دوسرے اٹیک میں تو نہ سلمان آپایا تھا اور نہ ہی نادیہ، وہ پریگننٹ تھی اور آپ بھائی جان عمرے کی ادائیگی کے لیے گئے ہوئے تھے اگر عائلہ آ کے سب نہ سنبھالتی تو......“ ارسلہ نے ایک جھرجھری لی...... عائلہ جھینپ سی گئی۔

”چلو مشکل وقت اللہ کی مہربانی سے آسان ہو جاتا ہے، کوئی نہ کوئی وسیلہ تو بن ہی جاتا ہے، یہ بتاؤ سلمان کی فیملی پاکستان کب تک آرہی ہے......؟“ وقار نے وہ سوال پوچھ لیا جس کے پوچھے جانے سے سب ڈر رہے تھے۔

بریگیڈیر وقاص اور ارسلہ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

”کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے ایمان اور ایان لندن میں اور صاحبزادے کئی مہینوں سے اِدھر، کچھ گڑبڑ ہی لگتی ہے۔“ بریگیڈیر وقاص نے کھل کے کہہ دیا...... ارسلہ نے شرمندہ نگاہوں سے شوہر کی طرف دیکھا اور وقار زور سے چونکے۔

”یہ تو اچھی بات نہیں...... تم نے معاملات سلجھانے کی کوشش نہیں کی؟“

”کوشش تو تب کروں گا جب کوئی سرا میرے ہاتھ میں آئے گا...... نہ تو ایمان سے کانٹیکٹ ہو پا رہا ہے اور نہ ہی سلمان کچھ سننے کو تیار ہے......“ وہ خفگی سے بولے۔

”ابھی تو آپ اسپتال سے واپس آئے ہیں خدا کے لیے کسی قسم کی ٹینشن مت لیں۔“ ارسلہ جلدی سے بولیں...... وہ چاہ رہی تھیں کہ موضوع تبدیل ہو جائے۔

”بالکل...... تم پریشان مت ہو...... ہر مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل ضرور ہوتا ہے۔“ وقار نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

کمرے میں ایک دم خاموشی چھا گئی۔ سب اپنی، اپنی سوچوں میں گم تھے۔

☆☆☆

بابا کراچی واپس چلے گئے تھے اور وہ اپنی جاب پہ واپس آگئی تھی۔

چاچو کی حالت کافی بہتر تھی۔ سلمان کی جاب کا آغاز ہو گیا تھا...... وہ کافی مصروف تھا...... نادیہ کی آمد یقیناً چاچی اور چاچو کے لیے آسانیاں لائی تھی لیکن نادیہ اس کی غیر حاضری پہ خفا تھی۔

”تمہیں توفیق نہیں ہو رہی ہے کہ آ کر اپنی شکل دکھا جاؤ۔“ اس نے فون پر اس سے شکایت کی۔ ”پنڈی سے اسلام آباد لگتا ہے کراچی جتنا دور ہو گیا ہے۔“

”بس یار پانچ دنوں کی چھٹی کا خمیازہ بھگت رہی ہوں...... اب دوسرے چھٹی پہ ہیں اور ان کے حصے کا کام کرنا پڑ رہا ہے......“ وہ ہنسی۔

”ٹھیک ہے تم کام کرتی رہو...... میرے بچوں کی

اللہ کے دربار میں عاجزانہ دعا

کب سے کھڑی ہوں در پہ تیرے بن کے سوالی
دامن میں بجز اشکِ ندامت کے کچھ نہیں
پھیلاؤں کیسے دستِ طلب تیرے سامنے
تو ہے قریب میری رگِ جاں سے اس قدر
چوکھٹ تمہاری چھوڑ کے جائیں بھی تو کہاں
مسلم کا خون اس قدر ارزاں ہے آج کل
ہم پا رہے ہیں اپنے گناہوں کی سزائیں
ہے آج مسلمان بہت راندۂ درگاہ
اس کے گناہ معاف کر تو اے مرے اللہ
تجھ کو پکارتے ہیں جو مشکل میں پڑیں ہم
تو اپنے کرم سے کبھی محروم نہ کر ہمیں
تیرا ہی آسرا ہے اللہ ہمیشہ
آئے ہیں بڑی دور سے ہم بن کے سوالی
دامن تمہارے دین کا تھامے ہوئے ہیں ہم
اک نظرِ کرم ہم پہ بھی مولائے کل جہاں
کر ہم پہ کرم اپنا ہمیں تنہا نہ چھوڑنا

نذرانۂ عقیدت: فریدہ افتخار

چھٹیاں ختم ہو جائیں گی اور میں چلی جاؤں گی...... سردیوں کی چھٹیاں ہوتی ہی کتنی ہیں......“ نادیہ خفگی سے بولی۔

”اچھا بابا اس ویک اینڈ پر آجاؤں گی اس سے پہلے کا شیڈول بہت سخت ہے۔“ اس نے ہار مان لی۔

”بابا بھی تمہیں ہر وقت یاد کرتے رہتے ہیں...... میں نے کہا بابا...... سگی بیٹی ہوں میں...... پانچ مہینوں کے بعد آپ میری شکل دیکھ رہے ہیں اور اگلے چند دنوں میں، میں واپس بھی چلی جاؤں گی میری کوئی پروا نہیں ہے آپ کو......؟ وہ ہنستے رہے...... تم نے کیا جادو کیا ہے میرے بابا پر......؟“ اس نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

”اچھا اب جلو کڑھو مت...... میرے مریضوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے...... میں تمہیں

شام میں کال کرتی ہوں......" اس نے ہنستے ہوئے فون بند کردیا۔

☆☆☆

"کیسے ہو ینگ مین......؟" بریگیڈیر وقاص نے میجر شاہنواز سے گرم جوشی کے ساتھ ہاتھ ملاتے ہوئے پوچھا۔

"فائن سر......" وہ مسکرایا۔

"تمہیں یہاں پا کر بہت خوشی ہوئی......" انہوں نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"جیسے ہی جوائن کیا آپ کی بیماری کی خبر ملی...... میں آپ سے ملے بغیر رہ نہیں سکا۔" اس نے فوراً کہا۔

"یہ تمہاری محبت ہے...... باپ کیسا ہے تمہارا......؟" انہوں نے پوچھا۔

"پاپا ٹھیک ہیں......آپ کو کال کرنا چاہ رہے تھے مگر آپ کا سیل فون آف ہے۔" اس نے کہا۔

"جب سے اسپتال سے آیا ہوں میرا فون بیگم کی کسٹڈی میں ہے، فون ہی کیا میں خود بھی انڈر اریسٹ ہوں ان کے۔" انہوں نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

"یہ بہت ضروری ہے......ورنہ آپ کے لیے آنے والی لمبی لمبی کالیں آپ کو آرام تھوڑی ہی کرنے دیں گی۔" ارسلہ کمرے میں داخل ہوئیں ان کے پیچھے، پیچھے ٹرالی لاتے ہوئے فیض اندر داخل ہوا۔

"السلام علیکم آنٹی...... کیسی ہیں آپ......؟" شاہنواز تعظیماً کھڑا ہو کے بولا۔

"وعلیکم السلام...... بیٹے، میں بالکل ٹھیک ہوں، تم سناؤ......!" انہوں نے مسکرا کے کہا۔

"بالکل فِٹ......" وہ ہنسا۔

"ماشاء اللہ نظر آرہا ہے مجھے۔" وہ مسکرائیں اور اسے تعریفی نگاہوں سے دیکھا۔

"اتنا تکلف......" اس نے بیٹھتے ہوئے ٹرالی کی طرف اشارہ کیا۔

"میں نے سوچا تمہیں بیس، اکیس برسوں کے بعد تمہاری وہ پسندیدہ چیزیں کھلا دوں جو تم بچپن میں سلمان کے ساتھ مل کر شوق سے کھاتے تھے......" وہ ہنس کر بولیں۔

"زبردست آنٹی لیکن سلمان کدھر ہے......؟" اس نے دونوں کی طرف باری باری دیکھا۔

"اس کی جاب ذرا ٹف ہے اسی لیے کافی دیر تک اسپتال ہی میں رہتا ہے۔ تمہارے آنے کی خبر اسے دے چکا ہوں...... پہلی فرصت میں ملے گا تم سے۔" بریگیڈیر وقاص نے سر ہلایا۔

"بہت اچھا لگ رہا ہے آپ لوگوں سے مل کے...... امید ہے سلمان کے ساتھ پھر اچھی ملاقاتیں رہیں گی۔" وہ خوش ہو کے بولا۔

"ارے ہاں، تم عائلہ سے ملے...... میجر عائلہ وقار......" بریگیڈیر صاحب کو ایک دم یاد آیا۔

"سر میں نے کل ہی جوائن کیا ہے، ابھی میری ان سے ملاقات نہیں ہوئی...... لیکن امید ہے کہ جلدی ہو جائے گی......" وہ شائستگی سے بولا۔

"اسی سال میجر بنی ہے...... انشاء اللہ آگے تک جائے گی۔" بریگیڈیر وقاص نے پُریقین لہجے میں کہا۔

"جی سر...... اور سلمان اکیلے ہی آیا ہے...... اس کے بیوی، بچے......؟ شاید ایک بیٹا ہے ناں اس کا۔" شاہنواز نے اِدھر اُدھر دیکھ کر پوچھا۔

اس سے پہلے کہ بریگیڈیر وقاص دوبارہ ہر ایک کی طرح اس کے سامنے بھی اپنی بھڑاس نکالنا شروع کردیتے ارسلہ نے جلدی سے کہا۔

"اس کی بیوی اور بیٹا بھی جلد آجائیں گے......تم یہ گاجر کا حلوا تو چکھو، یاد ہے تمہیں کتنا پسند تھا......تم اور سلمان مل کر چوری چھپے حلوے کا پورے کا پورا ڈونگا صاف کردیا کرتے تھے......" ارسلہ نے جلدی سے گاجر کا حلوا اس کے سامنے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"اوہ......تھینک یو آنٹی......" اس نے تکلفاً تھوڑا سا حلوا اپنی پلیٹ میں نکالا۔

"یہ کیا بھئی اور لو......میرا تو خیال تھا کہ تم پورا باؤل صاف کرجاؤ گے۔" انہوں نے حیرت سے اس دو چمچے حلوے کو دیکھا جو شاہنواز نے اپنی پلیٹ میں نکالا تھا۔

"بس آنٹی اب میں پندرہ سالہ شاہنواز بخاری نہیں ہوں جو سب کچھ کھا جاتا تھا اور ڈکار بھی نہیں لیتا تھا...... میں اب پینتیس سال سے اوپر کا ہو چکا ہوں۔

ابھی سے احتیاط کروں گا تو شاید آگے آرام سے جی لوں۔" وہ مسکرایا۔

"ینگ مین پینتیس برس بھی کوئی عمر ہوتی ہے...... ہم سے پوچھو جو ساٹھ سے اوپر ہونے کے باوجود سب کچھ کھا لیتے ہیں......" بریگیڈیر صاحب نے گاجر کے حلوے کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"بالکل' ان کو دیکھو جو ساٹھ سے اوپر ہونے کے باوجود بھی سب کچھ کھا لیتے ہیں اور ہر تھوڑے عرصے کے بعد اسپتال پہنچے ہوئے ہوتے ہیں۔" ارسلہ نے حلوے کا پیالہ ان کی پہنچ سے دور کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن یہ ضرور ہے کہ پینتیس برس کا ہونے کے بعد تمہیں شادی ضرور کرلینی چاہیے...... اور لیٹ مت کرو...... ویسے کیا ہے کوئی نظر میں......؟" بریگیڈیر صاحب نے حلوا پہنچ سے باہر ہوتے دیکھ کر چائے کی پیالی پہ اکتفا کرتے ہوئے شاہنواز کو مخاطب کیا۔

"شادی......! ہو جائے گی وہ بھی......" شاہنواز جھینپ کے بولا۔

"منگنی ہوئی ہے تمہاری؟" ارسلہ نے کریدا۔

"نہیں آنٹی ابھی تو نہیں......بس ممی اب اسی مہم کو سر کرنے نکلی ہیں۔" وہ تابعداری سے بولا۔

"وِش یو آل دا بیسٹ...... شادی زندگی کا اہم فریضہ ہوتا ہے اس کا تعلق بڑی حد تک قسمت سے ہوتا ہے مگر انسان کے بس میں جتنا ہے اسے بہت سمجھداری سے کام لینا چاہیے۔" بریگیڈیر وقاص نے اس کے شانوں کو تھپکتے ہوئے کہا۔

"کیسے ہیں شاہنواز بھائی......؟" نادیہ مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

"اوہو......تو آپ بھی یہیں ہیں......" شاہنواز کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

"میں یہاں ہوں نہیں......آئی ہوئی ہوں......" وہ ہنستے ہوئے آ کے بیٹھ گئی۔

"میری بیماری نے سب کو اکٹھا کردیا ہے۔" بریگیڈیر وقاص مسکرائے۔

"عائلہ نہیں پہنچی......کہہ تو رہی تھی کہ مغرب سے پہلے آجائے گی۔" نادیہ نے وال کلاک پہ نظر دوڑاتے ہوئے ماں کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"عائلہ آرہی ہے؟" وہ چونکیں۔

"جی امی، اس نے آج شام آنے کو کہا تو ہے آج ہی دوپہر میری بات ہوئی ہے میں اسے کئی دن سے خوب سنا رہی ہوں...آنا ہی پڑے گا اسے۔" نادیہ ہنسی۔

"زبردستی مت کیا کرو تم لوگ...... ویسے بھی وہ موقع ملتے ہی آجاتی ہے......اگر کوئی مسئلہ ہوتا ہے تب ہی نہیں آپاتی۔" بریگیڈیر وقاص نے سنجیدگی سے کہا۔

"السلام علیکم......" عائلہ کی آواز ابھری۔

"وعلیکم السلام......اسے کہتے ہیں کہ شیطان کا نام لو اور وہ موجود......" نادیہ نے اٹھ کے اس کے گلے لگتے ہوئے جملہ کسا۔

"جی نہیں، اسے کہتے ہیں بڑی عمر ہے آپ کی۔" عائلہ نے تصحیح کی۔

"اِدھر آؤ......" چاچو نے خوش ہو کے بانہیں پھیلائیں۔

وہ ان کا پیار لیتی ہوئی ان کے برابر میں جا بیٹھی۔

"میجر شاہنواز، میٹ میجر عائلہ وقار......" انہوں نے ان دونوں کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"نائس ٹو میٹ یو......" شاہنواز کی نگاہوں میں عائلہ کے لیے ستائش تھی۔

"سیم ہیئر......" عائلہ بھی مسکرائی۔

"یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے وقت پیچھے کی طرف سرک گیا ہو...... مجھے تو ملتان کینٹ میں گزارے ہوئے دن یاد آنے لگے ہیں...... شاہنواز، نادیہ، عائلہ سب موجود ہیں، صبا اور سلمان کی کمی ہے......صبا تو آنہیں سکتی لیکن سلمان تھوڑی دیر تک آجائے گا...... اسی لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ آج رات کا کھانا سب ساتھ مل کر کھائیں گے......" ارسلہ جلدی سے بولیں۔

"بالکل درست فیصلہ کیا ہے......" بریگیڈیر وقاص نے تائید کرتے ہوئے کہا۔

شاہنواز کے پاس رکنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا...... اس کی نگاہیں گاہے بگاہے عائلہ کی طرف اٹھ رہی تھیں...... اس کی نگاہوں کی چوری بریگیڈیر وقاص کی نگاہوں سے چھپی ہوئی نہیں تھی۔

☆☆☆

''اب خوش......'' ایمان نے ایان کے ہاتھوں میں پاسپورٹ تھمایا...... وہ پہلے حیران ہوا پھر خوشی سے اچھل پڑا۔

''پاسپورٹ......؟''

''ہوں......'' وہ مسکرائی۔

''تو اس کا مطلب ہے، ہم پاکستان جا رہے ہیں۔'' وہ پُرجوش ہو کے بولا۔

''ہاں......'' وہ پھر مسکرائی۔

''کب......؟'' وہ جلدی سے بولا۔

''عنقریب......'' اس نے پیار سے بیٹے کا سر سہلایا۔

سلمان نے اس کے ساتھ جو کیا سو کیا، اس نے ایان کے ساتھ تو بالکل بھی اچھا نہیں کیا تھا...... ایان کی شخصیت باپ کے بغیر بری طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکی تھی۔ وہ اکثر کھانا نہیں کھاتا...... پڑھائی کی طرف توجہ نہیں دیتا...... ٹیچرز سے بدتمیزی اور کلاس فیلوز سے لڑائیاں بھی کرنے لگا تھا...... اس کے اسکول سے شکایتیں آنے لگی تھیں۔ ایک ذہین، مہذب اور خوش مزاج بچے کے اندر یہ تبدیلیاں یقیناً بڑی خوفناک تھیں۔ ایمان کو اسے ہینڈل کرنے میں بہت دشواری کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ کبھی لالچ، کبھی پیار تو کبھی سختی سے ایان کو سمجھانا پڑا تھا...... ایمان کا خیال تھا کہ کچھ عرصے کے بعد وہ آہستہ آہستہ نارمل ہو جائے گا مگر وہ نارمل ہونے کے بجائے خاموش ہوتا چلا گیا...... کچھ دنوں سے وہ اپنے خول میں سمٹتا جا رہا تھا...... اس نے ایمان سے بات کرنا چھوڑ دی تھی...... لیکن یہ بات بھی ایمان کے لیے پاکستان جانے کے فیصلے کا سبب نہیں تھی۔ پاکستان جانا اس کی مجبوری کسی اور وجہ سے بنا تھا۔ الٹرا ساؤنڈ رپورٹ سے یہ کلیئر ہو گیا تھا کہ اس بار اس کی بیٹی اس دنیا میں آنے والی تھی۔ یہ خبر اس کے لیے سلمان کی موجودگی میں تو بے حد خوشی کا سبب بنتی...... مگر سلمان کی غیر موجودگی میں یہ خبر روح فرسا تھی۔ مام نے خود اسے اپنے پروں کے نیچے چھپا کے پالا تھا۔ مام مسلمان نہیں ہوئی تھیں مگر وہ تو مسلمان باپ کی بیٹی تھی...... یہ بات مام نے اس سے بھی نہیں چھپائی تھی...... یہ اور بات کہ وہ ایک مسلمان بچی کی حیثیت سے اس کی پرورش نہیں کر سکی تھیں مگر اسے اچھے برے کا فرق ضرور بتایا تھا...... سلمان کے ساتھ شادی بھی شاید اس کے لاشعور کا فیصلہ تھا جہاں یہ احساس موجود تھا کہ وہ ایک مسلمان لڑکی ہے...... اس کے اندر مام جتنی ہمت نہیں تھی...... وہ سلمان کے بیٹے کو تو کسی نہ کسی طرح سنبھال لیتی مگر سلمان کی بیٹی کو اس معاشرے میں تن تنہا پالنے سے قاصر تھی۔

ایان خوش ہو کر اس کے گلے آ لگا...... کئی مہینوں کے بعد ایان نے اس طرح محبت کا اظہار کیا تھا...... وہ آہستہ آہستہ اس کی پیٹھ تھپکنے لگی...... اندر ہی اندر وہ احساسِ جرم کا شکار ہو رہی تھی...... معصوم بچہ اس کامیابی کو اپنی خواہش کا نتیجہ سمجھ رہا تھا...... نہیں جانتا تھا کہ اب یہ اس کی ماں کی مجبوری بھی تھی۔

''ہم کب تک روانہ ہو جائیں گے؟'' اس نے پھر پوچھا۔

''شاید ایک مہینہ لگ جائے۔'' وہ خود پر جبر کر کے مسکرائی۔

''تو پھر اتنے پہلے سے پاسپورٹ مجھے کیوں دکھایا؟'' وہ پھر خفا ہو گیا۔

''یہ تو تمہاری سالگرہ کا تحفہ ہے...... کل بھلا کون سی تاریخ ہے۔'' وہ مسکرائی۔

''پچیس......'' وہ چونکا...... وہ اپنی سالگرہ کا دن تک بھول چکا تھا۔ ورنہ اس نے جب سے ہوش سنبھالا تھا اپنی سالگرہ منانے کے حوالے سے بہت جذباتی ہو جاتا تھا۔ کئی ماہ پہلے سے ماں، باپ سے مختلف فرمائشیں شروع ہو جاتی تھیں۔ سالگرہ کا فنکشن خوب دھوم دھام سے منانے کے بعد رات کے وقت اس سے پوچھتا۔

''ماما اب میری سالگرہ کب آئے گی......؟ اُف پورا سال انتظار کرنا پڑے گا......'' وہ ہنس کے اسے گلے لگا لیتی۔

''بے وقوف...... سال تو بس یوں گزر جاتا ہے۔'' وہ چٹکی بجاتے کہتی۔

پچھلی سالگرہ پر سلمان نے اسے لیپ ٹاپ گفٹ کیا تھا...... ڈھیروں کی تعداد میں کھلونے بھی دلوائے

تھے...... اور اس بار...... وہ سالگرہ کا دن بھول چکا تھا۔

وہ کس ذہنی کرب سے گزر رہا تھا ایمان کو اس کا اچھی طرح اندازہ ہوا...... اس کی تکلیف کی شدت شاید ایمان کی تکلیف کی شدت سے زیادہ تھی۔

''ہم پورا مہینہ تیاریاں کریں گے...... تم دادا، دادی اور بابا کے لیے اچھے، اچھے گفٹس خریدنا...... اپنے لیے شاپنگ کرنا...... شاید ہمیں وہاں بہت زیادہ رہنا پڑے......'' اس نے ایان کو سمجھایا۔

اس نے اقرار میں سر ہلایا۔

''اور کل ہم اپنے پیارے ایان کی سالگرہ بھی تو بہت دھوم دھام سے منائیں گے۔'' مام کمرے میں داخل ہوئیں۔

''آپ کو یاد تھی میری سالگرہ......؟'' وہ دوڑ کے نانی سے لپٹ گیا۔

''بالکل...... میں نے سارے انتظامات چپکے، چپکے کر لیے تھے...... یہ تمہاری سالگرہ اور فیئر ویل دونوں ہوگی...... پھر تو اگلی سالگرہ تم اپنے بابا کے ساتھ مناؤ گے نا......'' لز نے محبت سے اس کا سر چوما۔

''تھینکس گرینڈما......'' وہ مسکرایا۔

ایمان بھی اٹھ کے ماں کے قریب آ گئی...... اس کی آنکھوں میں تشکر کے آنسو تھے۔

''جہاں رہو خوش رہو، میری بچی...... خدا تمہیں تمہارے مقصد میں کامیاب کرے......'' لز نے ایمان کو بھی گلے لگا لیا۔

☆☆☆

''مجھے آپ سے ایک ضروری بات کہنی ہے......'' ارسلہ نے چائے کا مگ ان کی سائڈ ٹیبل پر رکھ کے ان کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

''فرمائیں......'' بریگیڈیئر وقاص اخبار تہ کر کے رکھتے ہوئے ان کی طرف متوجہ ہوئے۔

''آپ نے سلمان کے متعلق کیا سوچا ہے؟'' انہوں نے آہستہ سے پوچھا۔

''سلمان کے متعلق...... میں کون ہوتا ہوں سلمان کے متعلق سوچنے والا...... صاحبزادے خود ہی کافی ہیں اپنے بارے میں سوچنے کے لیے......'' انہوں نے تلخ لہجے میں جواب دیا۔

''میرا مطلب تھا کہ......'' انہوں نے کچھ کہنا چاہا مگر بریگیڈیئر وقاص نے ان کی بات کاٹتے ہوئے تیز لہجے میں کہا۔

''دیکھیں بیگم صاحبہ، آپ کے ذہن میں جو کچھ بھی ہے کھل کے کہیں...... پہیلیاں مت بجھوائیں۔''

''دیکھیں سلمان اب مستقلاً پاکستان آ چکا ہے...... جاب بھی ماشاءاللہ اچھی مل گئی ہے...... سیٹ ہو گیا ہے وہ، ہمیں اس کے بارے میں کچھ سوچنا چاہیے۔'' انہوں نے گھما پھرا کے اپنی بات مکمل کی۔

''مثلاً کیا سوچنا چاہیے......؟'' انہوں نے بیگم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے پوچھا۔

''ایمان سے اس کی سیپریشن ہو چکی ہے...... میں نے اس چھ سات ماہ کے عرصے میں سلمان کے منہ سے اس کا ذکر تک نہیں سنا...... نہ ہی اس نے کانٹیکٹ کرنے کی کوشش کی...... تو کیا وہ ساری زندگی یونہی اکیلا رہے گا......؟ ہمیں اس کی دوسری شادی کے بارے میں سوچنا چاہیے۔'' انہوں نے بالآخر اپنی بات مکمل کر دی۔

''میں تو انتظار کر رہا ہوں کہ بلی تھیلے سے کب باہر آتی ہے...... صاحبزادے ایمان کا ذکر نہ کر کے اس رشتے کو تو ختم نہیں کر سکتے جو ان دونوں کے درمیان ابھی باقی ہے۔ سیپریشن کا مطلب طلاق نہیں ہوتا...... قانونی طور پر میاں بیوی میں سیپریشن کی مدت سوچنے سمجھنے کے لیے ملتی ہے کہ ایک مخصوص عرصے تک دونوں ایک دوسرے سے الگ رہ کر اچھی طرح غور کر سکیں کہ آیا انہیں دوبارہ اکٹھا رہنا ہے یا پھر طلاق لے کر الگ ہو جانا ہے۔'' بریگیڈیئر صاحب نے تفصیل سے سمجھایا۔

''وہ سب میں نہیں جانتی...... میں تو صرف یہ کہنا چاہتی ہوں کہ آپ کی خواہش تھی کہ سلمان کی شادی عائلہ سے ہو...... عائلہ ابھی تک کنواری ہے...... ہو سکتا ہے کہ وہ دونوں ایک دوسرے ہی کی قسمت ہوں......'' ان کا باقی جملہ منہ ہی میں رہ گیا تھا کیونکہ بریگیڈیئر وقاص نے تند و تیز لہجے میں ان کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''یہ سب کچھ آپ سوچ سمجھ کے کہہ رہی ہیں یا بغیر سوچے سمجھے......؟ بجائے اس کے کہ آپ اپنے بیٹے کا گھر

تباہ ہوتے ہوئے دیکھ کر اسے بچانے کی کوشش کرتیں کجا کہ آپ اس کی دوسری شادی کا پروگرام بنا رہی ہیں اور وہ بھی عائلہ کے ساتھ......؟ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا......"

"میں تو صرف آپ کی اور عائلہ کی وجہ سے کہہ رہی تھی...... آپ کی بھی یہی خواہش تھی اور شاید عائلہ کی بھی...... جو وہ ابھی تک......" وہ کہتے کہتے خود ہی رک گئیں...... ان کا لہجہ بجھا ہوا تھا...... پھر دوبارہ بولیں۔

"میں نے تو ابھی سلمان سے بھی کچھ نہیں پوچھا ہے۔"

"پوچھیے گا بھی مت...... اب سلمان کے لیے ایمان کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے...... اور جہاں تک میری خواہش کا معاملہ ہے وہ وقت کے ساتھ ساتھ ختم ہو چکی ہے۔ عائلہ میری بیٹی ہے...... اس کی شادی کا فیصلہ میں کروں گا اور وہ اس فیصلے کو مانے گی...... یہ میرا یقین ہے......" انہوں نے پُریقین لہجے میں کہا۔

"آپ نے ایمان سے رابطہ کرنے کی کوشش کی؟" ارسلہ نے کچھ سوچ کے پوچھا۔

"آپ کا خیال ہے کہ میں ہاتھ پہ ہاتھ دھر کے بیٹھا ہوا ہوں......؟ اگر وہ اپنے فلیٹ پر ہوتی تو میں کب کا اس سے رابطہ کر چکا ہوتا...... وہ وہاں نہیں ہے اور اس کے پڑوس میں سے کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں گئی ہے...... اس نے پرانے اسپتال سے جاب بھی ختم کر دی ہے...... ایان کا اسکول بھی بدل گیا ہے...... اسے ڈھونڈنے میں وقت تو ہو رہی ہے مگر یہ کام ناممکن نہیں...... درمیان میں میری طبیعت اتنی خراب نہ ہوتی تو یہ کام میں پہلے ہی کر چکا ہوتا......" انہوں نے افسردہ لہجے میں کہا۔

"ایان بہت حساس بچہ ہے...... سلمان کو کم از کم بیٹے سے رابطہ رکھنا چاہیے تھا۔" ارسلہ نے افسوس بھرے انداز میں کہا۔

"مجھے بھی سب سے زیادہ فکر اسی کی ہے۔" انہوں نے بھی سر ہلایا۔

"سلمان کچھ کھل کے نہیں بتاتا...... اسے ایمان پہ غصہ ہے، اپنی بات رد کیے جانے کا ملال ہے...... شاید وقت کے ساتھ اس غصے میں کمی آ جائے؟" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولیں۔

"جو لوگ کسی دوسرے کی رائے کو اہمیت نہیں دیتے، جو اپنے بزرگوں کی بات رد کر دیتے ہیں انہیں زندگی میں اپنے پاس اتنا حوصلہ ضرور جمع رکھنا چاہیے کہ جب کبھی کسی مقام پر ان کی بات کو رد کیا جائے اور ان کے فیصلے سے انحراف کیا جائے تو وہ اسے برداشت کر سکیں۔ اس طرح میدان چھوڑ کے نہ بھاگیں......" ان کے لہجے میں ایک دم پرانا فوجی دبدبہ لوٹ آیا...... ارسلہ نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

"نہ جانے دونوں کے درمیان کیا چل رہا ہے۔" انہوں نے اکتا کر کہا۔

"عائلہ کے لیے تو میں نے فیصلہ کر لیا ہے...... میجر شاہنواز سے بہتر کوئی نہیں......" بریگیڈیر وقاص نے قدرے نرم آواز میں کہا۔

"مجھے یہی محسوس ہو رہا تھا کہ آپ ایسا ہی کریں گے...... میجر شاہنواز اور بریگیڈیر بخاری کا ذکر گھر میں یونہی تو نہیں ہونے لگا ہے......" انہوں نے شوہر پر گہری نگاہ ڈالی۔

"اور آپ نے سوچا اس سے پہلے کہ میں کچھ کہوں، آپ یہ شوشہ چھوڑ دیں۔" انہوں نے جواباً بیوی پر گہری نگاہ ڈالی۔

"آپ میری نیت پر خواہ مخواہ شک کر رہے ہیں۔ میں نے تو صرف بگڑے ہوئے معاملوں کو سدھارنے کا سوچا تھا۔" وہ خفگی سے بولیں۔

"آپ کی نیت بھلے سے نیک ہو...... مگر اس میں خود غرضی کی جھلک نظر آتی ہے...... چیزوں کو ضرور ٹھیک کریں مگر اس طرح جس میں سب کا فائدہ ہو...... بہرحال میں نے شاہنواز اور بخاری دونوں سے اس رشتے کے بارے میں بات کر لی ہے...... وہ دونوں بخوشی تیار ہیں اب صرف وقار بھائی سے بات کرنی ہے۔" انہوں نے اطمینان سے جواب دیا۔

"اور عائلہ......؟" ارسلہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"عائلہ میری بیٹی ہے، اسے میرے کسی فیصلے پہ ہرگز اعتراض نہیں ہوگا...... مجھے تو صرف شاہنواز اور اس کے والد کی مرضی دریافت کرنی تھی، وہ میں نے کر لی...... میں نہیں چاہتا تھا کہ پہلے عائلہ سے بات کروں اور پھر اگر شاہنواز نہ مانے تو عائلہ کی دل آزاری ہو۔" انہوں نے تفصیل بتائی۔

"خود ہی سب کچھ کرتے رہے اور مجھے بھنک بھی نہیں لگنے دی۔" ارسلہ کے ہونٹوں پر شکوہ مچلا۔

"اس کے لیے معذرت...... مگر میں چاہتا تھا کہ ساری باتیں اچھی طرح سے طے پا جائیں پھر اس کا اعلان ہو......" انہوں نے شانے اچکائے۔

بالکل...... اور میں تو غیر ہوں ناں، شاید پڑوسن ہوں...... مجھے بھلا شامل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ جب شادی طے ہو جائے اور کارڈ چھپ جائیں تو ایک مجھے بھی بھیج دیجیے گا...... آ کے شریک ہو جاؤں گی۔" انہوں نے غصے سے کہا اور کمرے سے باہر نکل گئیں۔ بریگیڈیر وقاص کا قہقہہ دور تک ان کا پیچھا کرتا رہا۔ وہ بڑے دنوں کے بعد خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہے تھے۔

☆☆☆

"تم تو بالکل پنڈی کی ہو کے رہ گئی ہو...... تمہاری شکل دیکھے ہوئے کتنے ماہ گزر چکے ہیں۔ ابھی پھر تم آنے سے انکار کر رہی ہو......" ماما کا غصہ بڑھنے لگا تھا۔

"آپ سمجھنے کی کوشش کریں ناں...... آج کل ڈاکٹرز کی شارٹیج ہو گئی ہے...... میرے ساتھ جو اور تھیں ان کی پوسٹنگ آ گئی وہ چلی گئیں اور ان کی جگہ جو پوسٹ ہوئی ہیں وہ ابھی تک پہنچی نہیں...... ایسے میں بھلا مجھے چھٹی کیسے ملے گی......؟" اس نے دہائی دی۔

"تو وہ کیوں نہیں پہنچی بھئی...... اسے بلوائیں ناں......" ماما نے جرح کی۔

"وہ بے چاری اس لیے نہیں پہنچ پائی کہ اس کی ریلیف نہیں پہنچی ہے...... اور وہاں کے سی ایم ایچ والے اسے نہیں چھوڑ رہے ہیں۔" عائلہ نے ماں کو سمجھایا۔

"بھئی یہ تو کڑی سے کڑی ملی ہوئی ہے اور خواہ مخواہ کی مصیبت تمہاری۔" ماما کو پھر غصہ آ گیا۔

"امی نوکری میں ایسے مراحل آتے رہتے ہیں...... پھر فوج کی نوکری میں اصول و ضوابط تھوڑے زیادہ ہی سختی کے ساتھ منوائے جاتے ہیں...... بہرحال آپ پریشان مت ہوں...... دو یا تین ہفتوں میں بہتری کی امید ہے۔" اس نے ماں کو دلاسہ دیا۔

"تمہیں ہی شوق تھا اس پابندیوں میں جکڑی نوکری کو کرنے کا...... گھر سے دور، ماں باپ سے دور...... کسی آوارہ پتے کی طرح بے یار و مددگار یہاں وہاں ڈولتی رہتی ہو...... میرا دل جلتا ہے عائلہ تمہیں دیکھ کر...... شاید میں سکون سے مر بھی نہ سکوں......" ماما کی آواز بھرا گئی۔

"ماما پلیز...... کیا ہو گیا ہے آپ کو...... خود کو سنبھالیں۔" عائلہ گھبرا گئی۔

"میں ہی سنبھالوں خود کو...... تم کچھ نہ کرنا...... اپنی ساری زندگی ایسے ہی برباد کر لینا...... کچھ نوکری کے پیچھے اور کچھ چاچو کے پیچھے......" ماما نے غصے میں فون بند کر دیا۔

وہ حیرانی اور دکھ سے اپنے سیل فون کو دیکھتی رہ گئی۔ ٹی بریک ختم ہو گیا تھا...... وہ تھکے تھکے قدموں سے کلینک کی طرف بڑھ گئی۔

"ایکسکیوزمی۔"

اس نے چونک کر پیچھے دیکھا۔

میجر شاہنواز اس سے چند قدموں کے فاصلے پر تھے اور اس کی طرف آ رہے تھے۔ وہ رک گئی اور حیرت سے انہیں دیکھنے لگی۔

"السلام علیکم......" ان کا لہجہ خوشگوار تھا۔

"وعلیکم السلام......!" وہ جیسے اپنے خیالات کی دنیا سے باہر آئی۔

"میں نے سوچا کہ آپ کو تو توفیق نہیں ہوگی...... میں ہی مل لیتا ہوں......" انہوں نے قدرے شوخی سے اس کی طرف دیکھا۔

"یہ انہیں اچانک کیا ہو گیا ہے؟" اچھے خاصے سنجیدہ بلکہ کسی حد تک اکھڑ، مغرور شخص، جسے اس نے کبھی ہلکے پھلکے بے تکلفی والے انداز میں نہیں دیکھا۔ اس وقت ایک مختلف انداز میں سامنے کھڑا تھا۔

اس کا دل چاہا کہ وہ کہے۔ "آپ سے کس خوشی میں ملتی......؟ میرا ڈیپارٹمنٹ دوسرا ہے آپ کا کچھ اور...... میں جونیئر آپ سینئر...... پھر بھلا ہمارے درمیان ایسی کون سی بے تکلفی کی فضا تھی جو میں آپ کے در پر حاضری دیتی......؟" لیکن خود پہ کنٹرول کرتے ہوئے

بولی۔ ''کوئی کام تھا سر......؟''

''کام...... انہیں کام کیوں ہوگا...... بس آپ ایک دفعہ کے بعد نظر ہی نہیں آئیں...... حالانکہ میں کئی دفعہ سر کی طرف گیا ہوں......'' انہوں نے مسکرا کر کہا۔ سر سے ان کی مراد بریگیڈیر وقاص تھے...... ''انکل'' سے ''سر'' تک کا سفران کی میچوری کا کمال تھا۔

''بس ایک دو دفعہ تو گئی ہوں اس کے بعد بھی...... زیادہ نہیں جا سکی کیونکہ آج کل اسپتال ہی میں مصروفیت بہت زیادہ ہے۔ آپ کو تو پتا ہی ہے۔'' اس نے قدم آگے بڑھائے اور میجر شاہنواز اس کے ساتھ ہی چلنے لگے۔

اسے ہلکی سی کوفت کا احساس ہوا...... ''دراصل میں...... فی الحال اکیلی ہی ہوں او پی ڈی میں...... اور رش بہت زیادہ ہے۔'' اس نے بات مکمل کی۔

''بالکل میں جانتا ہوں...... اسپتال میں آپ کی فرض شناسی کے بہت چرچے ہیں۔'' انہوں نے تعریفی نگاہ اس پر ڈالی۔

اس نے جواباً کچھ نہ کہا...... کاریڈور سے گزرتے ہوئے اپنی کلینک کے دروازے پہ وہ رک گئی۔

''اب یہ میرا پیچھا کیوں نہیں چھوڑ رہے ہیں؟'' اس نے جھنجلا کے سوچا۔

''آپ یقیناً یہ سوچ رہی ہوں گی کہ میں آپ کا پیچھا کیوں نہیں چھوڑ رہا ہوں۔'' اس نے جیبوں میں ہاتھ ڈال کر مسکرا کر کہا۔

عائلہ اس قدر درست مائنڈ ریڈنگ پر چونک گئی اور گڑبڑا کر بولی۔

''اوہ سوری...... شاید میں جلدی کی وجہ سے آپ کی بات بغور نہیں سن سکی...... اصل میں کام کا پریشر......'' اس کی بات میجر شاہنواز نے اچک لی۔

''کوئی بات نہیں...... مجھے صرف اتنا کہنا تھا کہ اس بار لانگ ویک اینڈ پر آپ اپنے چاچو کے گھر ضرور جائیے گا...... ہوسکتا ہے میں بھی آپ کو وہیں ملوں۔''

''جی......!'' اس نے حیرانی سے ان کی طرف دیکھا۔

''جی...... او کے بائے......'' وہ جس طرح حیران کرتا ہوا اس کے ساتھ یہاں تک آیا تھا ویسے ہی حیران و پریشان چھوڑ کے چلا گیا۔

پہلے ماما کی باتوں نے پھر شاہنواز کی اس حرکت نے اس کا ذہنی سکون درہم برہم کر دیا تھا...... وہ غائب دماغی سے اپنی سیٹ پر جا کے بیٹھ گئی...... مریضاؤں کی طویل قطار اس کی منتظر تھی...... اس نے اپنے حواس جمع کرنے کی کوشش شروع کر دی۔

☆☆☆

بابا کی بیماری کی وجہ سے اس نے اسپتال قدرے دیر سے جوائن کیا...... مگر جب کیا تو اندازہ ہوا کہ آوے کا آوا بگڑا ہوا ہونا کسے کہتے ہیں...... گو کہ ڈاکٹر زید کا اسپتال بہت سارے دیگر اسپتالوں سے بہت بہتر تھا مگر سلمان کو تو باہر کام کرنے کا مزہ ملا ہوا تھا وہ چھوٹی چھوٹی چیزوں پر چڑ جاتا...... ایک پرائیویٹ اسپتال ہونے کے ناتے یہاں کے چارجز کافی زیادہ تھے اور اسی مناسبت سے وہاں پیسے والوں کی پہنچ ہی ممکن تھی...... لیکن نہ جانے کیوں اسے قدم، قدم پر یہ احساس ہو رہا تھا کہ کسی ہیلتھ انسٹیٹیوٹ کے بجائے کسی کاروباری ادارے میں کام کر رہا ہو...... مریضوں کا عدم تعاون، انتظامیہ کی بے پروائیاں، ڈاکٹرز کی کوتاہیاں، ناقص اور غیر معیاری ادویات اور سب سے بڑھ کر ہر چیز کے آسمان تک پہنچے ہوئے چارجز...... وہ جب ترقی یافتہ ممالک کے اسپتال کا مقابلہ یہاں کے اسپتالوں سے کرتا تو اسے افسوس کے ساتھ ساتھ شرمندگی بھی ہوتی۔ کچھ چیزیں تو بس سے باہر تھیں مگر کچھ چیزیں جو ٹھیک ہو سکتی تھیں وہ اس نے ٹھیک کرنے کی کوششیں شروع کر دیں...... وہ بے تحاشا مصروفیت کا شکار ہو گیا تھا...... گھر بس سوتے ہی کے لیے جا پاتا...... باقی دنیا میں کیا چل رہا تھا اسے اس کی خبر نہیں تھی۔ اس رات بھی وہ گھر پہنچا...... بابا سو چکے تھے...... امی جاگ رہی تھیں...... وہ بے چاری جب تک اپنے سامنے اسے کھانا نہ کھلا لیتیں انہیں چین نہیں آتا تھا۔

''اوہ...... آپ ٹیبل پر کھانا رکھ کے سو جایا کیجیے...... میں جب آؤں گا، کھا لوں گا......'' اس نے شرمندگی سے کہا۔

''ٹھنڈا کھانا؟'' وہ مسکرائیں۔

''فیض سے کہہ دیا کریں......'' اس نے جلدی سے

کہا۔

''فیض نیند کا کچا ہے...... دیر تک جاگ نہیں سکتا...... زبردستی جاگے گا تو صرف کھانا نکالنے میں نہ جانے کتنے برتن توڑے گا......'' انہوں نے کھانا ٹیبل پر لگاتے ہوئے جواب دیا۔

''تو ٹھیک ہے، آئندہ سے میں کھانا باہر ہی کھا لیا کروں گا......'' اس نے سالن نکالتے ہوئے جواب دیا۔

''کیوں...... گھر کے ہوتے ہوئے تم کھانا باہر کیوں کھاؤ گے......؟ سلمان ویسے تو یہ کام بیویوں کے آنے کے بعد ان کے ہی کرنے کے ہوتے ہیں...... مگر بیوی نہیں ہے تو کیا ہوا، ماں تو ابھی زندہ ہے ناں......'' انہوں نے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ نوالہ منہ کی طرف لے جاتے ہوئے اس کا ہاتھ لمحے بھر کو ساکت ہوا۔

''بیوی...... بیوی اور بچہ......'' پچھلے چند ماہ میں اسے ان کی یاد تک نہیں آئی تھی۔ نہ جانے انہوں نے جان بوجھ کے بیوی کا تذکرہ چھیڑا تھا یا اتفاقاً ایک بات کہہ دی تھی۔ اس نے خاموشی سے نوالہ منہ میں ڈال لیا اور ہلکے، ہلکے چبانے لگا...... اسے اس وقت یوں محسوس ہو رہا تھا کہ لگی ہوئی بھوک ایک دم غائب ہو گئی ہو۔

''آج پچیس تاریخ تھی...... ایان کی سالگرہ......'' ارسلہ ایک دم بولیں۔

''جی......'' وہ بے دھیانی کے عالم میں بولا۔

''تم نے ایان کو وش کیا......؟'' انہوں نے اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''وش......؟'' وہ چونکا۔

''یا پھر تمہارے پاس بھی ان لوگوں کا کانٹیکٹ نمبر نہیں ہے۔'' وہ طنز سے بولیں۔ وہ خاموش رہا۔

''سلمان...... تمہیں میں نے کتنی دفعہ کہا کہ تم میری ایمان سے اور ایان سے بات کروا دو، تم ٹالتے رہے...... تمہارے بابا نے تم سے ایمان کا نمبر مانگا تم نے بہانے بنا دیے۔ تمہیں یہاں آئے سات ماہ ہونے کو ہیں مگر کوئی بات واضح نہیں ہو رہی۔'' انہوں نے بالآخر پوچھ لیا۔

''امی...... یہ کون سا وقت ہے اس موضوع کو چھیڑنے کا۔'' اس نے کھانے سے ہاتھ روک کے پانی کے گلاس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

''آج سارا دن تمہارے بابا ایان کو یاد کرتے رہے ہیں...... پچھلی سالگرہ پہ اس نے دادا سے بہت ساری فرمائشیں کی تھیں جو انہوں نے پوری بھی کی تھیں اور اس سال...... اس سال وہ پوتے کو فون پر مبارک باد بھی نہیں دے سکے...... نہ ہی ان لوگوں کا کوئی فون آیا۔ تم کھل کے بتاتے کیوں نہیں......'' وہ زچ ہو کے بولیں۔

''کھل کے کیا بتاؤں......؟ جب مجھے خود ہی کچھ پتا نہیں۔'' وہ ایک دم پھٹ پڑا۔

''کیا مطلب......؟'' انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

''مطلب یہ امی کہ ہمارے رشتے میں بہت بڑا خلا آ چکا ہے۔ میں نہیں جانتا کیا ہونے والا ہے...... دیکھیں، میں آپ کو شروع سے بتاتا ہوں...... آپ لوگوں کی تنہائی اور بابا کی بیماری کی وجہ سے میں نے پاکستان شفٹ ہونے کا فیصلہ کیا...... ایمان نے اس کی مخالفت کی...... میں اس کے باوجود بھی یہاں آ گیا...... یہ سوچ کے کہ ایمان کتنی مزاحمت کرے گی...... ایک دو ماہ کے بعد بالآخر ہار مان لے گی...... مجھے اس کی محبت پر خواہ مخواہ ہی یقین تھا...... مگر اس نے کیا، کیا......؟ اس نے میرا گھر چھوڑ دیا...... اپنا سیل نمبر تبدیل کرا لیا...... میں نے اس کے بارے میں پتا کروایا تو معلوم ہوا کہ وہ اپنی ماں کے ساتھ رہ رہی ہے۔ اس نے مجھے ایک دفعہ بھی یاد نہیں کیا...... ایک دفعہ بھی کال نہیں کی...... اور میرے لیے اس تک پہنچنے کے سارے راستے بند کر دیے...... اس کا کیا مطلب ہے......؟'' وہ رک رک کر کہتا گیا...... اس کی آواز میں دکھ تھا۔

''وہ کیا چاہتی ہے......؟'' ارسلہ کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

''صاف نظر آ رہا ہے...... وہ مجھے زیر کرنا چاہتی ہے...... ہرانا چاہتی ہے...... اور یہ میں ہونے نہیں دوں گا......'' وہ غصے سے بولا۔

''ایان کا سوچو سلمان......'' ارسلہ نے اسے سمجھایا۔

''ایان میرا بیٹا ہے، میرا ہی رہے گا...... لیکن ایمان نے میرے دل میں اپنی محبت کھو دی ہے۔'' وہ خفگی سے

بولا۔

”رشتے ایسے نہیں ٹوٹتے...... کچھ بھی ہے...... وہ تمہاری بیوی تو ہے...... طلاق تو نہیں دی ہے تم نے...... اگر اس رشتے کو قائم نہیں رکھنا چاہتے تو پھر سارے سلسلے ختم کردو...... طلاق دے دو اس کو اور اپنے بیٹے کو اپنے پاس بلوالو...... اس طرح معاملے کو مت لٹکاؤ......“ انہوں نے بیٹے کے شانوں کو تھپتھپایا۔

”طلاق......؟“ وہ حیرت سے بولا۔

”سلمان تم پاکستان میں شادی کرلو...... اپنی زندگی برباد مت کرو......“ وہ پھر بولیں۔

”یہ ممکن نہیں ہے۔“ وہ ایک دم کھڑا ہوگیا۔

”کیوں ممکن نہیں ہے......؟ بس میں نے کہہ دیا...... یا تو ایمان کے ساتھ اپنے معاملے کو کوئی حتمی صورت دے دو...... یا یہاں شادی کرلو......“ وہ بھی کھڑی ہوگئیں۔

”ٹھیک ہے امی...... اس موضوع پر کسی اور دن بات کریں گے......“ وہ اکتا کر بولا اور شب بخیر کہتا ہوا تیزی سے زینے کی طرف بڑھ گیا۔

ارسلا اس کی پشت دیکھتی رہ گئیں۔ انہوں نے تہیہ کرلیا تھا کہ اب ہر صورت اس معاملے کو سلجھا کے رہیں گی۔

☆☆☆

میجر شاہنواز نے اسے حیران کرنے کا تہیہ کیا ہوا تھا۔ ان کا ہر روز صبح، صبح اسے پابندی سے سلام کرنا ہی اس کی برداشت کا امتحان تھا...... زیادہ بات چیت تو نہیں ہو پاتی تھی مگر ان کا دیکھنا ہی کافی ہوجاتا تھا...... انتہائی سنجیدہ اور سوبر پرسنیلٹی والے میجر شاہنواز کو ہو کیا گیا ہے، وہ ان کے دیکھتے رہنے پر پزل ہوجاتی...... انہوں نے آنکھوں سے تیر چلانا بلکہ میزائل داغنا کیسے اور کب سیکھ لیا...... وہ ہر بار آمنا سامنا ہونے پہ یہی سوچتی۔ زندگی عجیب سی ہو چلی تھی۔

اسپتال میں مصروفیت حد سے سوا ہوگئی تھی۔ کراچی میں ماما ناراض تھیں...... چاچو کی طرف کچھ مصروفیت کی وجہ سے اور کچھ دانستہ طور پر وہ جا نہیں رہی تھی...... میجر شاہنواز نے الگ ستا رکھا تھا۔ وہ تھک کے چُور ہو کے جب بیڈ پر لیٹتی تو بجائے نیند آنے کے ذہن میں لاتنا ہی سوچوں کا سلسلہ شروع ہوجاتا۔ اسے لگتا وہ بلا مقصد ہی جیے چلی جارہی ہے۔ ”کیا یہ زندگی یونہی گزر جائے گی......؟ ضروری تو نہیں کہ زندگی میں جو چاہا جائے وہ ہو بھی جائے۔ ایسے خوش نصیب لوگ تو کم ہی ہوتے ہیں جو وہ سب کچھ حاصل کرلیتے ہیں جن کی انہیں خواہش ہوتی ہے...... سلمان وقاص جیسے......“ اس نے سوچا۔ لیکن سلمان وقاص کی زندگی کا گورکھ دھندا اسے سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

”نہ جانے بیوی اور بیٹے کو کہاں چھوڑ آئے ہیں؟“ اس نے کروٹ لیتے ہوئے سوچا۔ چاچو سے اسے سلمان اور ایمان کے کسی اختلاف کی ہلکی سی سن گن تو مل گئی تھی مگر وہ تفصیل نہیں جانتی تھی اور نہ ہی اس نے کریدا تھا۔

”مرد سے زیادہ ظالم اور خود غرض اور کون سی مخلوق ہے......؟ اور مرد بھی سلمان جیسا...... جس نے ساری زندگی صرف اپنی خوشیوں اور خواہشات کو مقدم رکھا اور اسے کبھی کسی کا دل رکھنے کا خیال آیا ہی نہیں...... اس بار بھی اسی کی غلطی ہوگی۔“ عائلہ کے دل نے معاملہ جانے بغیر سلمان کے خلاف فیصلہ سنادیا۔

وہ ایمان سے کبھی نہیں ملی تھی...... یہاں تک کہ وہ اسے جانتی بھی نہیں تھی۔ لیکن وہ سلمان کو ضرور جانتی تھی...... بلکہ اچھی طرح جانتی تھی۔ اور جوں، جوں اس کی شخصیت کے اسرار و رموز کھل رہے تھے، عائلہ کی نگاہوں میں وہ اپنا مقام کھوتا جارہا تھا۔

”کیا یہ وہ شخص ہے جس کے کھو جانے پر میں نے اپنی زندگی کے اتنے سال گنوادیے؟“ وہ اب خود سے پوچھنے لگی تھی۔

”صرف اپنی خوشی کے لیے جینے والے لوگوں کی زندگیوں میں بارہا ایسے مقام آتے ہیں جب انہیں اپنی خوشی کو پورا کرنے کے لیے دوسروں کی خواہشات اور خوشیوں کو کچل کے آگے بڑھنا ہوتا ہے اور وہ یہ سب کچھ بڑے آرام سے کرگزرتے ہیں...... ایسے لوگوں پر بھروسا کرنا بے وقوفی ہے......“ عائلہ کو احساس ہوا۔

اگلے دن اسے چاچو کے پاس جانا تھا۔ چاچو نے بطورِ خاص اسے فون پر آنے کے لیے کہا تھا...... کسی خاص

بات کا ذکر بھی کیا تھا۔

”نہ جانے کون سی خاص بات ہوسکتی ہے۔“ اس نے سوچا۔

اسے یاد آیا کہ میجر شاہنواز نے بھی تو اسے اس ویک اینڈ پر چاچو کے گھر آنے کی تاکید کی تھی۔

”کیوں...... یہ کیا راز ہے بھئی...... اس ویک اینڈ پر کیا ہونے جارہا ہے۔“ اس نے دوبارہ کروٹ بدلی...... سوچتے، سوچتے اس کی پلکیں نیند سے بوجھل ہونے لگی تھیں...... وہ فوراً ہی نیند کی وادیوں میں اتر گئی...... نیند سے پہلے اس کے تصور کے پردوں میں آخری تصویر شاہنواز کی تھی۔

☆☆☆

ایان کی آٹھ سالہ زندگی کی یہ پہلی سالگرہ تھی جب اس کا باپ اس کے ساتھ نہیں تھا...... صرف ساتھ ہی نہیں تھا بلکہ اس نے اسے فون پر بھی مبارک باد نہیں دی تھی۔ اس نے کیا سوچا ہوگا......؟ وہ خفا ہوا ہوگا...... یقیناً خفا ہی ہوا ہوگا...... اس کی اور ایمان کی انا کی اس جنگ میں اس معصوم بچے کا کیا قصور ہے......؟ سلمان نے پاکستان آنے کے بعد پہلی مرتبہ ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچا۔

”لیکن ساری کی ساری غلطی میری تو نہیں...... ایمان کو اس طرح رابطے منقطع کرنے کی کیا ضرورت تھی؟“ اس نے کوفت محسوس کی۔

”کیا کروں...... کیا واپس انگلینڈ جا کر ایک کوشش اور کر کے دیکھ لوں......؟ پھر آر یا پار...... اگر ایمان نہیں مانی تو اس بار سارے رشتے ختم کر آؤں گا...... اور اپنے بیٹے کو بھی ساتھ لے آؤں گا......“ بیٹے کی یاد آئی تو خون جوش مارنے لگا...... اور وہ ایک فیصلے پر پہنچ گیا۔ یہ اور بات کہ ایمان کے لیے اب بھی اس کا غصہ برقرار تھا۔

☆☆☆

چاچو کے گھر جانے کے کئی طریقے ہوا کرتے تھے...... کبھی چاچو اسے ڈرائیور اور گاڑی بھیج کے بلوا لیتے...... کبھی وہ خود ٹیکسی پر چلی جاتی...... سلمان کے آنے کے بعد ایک آدھ دفعہ وہ اسے لینے آگیا تھا...... اور یہ عائلہ کو سب سے زیادہ برا لگا تھا...... اس مسئلے کا حل یہی تھا کہ اس کے اپنے پاس بھی گاڑی ہوتا کہ وہ کسی کے اوپر انحصار نہ کرے۔

یہ کوئی مشکل کام تو نہیں تھا...... اس نے اپنی گاڑی خرید لی...... گو چھوٹی کار تھی مگر برانڈ نیو تھی...... اپنی کمائی سے خریدی ہوئی کار دیکھ کر اسے یک گونہ اطمینان محسوس ہوا اس مرتبہ وہ خود ڈرائیو کرتی ہوئی چاچو کے گھر روانہ ہوگئی۔ اس سے پہلے کہ میجر شاہنواز اسے کال کر کے اپنے ساتھ لے جانے کی آفر کرتے اس نے یہی مناسب سمجھا کہ وہ نکل جائے...... لیکن وہ اسے حیران کرنے پر تلے تھے تو بھلا کوئی موقع کیسے ہاتھ سے جانے دیتے۔

وہ چاچی کے گھر پہنچی تو گیارہ بج رہے تھے اس نے ہارن دیا...... فیض نے دروازہ کھولا۔

”اوہ...... نئی گاڑی...... مبارک ہو باجی۔“ اس نے کار دیکھ کر خوشی سے باچھیں پھیلائیں وہ کار ڈرائیو وے پر کھڑی کرتی ہوئی باہر آئی۔

”شکریہ......“ اس نے مسکرا کے فیض سے کہا۔

گیٹ پہ ہارن کی آواز سے وہ چونک اٹھی۔ ”اس وقت کون آگیا؟“ اس نے چونک کر اُسی طرف دیکھا۔ فیض نے دوبارہ گیٹ کھول دیا۔

میجر شاہنواز کی گاڑی اندر داخل ہوگئی۔

”ہائیں......“ اس نے بہ مشکل اپنے حیرت سے کھلتے ہوئے منہ کو بند کیا۔ دوسرا جھٹکا اسے تب لگا جب میجر شاہنواز کے ساتھ چاچو بھی گاڑی سے اترتے دکھائی دیے۔

”چاچو آپ صبح، صبح کہاں گئے تھے...... طبیعت تو ٹھیک ہے ناں آپ کی؟“ وہ گھبرا کے ان کے نزدیک آتے ہوئے بولی۔

”طبیعت تو سو فیصد ٹھیک ہے...... یہ دیکھو......“ انہوں نے سینہ تان کے ہاتھ پھیلائے۔ ان کے اس طرح کہنے پر عائلہ نے بغور جائزہ لیا۔ وہ واقعی ہشاش بشاش نظر آرہے تھے...... عائلہ کی نگاہ فیض پر پڑی۔ جو کار کی ڈکی سے گالف کٹ نکال کر گھر کے اندر کی طرف بڑھ رہا تھا۔

چاچو نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"بھئی آج شاہنواز کا موڈ گالف کا ہو رہا تھا سو وہ مجھے بھی اپنے ساتھ لے گیا...... بڑے عرصے کے بعد گالف کورس میں قدم رکھا...... مزہ آ گیا......" انہوں نے خوش ہو کے بتا دیا۔

"آپ نے زیادہ exertion تو نہیں کی؟" عائلہ نے تشویش کے عالم میں انہیں دیکھا۔

"ارے نہیں بھئی، دو چار سے زیادہ شاٹس لگانے نہیں دیے صاحبزادے نے...... زیادہ تر میں گالف کورس کے سرسبز و شاداب ماحول اور تازہ ہوا ہی سے لطف اندوز ہوا ہوں......" وہ جلدی سے بولے۔

میجر شاہنواز اس گفتگو کے دوران جیبوں میں ہاتھ ڈالے خاموشی سے کھڑے رہے۔

"زبردستی پوز مارنے کی کوشش......" عائلہ نے جل کے سوچا۔ وہ ان سے دامن بچا کے بھاگی تھی اور وہ اس سے پہلے وہاں موجود......

"چلو بھئی اندر چلو...... یہاں کیوں کھڑے ہو تم لوگ......" بریگیڈیر وقاص نے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا...... اس کے ساتھ ہی ان کی نظر عائلہ کی کار پر پڑی۔

"کون آیا ہے...... یہ کس کی گاڑی ہے......؟" وہ چونکے۔

"یہ میڈم کی کار ہے...... پرسوں انہوں نے شوروم سے نکلوائی ہے...... کل اس کی خوشی میں سب کو مٹھائی کھلائی ہے...... سوائے میرے...... اور آج خود ڈرائیو کرتی ہوئی یہاں تشریف لائی ہیں۔" میجر شاہنواز نے مسکراتے ہوئے اس پر ایک گہری نگاہ ڈالی۔

"پل، پل کی خبر ہے موصوف کو......" وہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کے رہ گئی۔

"ارے واہ...... مبارک ہو بھئی......" چاچو نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے خوش دلی سے کہا۔

"مگر سر ان سے یہ تو پوچھیں، انہوں نے مٹھائی سب کو کھلائی تو میں نے کیا قصور کیا تھا......؟" شاہنواز کے لہجے میں شرارت بھری ہوئی تھی۔

عائلہ کا دل چاہا کہ کوئی کرارا سا جواب دے...... مگر اس کے سینئر ہونے کا لحاظ آڑے آ گیا۔

"مجھے معلوم تھا سر آپ مجھے یہاں ملیں گے، اس لیے آپ کے حصے کی مٹھائی میں یہاں لے آئی ہوں۔" وہ قدرے چبا کے بولی۔

"اوہو شکریہ، شکریہ......! اس عزت افزائی کا کہ آپ نے مجھے اپنے خصوصی لوگوں میں شامل کیا۔" وہ مسکرایا۔

"چلو بھئی...... تمہاری چاچی نے مزیدار سے ناشتے کا اہتمام کر رکھا ہوگا...... ناشتا کیا اب تو لنچ ہی کریں گے اور اس کے بعد عائلہ کی لائی ہوئی مٹھائی کھائیں گے۔" بریگیڈیر وقاص نے اندرونی دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا، وہ چاچو کے ساتھ آگے بڑھی۔ میجر شاہنواز ان کے پیچھے، پیچھے تھے۔

☆☆☆

"پرپوزل تو بہت اچھا ہے۔" سعدیہ کی آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھیں۔

"میں نہ کہتا تھا کہ خدا کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں...... دیکھو وقاص نے اس کی محبت کا حق ادا کر دیا...... شاہنواز، سلمان سے ہر اعتبار سے بہتر ہے...... چند مہینوں میں پروموٹ ہو کر لیفٹیننٹ کرنل بن جائے گا...... کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق ہے...... وقاص کے بہت پرانے جاننے والے ہیں......" وقار کے چہرے پر بھی اطمینان تھا۔

"بس اب عائلہ کوئی گڑبڑ نہ کرے...... پہلے بھی اچھے، اچھے رشتوں کو منع کر چکی ہے۔" سعدیہ کے لہجے میں اندیشے تھے۔

"عائلہ سے بات کرنے کی ذمے داری بھی وقاص نے لے لی ہے...... بس اب دعا کرو کہ سب کچھ خوش اسلوبی سے ہو جائے۔" وہ آہستہ سے بولے۔

"رشتہ طے ہو جائے گا تو چٹ منگنی پٹ بیاہ کر دیں گے۔ کتنا اچھا ہوگا دونوں ایک ساتھ ہوں گے...... ایک ساتھ پوسٹنگ ہو جائے گی اور ایک ہی اسٹیشن پر رہیں گے...... وقار صاحب اس سے زیادہ اطمینان بخش اور کون سی بات ہوگی ہمارے لیے......" سعدیہ کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"کچھ رشتے ایسے طے ہوتے ہیں کہ لڑکا اور لڑکی کو دیکھ کر صرف ایک ہی جملہ ذہن میں آتا ہے کہ وہ دونوں ایک دوسرے ہی کے لیے بنے ہیں......" وقار مسکرائے۔

"باقاعدہ رشتہ کب آئے گا......؟" وہ بے تابی سے بولیں۔

"شاید ایک آدھ ہفتے میں بات آگے بڑھے گی...... وقاص نے مجھے کل فون کیا تھا تو وہ کہہ رہا تھا کہ بریگیڈیر بخاری کو میرا نمبر دے دیا ہے۔" انہوں نے بتایا۔

سعدیہ کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی نظر آنے لگیں...... ان کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ اور آنکھوں میں نمی تھی...... ایک ماں کا دل بیٹی کی خوشیوں کے لیے دعا گو تھا لیکن انجانے خدشات سے متفکر بھی...... یہی صورتِ حال وقاص کی بھی تھی...... عائلہ کی شادی ان کی ایک بہت بڑی خواہش کے ساتھ ساتھ ذمے داری بھی تھی۔

☆☆☆

"برنچ تو ہو گیا اب یہ جا کیوں نہیں رہے ہیں...... کیا سارا دن یہیں گزاریں گے یہ؟" عائلہ نے میجر شاہنواز کو چاچو کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھ کے گپیں لگاتے دیکھ کر کوفت کے عالم میں چاچی سے پوچھا...... یہ اور بات تھی کہ بول صرف بریگیڈیر وقاص ہی رہے تھے...... میجر شاہنواز مؤدب ہو کے ان کے زمانے کے قصے سنتے چلے جا رہے تھے۔

"کیوں تمہیں اس کا بیٹھا رہنا برا لگ رہا ہے کیا......؟" وہ مسکرائیں۔

"مجھے برا تو نہیں لگ رہا...... مگر وہ چاچو کے پاس قبضہ جما کے بیٹھ گئے ہیں...... مجھے بھی تو چاچو سے بات چیت کرنی تھی۔" وہ شاکیانہ بولی۔

"تو تم بھی جا کے بیٹھ جاؤ۔" چاچی نے اسے چھیڑا۔

"جی نہیں...... یہ چلے جائیں گے...... پھر میں چاچو کے پاس جا کے بیٹھوں گی۔"

"گھر آئے مہمان کو کمپنی تو دینی ہے ناں...... آج تو ہفتے کا دن ہے...... سلمان کا آف نہیں ہوتا وہ اسپتال گیا ہوا ہے اور مجھے کچن دیکھنا ہے...... ویسے بھی تمہارے چاچو کو کوئی فوجی اور وہ بھی جونیئر مل جائے تو بہت خوش ہوتے ہیں...... ان کے پاس واقعات اور تجربات کا ایک ذخیرہ ہے جو وہ اپنی فیلڈ کے لوگوں ہی کو سنا کے خوش ہوتے ہیں۔" چاچی نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ یہ محفل اب جلد برخاست نہیں ہونے والی...... چلیں پھر میں آپ کے ساتھ کچن میں ہیلپ کروا دیتی ہوں...... کیا بنانے جا رہی ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"تمہارے چاچو پرہیزی کھانا کھا، کھا کے بور ہو چکے ہیں...... آج ان کے لیے ہلکے مسالے والی کوئی ڈش بناؤں گی اور تم کیا کھاؤ گی اپنی پسند بھی بتا دو۔" وہ کیبنٹ میں کچھ ڈھونڈتے ہوئے بولیں۔

"میری پسند کو رہنے دیں چاچی پہلے یہ بتائیں کہ کیا وہ موصوف رات کا کھانا کھا کے ہی تشریف لے جائیں گے؟" وہ چڑ کے بولی۔

"جی نہیں...... موصوف تشریف لے جا رہے ہیں...... رات کا کھانا پھر کبھی سہی۔" عائلہ کی پشت پر آواز ابھری اور وہ بلا مبالغہ کئی انچ اچھل پڑی...... امریکن اسٹائل اوپن کچن کا یہی نقصان ہوتا ہے...... وہ کب لاؤنج سے اٹھ کر وہاں آیا اسے خبر ہی نہیں ہوئی...... اور اب اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہے...... وہ رنگے ہاتھوں پکڑی گئی تھی اور اب شرمندگی کے عالم میں فرش کو گھور رہی تھی۔

"اوکے آنٹی...... بس آپ سے اجازت لینے آیا تھا...... برنچ کا بہت شکریہ......" اب وہ چاچی کو مخاطب کر کے بولا۔

چاچی ہاتھ میں مسالے کا ڈبا پکڑے ہلکی سی شرمندگی کے عالم میں کھڑی تھیں...... اس نے عائلہ کی بات سن لی...... تو کیا سوچتا ہوگا......؟ عائلہ شاید ناواقف تھی مگر وہ تو جانتی تھیں کہ اب شاہنواز سے کیسا تعلق ہونے جا رہا تھا...... انہوں نے شاہنواز کا چہرہ دیکھا جس پر ہمیشہ کی شرارت کی جگہ سنجیدگی تھی۔

"اوہ بیٹا شکریے کی کیا بات ہے...... تمہارا اپنا گھر ہے میں تو کہتی ہوں کہ رک جاؤ، ڈنر کے بعد ہی جانا......"

وہ جلدی سے بولیں۔

”نہیں آنٹی، مجھے ایک ضروری کام ہے چلتا ہوں۔“ وہ کہتے ہوئے مڑنے لگا۔

”شاہنواز......“ ارسلہ نے اسے جلدی سے پکارا۔

”جی آنٹی...... بیٹا تمہاری آمد کا بہت شکریہ...... بریگیڈیر صاحب تمہارے آنے، تم سے ملنے اور باتیں کرنے سے بہت خوش ہوتے ہیں...... آتے رہا کرو۔“ انہوں نے محبت سے کہا۔

”جی ضرور......“ وہ اس دوران پہلی بار مسکرایا اور عائلہ کو نظر انداز کرتے ہوئے ارسلہ کو خدا حافظ کہہ کر نکل گیا۔

”بہت بری بات ہے......“ اس کے جاتے ہی ارسلہ، عائلہ کو خفگی سے دیکھ کر بولیں۔

”سوری چاچی، مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ یہاں آجائیں گے۔“ وہ شرمندگی سے بولی۔

”تم اتنا چڑتی کیوں ہو شاہنواز سے...... اس نے کیا بگاڑا ہے تمہارا......؟“ وہ جرح کرتے ہوئے بولیں۔

”میرا کیا بگاڑیں گے وہ...... بس بچپن ہی سے عجیب سے مزاج کے ہیں...... غصہ، غرور اور کسی کو کچھ نہ سمجھنا ان کی عادت تھی...... وہی تاثر شاید ذہن میں بیٹھ گیا ہے۔“ وہ جلدی سے بولی۔

”نہیں عائلہ...... شاہنواز بہت بدل گیا ہے...... اس میں بہت سمجھداری اور میچورٹی آئی ہے...... اس کے اخلاق اور رکھ رکھاؤ میں تو بہت نمایاں بہتری آئی ہے...... اور ظاہر ہے پہلے وہ بچہ تھا اب ایک سمجھدار مرد ہے...... تم بھی کب کی باتیں یاد کر کے بیٹھی ہو......“ انہوں نے عائلہ کو سمجھایا۔

”عائلہ......!“ چاچو کی آواز ابھری۔

”جی چاچو......“ وہ چونک کے مڑی۔

”اِدھر آؤ...... میرے پاس بیٹھو آکے......“ انہوں نے کہا۔ وہ مرے مرے قدموں سے ان کے پاس پہنچی۔

”کہاں ہو بھئی......؟“ وہ اسے دیکھ کر مسکرائے۔

”اِدھر ہی ہوں......“ وہ خاموشی سے ان کے سامنے جا بیٹھی۔

”کیا ہوا...... میری بیٹی اتنی خاموش کیوں ہے آج؟“ انہوں نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

”کچھ نہیں چاچو...... میں کب خاموش ہوں......؟“ وہ زبردستی مسکرائی۔

”تو بھئی اب وہ خاص بات تم سے کرلوں جس کو سوچ، سوچ کے میرا دلِ ناتواں خوشی سے جھوم رہا ہے۔“ وہ ہنس کے بولے۔

”کیسی خاص بات چاچو......؟“ وہ حیرت سے بولی۔

”میں نے تمہارا رشتہ شاہنواز کے ساتھ طے کر دیا ہے۔“ وہ پھر مسکرائے۔

اس کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ بغیر کسی تمہید کے، چاچو کے منہ سے اتنی بڑی بات اچانک سننا اس کے لیے قطعی غیر متوقع تھا۔

”میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ تمہاری شادی شاہنواز بخاری سے ہونا بہت مناسب ہے لیکن تمہاری مرضی بھی شامل ہونا بہت ضروری ہے، تو تم بتاؤ کیا کہتی ہو...... میرا فیصلہ منظور ہے......؟“ وہ بچوں کی طرح پُر جوش ہو کے بولے...... عائلہ نے چاچو کو اتنا زیادہ خوش بڑے طویل عرصے کے بعد دیکھا تھا، وہ ان کی شکل دیکھتی رہ گئی اس کے منہ سے کچھ بھی نہ نکل سکا۔ سب کچھ طے کرنے کے بعد آخر میں اس کی رائے پوچھنے کا بھلا کیا مطلب تھا......؟ ایسے میں چاچی اس کی مدد کو آئیں۔

”ایسے سوال کنپٹی پر پستول رکھ کے پوچھے جاتے ہیں کیا......؟ اسے سوچنے کا موقع تو دیں۔“

”ہاں، ہاں سوچو بھئی ضرور سوچو، سوچ کے مجھے جلدی بتا دینا...... اور یہ ذہن میں رکھنا کہ شاہنواز مجھے پسند ہے۔“ وہ مسکرا کے بولے۔

وہ کچھ نہ بولی صرف سر جھکا کے بیٹھی رہی، وہ جانتی تھی کہ اب اس کی ایک بھی چلنے والی نہیں...... فیض بازار سے کچھ سامان لے کر آیا تھا، چاچی اس کے پیچھے، پیچھے چل دیں...... اور اس کا دل بھی یہی چاہ رہا تھا کہ وہ بھی اٹھے اور منظر سے غائب ہو جائے۔

”جب انسان عمر کی منزلیں طے کرتا ہوا اس مقام تک پہنچتا ہے جہاں ابھی میں کھڑا ہوا ہوں تو بہت ساری چیزوں کی حقیقت کھل جاتی ہے، پیچھے مڑ کے دیکھنے کے بعد اپنی بھی بہت ساری غلطیاں نظر آتی ہیں. لیکن افسوس

ناک بات یہ ہے کہ اس راہ گزر پر پیچھے واپس جانے کا کوئی آپشن موجود نہیں ہوتا، ان غلطیوں پر افسوس تو کیا جاسکتا ہے انہیں سُدھارا نہیں جاسکتا، بس عقل مندی یہ ہے کہ اپنی غلطیوں اور تجربوں سے کچھ سیکھنا چاہیے اور آگے کی زندگی کو بہتر بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔“ وہ سانس لینے کو رکے۔

عائلہ ان کی طرف بغور دیکھ رہی تھی۔

”میں نہیں چاہتا کہ تمہاری زندگی میں کبھی کوئی ایسا لمحہ آئے کہ تمہیں پچھتانا پڑے...... جو چیزیں کبھی زندگی اور موت کا مسئلہ محسوس ہو رہی ہوتی ہیں تھوڑا وقت گزرنے کے بعد سراسر حماقت محسوس ہوتی ہیں۔ تم سمجھ رہی ہو ناں میں کیا کہنا چاہتا ہوں؟“ انہوں نے ایک دم پوچھ لیا اور وہ بری طرح گڑبڑا گئی۔

”جی......“

”گزری ہوئی حماقتوں کو یاد کر کے یا تو انسان ان پر ہنستا ہے یا شرمندہ ہوتا ہے۔ ہنسا تب جاتا ہے جب اس حماقت کی وجہ سے کسی کا کوئی نقصان نہ ہوا ہو اور شرمندگی تب ہوتی ہے جب وہ حماقت کسی آزار کا سبب بن گئی ہو...... مجھے یقین ہے کہ تم آج سے چند سالوں کے بعد اپنی گزری حماقتوں پر ہنس رہی ہوگی، شاہنواز اور اپنے بچوں کے ساتھ۔“

عائلہ ان کے جملوں کے آخری حصے پر گڑبڑا گئی...... اس کے بعد اس سے وہاں بیٹھا نہیں گیا...... ”یہ آج چاچو کو کیا ہو گیا ہے؟“ اس نے وہاں سے اٹھتے ہوئے سوچا۔

☆☆☆

پہلی بار تھا کہ وہ ویک اینڈ پر عائلہ کی موجودگی پر irritate نہیں ہوا۔ وہ عائلہ کا بغور جائزہ لے رہا تھا...... پورے گھر میں آزادی کے ساتھ اِدھر اُدھر گھومتی ہوئی عائلہ گھر کا حصہ محسوس ہو رہی تھی...... کبھی امی تو کبھی بابا کے پاس...... کبھی کسی کام میں مصروف یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اجنبی ہو اور یہ گھر عائلہ کا ہو......“ یہ مقام تو ایمان کا تھا...... اگر وہ میرے ساتھ آگئی ہوتی تو اس وقت عائلہ کی جگہ وہ نظر آتی...... اور ایان...... وہ دادا کے ساتھ بیٹھا ان کے قصے سن رہا ہوتا اور اپنے سنا رہا ہوتا...... یا باہر لان میں میری طرح کرکٹ کھیل، کھیل کر لائٹیں توڑ رہا ہوتا یا بھاگ، بھاگ کے گھاس خراب کر رہا ہوتا...... مگر امی بابا اس کی اس حرکت پر اسے کچھ بھی نہیں کہتے...... جیسے مجھے ہر اسٹیشن پر لان کی گھاس خراب کرنے پر امی سے ڈانٹ سننی پڑتی تھی......“ اس کے لب خواہ مخواہ مسکرا اٹھے...... ایمان کی ضد نے اس گھر کو اس رونق سے محروم کر دیا تھا۔

”اتنے مہینے گزر گئے...... مڑ کے دیکھا بھی نہیں...... خدا جانے میرے بیٹے کو لے کر کہاں غائب ہو گئی ہے ضدی عورت......“ اس کے ہونٹوں سے مسکراہٹ غائب ہو گئی اور دانت غصے میں ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے۔

”تم نے مجھے نیچا دکھایا ہے، اب میں تمہیں نیچا دکھاؤں گا ایمان...... انتظار کرو...... شاید امی ٹھیک ہی کہہ رہی ہیں...... مجھے اپنی زندگی کے لیے کوئی بہتر فیصلہ کرلینا چاہیے...... دوسری شادی...... مگر کس سے......؟ وہ کون ہوگی جو مجھے سمجھ سکے، میرے ماں، باپ کو اپنے ماں باپ سے بڑھ کر عزت دے...... اس گھر کو سنبھال سکے......“ عائلہ بریگیڈیر وقاص کی کسی بات پر زور سے ہنسی...... اس کے مترنم قہقہے نے سلمان کو اس کی سوچوں سے ایک دم باہر نکال دیا۔ وہ زور سے چونکا۔

”عائلہ...... ہاں عائلہ وقار سے بہتر اور کون ہو سکتی ہے......؟ جو بچپن سے میرے گھر کے ماحول میں رچی بسی ہے، جو میرے ماں باپ سے مجھ سے بھی زیادہ محبت کرتی ہے، جو مجھے اور اس گھر کو سنبھال سکتی ہے...... جو بابا کی خواہش ہے...... اور ابھی تک کنواری ہے...... میرے پروپوزل پہ خوشی سے اس کا ہارٹ فیل ہی نہ ہو جائے......“ سلمان کی سوچوں میں ایک دم تکبر اتر آیا...... اس خیال نے اسے مطمئن کر دیا تھا...... وہ ایک فیصلے پر پہنچ گیا تھا۔

☆☆☆

عائلہ کو کسی مُردے کے اچانک زندہ ہونے کی خبر ملتی تو شاید وہ اس قدر حیران نہ ہوتی جتنا وہ اس میسج کو پڑھ کے ہوئی تھی۔ موبائل اس کے بے جان ہاتھوں میں ساکت پڑا تھا اور اس کی آنکھیں پتھرائی ہوئی تھیں۔

''کچھ چیزیں جن کی انسان تمنا کرتا ہے، جن کے لیے ہاتھ اٹھا کے رو رو کے دعا کرتا ہے، کبھی کبھی مل تو جاتی ہیں مگر بہت دیر سے...... اتنی دیر کہ جب ان کی اہمیت اور طلب کی شدت میں کمی آ چکی ہو۔'' یہ پیغام اگر اسے دس گیارہ سال پہلے ملتا تو شاید وہ خوشی سے پاگل ہو جاتی...... مگر اب صرف تکتے میں تھی۔ سلمان نے اسے پروپوز کیا تھا...... انتہائی سادہ انداز میں۔

''تم مجھ سے شادی کرو گی......؟'' اسے لگا شاید سلمان نے اس سے مذاق کیا ہے...... لیکن چند ہی منٹوں کے بعد سلمان کی کال نے اسے ایک دوسرا اجھٹکا دیا۔

''میرا میسج مل گیا......؟'' اس کا انداز نارمل تھا۔

''جی......'' وہ کسی ٹرانس کی حالت میں بولی۔

''میں نے سوچا امی بابا سے بات کرنے سے پہلے تم سے پوچھ لوں...... اگر تمہارا جواب ہاں میں ہے تو یہ کام میں جلد کرنا چاہوں گا۔'' وہ نپے تلے انداز میں بولا۔ اس کے لہجے میں عائلہ کو محبت اور طلب سے بڑھ کر کچھ اور محسوس ہو رہا تھا۔ شاید اس کا لہجہ حاکمانہ تھا...... یا شاید کاروباری اسے کچھ عجیب سا محسوس ہونے لگا اور وہ خاموش رہی۔

''تم سوچ لو...... جواب جلدی دے دینا۔'' اس نے فون بند کر دیا۔

''عائلہ وقار...... وہ خوش نصیبی جس کی تم نے برسوں سے تمنا کی بالآخر تمہارے دروازے تک چل کے آ ہی گئی......'' عائلہ نے موبائل کو بے دلی سے میز پر ڈال دیا۔ نہ جانے کیوں اس پیغام پر اس کا دل خوش نہیں تھا۔

وہ الجھنے لگی...... کچھ دنوں پہلے چاچو نے میجر شاہنواز کا پیغام اسے دیا تھا...... کراچی میں ماما، بابا...... اور یہاں چاچو، چاچی سب اس رشتے پر خوش تھے...... اگلے ویک اینڈ پر میجر شاہنواز کے والدین باقاعدہ رشتہ لے کر اس کے گھر جانے والے تھے...... وہ اس معاملے میں خاموش تماشائی تھی کہ اچانک سلمان کا فون......؟

''کیا اسے میجر شاہنواز کے پروپوزل کے بارے میں علم نہیں...... یا وہ یہ رشتہ نہیں ہونے دینا چاہتا ہے؟'' عائلہ خود کو ایک عجیب دوراہے پر کھڑا ہوا محسوس کر رہی تھی۔

☆☆☆

مریضاؤں کو دیکھتے ہوئے اس کا ذہن بدستور الجھا ہی رہا...... میجر شاہنواز اور سلمان کے ہیولے اس کے گرد چکر لگاتے رہے...... اس کے لیے فیصلہ دشوار ہوتا جا رہا تھا...... ایک طرف ماضی کی وہ آرزو تھی جو زندگی کی کسک بن گئی تھی، دوسری طرف ایک بہتر مستقبل تھا...... ایک طرف دل تھا تو دوسری طرف عقل...... دل بہک کے سلمان کی طرف جھک رہا تھا تو عقل شاہنواز کا ساتھ دے رہی تھی...... وہ سلمان کے آسیب سے بچنے کے لیے چاہے اسے کتنا برا کہتی اس سے دور بھاگنے کے لیے دل کو سو، سو تاویلیں دیتی مگر اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ نے عائلہ کی ساری کوششوں پر منٹ بھر میں پانی پھیر دیا تھا...... ہر چیز ایک دم پسِ پشت جاتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی...... ایسے میں اسے نہ ایمان یاد آئی نہ ایان کا خیال آیا۔

اس لمحے اسے اپنی کمزوری کا ادراک ہوا...... ''کیا سلمان کی محبت کسی آکٹوپس کی طرح مجھے اس بری طرح جکڑ چکی ہے کہ میں اب اس سے چاہ کے بھی نجات نہیں پا سکتی......؟'' اس نے سوچا۔

آخری مریضہ کو بھگتا کے وہ تھکے، تھکے قدموں سے اپنے کمرے سے باہر نکلی...... او پی ڈی کا وقت ختم ہو چکا تھا...... اِکاّ دُکاّ مریض اور اسٹاف کاریڈور سے گزر رہے تھے وہ سر جھکائے آگے بڑھی اپنے سامنے دو بھاری بوٹوں میں مقید پیروں کو دیکھ کر ٹھٹکی جو گویا وہیں جم سے گئے تھے...... نظر اٹھائی تو میجر شاہنواز سامنے تھے۔

''السلام علیکم......'' اس نے گڑبڑا کے کہا۔

''وعلیکم السلام......'' وہ خلافِ توقع سنجیدہ تھے۔

بریگیڈیر وقاص کے گھر دونوں کی آخری ملاقات وہی تھی جب شاہنواز اس کے ریمارکس سن کے قدرے ناراض ہو کے گیا تھا اور وہ وہی دن تھا جب انہوں نے اسے شاہنواز کے پروپوزل کے بارے میں بتایا تھا...... اس کے بعد وہ اسے اسپتال میں نظر نہیں آیا...... اس نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا تھا...... وہ ان کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی...... اور اب اچانک انہیں سامنے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

''آپ خوش ہو رہی ہوں گی کہ میں کئی دنوں سے آپ کو نظر نہیں آیا...... اور مطمئن ہوں گی کہ میں کہیں مر کھپ گیا ہوں گا اور آپ کی جان چھوٹی......'' اس کا لہجہ افسردہ تھا یا طنزیہ وہ فوری طور پر کوئی فیصلہ نہیں کر پائی۔ اس کی خاموشی پر وہ دوبارہ بولا۔

''بیمار ہو گیا تھا میں...... شاید آپ کی بددعاؤں کے طفیل۔'' جملے کا آخری حصہ اس نے زیرِ لب کہا مگر اس نے سن لیا۔

''کیا مطلب...... میں کیوں بددعا دینے لگی آپ کو؟'' وہ حیران و پریشان ہو کے بولی۔

''کہیں بیٹھ کر بات کریں...... مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔'' وہ ایک دم سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا۔

''یہاں...... اسپتال میں......؟'' وہ شش و پنج میں پڑ گئی۔

''جی نہیں...... میں...... آپ سے کسی مریض کی بیماری ڈسکس نہیں کرنے والا ہوں، مجھے جو ضروری بات کرنی ہے وہ میرے متعلق ہے...... میری زندگی کے متعلق......!'' وہ جلدی سے بولا۔

عائلہ نے سوالیہ نگاہیں اس کے چہرے پر گاڑ دیں جیسے پوچھ رہی ہو...... ''پھر......؟''

''کل رات آفیسرز کلب میں ڈنر اور تمبولا ہے...... وہاں ملتے ہیں، آئیں گی ناں آپ......؟'' وہ ہاتھ باندھے تن کے کھڑا ہوا تھا...... عائلہ نے اس پر ایک نظر ڈالی۔

''ٹھیک ہے...... میں آ جاؤں گی۔'' وہ آہستہ سے بولی۔

''شکریہ......'' وہ اس پر ایک گہری نظر ڈال کے بولا اور الٹے قدموں واپس مڑ گیا۔ ''موصوف کے انداز آج کچھ اکھڑے، اکھڑے لگ رہے تھے...... پہلے تو خواہ مخواہ فری ہونے کی کوششوں میں لگے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ پروپوزل بھیجنے کی باتیں بھی شروع ہو گئیں اب خود بخود ہی نہ جانے کس بات پر اتنا بگڑ گئے ہیں...... لوگ بھی عجیب ہوتے ہیں، جب کسی سے خوش ہوتے ہیں تو اسے خواہ مخواہ آسمان پر بٹھا دیتے ہیں اور جب ناراض ہو جاتے ہیں تو زمین پر پٹخ دیتے ہیں اور مزے کی بات یہ ہوتی ہے کہ دوسرے کو اکثر یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ اس سے کوئی کب اور کیوں خوش ہوا اور کب ناراض بھی ہو گیا......'' عائلہ نے اس کی پشت دیکھتے ہوئے چند لمحوں کے لیے سوچا۔ ''اس دن چاچو کے گھر کوئی اتنی بڑی بات تو نہیں ہوئی تھی کہ جناب اتنے زیادہ تپ جائیں...... خیر......'' اس نے کندھے اچکائے اور آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆

فیصلہ اتنا دشوار ہو جائے گا عائلہ نے شاید کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ عام حالات ہوتے تو وہ سلمان سے دائیں بائیں ہونے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی مگر اب حالات بالکل مختلف تھے اگر وہ سارے مسئلے ایک طرف ڈال کے سلمان کے حق میں فیصلہ دے دیتی تو کیا ماما، بابا مان جاتے......؟ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ماما، بابا کیا چاچو، جو شاہنواز کے لیے اسے ہموار کر رہے تھے اس پروپوزل کا سن کے شاید ایٹم بم کی طرح پھٹیں...... ان کا غصہ، ان کی بیماری اور عمر سے بالاتر تھا یہ وہ اچھی طرح جانتی تھی...... کیا وہ سب کی مخالفت سہہ کر سلمان کا ہاتھ تھامنے کی ہمت رکھتی ہے؟ اس نے خود کو ٹٹولا۔

''ساری دنیا بھی مخالف ہو جائے...... سلمان تو میرے ساتھ ہو گا ناں......'' اس کا دل برسوں پہلے والا نادان دل بن گیا۔

اس کے گالوں پر ایک دم حیا کی سرخی دوڑ گئی...... اس نے تکیے پر پڑے اپنے بکھرے بالوں کو سمیٹا اور اپنی پیشانی سہلانے لگی۔ وہ صبح سے کسل مندی کے عالم میں یونہی بستر پر پڑی تھی...... آج ویک اینڈ تھا اور اس کا آف تھا۔

''سلمان جب اپنی بیوی اور بیٹے کے ساتھ نہیں رہا تو تمہارے ساتھ کیوں ہو گا......؟'' دماغ نے پہلا وار کیا۔

''اس کی بیوی کا قصور ہو گا......'' دل نے وکالت کی۔

''تم نے اس کی بیوی سے کتنی بار ملاقاتیں کی ہیں، تم اسے کیا جانو......'' دماغ نے جرح کی۔

''میں سلمان کو تو جانتی ہوں......'' اس کا دل ہمکا۔

''یاد کرو، چند دنوں پہلے تم اسے ہی مجرم گردان رہی تھیں......'' دماغ نے ٹوکا۔

''اس وقت میں اس سے خفا تھی......'' وہ جلدی سے بولی۔

''انگور کھٹے تھے......؟'' دماغ نے قہقہہ لگایا۔

''اُف......'' وہ دل ہی دل میں شرمندہ ہو گئی۔

”وہ چیزوں کو ٹھیک کرنا جانتا ہے، اب بھی اپنی غلطی سدھارنا چاہ رہا ہوگا اسے عقل آ گئی ہوگی......“ دل اس کی مدد کو لپکا۔

”ایسے لوگوں کی عقلیں بھی اس حد تک کام کرتی ہیں جہاں تک ان کا فائدہ ہو...... وہ اپنی غلطی دوسروں کے مفاد میں نہیں بلکہ اپنے مفاد میں سدھارتے ہیں...... کبھی اپنے نام کے لیے، کبھی اپنی اہمیت تو کبھی اپنی خواہش کے لیے...... اور ہاں کبھی کبھی صرف اور صرف اپنی انا کے لیے......“ دماغ کا وار کاری تھا۔ وہ چونک کے سیدھی ہو کے بیٹھ گئی۔

”دلدل میں مت کودو...... دھنستی چلی جاؤ گی، یہیں رک جاؤ...... پلٹ جاؤ۔ ایک صاف ستھرے روشن راستے کی طرف......“ اس نے ہاتھوں کو مسلا جو پسینے میں بھیگ چکے تھے۔

”اگر ایمان، سلمان کی زندگی میں قدم بہ قدم ساتھ رہتی تو کیا پھر بھی وہ تمہاری طرف ہاتھ بڑھاتا......؟“ دماغ نے پوچھا۔

”نہیں......“ دل نے اس بار ایمانداری سے جواب دیا۔

”تو تم اس کے لیے سیکنڈ آپشن ہو، مجبوری والا آپشن...... تم اس کی آرزو نہ کبھی تھیں نہ کبھی ہوگی......؟“ دماغ نے فیصلہ سنا دیا۔

دل خاموش تھا...... گویا ہار مان چکا تھا۔ وہ بیڈ سے نیچے اتری...... اسے شاور لینا تھا اور رات کے لیے اسپیشل تیاری بھی کرنی تھی...... شاہنواز نے اسے آج پہلی بار ڈنر کے لیے انوائٹ جو کیا تھا۔

☆☆☆

سلمان نے موبائل اٹھا کے چیک کیا...... نہ کوئی میسج نہ ہی کوئی مس کال...... اسے عائلہ سے اتنا زیادہ وقت لینے کی توقع نہیں تھی۔ نہ برسوں پہلے نہ اب...... عائلہ کا اقرار اس کی زندگی کے بہت سارے مسائل کا حل ثابت ہونے والا تھا...... ”لیکن وہ اتنی دیر کیوں کر رہی ہے؟“ تنگ آ کے اس نے اسے دوبارہ ٹیکسٹ کیا۔

"waiting for your reply"

بغیر کسی القاب و آداب کے لکھا ہوا یہ میسج اسے عائلہ کو بھیجتے ہوئے کسی قسم کی جھجک محسوس نہیں ہوئی...... وہ کون سا اس کی محبت میں مرا جا رہا تھا...... نہ ہی عائلہ کو اس نے کبھی اتنی اہمیت دی تھی کہ اس کے جذبات کا خیال رکھتا...... لیکن کچھ بھی ہو اسے یہ ضرور اچھا لگتا تھا کہ وہ کسی کی پروا کرے یا نہ کرے...... دوسرا اس کی راہوں میں بغیر زبان پہ حرفِ شکایت لائے، پلکیں بچھائے کھڑا رہے...... اور عائلہ سے زیادہ اچھی طرح اور کون اس کی اس ضرورت کو پورا کرنے کے قابل تھا...... وہ دونوں ہاتھوں کو گردن کے پیچھے پھنسائے تکیے پر سر رکھ کر نیم دراز ہو گیا...... اس کے انداز میں ایک عجیب سی بے نیازی تھی...... اس نے موبائل چیک کیا...... جواب ابھی تک نہیں آیا تھا......

”شرما رہی ہوگی۔“ اس نے سوچا۔ موبائل کی بیپ کی آواز آئی۔ جواب آچکا تھا۔

☆☆☆

عائلہ نے تیار ہو کے خود کو آئینے میں دیکھا اور دم بخود رہ گئی...... اسے یقین ہی نہیں آیا کہ یہ وہ خود ہے...... اس نے بہت زیادہ اہتمام نہیں کیا تھا مگر چہرے پر آئی رونق ہی اتنی زیادہ تھی کہ جس نے اس کے حسن کو چار چاند لگا دیے تھے...... وہ تو خود ہی اپنی کار میں جانا چاہ رہی تھی مگر شاہنواز نے اسے پک کرنے پر زور دیا...... وہ اسے لینے آنے والا تھا۔

وہ شاہنواز کے بارے میں سوچنے لگی...... پہلی بار اسے یہ کام اچھا لگ رہا تھا۔ شاہنواز وقت پر پہنچ گیا۔ عائلہ کو دیکھنے کے بعد اس کی کیفیت بھی وہی ہو گئی تھی جو کچھ دیر قبل عائلہ کی تھی۔

”ماشاء اللہ۔“ وہ زیرِ لب بڑبڑایا۔ عائلہ اس کے ریمارکس نظر انداز کرتی ہوئی گاڑی میں جا بیٹھی۔

”بہت، بہت شکریہ کہ آپ نے مجھے اس قابل سمجھا......“ وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے مسکرا کر بولے۔

”ذاتی طور پر میں یوں کسی کے ساتھ سفر کرنے کو پسند نہیں کرتی مگر آپ کی ناراضی کے ڈر سے آپ کی یہ پیشکش قبول کرنی پڑی۔“ اس نے گل افشانی کی۔

”اوہ...... بڑی مہربانی آپ کی جو آپ نے مجھ پر اعتبار کیا لیکن اس کے باوجود میرا کیا بھروسا...... ہو سکتا ہے کہ آپ کو اغوا ہی کرلوں۔“ اس کے ہونٹوں پر آئی

مسکراہٹ ایک دم غائب ہو گئی اور لہجہ تپ گیا۔

”ہاں یہ تو ہے...... مگر اب کیا ہو سکتا ہے......“ عائلہ نے ہونٹوں پر آئی ہوئی مسکراہٹ کو دباتے ہوئے جواب دیا۔

”تو میں آپ کو ایک موقع دیتا ہوں، آپ اپنی غلطی سدھار لیں......“ وہ خفا خفا سا بولا۔

”میں ایک غلطی کو ٹھیک کرنے کے لیے دوسری غلطی کرنے کی عادی نہیں ہوں......“ وہ ایک دم اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

”مطلب......؟“ وہ بدستور اسی لہجے میں بولا۔

”مطلب یہ کہ آپ گاڑی چلانا پسند کریں گے؟“ اس بار عائلہ نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

”سبحان اللہ...... آپ نے تو ابھی سے پریکٹس شروع کردی۔“ وہ کندھے اچکا کے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔

”کیسی پریکٹس......؟“ عائلہ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

”تجربہ تو نہیں ہے مگر سنا ہے کہ شادی کا ہنی مون پیریڈ ختم ہوتے ہی بیویاں کافی کٹ کھنی ہو جاتی ہیں...... بے چارے شوہروں کو ہر وقت ڈانٹتی پھٹکارتی اور جلی کٹی سناتی رہتی ہیں۔“ اس نے انتہائی سنجیدگی سے جواب دیا اور وہ ایک دم شرمندہ ہو گئی۔ فوراً ہی خود پر قابو پاتے ہوئے بولی۔

”اچھا اتنی گراں قدر معلومات ہونے کے باوجود بھی آپ شادی کا شوق رکھتے ہیں؟ حیرت ہے۔“

”اس میں حیرت کی کیا بات ہے...... کچھ لوگ پاگل بھی تو ہوتے ہیں، اپنی پُرسکون زندگی سے خواہ مخواہ بور ہو کے ایڈونچر کرنا چاہتے ہیں......“ اس نے بے نیازی سے کہا۔

”اوہو...... یہ جان کر کافی افسوس ہوا کہ آپ پاگل ہیں......“ اس نے پاگل کو کافی لمبا کھینچتے ہوئے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ جو بات آپ سے پوچھنے کے لیے آپ کو ڈنر پر لے جا رہا تھا وہ ابھی ہی پوچھ لوں؟“ وہ روٹھے، روٹھے انداز میں بولا۔

”ضرور پوچھ لیں، آپ نے سوچا ہوگا کہ پتا نہیں جواب حسبِ توقع ملے یا نہیں ملے، خواہ مخواہ کھانے کا نقصان کرنے سے کیا فائدہ......“ اس نے آتی ہوئی ہنسی کو بہ مشکل روکتے ہوئے اسے چھیڑنے والے انداز میں کہا۔

”بات یہ ہے کہ مجھے آپ اچھی لگی تھیں...... بہت زیادہ...... اور میں پورے خلوص کے ساتھ آپ کو پروپوز کرنا چاہ رہا تھا...... مگر آپ کا گریز اور یہ انداز دیکھ کر مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ آپ شاید میرے لیے ایسا کوئی جذبہ اپنے دل میں محسوس نہیں کرتیں، اسی لیے میری شکل دیکھ کر آپ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کے بجائے چہرے پر تناؤ آ جاتا ہے...... بہر حال میں ایک ایماندار شخص ہوں، اور زندگی کا یہ اہم معاملہ بھی ایمانداری کی بنیاد پر نبٹانا چاہتا ہوں اور آپ سے بھی یہی امید رکھتا ہوں کہ آپ بھی یہ فیصلہ کسی زبردستی، دباؤ یا مجبوری کے بغیر پوری ایمانداری کے ساتھ کریں، بس اسی لیے آپ کو زحمت دی تھی۔“ وہ سنجیدگی سے بولا۔

”تو جس لیے زحمت دی ہے وہ کام کریں ناں......؟“ وہ اس کی خفگی کا مزہ لیتے ہوئے بولی۔

”آپ......!“ وہ جھنجلایا...... ”کیا آپ مجھ سے شادی کریں گی؟“

”جی ہاں......“ عائلہ نے زور سے سر ہلایا۔

”باوجود اس کے کہ آپ مجھے پسند نہیں کرتیں......؟“ اس نے حیرت سے پوچھا۔

”یہ آپ کو کس نے بتایا؟“ عائلہ نے اس کی طرف دیکھا۔

”کسی نے نہیں...... میرا خیال ہے......“ وہ آہستہ سے بولا۔

”دیکھیے اگر آپ میری زبان سے اعترافِ محبت سننا چاہتے ہیں تو اس کے لیے آپ کو انتظار کرنا پڑے گا...... اس وقت کا جب یہ آپ کا حق بن جائے...... ابھی نہیں...... میری اس معاملے میں سوچ بڑی واضح ہے۔ کسی کو شادی کے لیے پسند کرنا غلط نہیں...... شادی اگر نصیب میں ہو تو اس سے ضرور ہوگی اور حیا کا، بالخصوص ایک عورت کی حیا کا تقاضا یہی ہے کہ بعد کے مراحل اس شرعی رشتے کے قیام کے بعد ہی طے کیے جائیں تو اچھا ہے بلکہ درست ہے...... عورت کا وقار اسی میں ہے شاہنواز صاحب، ورنہ وہ اگر دوسروں کے بڑھے ہوئے ہر ہاتھ پہ لپک جائے یا

کہیں اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کے کوئی قدم غلط اٹھالے تو اس کی کیا عزت رہ جاتی ہے......!" اس نے اس کے سوال کا مدلل جواب دے ڈالا۔

"آئی ایم سوری......!" شاہنواز بری طرح شرمندہ ہوگیا۔ جواب میں وہ خاموش رہی۔

"میں کل ہی امی اور بابا کو آپ کی طرف جانے کا کہوں گا۔" وہ آہستہ سے بولا۔ اس نے آہستہ سے سر ہلایا۔

"مجھے آپ پر فخر ہے...... پہلے مجھے آپ صرف اچھی لگی تھیں...... اب میں دل سے آپ کی عزت کرتا ہوں۔" وہ کچھ لمحے ٹھہر کے پھر بولا۔

وہ پھر بھی خاموش رہی...... باقی کا راستہ خاموشی سے طے ہوا، دونوں اپنی، اپنی سوچوں میں گم رہے...... گیریژن کلب آگیا...... شاہنواز نے گاڑی پارک کر کے، جھٹ اتر کے اس کے لیے دروازہ کھولا۔ اس کے انداز میں خلوص کے ساتھ احترام بھی شامل تھا۔

عائلہ نے قدم باہر نکالا...... وہ دونوں سُبک خرامی سے آگے کی طرف بڑھ گئے۔

"میری زندگی کا ایک باب آج بند ہوا اور دوسرا کھلنے جارہا ہے...... میں پوری ایمانداری کے ساتھ یہ نیا سفر شروع کروں گی جس میں نہ دل میں کوئی ملال ہوگا اور نہ کوئی جھوٹ......" عائلہ نے ساتھ چلتے ہوئے شاہنواز کو دیکھ کر اپنے دل میں عہد کیا۔

☆☆☆

ڈنر بہت کامیاب رہا تھا...... شاہنواز اسے ڈراپ کر گیا تھا۔ عائلہ کو محسوس ہوا جیسے اس کے دل و دماغ سے ہر قسم کا بوجھ ہٹ گیا ہو...... شاہنواز سے ملاقات بہت ضروری تھی...... ایک خوش آئند زندگی کا پہلا آغاز......

دونوں نے بہت اچھے موڈ میں ڈنر کیا تھا، اپنی پسند ناپسند ایک دوسرے کے ساتھ شیئر کی تھیں اور حیرت انگیز طور پر دونوں کی سوچوں میں بہت مماثلت تھی۔ رات وہ بہت دیر تک شاہنواز کی باتوں کو یاد کرتی رہی...... نیند اس کی آنکھوں سے دور تھی...... مگر پہلی بار یہ بے خوابی اسے اچھی لگ رہی تھی۔

"امید ہے کہ ہم دونوں مل کے بہت اچھی زندگی گزاریں گے۔" شاہنواز کا کہا ہوا جملہ اس کے کانوں میں گونجا۔

"انشاء اللہ۔" وہ زیرِلب بولی۔ دفعتاً موبائل کی بیپ نے اسے چونکا دیا۔

سلمان کا میسج تھا...... وہ ایک دم سنجیدہ ہوگئی...... کہانی کے ولن کے بارے میں تو وہ ایک دم بھول گئی تھی اس نے سوچا...... پھر اسے ہنسی آگئی...... سلمان کا ہیرو سے ولن تک کا سفر اس کے دل میں چند لمحوں میں طے ہوگیا تھا...... ایک نئی ٹینشن...... اس نے میسج پڑھا اور فوراً ہی جواب ٹیکسٹ کردیا۔

"please don't" چند لمحوں کے بعد اس کا جواب موصول ہوا۔

"why ?" عائلہ کا خوشگوار موڈ ایک دم خراب ہوگیا...... زندگی میں آنے والے پہلے خوب صورت ڈنر کا سارا مزہ زائل ہونے لگا۔

"اس سوال کا میرے پاس کوئی جواب نہیں۔" اس نے جواب لکھا۔

"تم مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتیں......؟" اس نے پوچھا۔

"آپ ٹھیک سمجھے۔" اس نے تحریر کیا۔

"تم بے وقوفی کر رہی ہو...... تم میرے ساتھ میرے گھر میں بہت خوش رہو گی......" سلمان نے ایک کوشش کی۔

"میرے خیال میں، میں آپ کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتی......" عائلہ کا جواب سلمان کے لیے غیر متوقع تھا...... وہ چند لمحے اسکرین کو گھورتا رہا ہوگا...... یہ عائلہ نے سوچا۔

"مجھ میں کیا خرابی ہے......؟" اس نے پھر پوچھا۔

"آپ بہت کامیاب انسان ہیں، زندگی میں جو چاہا حاصل کرلیا...... اور جو چیز بھی آپ کی مرضی کے راستے میں رکاوٹ بنی آپ نے اسے ایک ٹھوکر سے دور پھینک دیا...... آپ اصول پرست ہوں گے، محنتی بھی ہوں گے مگر ایک کامیاب انسان ہونے کا مطلب اچھا انسان ہونا ہرگز نہیں ہوتا...... میں نے بہت سوچا...... اور میں اس فیصلے پر پہنچی ہوں کہ مجھے کامیابیوں کے پہاڑ سر کرنے والے کی نہیں صرف ایک دل جیتنے والے کی

ضرورت ہے...... اور افسوس یہ ہنر آپ کو نہیں آتا...... آپ دل جیتتے نہیں بلکہ آرام سے توڑ دیتے ہیں...... بیٹھ کے سوچیں آپ کی کامیابیوں اور آپ کی خواہشوں کی تکمیل کے اس سفر میں کتنے دلوں کی کرچیاں شامل ہیں۔" عائلہ نے میسج بھیج کر اپنا فون آف کردیا۔ اب وہ سکون سے سونا چاہتی تھی۔

"تمہاری کامیابی کے اس سفر میں سب سے پہلے میرے ٹوٹے دل کی کرچیاں شامل ہوئی تھیں سلمان وقاص...... لیکن یہ بات تمہیں کبھی معلوم نہیں ہوئی اور ہونی بھی نہیں چاہیے تم بس اپنے گمان میں رہو......" اس نے تکیے پر سر رکھتے ہوئے سوچا۔ انسان کی زندگی میں کئی کمزور لمحے آتے ہیں...... عائلہ ایسے ہی کسی کمزور لمحے کی گرفت میں آ کے غلط فیصلہ کرنے سے بال بال بچ گئی تھی۔

☆☆☆

پوری رات آنکھوں میں کاٹنے کے بعد اگلی صبح اس کے لیے اضمحلال کا تحفہ لے کر آئی تھی۔ وہ بستر پر اوندھا پڑا ہوا تھا۔ آج اسپتال میں آف تھا ورنہ وہ شاید اس وقت اسپتال جانے کے قابل بھی نہیں تھا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ عائلہ جسے اس نے ساری عمر بے وقوف، احمق اور ڈرپوک لڑکی سمجھ کے کبھی کوئی اہمیت نہیں دی تھی وہ اسے اس بری طرح دھتکار کے مسترد بھی کرسکتی ہے...... اسے کم از کم عائلہ سے یہ توقع نہیں تھی۔

عائلہ سے شادی کر کے وہ ایک تیر سے کئی شکار کرنے جارہا تھا، ماں، باپ کی پرانی خواہش کو پورا کرنا اور ان کی خدمت کے لیے ہمہ وقت عائلہ جیسی خدمت گار بہو کا حصول، ایمان کا غرور توڑنا اور اپنی برباد زندگی کو آباد کرنا...... عائلہ کی ایک ہاں سے کتنے مسئلے حل ہوجاتے اور ایک نہ نے اسے آسمان سے زمین پر لا پٹخا تھا۔ وہ جھنجلا کے سیدھا ہو کے بیٹھ گیا۔ دروازے پر دستک کی آواز کے ساتھ فیض کی آواز ابھری۔

"چھوٹے صاحب، بیگم صاحبہ پوچھ رہی ہیں گیارہ بج رہے ہیں آپ ناشتے کے لیے نیچے آرہے ہیں یا آپ کا ناشتا اوپر لے آؤں......؟"

"مجھے آج ناشتا نہیں کرنا ہے۔" وہ کوفت کے عالم میں بولا۔ جواب میں فیض کے قدموں کی چاپ کی آواز ابھری...... وہ واپس جارہا تھا۔

"کیا زندگی بدل رہی ہے......؟ دوسروں کو نہ کرنا جس قدر آسان ہوتا ہے دوسروں کے منہ سے نہ سننا اسی قدر مشکل......" ایمان کے بعد عائلہ کے منہ سے نہ سننا اس کی انا کی شکست تھی جو اس سے برداشت نہیں ہورہی تھی۔ دروازے پر دوبارہ دستک ہوئی۔ اس نے غصے سے دروازے کو گھورا...... تنتنا کے اٹھا اور ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دیا...... سامنے کا منظر دیکھ کے جیسے ساکت ہوگیا۔

☆☆☆

ائرپورٹ سے باہر نکل کر اس نے ایک طائرانہ نگاہ دوڑائی۔ ہر چیز بدلی بدلی سی لگ رہی تھی۔ اس کی زندگی

کی طرح......

''بابا ہمیں لینے نہیں آئے......؟'' اس کے یوں چاروں طرف نظر دوڑانے سے ایان نے یہ نتیجہ اخذ کیا۔

''نہیں......'' اس نے قدم آگے بڑھائے۔

''کیوں......؟ وہ حیران ہو کے بولا۔

''اس لیے کہ میں نے انہیں آنے کا نہیں بتایا تھا۔''

''وہ کیوں......؟'' اس نے رک کر پوچھا۔

''سرپرائز......'' وہ مسکرائی۔

''لیکن اب ہم ان کے گھر تک کیسے پہنچیں گے؟'' وہ پریشان ہو گیا۔

''میرے پاس ان کا ایڈریس ہے۔'' اس نے کیب کو اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا۔ ڈرائیور کو پتا سمجھا کر وہ سامان گاڑی میں رکھوا کے بچوں کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

اسے سلمان سے ملنے کی ذرہ برابر خوشی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اسے تو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ اتنے مہینے الگ رہنے کے بعد بغیر کسی خیر خبر کے اس وقت سلمان اور اس کے ماں، باپ کا انہیں دیکھ کر کیا ری ایکشن ہوگا......؟ ''ایشیائی مردوں کو دوسری شادی کرنے کا بھی تو بہت شوق ہوتا ہے، ہو سکتا ہے وہاں ہمارے استقبال کے لیے مسز سلمان بھی موجود ہوں......'' اس نے طنزیہ انداز میں سوچا۔

اس نے ایک نظر بچوں پر ڈالی...... ایان شوق اور دلچسپی سے باہر کے مناظر دیکھ رہا تھا اور مریم، کیری کاٹ میں بے خبر سو رہی تھی...... گاڑی اسلام آباد کی سڑکوں پر رواں دواں تھی...... کچھ برس قبل جب وہ سلمان کے ساتھ یہاں آئی تھی تو وہ بھی بہت ایکسائٹڈ تھی...... سلمان کے ساتھ مطمئن اور خوش تھی مگر سلمان نے تحفظ کا احساس اسے دے کر چھین لیا تھا...... اب شاید ساری عمر وہ ویسا اطمینان محسوس کرنے کے قابل نہیں رہ گئی تھی...... اس کا بھروسا ٹوٹ چکا تھا...... سلمان اس کے ساتھ رہتا یا نہیں اسے اس بات سے اب کوئی فرق نہیں پڑنے والا تھا...... مگر بچے...... شاید ان کو فرق پڑتا...... وہ اپنے باپ کے ساتھ رہ کر شاید کھوئے تحفظ کے اس احساس کو پانے میں کامیاب ہو جاتے...... اس کے یہاں آنے کا واحد مقصد یہی تھا۔

''ہم صحیح سمت جا رہے ہیں ناں......؟'' اس نے کیب کے ڈرائیور سے دریافت کیا۔

''جی میڈم...... راستہ میرا دیکھا بھالا ہے، کئی دفعہ یہاں آ چکا ہوں آپ بالکل فکر مت کریں......'' اس نے تسلی آمیز لہجے میں جواب دیا۔

ایمان کے ہونٹوں پر ایک زخم خوردہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ کبھی کبھی دیکھے بھالے راستے بھی اجنبی ہو جاتے ہیں...... اور جو راستے گم ہو جائیں ان پر سفر تھکا تا ہی ہے...... لیکن منزل کی طلب میں پاؤں کے چھالے کون گنتا ہے...... اس کا ایسا ہی حال تھا۔

☆☆☆

''لڑکی تم کہاں غائب ہو...... فوراً آ جاؤ۔'' وہ اپنی زندگی کی اس خوشگوار صبح بہت فریش تھی، کافی کا مگ لے کر بیٹھی ہی تھی کہ چاچو کا فون آ گیا۔

آج اس کا کہیں جانے کا دل نہیں چاہ رہا تھا، بالخصوص چاچو کے گھر جہاں وہ سلمان کا سامنا بالکل کرنا نہیں چاہتی تھی۔

وہ کوئی مناسب بہانہ سوچ ہی رہی تھی کہ چاچو دوبارہ بولے...... ''بریکنگ نیوز ہے، ایسی کہ تمہیں یقین ہی نہیں آئے...... جلدی سے آ جاؤ......'' انہوں نے اس کا جواب سنے بغیر کال منقطع کر دی۔

''بریکنگ نیوز......؟ کیا ہو سکتی ہے۔'' وہ ایک دم پریشان ہو گئی۔ چاچو کا لہجہ اور ان کا انداز کہیں سے بھی پریشانی والا نہیں لگ رہا تھا۔ وہ کافی پُر جوش نظر آ رہے تھے۔ عائلہ نے وہاں جانے کے لیے کار کی چابیاں اٹھائیں۔

☆☆☆

گھر کے اندر کاریڈور میں قدم رکھتے ہی اسے چاچو کے قہقہے کی آواز سنائی دی...... کسی بچے کے رونے کی آواز...... وہ حیران رہ گئی، کون آیا ہوا ہے......؟ آوازیں لاؤنج سے آ رہی تھیں...... وہ اسی طرف بڑھ گئی۔

اندر کا منظر واقعی اس کے لیے غیر متوقع تھا...... سب سے پہلے چاچی پہ نظر پڑی۔ چاچی کی گود میں کوئی بچہ تھا، غالباً بچی کیوں کہ اس کے کپڑے پنک کلر کے تھے، ننھی سی بچی...... چاچو کی اس کی طرف پیٹھ تھی چاچو کے برابر میں سنہرے بالوں والا کوئی بچہ تھا...... اور دائیں جانب...... سلمان کے ساتھ ایک خوب صورت لڑکی......

''ایمان......'' اس کے ذہن میں جھما کا ہوا۔

''السلام علیکم......'' وہ آگے بڑھی۔

''وعلیکم السلام...... آؤ بھئی آؤ...... دیکھو تو کون آیا ہے؟''

''ایان میٹ یور آنٹی...... عائلہ وقار...... میجر عائلہ وقار......'' چاچو نے پاس بیٹھے ہوئے بچے سے کہا۔

وہ ایان سے ملی، ایمان سے ملی...... اسے وہ لوگ اچھے لگے۔ سلمان اس سے نظریں چرا رہا تھا۔

شکر تھا کہ وہ نظریں ملانے اور سر اٹھا کے چلنے کے قابل تھی...... جذبات کی رو میں بہہ کر اگر اس نے سلمان کے حق میں فیصلہ دے دیا ہوتا تو آج اس کا کیا مقام ہوتا......؟ وہ ہمیشہ کے لیے اپنی نگاہوں میں گر جاتی...... ایمان اور ایان کے واپس آنے کے بعد عائلہ...... سلمان کے لیے بھلا کیا اہمیت رکھتی......؟

''لیکن یہ بچی کون ہے......؟'' اس نے چاچی کے برابر بیٹھتے ہوئے سوچا۔

''عائلہ یہ مریم ہے...... سلمان کے پاکستان آنے کے بعد پیدا ہوئی ہے۔'' چاچی نے شاید اس کی سوچیں پڑھ لی تھیں۔

''اوہ......'' اس نے بچی کو آگے بڑھ کے گود میں لے لیا۔ بچی ہو بہو سلمان کی طرح تھی۔ وہی صورت اور ویسی ہی مسکراہٹ......

''آج میں بہت خوش ہوں عائلہ...... میری فیملی مکمل ہو گئی ہے...... اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ ایمان نے پاکستان میں رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے......''

''بالکل درست فیصلہ کیا ہے۔ مریم کی پیدائش کے بعد اس سے زیادہ صحیح فیصلہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔'' چاچو نے اسے مخاطب کر کے کہا۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں مگر اس فیصلے کی وجہ مریم کی پیدائش نہیں، مریم کے باپ کی غیر موجودگی ہے...... بیٹیوں کو باپ کی بہت ضرورت ہوتی ہے اگر مریم کا باپ اس کی پیدائش پر وہاں موجود ہوتا تو شاید میں یہ فیصلہ کبھی نہ کرتی لیکن اب مجبوری ہے۔'' مگر عائلہ کے بولنے سے پہلے ایمان بول اٹھی۔ ایمان کا لہجہ دو ٹوک تھا۔

اس معاشرے کے لوگوں کی یہ بات اچھی ہوتی ہے کہ وہ کچی لپٹی نہیں رکھتے۔ عائلہ نے سلمان کے دھواں، دھواں چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا۔

''تم بہت سمجھدار اور اچھی بچی ہو۔'' چاچو اسے دیکھ کے مسکرائے۔

''جب مصیبت سر پر پڑتی ہے تو سمجھ خود بخود آ جاتی ہے۔'' ایمان آہستہ سے بولی اور طنزیہ ہنسی۔

''میرے والد تیمور آفریدی نے بھی کئی برس پہلے یہی کیا تھا...... وہ مجھے اور میری ماں کو بے آسرا چھوڑ کے پاکستان چلے آئے تھے...... ہم نے ان کے بغیر بہت مشکل وقت گزارا اور میں یہ سب کچھ اپنی بیٹی کے ساتھ ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی...... میں نہیں چاہتی کہ سلمان یا میری ضد ایک دن ایسا لائے کہ مریم بھی اپنے باپ کو صرف تصویر کی شکل میں ہی پا سکے...... اور پھر اس کی تصویر سے بھی نفرت کرنے لگے اور جوان ہونے کے بعد ہر پاکستانی کو دیکھ کے چونک جائے اور اس سے جا کر پوچھے کہ کیا تم سلمان وقاص کے ملک سے آئے ہو اور کیا تم اسے جانتے ہو......؟'' سلمان نے اسے چونک کے دیکھا، اسے اپنی اور ایمان کی پہلی ملاقات یاد آ گئی۔ چاچو اس کی بات مکمل ہوتے ہی اٹھ کے اس کے قریب جا بیٹھے...... اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

''آج سے تم وقاص احمد کی بیٹی ہو...... جو کچھ ہو چکا ہے اسے بھول جاؤ...... اب یہ گھر تمہارا اور ان بچوں کا ہے اور ہم تمہارے ماں، باپ ہیں۔'' اس نے سر جھکا دیا۔

عائلہ کو ایمان اچھی لگی تھی...... اس کا انداز، اس کا لہجہ بہت مضبوط تھا...... ساری کہانی عائلہ کی سمجھ میں آ چکی تھی...... اسے دل ہی دل میں ہنسی آئی۔

''واہ سلمان صاحب واہ...... آپ کسی رشتے کو تو بخش دیں...... ہر جگہ اپنی چلانے اور دوسروں کو زیر کرنے میں آپ کو کیا مزہ آتا ہے......؟'' عائلہ نے بغور ایمان کی طرف دیکھا...... وہ ہنس ہنس کے چاچو سے کچھ کہہ رہی تھی...... ایان دادی کے پاس بیٹھا انہیں کچھ بتا رہا تھا۔ سلمان کی بیٹی اب سلمان کی گود میں تھی اور سو چکی تھی...... سلمان سر جھکائے بیٹھا تھا جیسے ہار گیا ہو...... سچ تو تھا ایمان، سلمان کے مقابلے میں اپنی ضد چھوڑ کے، ہار کے بھی جیت چکی تھی اور سلمان جیت کے بھی ہار گیا تھا۔ اسے

سلمان کی شکست مزہ دینے لگی...... ایک شکست اُسے ایمان نے دی تھی اور پچھلی رات کو ایک مات اُسے وہ خود دے چکی تھی۔

''اب تمہارے ہارنے کے دن آگئے ہیں سلمان وقاص......'' اس نے سوچا۔

دوپہر میں کھانا اس نے اور ایمان نے مل کے تیار کیا...... وہ لمبے سفر سے ضرور آئی تھی مگر اپنے گھر آئی تھی...... چاچی اسے کچن میں کام کرتا دیکھ کر نہال ہو رہی تھیں...... خود عائلہ کی اور اس کی دوستی فوراً ہی ہوگئی تھی۔

چاچو مسلسل ایان کے ساتھ لگے رہے...... مریم آرام سے سوتی رہی...... صرف سلمان تھا جو تنہا بیٹھا اپنے موبائل سے کھیل رہا تھا۔

ایمان نے بڑے مزے کی چیزیں تیار کی تھیں اس کے بنائے ہوئے اسٹیک اور مختلف اقسام کی سلاد کا الگ ہی مزہ تھا۔

''شکر ہے اب مجھے زندگی کے اس آخری دور میں قدرے بہتر اور صحت بخش کھانے، کھانے کو ملیں گے...... آخر میری ڈاکٹر بہو کے ہاتھوں کا کمال ہے......'' چاچو کھانے سے بھرپور انصاف کرتے ہوئے بولے۔

خلافِ توقع ان کی اس بات پر چاچی چڑنے کے بجائے مسکرا کر بولیں۔

''ڈاکٹر بہو ہے...... سارا وقت گھر میں بیٹھی کھانے تھوڑا ہی بنایا کرے گی، وہ اپنی ڈگری آپ کے چولھے کی نذر کرنے لائی ہے کیا......؟''

''نہیں امی، میں ابھی جاب نہیں کروں گی۔ بعد میں سوچوں گی، مریم تھوڑی بڑی ہو جائے، تب تک مجھے یہاں کے ماحول کی بھی سمجھ آ جائے گی۔'' وہ جلدی سے بولی۔

''یہ بالکل ٹھیک...... یہی مناسب ہے۔'' چاچو فوراً بولے۔

شام کی چائے پیتے پیتے چھ بج چکے تھے...... وہ واپسی کا سوچ رہی تھی...... دفعتاً فون کی گھنٹی بجی۔

چاچو اپنی مخصوص کرسی پر براجمان تھے اور فون ان سے نزدیک تھا...... انہوں نے کال ریسیو کی...... دوسری طرف کی گفتگو سن کے ان کے چہرے پر خوشی کے تاثرات پھیل گئے اور انہوں نے زوردار انداز میں کہا۔

''بہت بہت مبارک ہو...... اور ایک خوشخبری میں بھی سناتا ہوں، میری بہو میرے پوتے اور پوتی کے ہمراہ پاکستان آگئی ہے...... ہاں، ہاں ہمیشہ کے لیے......'' وہ مسکرائے۔ پھر مختصری بات کر کے فون بند کر دیا اور چاچی کی طرف دیکھ کر بولے۔

''آج کا دن واقعی مبارک ہے۔ سب کو مبارک ہو...... عائلہ کا رشتہ شاہنواز کے ساتھ طے ہوگیا ہے...... اگلے مہینے کی پچیس کو شادی ہونا طے پائی ہے...... انشاء اللہ......'' چاچو کی آواز فرطِ جذبات سے لرز رہی تھی۔

سلمان زور سے چونکا...... اس کی آنکھوں میں بے تحاشا حیرت تھی۔

چاچو اٹھ کے عائلہ کے قریب پہنچے اور اس کے سر پر ہاتھ رکھ کے آبدیدہ ہوگئے۔

''میری بیٹی کی رخصتی کا وقت قریب آگیا ہے...... اب یہ پرائی ہو جائے گی۔'' عائلہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے جو پلکوں کی حدود پھلانگتے ہوئے گالوں پر بکھر گئے۔ چاچی نے آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگالیا۔

''اب بس بھی کریں، آپ نے تو رُلا دیا بچی کو۔'' وہ چاچو کی طرف دیکھ کر بولیں۔

چاچو آنسو پیتے ہوئے واپس اپنی جگہ جا بیٹھے اور چاچی اسے لیے ہوئے اپنی جگہ آ گئیں...... ایمان نے اسے مبارک باد دے دی جسے عائلہ نے خود کو سنبھالتے ہوئے مسکرا کر قبول کی۔

''وہ بھئی بریگیڈیر بخاری اپنی فیملی کے ساتھ وقار بھائی کے گھر میں موجود ہیں...... شاہنواز بھی وہیں ہے...... معاملات طے کیے جا رہے ہیں۔'' بریگیڈیر وقاص نم آنکھوں کے ساتھ مسکرائے۔

''شاہنواز کے والدین تو خیر کراچی ہی میں سیٹل تھے مگر شاہنواز تو کل رات تک پنڈی میں تھے اور انہوں نے کراچی روانگی کا تذکرہ بھی نہیں کیا تھا۔ اب اچانک......'' وہ حیران ہو کے سوچنے لگی۔

''دراصل وقار بھائی لڑکے سے ملنا چاہتے تھے اس لیے شاہنواز آج صبح کی فلائٹ سے کراچی روانہ ہوگیا تھا۔'' چاچو نے گویا اس کی سوچیں پڑھ لی تھیں۔

''اپنی ہیرے جیسی بیٹی ایسے ہی تو نہیں کسی کو تھما دیں گے...... اچھی طرح اطمینان کریں گے ہی......''

چاچی بھی مسکرائیں۔

''ہیرا جوہر شناس کو ملے تو ہی اچھا ہے...... ورنہ۔ بعض دفعہ تو اسے پتھر سمجھ کے مٹی میں رول دیں گے......'' بریگیڈیر وقاص ایک دم بول اٹھے۔ سلمان پہلو بدل کے رہ گیا۔

شام ڈھل چکی تھی...... رات کے سائے آہستہ آہستہ پر پھیلا رہے تھے...... اس نے چونک کے گھڑی پر نظر ڈالی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کیا ہوا......؟'' چاچی چونک کے بولیں۔

''کچھ نہیں بس اب چلتی ہوں، بہت دیر ہوگئی ہے۔'' وہ مسکرائی۔

''اگر کل ورکنگ ڈے نہ ہوتا تو تمہیں آج یہیں روک لیتا۔'' چاچو نے اسے محبت سے دیکھا۔

''چھٹیاں پلان کرو تو یہاں ایک دو دن رہ کے جانا۔'' چاچی اسے گلے لگا کر بولیں۔

''ابھی تو کافی وقت ہے......'' وہ جھینپ کے بولی۔

''تم سب لوگ بھی تیاری کرو...... ہم سب عائلہ کے ساتھ ہی کراچی جائیں گے۔'' چاچو پُرجوش ہو کے بولے۔

''بالکل، بالکل کیوں نہیں......'' چاچی مسکرائیں۔

وہ مسکرانے لگی اور سب کو خدا حافظ کہہ کر باہر نکل آئی۔

ڈرائیو وے میں کھڑی اپنی کار کی طرف بڑھی تھی کہ پیچھے سے آنے والی سلمان کی آواز نے اس کے قدم روک لیے۔

''تم نے درست کہا تھا کہ میں واقعی اچھا انسان نہیں ہوں۔'' وہ چونک کے مڑی...... سلمان دونوں ہاتھ سینے پر باندھے اس کے پیچھے کھڑا تھا۔ جواب میں وہ کچھ نہیں بولی، بس سلمان کی شکل دیکھنے لگی۔

''کل رات سے پہلے مجھے میری اس خامی کا بالکل احساس نہیں تھا اور جب ہوا تو میں پوری رات جاگتا رہا ہوں...... اپنا تجزیہ کرتا رہا ہوں اور تمہاری کہی ہوئی ہر بات کی کسوٹی پر خود کو پرکھتا رہا ہوں......'' وہ سانس لینے کو رکا ایک گہری سانس لی اور دوبارہ آہستہ سے بولا۔ ''آخر میں اس نتیجے پر پہنچا کہ تم واقعی ٹھیک کہہ رہی تھیں۔ مجھے میری غلطی کا احساس ہوگیا ہے...... ترقی، کامیابی اور آگے بڑھنے کی دُھن اپنی جگہ درست لیکن خود سے وابستہ رشتوں اور ان کی اہمیت کو سمجھنا انسان کو اندر سے مطمئن اور مضبوط رکھتا ہے...... اب سمجھ میں آیا کہ ساری کامیابیوں کے باوجود میں اندر سے تنہا کیوں ہوتا جا رہا تھا...... اب ایک خلش سی کیوں محسوس ہوتی ہے......'' وہ سر جھکائے اعتراف کر رہا تھا...... وہ اعتراف جو شاید عام حالات میں وہ اپنے سامنے بھی نہ کرتا کجا کہ عائلہ وقار کے سامنے...... عائلہ سر جھکائے سنتی رہی۔

''مجھے تم سے معذرت بھی کرنی ہے۔'' اس نے سر اٹھا کے عائلہ کی طرف دیکھا۔

اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر عائلہ کے دل کو ایک دم کچھ ہوا...... وہ سلمان کا چہرہ نہیں تھا...... غرور...... فخر...... اور کامیابیوں کی خود اعتمادی کی جگہ اس کی پیشانی پہ عرقِ ندامت اور آنکھوں میں ایک عجیب سا ٹھہراؤ تھا۔

''مجھے نہیں معلوم تھا کہ تمہارے لیے شاہنواز کا پروپوزل آیا ہوا ہے ورنہ میں...... یہ بے وقوفی ہرگز نہیں کرتا...... مجھے افسوس ہے۔'' وہ ہلکا سا مسکرایا۔

''بے وقوفی......؟'' عائلہ کے دل میں کوئی چیز زور سے چبھی۔

''سچ ہی تو ہے تمہارے اور میرے درمیان جو کچھ بھی تھا، ہے یا ہوتا اس کے لیے سب سے بہترین عنوان بے وقوفی ہی ہے۔'' عائلہ نے سوچا۔ عائلہ خود پر جبر کر کے مسکرائی۔ ''کوئی بات نہیں جو کچھ بھی ہو چکا ہے اب سب کو بھول جائیں...... آپ کو آپ کی غلطیوں کا احساس ہوتا ہی بہت ہے...... یہاں سب آپ کے اپنے ہیں اور اپنوں کا ظرف بہت بڑا ہوتا ہے...... چاچو اور چاچی بہت خوش ہیں، ان دونوں کو، ایمان کو اور آپ کے بچوں کو آپ کی بہت ضرورت ہے، آگے کا سفر اگر آپ سوچ کی اس تبدیلی کے ساتھ طے کریں گے تو مجھے یقین ہے کہ خود بھی خوش رہیں گے اور ان سب کو بھی خوش رکھ سکیں گے...... اور ہاں جائیں یہ یقین ایمان کو بھی دلا دیں، وہ اپنی ساری کشتیاں جلا کے آپ تک پہنچی ہے۔'' عائلہ کہتی چلی گئی...... سلمان نے اثبات میں سر ہلایا۔ عائلہ اپنی کار میں بیٹھی اور کار ریورس کر کے مین گیٹ کا رخ کیا۔ سلمان اسے جاتا ہوا دیکھتا رہا، اس کے گیٹ سے نکلتے ہی سلمان نے الوداعی انداز میں ہاتھ ہلایا۔

"میرے لیے یہ پروٹوکول اور سلمان وقاص......؟"
اس نے جواباً ہاتھ ہلایا اور واپسی کے راستے پر رواں ہوگئی۔

وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کررہی تھی، یوں جیسے کسی بوجھ سے آزاد ہوگئی ہو...... کمرے میں پہنچ کے اس نے گہری سانس لی۔ میسج کی ٹونز اسے لگا تار سارے راستے سنائی دیتی رہی تھیں اس نے بیگ سے موبائل نکالا۔ مما، بابا، شہلا آپا، نائلہ آپا، کاشف، عائزہ اور میجر شاہنواز کے میسجز تھے...... باری باری وہ سب کے میسجز پڑھنے لگی...... سب نے اسے مبارک باد اور دعائیں بھیجی تھیں...... مما اس وقت سمدھیانے والوں کے ساتھ مصروف تھیں رات میں فون کرنے کو کہا تھا۔ شہلا آپی کا پیغام شرارت بھرا ہوا تھا، خاص طور پر ان کا آخری جملہ اس نے بہت انجوائے کیا انہوں نے لکھا تھا...... "بہت ہی نیک اور شریف ہیں تمہارے ساس اور سسر جو لڑکی دیکھے بغیر ہی رشتہ پکا کررہے ہیں، تم یہاں ہو بھی نہیں اور وہ تمہارے لیے ہیرے کی انگوٹھی بھی لے آئے ہیں اور وہ بھی بالکل صحیح ناپ کی......"

وہ مسکراتے ہوئے پاؤں پھیلا کے بیٹھ گئی...... اب وہ شاہنواز کا میسج پڑھنے جارہی تھی۔ جو سب سے طویل تھا...... اس نے لکھا تھا۔

"بہت ہی خوب صورت رات ہے...... تمہارے اس خوب صورت لونگ روم میں اس وقت تنہا بیٹھا تمہارے بارے میں سوچ رہا ہوں...... سب لوگ دوسرے کمرے میں بیٹھے میری اور تمہاری باتیں کررہے ہیں اور میں کال کے بہانے یہاں آگیا ہوں......

کھڑکی کھلی ہوئی ہے اور آسمان پر پورا چاند بادلوں سے آنکھ مچولی کھیل رہا ہے...... بالکل تمہاری طرح، کبھی سامنے آجاتا ہے تو کبھی چھپ جاتا ہے۔ ٹھنڈی ہوائیں باغیچے میں کھلے پھولوں کی خوشبو سے معطر ہوکے جھونکوں کی صورت میں اندر آرہی ہیں...... میرے عین سامنے دیوار پر جو پینٹنگ آویزاں ہے اس کے بارے میں مجھے بتایا گیا ہے کہ وہ تم نے اپنے کالج کے زمانے میں بڑے شوق سے بنا کے یہاں لگائی تھی...... یہ پینٹنگ گو آرٹ کا کوئی لاجواب شاہکار نہیں ہے مگر تمہارے والدین نے اسے بڑے اہتمام سے سالوں سے یہاں سجایا ہوا ہے......

عائلہ بس یہی زندگی ہے اگر سمجھو تو...... تمہاری محبت اور محنت کو تمہارے والدین نے اس کی خوبیوں یا خامیوں سے مبرا ہو کے قبول کیا ہے اور اسے اہمیت دی ہے...... میرے نزدیک انسانی جذبوں اور اس کے خالص پن سے زیادہ اہم اور کوئی چیز نہیں...... یہ بات میں نے اپنی زندگی کے تجربوں اور مشاہدوں سے سیکھی ہے اور تمہیں بھی یہی سمجھانا چاہتا ہوں...... میں تمہیں تمہاری خوبیوں اور خامیوں سمیت بہت خلوص سے اپنانے جارہا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ تم بھی مجھے اسی طرح قبول کرلوگی...... یقین کرو زندگی بہت اچھی گزر جائے گی...... ٹھیک ہے ناں......؟"

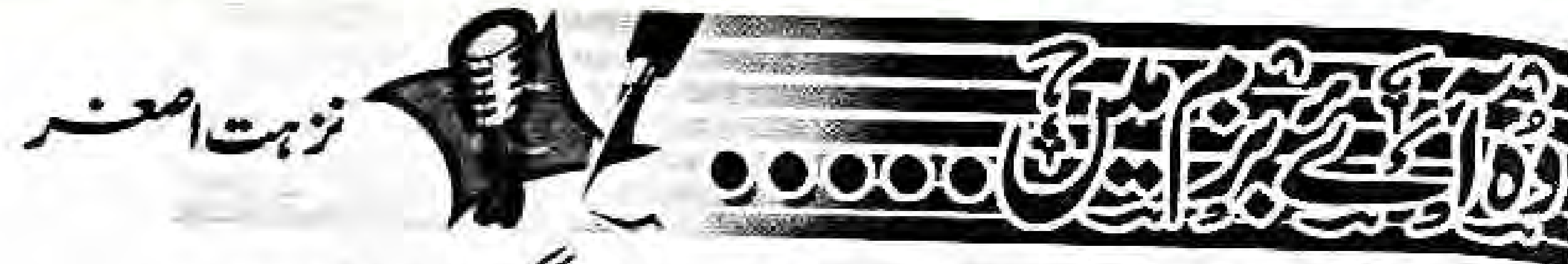
"مجھے یقین ہے کہ ایسا ہی ہوگا......" وہ آہستہ سے مسکرائی۔

باہر ہوائیں ایک دم تیز ہوگئی تھیں...... اس نے اٹھ کر کمرے کی کھڑکی کھولی خوشگوار جھونکا اس کے چہرے سے ٹکرایا...... کراچی والے تو ایسی ہواؤں کے عادی ہیں مگر اسلام آباد میں ایسی ہوائیں اپنے ساتھ بارش کا پیغام لے کر آتی ہیں، اس نے آسمان کی طرف دیکھا جو بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا...... تھوڑی دیر پہلے تو ایسا نہیں تھا...... چاند تارے سب منظر سے غائب تھے...... موسم ایسے ہی بدل جایا کرتے ہیں...... اچانک ہی منظر بدل جاتا ہے جیسے اس کی زندگی میں اچانک سب کچھ تبدیل ہوگیا تھا۔

محبت کیا ہے......؟ کوئی طے شدہ فارمولا نہیں، نہ کوئی تفریق یا ضرب کا سوال...... محبت یا تو ہوتی ہے یا نہیں ہوتی...... اٹھارویں اور اکیسویں صدی کی محبت میں فرق تو ہونا ہی چاہیے...... کمزور، روتی، سسکتی محبت اتنا تو کرہی سکتی ہے کہ تھوڑی سی طاقت ور ہو کے اپنا مقام تبدیل کرلے...... اس سے اس کے خالص پن میں کوئی فرق نہیں پڑتا البتہ حق دار کو حق مل جاتا ہے...... اسے شاہنواز سے محبت ہونے لگی تھی اور ہونی چاہیے بھی تھی۔

تیز ہوائیں بادلوں کو اُڑا لے گئیں...... آسمان پھر سے صاف ہوگیا اور چاند پوری آب و تاب کے ساتھ روشن ہوگیا۔

ختم شد



نزہت اصغر

مایہ ناز مصنفہ اقبال بانو سے خوشگوار ملاقات



"بزم میں آنے والے تمام قارئین کی خدمت میں سلام اور دعاؤں کے تحفوں کے بعد عرض ہے کہ آج کی اِس محفل میں اُس قلم کار سے دلچسپ اور پُرلطف ملاقات کروائی جارہی ہے جو پاکیزہ کے ابتدائی دنوں سے ہمارے ساتھ ہیں اگرچہ ان کی دیگر مصروفیات کے باعث طویل وقفے آتے رہے مگر شاید ہی کوئی ایک سال ایسا گزرا ہوگا کہ جب اقبال بانو کسی بھی تحریر کی صورت ہمارے ڈائجسٹ میں موجود

نہ ہوئی ہوں خواہ تبصرے کی صورت ہی سہی......

اقبال بانو نے افسانہ، ناولٹ اور ناول نگاری تینوں میں طبع آزمائی کی اور ہر صنف کے ادبی تقاضے پورے کیے...... ہلکے پھلکے، رواں اور خوب صورت انداز کی تحریریں ان کی پہچان بنیں۔ جو اپنے موضوع کے ساتھ انصاف کرتی نظر آئیں...... یہی وجہ ہے کہ آج بھی اقبال بانو کو سب بے تابی سے پڑھنا چاہتے ہیں سو ہم نے ان کی ذاتی زندگی کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی قارئین کی فرمائش کو اہمیت دی اور اُنہی کہنہ مشق مصنفہ کی رُودادِ حیات لیے حاضر ہیں، امید ہے آج کی اس بزم میں قارئین کی بھرپور شرکت اقبال بانو کا شاندار استقبال کرے گی۔ تو آئیں سوالات کا آغاز کرتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......جیسا کہ ہم اپنے ہر معزز مہمان سے پہلا سوال یہی پوچھتے ہیں کہ آپ کو پاکیزہ کی بزم میں آنا کیسا لگا تو آپ بھی اس بارے میں اپنے تاثرات بتائیں؟

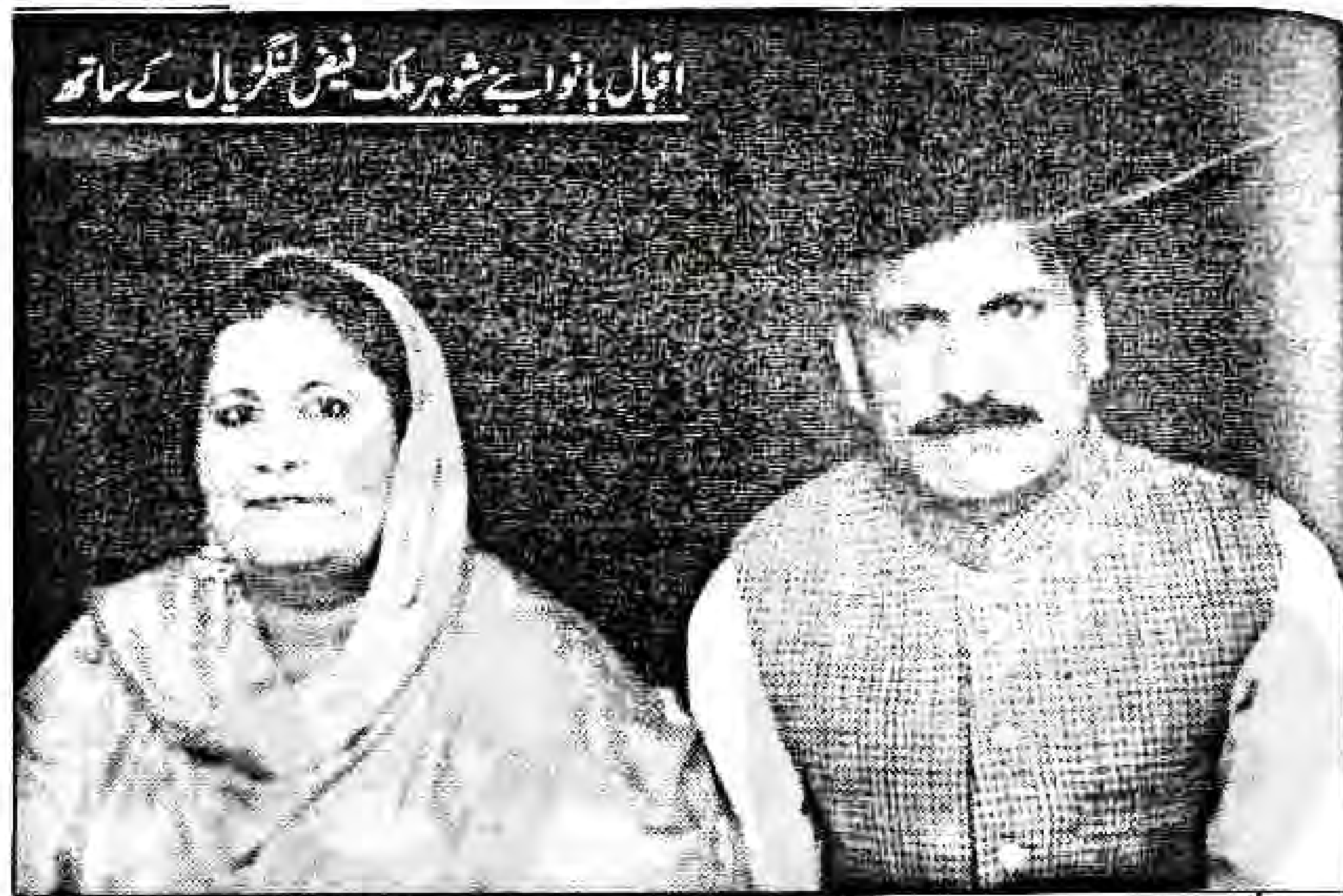
اقبال بانو ✧...... پاکیزہ میں آنا...... مجھے ویسے ہی بہت اچھا لگتا ہے۔ میں جب، جب پاکیزہ میں آئی مجھے یہاں بہت خلوص، محبت اور پزیرائی ملی اور نزہت اب تو یہ بزم آپ نے میرے لیے ہی سجائی ہے تو بتائیں کیسے اچھا نہیں لگے گا؟ بلکہ بہت اچھا لگ رہا ہے۔ میں اس بزم میں آکر بہت خوشی محسوس کر رہی ہوں ذرا سنبھل کر بیٹھ جاؤں پتا نہیں آپ کتنے مشکل سوال کریں! ایک بات میں پہلے بتا دوں کہ مجھ سے ثقیل اور فلسفیانہ گفتگو کی امید نہ رکھیے گا۔ مجھ سے نہ بڑے بڑے جملے لکھے جاتے ہیں اور نہ بولے جاتے ہیں۔ سادہ سی خاتون ہوں اور سادہ ہی باتیں کرتی ہوں مگر سچی اور کھری...... جی اب پوچھیے جو چاہیں۔

پاکیزہ ✧......آپ کا اور پاکیزہ کا اوّلین ملاپ کب اور کیسے ہوا؟

اقبال بانو ✧...... پاکیزہ سے اوّلین ملاپ! یقیناً بہت پیچھے جانا ہوگا۔ میرا خیال ہے 1978-79ء کی بات ہے جب میں اسکول میں پڑھتی تھی۔ میری ممانی پاکیزہ پڑھتی تھیں تو میں ان کے کمرے میں گھس جاتی اور ان کے رسائل کھنگالتی۔ بس مجھے ڈائجسٹ پڑھنے کا شوق تو اپنی ممانی غزالہ ناصر کی وجہ سے ہوا اور میرا پہلا ناولٹ میڈ اعشق وی توں پاکیزہ میں 1987ء میں شائع ہوا۔ جسے قاری بہنوں نے بے حد پسند کیا پھر چل سو چل۔

پاکیزہ ✧......لکھنے لکھانے کا یہ شوق بیدار ہوتے ہی آپ رسالوں کی طرف آگئیں وہ بھی اتنے مشہور ڈائجسٹ وغیرہ؟

اقبال بانو ✧......نہیں نزہت، لکھنے کا شوق پیدا ہوتے ہی میں اس طرف نہیں آئی۔ پانچویں کلاس میں تھی تو بچوں کی کہانی لکھی۔ ہمارے ہاں روزنامہ امن کراچی آتا تھا اس میں بچوں کا صفحہ ہوتا تھا۔ بچوں کی کہانیاں ہر بچے کی طرح میں بھی شوق سے پڑھتی تھی۔ دل چاہا میں بھی لکھوں سو کہانی لکھ کر بھیج دی جو اگلے ہفتے ہی چھپ گئی۔ آج تک یاد ہے اس کا نام کنجوس تھا۔ بچوں کے صفحے کے انچارج مشہور شاعر انور شعور تھے۔ انہوں نے میری بہت حوصلہ افزائی کی پھر میں نے روزنامہ امن کے ہی طالبات اور خواتین کے صفحات پر بہت لکھا اور انعام بھی حاصل کیے۔ اسی طرح لکھتے لکھتے ڈائجسٹوں کی طرف آگئی۔ میرا پہلا افسانہ دوشیزہ میں شائع ہوا سہارے کی تلاش اور ایوارڈ بھی حاصل کیا۔ پاکیزہ میں بھی اپنے افسانے بھیجے مگر...... حالانکہ میں اور پرچوں میں لکھتی تھی۔ پاکیزہ کی ایڈیٹر نادرہ گیلانی ہوتی تھیں...انہوں نے میرے افسانے شائع نہ کیے۔ صفیہ ملک آئیں وہ بھی مخصوص رائٹرز کو شائع کرتی تھیں اور مجھے کبھی نہیں بتایا گیا کہ انہوں نے میرے افسانے کیوں شائع نہ کیے۔ میں سمجھتی ہوں کہ وہ مخصوص رائٹرز کو شائع کرتی تھیں۔ نئے رائٹرز انہوں نے نہیں تیار کیے البتہ......


اقبال بانو اپنے شوہر ملک فیض لنگڑیال کے ساتھ

انجم انصار آئیں تو انہوں نے نئے رائٹرز کی ایک کھیپ تیار کی اور اب پاکیزہ رائٹرز کا ایک بڑا حلقہ ہے۔ میں نے ہر پرچے میں لکھا اللہ کا کرم ہے ہر جگہ پزیرائی ملی بلکہ ایک بار ایک رسالے میں نسیم نیازی نے لکھا۔ ایک وقت تھا اقبال بانو کا توتی بولتا تھا اور واقعی یہ سچ بھی تھا۔ اللہ کا احسان ہی کہوں گی۔ ایک وقت تھا میں ڈائجسٹوں میں لکھنے والی کم عمر رائٹر تھی یعنی میرا پہلا افسانہ سولہ سال کی عمر میں دوشیزہ میں چھپا۔

پاکیزہ ✧......آپ کیا سمجھتی ہیں یہ صلاحیت خداداد ہوتی ہے یا شعوری طور پر ہم اختیار کرتے ہیں وہ بھی کسی شخصیت کے کام سے متاثر ہو کر؟

اقبال بانو ✧...... میرے خیال میں ہر صلاحیت خداداد ہوتی ہے۔ دیکھیں نزہت، میں نے ابنِ صفی کو بہت پڑھا۔ چھٹی ساتویں کلاس سے ہی میں نے ابنِ صفی کی عمران سیریز پڑھیں کہ یہ ناصر ماموں کا شوق تھا۔ میں سمجھتی ہوں کہ ابنِ صفی وہ رائٹر ہیں جنہوں نے لوگوں کو پڑھنے کی لت ڈالی۔ ڈائجسٹ وغیرہ تو بعد میں آئے ناں پہلے تو ہر تکیے کے نیچے عمران سیریز نظر آتی تھی پھر ڈائجسٹ کا دور آیا تو ڈائجسٹ تکیوں کے نیچے اور کتابوں کے بیچ میں نظر آنے لگے۔ تو میں کہہ رہی تھی کہ اگر کسی سے متاثر ہو کر لکھتی تو پھر میں ابنِ صفی کی طرح جاسوسی لکھتی اور میں سمجھتی ہوں کہ لکھنے کی صلاحیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے ورنہ مجھ سے پہلے میرے خاندان میں کسی نے نہیں لکھا اور میں ٹھہری قلم کی مزدور۔

پاکیزہ ✧......آپ کو کس قسم کی کہانیاں پڑھنا پسند تھا یا ہے؟ کیا آپ نے خود بھی اپنی پسند کے موضوعات پر لکھا؟

اقبال بانو ✧...... مجھے ہلکی پھلکی رومینٹک کہانیاں لکھنا اور پڑھنا پسند رہا ہے۔ مزاح بھی مزہ دیتا ہے۔ بہت پہلے فاطمہ شہناز مرتضیٰ مزاحیہ افسانے لکھا کرتی تھیں پڑھ پڑھ کر لوٹ پوٹ ہوتے تھے مگر میں نے اپنی الگ راہ بنائی۔ متاثر میں بے شک کسی سے بھی ہوں مگر لکھتی میں اپنی مرضی اور اپنے انداز اور اپنے پسندیدہ موضوع پر ہوں اور میرا پسندیدہ موضوع محبت ہے۔ نصیحتوں کے لیے اور بہت سے لوگ موجود ہیں۔ کبھی کبھی رائٹرز افسانہ لکھتے لکھتے آخر میں اسے مضمون کی شکل دے دیتی ہیں جو مجھے پسند نہیں ہے۔

افسانے کو ہی آپ اس طرح لکھیں کہ باقاعدہ پیغام دے دیا جائے خود وضاحت کریں اپنے پیغام کی تو وہ افسانہ نہ ہوا نصیحت نامہ بن گیا تو مجھے ایسی کہانیاں پسند نہیں۔ (آج کی نئی رائٹرز بغور پڑھ لیں)

پاکیزہ ✧......کون سے عوامل یا حالات ایک کہانی کار کا محرک بنتے ہیں؟

اقبال بانو ✧......کوئی عوامل اور حالات نہیں صرف لکھنے کو دل چاہے اور وقت ہو۔ آپ کو بتاؤں مجھے صرف پہلا صفحہ لکھنا مشکل لگتا ہے اور اگر افسانے کا اسٹارٹ مجھے پسند نہ ہو تو کئی صفحات ضائع کر دیتی ہوں اور پھر تھوڑا سا بھی اسٹارٹ پسند آ جائے تو پھر چل سو چل۔ کہانی خود بخود بنتی چلی جاتی ہے۔ کردار خود ہی مراحل طے کرتے ہیں اور انجام تک پہنچ جاتے ہیں۔ کبھی کہانی اینڈ تک سوچی بھی تو ہمیشہ انجام بدل جاتا ہے تو اب نہیں سوچتی۔

پاکیزہ ✧......آپ کی تحریروں میں مرکزی کردار اور موضوع کیا ہوتا تھا؟

اقبال بانو ✧......نزہت! مرکزی کردار تو وہی ہیں ازل سے ایک ہی کہانی ہے اماں حوا اور بابا آدمؑ کی محبت کی کہانی۔ بس ہر کوئی الگ الگ انداز میں لکھتا ہے۔ تو میرا موضوع محبت ہے۔ میرے ہاں نہ سازشیں ہوتی ہیں نہ ایک دوسرے سے حسد اور بغض ہوتا ہے۔ سچ بتاؤں میرا ابھی دل چاہتا ہے... ایسی کہانیاں لکھنے کو مگر سازشوں کے تانے بانے بُننے میرے بس کی بات نہیں۔

پاکیزہ ✧......کیا ہم رائٹرز کو اپنی اپنی پسند کے اعتبار سے پڑھتے ہیں یا صرف ان کے کام کی اہمیت کے اعتبار سے؟

اقبال بانو ✧......میں رائٹرز کو اُن کے کام کے اعتبار سے پڑھتی ہوں لیکن ایک بات بتاؤں کہ مجھے جس کہانی کا اسٹارٹ پسند آ جائے تو پڑھتی ہوں بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ نام دیکھے بغیر پڑھتی ہوں اکثر پوری کہانی پڑھنے کے بعد رائٹر کا نام دیکھتی ہوں اور داد ضرور دیتی ہوں۔ میری رائٹرز سے دوستی بھی ہے اگر کبھی کسی کا افسانہ پسند نہ آئے تو صاف بتا دیتی ہوں کہ مجھے اچھا نہیں لگا اور پھر ہفتوں ان کی کال سے محروم بھی رہتی ہوں......ہا......ہا......ہا......

پاکیزہ ✧......آپ کے خاندان والوں کے کیا تاثرات تھے آپ کی اتنی کامیابی پر؟

اقبال بانو ✧......میری کامیابی پر گھر والوں کے تاثرات...ہا...جب اخبار میں کہانی چھپی تو امی بہت ناراض ہوئیں کہ خاندان کی پہلی لڑکی کا اخبار میں نام آیا تھا البتہ ابا جی خوش تھے۔ انہوں نے بہت حوصلہ افزائی کی پھر جب دریا اپنا راستہ بنا لے تو روانی رکتی نہیں۔ خود بخود راستے بنتے چلے جاتے ہیں۔ سو جب ڈائجسٹوں میں لکھنے لگی تو امی بھی پڑھتی تھیں اور خوش ہوتی تھیں۔

پاکیزہ ✧......شادی شدہ زندگی میں کیا اتنا وقت مل جاتا ہے کہ ایک خاتون اپنا لکھنے لکھانے کا شوق پورا کرے؟

اقبال بانو ✧......شادی شدہ زندگی میں واقعی ایک خاتون کو اپنا آپ مارنا پڑتا ہے۔ اب بھلا روتے بچے کو چھوڑ کر کون لکھے؟ میرا بیٹا میرے لکھنے کا بہت ویری ہے۔ جب بھی میں لکھنے بیٹھوں اسے یاد آ جاتا ہے کہ اسے تو ڈنر بنا دوں، کبھی چائے پینی ہے کبھی انڈوں کا حلوا کھانا ہے پھر میں قلم رکھ کر اس کی فرمائشیں پوری کرتی ہوں اور پھر دنوں لکھنے کا موڈ نہیں بنتا البتہ میرے شوہر بہت سپورٹ کرتے ہیں۔ وہ کبھی میرے شوق میں حائل نہیں ہوئے۔ ماشاءاللہ سسرال بہت بڑی ہے آنا جانا گھر میں سب کا لگا ہی رہتا ہے تو مجھے لکھنے کا موقع رات کو ملتا ہے اگر لکھنا چاہوں تو۔

پاکیزہ ✧......جب گھر، بچے، رشتے داریاں متاثر ہو رہی ہوں تو آپ کی ترجیح کیا ہوتی ہے......ضرور لکھنا ہے یا چھوڑ دینا ہے؟

اقبال بانو ✧......دیکھیں نزہت ذمے داریاں



اقبال بانو اپنے بیٹے اسمٰعیل ٹیپو کے ہمراہ

متاثر ہوں تو پھر لکھنا چھوڑنا پڑتا ہے مگر میں نے لکھنا چھوڑا نہیں کم کم ہی لکھتی ہوں کہ اندر بہت بے چینی رہتی ہے۔ شروع سے ہی خود پر ذمے داریوں کا بوجھ ڈال لیا یا خود بخود ڈل گیا۔ کراچی میں اپنی ایجوکیشن حاصل کرنے کے بعد ملتان آئی تو دو سال بعد اماں جی کا انتقال ہو گیا اور ان کی ساری ذمے داریاں میرے کندھوں پر آ گئیں۔ بہنوں، بھائیوں کی شادیاں کیں۔ شہر میں گھر بنوایا۔ ہم شہر شفٹ ہوئے۔ بھائی کا گھر سنبھالا، رشتے داریاں بھی نبھائیں تو قلم سے دوستی نبھانا مشکل ہو گیا۔ وہ کہانی جو میں دو دن میں لکھ لیتی تھی اب مہینوں میری فائل میں نامکمل پڑی رہتی اب شادی کے بعد بھی یہی مسئلہ ہے۔ بہت سی کہانیاں مکمل کرنی ہیں اللہ نے صحت اور ہمت دی تو اس انشاءاللہ ضرور پورا کر دوں گی۔

پاکیزہ ✧......آپ کے افسانوں، ناولٹ یا شائع شدہ ناولز کی کیا تعداد ہے؟

اقبال بانو ✧......میری کہانیوں کی تعداد اگر بتاؤں تو تقریباً ساٹھ کے قریب ناولٹ اور مکمل ناول ہیں۔ چار قسط وار ناول کتابی شکل میں چھپ چکے ہیں۔ شیشہ گر، تجھے ہر جگہ پکارا، گونگے دکھ اور دروازہ کھلا رکھنا۔ سرائیکی کی میں پہلی خاتون ناول نگار ہوں۔ میرا پہلا ناول سانول موڑ مہاراں چھپ چکا ہے۔ دوسرا الویں کوئی رل ڈیکھے زیرِ طبع ہے اور پہلی صاحب کتاب شاعرہ بھی ہوں میری سرائیکی نظموں کا مجموعہ دل تانگھ تانگھے ہے اور میرے سات ناولٹ کے مجموعے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ یہ اردو میں ہیں۔ (ماشاءاللہ! اللہ زورِ قلم اور زیادہ کرے، آمین)

پاکیزہ ✧......ایک اچھا اور معیاری افسانہ، ناولٹ اور ناول کیا ہوتا ہے؟

اقبال بانو ✧......ایک اچھی اور معیاری تحریر میرے خیال میں وہ ہے جس سے آپ یعنی لکھنے والا خود مطمئن ہو اور قاری کو بھی پسند آئے۔ میرے خیال میں جب ہم لکھتے ہیں تو صرف اپنے لیے نہیں لکھتے۔ اگر ایسا ہو تو پھر ہم اسے چھپوائیں کیوں؟ میرا خیال ہے ہمیں قاری کی پسند کا خیال رکھنا چاہیے اس کے ساتھ ساتھ اور اسے ایک اچھی اور معیاری تحریر دینی چاہیے۔

پاکیزہ ✧......آپ بھی سیکھنے کے عمل سے گزری ہوں گی کیا بغیر اپنے سینئرز کے کام کا مطالعہ کیے اس فیلڈ میں آگے بڑھ سکتے ہیں؟

اقبال بانو ✧......اچھا لکھنے کے لیے مطالعہ

بے حد ضروری ہے نزہت۔ بڑے رائٹرز کو پڑھ کر ہی تو ایک نیا لکھاری کہانی بُننا سیکھتا ہے .... اور اپنے سینئرز کے کام کا مطالعہ کیے بغیر آگے بڑھا ہی نہیں جاسکتا۔ (بے شک یہ کُلیہ ہر شعبۂ زندگی میں قدم بڑھانے کے لیے کارگر ہے کہ پہلے اپنے پیش روؤں کے کام کا مطالعہ اور مشاہدہ ضروری ہے)

پاکیزہ ✧...... موجود دور کی کہانیوں اور بیس سال پہلے کی تحریروں میں کیا فرق محسوس کرتی ہیں؟

اقبال بانو ✧...... بہت فرق ہے۔ میں نہایت سچائی سے کہوں گی کہ اب پہلے سے بھی اچھی کہانی لکھی جارہی ہے مگر پھر بھی اس میں نرماہٹ نہیں ہے۔ اصل میں وژن بہت وسیع ہوگیا ہے۔ اب تو ایک بٹن دباؤ اور دنیا کی معلومات لے لو جبکہ ہمارے زمانے میں یعنی بیس سال پہلے یہ بات نہیں تھی اور یوں بھی وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلیاں تو آتی ہی ہیں ناں جب ہر فیشن بدلتا ہے تو تحریروں میں بھی فرق پڑے گا۔ اب سوچ بہت بدل گئی ہے۔ لوگوں کو سمجھنے، پرکھنے کی سمجھ آگئی ہے جبکہ ہمارے دور میں جس نے جو کہہ دیا وہ مان لیا آج کی لڑکی چاہے، قاری ہو یا رائٹر بہت شارپ ہے۔ کہانی بہت بدل گئی ہے۔ اب کہانی میں سے محبت اور سچائی ختم ہوگئی ہے۔ محبت زبردستی کی ہوتی ہے۔ دلوں میں کھوٹ ہوتا ہے عجیب سا احساس ہوتا ہے جیسے نئے گانے سنو تو مزہ نہیں آتا مگر ایک دور تھا کہ عطا اللہ عیسیٰ خیلوی کو سن کر دل چاہتا تھا ہم بھی محبت کریں...... ہاہاہا ریشماں کو سنتے تھے کہ وے میں چوری چوری لالیاں آکھاں وے تو وہ بھی جو چوری چوری اکھاں لگانے والا معاملہ تھا اب نہیں رہا۔ تو میں یہ فرق محسوس کرتی ہوں۔ اب تو ابا، امی کے سامنے عشق ہو رہے ہیں اور اماں کہتی ہیں بیٹا یہ لڑکا نکلنے نہیں دینا۔ ایسی کہانیاں میں نے پڑھی ہیں اور بہت دکھ ہوتا ہے کہ ہم بچیوں کو کیا پیغام دے رہے ہیں۔

پاکیزہ ✧...... اپنے اسکول، کالج اور جوانی کے ایام کے حوالے سے کوئی یادگار بات، کوئی واقعہ ہمارے قارئین کی نذر کیجیے؟

اقبال بانو ✧...... یادگار واقعات بہت سے ہیں اب کیا پوچھتی ہو جوانی کی باتیں...... بیچ پر جانا بہت اچھا لگتا تھا۔ کلفٹن کے ساحل پر میں نے امت العبور (مدیرہ خواتین ڈائجسٹ) ناظمہ طالب جو اپریل 2011ء میں کوئٹہ میں ٹارگٹ کلنگ میں شہید ہوگئیں۔ ہم تینوں بیچ پر جاتے وہاں سمندر کنارے ہلتی جھولوں والی کرسیوں پر بیٹھ کر گرم گرم مچھلی کھاتے تھے۔ وہ دن بہت یادگار ہیں۔ سڑک کنارے کھڑے ہوکر بارہا امتل اور میں نے دہی بھلے اور چاٹ کھائی۔ ان دنوں چائنیز ریسٹورنٹ کا خاصا شور تھا ہم تینوں چائنیز جاتے۔ میں نے اُن دنوں کو بہت انجوائے کیا ہے پھر یونیورسٹی میں میری دوست تھی روبینہ زریں۔ آج کل گورنمنٹ کالج، کورنگی میں پروفیسر ہے۔ سائرہ جبیں پتا نہیں کہاں غائب ہے؟ سائرہ غلام نبی سے تو آج بھی دوستی ہے فون پر بات بھی ہوجاتی ہے۔ تو میری دوستوں کے ساتھ گزرے دن یادگار دن ہیں۔ ہاں ایک یادگار واقعہ سن لیں۔ ایم اے فائنل کی کلاس تھی ہمارے پروفیسر ڈاکٹر یونس حسنی صاحب ہمیں اقبالیات پڑھاتے تھے۔ انتہائی محبت کرنے والے دوست نما استاد تھے۔ میں نے ادبی و علمی لحاظ سے بہت قابل اور مشہور و معروف اساتذہ سے پڑھا۔ جیسے ابوالخیر کشفی صاحب، جمیل اختر خان صاحب، حبیب فائق صاحب، اسلم انصاری صاحب اور یونس حسنی صاحب۔ ہاں تو حسنی صاحب ہمیں اقبالیات پڑھا رہے تھے ایک دم بولے "بانو تم نے کبھی محبت کی؟" میں تو حیران ہوکر انہیں دیکھنے لگی وہ مسکرا کر بولے۔ "بتاؤ بھئی؟" میں نے اِدھر اُدھر دیکھا تقریباً سب کی نظریں مجھ پر تھیں میں نے نہایت اعتماد سے کہا۔ "سر آپ نے محبت کی ہے؟" بے ساختہ بولے۔ "کیا میں تمہیں بتاؤں گا؟" تب میں نے بھی

کہہ دیا۔ "سر تو کیا میں بھی آپ کو بتاؤں گی؟" سب ہنس دیے۔ تب حسنی صاحب بولے۔ "رات میں نے ایک ڈائجسٹ میں تمہارا افسانہ پڑھا تھا بہت رومینٹک تھا۔ میں نے سوچا تم سے پوچھوں گا۔ تب میرے بجائے میری دوست فرزانہ فرح نے کہا۔ "سر بانو تو محبت سے گندھی ہوئی ہے اور اس کے اندر اتنی محبت ہے کہ وہ قلم کے ذریعے کاغذ پر لفظوں کی صورت میں بکھر جاتی ہے۔" تب سر نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا اور بولے۔ "آج پتا چلا...... شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار کیسے ہوتے ہیں۔"

پاکیزہ ✧...... آج آپ اپنی بیٹی، بھانجی، بھتیجی کو کیسا دیکھنا چاہتی ہیں؟

اقبال بانو ✧...... میں ہر لڑکی کو بہت میچورڈ اور بہادر دیکھنا چاہتی ہوں مگر ایسی بہادری نہ ہو کہ اپنے بڑوں کی تمیز بھی بھول جائے۔ ہاں زمانے سے ٹکر ضرور لے، آئرن لیڈی ہو۔ اگر میری بیٹی ہوتی تو میں اُسے ایسا ہی دیکھنا چاہتی۔ اصول پرست، سچائی پر ڈٹ جانے والی۔

پاکیزہ ✧...... اس لیے یہ سوال پوچھا کہ پہلے کی مائیں دوسرے انداز سے تربیت کرتی تھیں مگر آج چونکہ انٹرنیٹ کے دور میں لڑکی کو صرف گھر بٹھا کر گھریلو امور سکھا کر تربیت مکمل نہیں ہوتی، آپ کا کیا خیال ہے؟

اقبال بانو ✧...... بالکل صحیح کہا ہے آپ نے، واقعی آج کی ماں تو گھر داری بھی نہیں سکھا رہیں۔ اکثر گھروں میں دیکھا ہے بچیاں آرام سے لیپ ٹاپ لیے بیٹھی ہیں اماں جان کچن میں ہیں یا پھر واشنگ مشین میں کپڑوں سے سر کھپا رہی ہیں۔ ارے بھئی بیٹیاں کس لیے ہیں۔ مجھے تو بہت غصہ آتا ہے اور دکھ بھی ہوتا ہے جو لڑکیاں ماؤں کا ہاتھ نہیں بٹاتیں۔ کالج، یونیورسٹی سے آئیں گویا ماں پر احسان ہو رہا ہے پڑھ کر۔

پاکیزہ ✧...... جنریشن گیپ کیا ہوتا ہے؟ کیا آپ میں تھا یا اب آپ کی اولاد میں؟



اسمٰعیل ٹیپو

اقبال بانو ✧...... مجھے بتادیں یہ کیا ہوتا ہے جنریشن گیپ؟ آج تک سمجھ نہیں آیا۔ ہم تو اپنے باپ سے بھی فرینک تھے کہ ہر بات اباجی کو بتاتے۔ میرا بیٹا بھی مجھ سے بلکہ ہم دونوں سے فرینک ہے۔ بچوں کے دوست رہیں تاکہ وہ باہر غلط لوگوں سے دوستیاں نہ کرسکیں۔

پاکیزہ ✧...... آپ کو اپنی تحریر کے حوالے سے کس حد تک ستائش ملی اور آپ کو کیا محسوس ہوتا ہے؟

اقبال بانو ✧...... ستائش تو ملی اور ملتی بھی رہتی ہے۔ کئی ایوارڈز لیے پاکیزہ سے بھی تین ایوارڈز حاصل کیے۔ دوشیزہ رائٹرز ایوارڈ میں بھی چار پانچ ایوارڈ لیے ہیں۔ سانول سنگت ایوارڈ میری سرائیکی کتاب پر ملا اور بھی بہت سے ایوارڈ ملے ہیں اور سب سے بڑھ کر

میرے قارئین کی محبت اور خلوص ہے جو اپنا وقت نکال کر میرے لکھے کو پڑھتے ہیں۔(بے شک ایک لکھاری کے لیے یہی اصل ایوارڈ ہوتا ہے)

پاکیزہ✧......اب تو خیر ساری رائٹرز الیکٹرانک میڈیا کی طرف رواں دواں ہیں۔آپ بھی ڈرامے کر رہی ہیں۔ڈائجسٹ میں لکھنا اور اسکرپٹ لکھنا کیسا تجربہ رہا؟

اقبال بانو ✧......میرے خیال میں افسانہ بہت ہی نرماہٹوں سے جڑا ہوا ہے۔جس میں آپ بہت کچھ لکھ سکتے ہیں یعنی اپنے دل کے ارمان نکالے جاسکتے ہیں جبکہ اسکرپٹ میں بس جملے داغو...... جذبے نہیں لکھ سکتے۔مجھے تو یہ اسکرپٹ خشک لگتا ہے پھر ڈراما تو ڈراما ہی ہوتا ہے ناں۔

پاکیزہ ✧......میرا اپنا ذاتی خیال ہے جو ڈائجسٹ پڑھنے والے ہیں وہ اسے کبھی نہیں چھوڑ سکتے۔ڈراما تو کوئی دیکھتا ہے کوئی نہیں اور اب تو چینلز اتنے ہو گئے ہیں کہ ایک ہی وقت میں سب جگہ آرہے ہوتے ہیں تو میرا خیال ہے صرف ان کے جاننے والے یا رشتے دار ہی دیکھ رہے ہوتے ہیں۔آپ کیا کہتی ہیں اس بارے میں؟

اقبال بانو ✧......نزہت آپ کا خیال بھی درست ہے۔ڈائجسٹ کو پڑھنے والے اسے کبھی نہیں چھوڑ سکتے۔بے شک کتنے بھی ڈرامے آجائیں کہ ہر وقت ٹی وی کے آگے نہیں بیٹھ سکتے اور پھر جو مزہ ڈائجسٹ کی کہانی پڑھنے میں ہے وہ ڈرامے میں کہاں...... واقعی آپ صحیح کہہ رہی ہیں کہ ڈراما نگار کے جاننے والے ہی دیکھتے ہوں گے ڈراما کہ ڈراما کمرشل ہو گیا ہے اور پھر رائٹرز کو بھی تو پیسوں کی ضرورت ہے ناں۔(بالکل درست، وہ بھی تو اسی معاشرے کے شہری ہیں)

پاکیزہ✧......میرا مطلب کہنے کا یہ ہے کہ بہت کم ڈرامے جو شاہکار ہوتے ہوں گے وہی یاد رہ جاتے ہیں جبکہ ڈائجسٹ میں چھپی چیز ہمیشہ ہمارے پاس رہتی ہے جب چاہا پڑھ لیا جیسے حسینہ معین کا یا اصغر ندیم سید کا ہر ڈراما ہی شاہکار اور یادگار نہیں تھا لوگ اسے بھول گئے؟

اقبال بانو✧......ٹھیک کہا آپ نے ڈراما آج بھی لکھا جارہا ہے لیکن میں یہ کہوں گی کہ آخر کب تک حسینہ معین اور اصغر ندیم سید لکھیں گے ان کی جگہ کسی نے تو لینی ہے مگر میں سمجھتی ہوں کہ ابھی ان کی جگہ خالی ہے وہاں تک کوئی نہیں پہنچ سکا۔اچھا ڈراما لکھیں گے تو وہ ضرور اپنی جگہ بنالیں گے۔

پاکیزہ✧......کیا ٹی وی رائٹرز کی اس یلغار میں آپ کی جداگانہ پہچان بن پائی؟ جبکہ ڈائجسٹ میں تو آپ کا بلاشبہ ایک مقام ہے؟

اقبال بانو✧......میں سمجھتی ہوں کہ ڈرامے کی اس یلغار میں میری کیا کسی کی بھی جگہ نہیں بن پائے گی اور یقیناً سب رائٹرز واپس ڈائجسٹوں کی طرف آئیں گی، دوبارہ لکھیں گی ڈائجسٹوں میں۔(بے شک درست فرمایا)

پاکیزہ ✧......کون سے موضوعات ایسے رہ گئے ہیں جن پر آپ نے طبع آزمائی نہیں کی؟

اقبال بانو✧......بہت سے موضوعات ہیں جو رہ گئے ہیں اور میں انہیں لکھنا چاہوں گی۔ان شاءاللہ اگر زندگی رہی اور صحت نے ساتھ دیا تو ضرور لکھوں گی۔(ہماری دعائیں سدا آپ کے ساتھ ہیں)

پاکیزہ✧......چلیں اقبال بانو کچھ آپ ذاتی زندگی کے حوالے سے بتائیں آپ کی فیملی کتنے افراد پر مشتمل ہے؟

اقبال بانو✧......ہاں جی ضرور،ضرور پوچھیں ذاتی زندگی کے بارے میں۔ہم گھر میں تین افراد ہیں۔میرے میاں جی اور میرا بیٹا ٹیپو...... یہ ہے میری چھوٹی سی فیملی۔(کم بچے خوش حال گھرانا، ہے ناں!)

پاکیزہ✧......آج کل آپ کی کیا مصروفیات ہیں؟ ایک دن کا ذرا روزنامچہ بتائیں؟

اقبال بانو✧......ایک دن کا روزنامچہ......

بھئی ردوبدل تو ہوتا رہتا ہے۔خیر آپ کا حکم ہے تو سنیں۔میری صبح فجر کی پہلی اذان کے ساتھ ہی ہو جاتی ہے پھر میں اٹھ بیٹھتی ہوں۔اذانیں سنتی ہوں پھر وہی روٹین واش روم جانا، وضو کرکے نماز پڑھتی ہوں تقریباً سات بجے میں تسبیحات سے فارغ ہوتی ہوں۔ٹیپو کو اسکول کے لیے تیار کیا اسے ناشتا کروایا آٹھ بجے اس کی وین آجاتی ہے۔اس کے جانے کے بعد اپنی میڈ کے ساتھ گھر کا کام کرواتی ہوں۔دس بجے دوپہر کے کھانے کا انتظام کرتی ہوں۔دو بجے ٹیپو آجاتا ہے ہم مل کر کھانا کھاتے ہیں۔اس کے بعد میں آج کل جو ڈراما لکھ رہی ہوں لکھتی ہوں۔چار بجے عصر کے بعد چائے کا دور چلتا ہے۔ٹیپو کو پڑھاتی ہوں۔ساتھ ہی رات کے لیے سالن اور چاول بنتے ہیں۔ساتھ کوئی بھی میٹھا بنالیتی ہوں ویسے کھیر میرے ہاں ایوری ٹائم فریج میں رہتی ہے کہ میرے میاں میٹھا کھانے کے بہت شوقین ہیں۔کبھی جلد سویرے سویرے فارم ہاؤس جانا ہو تو وہ ایک پیالہ کھیر اور ایک پیالہ دہی کھا کر ہی چلے جاتے ہیں۔رات کا کھانا ہم آٹھ بجے کھاتے ہیں۔ساتھ ہی آٹھ سے نو والا ڈراما ضرور دیکھتی ہوں۔کسی بھی چینل پر یا پی ٹی وی پر۔دس بجے تک ہم ماں بیٹا عشا کی نماز پڑھ لیتے ہیں۔نماز کے بعد ٹیپو کو سلاتی ہوں کہ میرے میاں بہت دیر تک نماز پڑھتے ہیں۔ٹیپو کو سلا کر پھر میں کچھ نہ کچھ پڑھتی ہوں۔پڑھنے کے بعد دو گھنٹے لکھتی ہوں اور بارہ ایک بجے سوتی ہوں پھر وہی صبح پانچ بجے فجر کی پہلی اذان پر اٹھ جاتی ہوں۔روٹین بدلتی بھی ہے کبھی کہیں چلے گئے کوئی آگیا کہ یہ سب تو زندگی کے ساتھ ہے۔ایسی کوئی اہم روٹین تو ہے نہیں...... لکھنے کے معاملے میں میاں جی بہت سپورٹ کرتے ہیں۔(بہت خوب، ماشاءاللہ کافی منظم روٹین ہے)

پاکیزہ✧......گھریلو امور میں کس شعبے میں زیادہ دلچسپی ہے مثلاً کوکنگ، سلائی کڑھائی، گھر کی سیٹنگ، ہیلنگ یا کچھ اور؟

اقبال بانو✧......مجھے کوکنگ کرنا بہت اچھا لگتا ہے۔میرے شوہر اور بیٹے کو میرے ہاتھ کے پکے کھانے پسند ہیں۔آپ کو بتاؤں شادی سے پہلے مجھے کچھ بھی پکانا نہیں آتا تھا گھر میں تھی تو بڑی پر چھوٹی بہنیں کوئی کام کرنے نہیں دیتی تھیں سب کچھ میں نے شادی کے بعد پکایا باقاعدہ سیکھا نہیں بس پکانے لگی تو خود بخود اچھا پکنے لگا البتہ شروع میں سالن میں مرچ تیز ہو جاتی تھی۔

پاکیزہ✧......جدید زمانے کے ساتھ خود کو کس حد تک ایڈجسٹ کیا؟

اقبال بانو✧......ارے بھئی اب ہم اتنے بھی پرانے نہیں ہیں نزہت۔یہ سوال کر کے دل ہی توڑ ڈالا (ارے ایسی بات نہیں ہے اقبال بانو، ہم بھی تو آپ کے ساتھ ساتھ ہیں) ویسے جدید فیشن کی بات کرو۔تو فیشن شروع ہی سے نہیں کیا۔وہی جو شروع سے شلوار قمیص تھی آج بھی اُسی اسٹائل کی پہنتی ہوں۔چھوٹی قمیص آئے یا اب ٹخنوں تک کی قمیص ہے مگر میری لمبائی وہی ہے گھٹنوں سے دو تین انچ لمبی اور شلوار کے پائنچے دس انچ کھلے تو یہی شروع سے فیشن رکھا جو سدا بہار ہے۔(مستقل مزاجی ہو تو ایسی، واہ کیا بات ہے)

پاکیزہ✧......ایک عورت کس طرح کامیابی سے گھر کے اندر اور باہر کے کام انجام دے سکتی ہے؟

اقبال بانو✧......نزہت میں سچ کہوں...... وہ عورت محترمہ عذرا رسول ہیں۔میری عذرا صاحبہ سے اکثر بات ہوتی ہے اور بہت دیر تک۔جس طرح وہ وقت کو اپنی مرضی سے چلا رہی ہیں ایسا کوئی بھی نہیں کرسکتا۔اللہ تعالیٰ عذرا رسول کو بے حد ہمت اور حوصلہ دے۔دین اور دنیا دونوں ایک ساتھ لے کر چل رہی ہیں ...اور وقت کی جو تقسیم عذرا صاحبہ نے کی ہوئی ہے اگر اسی طرح ہر عورت کرے کہ گھر میں بھی وقت دے اور باہر بھی تو یقیناً کامیاب ہوگی۔محترمہ عذرا رسول یقیناً خواتین کے لیے رول ماڈل

ہیں۔ (بے شک اس بات کا ان کے تمام خیر خواہ اعتراف کریں گے)

پاکیزہ ✧......کامیاب شادی کا مطلب ذہنی ہم آہنگی، سمجھوتا، مزاج کی مطابقت ہے یا ایک دوسرے پر حاوی رہنے کی خواہش اور کوشش یا کیا؟

اقبال بانو ✧......ذہنی ہم آہنگی...... ایک دوسرے پر کبھی حاوی رہنے کی نہ کوشش کی نہ خواہش ہے۔ سمجھوتا؟ نہیں نزہت بڑا لمبا راستہ ہوتا ہے اس میں سمجھوتا نہیں ہوسکتا۔ بس ایک دوسرے سے محبت ہو، مزاج آشنائی ہو تو سب ٹھیک ہے۔ (کاش کہ آج کی نادان بچیاں یہ بات سمجھ لیں)

پاکیزہ ✧......ایک آئیڈیل عورت، بیوی کیا ہوتی ہے؟

اقبال بانو ✧......میرے نزدیک آئیڈیل عورت وہ ہے جو اپنے بچوں...کو ملک کا اچھا اور کارآمد شہری بنائے۔ اپنے گھر اور شوہر سے وفادار ہو۔ (بالکل درست)

پاکیزہ ✧......ایک آئیڈیل مرد، شوہر کیا ہوتا ہے؟

اقبال بانو ✧......وہ مرد جو سارے رشتے بخوبی نبھائے، وہ مرد بیوی کی جائز بات ماننے والا اور بحیثیت بیٹا، بھائی، شوہر اور باپ کا رشتہ احسن طریقے سے نبھانے والا جیسے میرے شوہر نامدار ملک فیض رسول۔ (ماشاءاللہ! پروردگار آپ دونوں کو خوش آباد رکھے)

پاکیزہ ✧......ہمارا معاشرہ کس حد تک اسلامی احکامات کا آئینہ دار ہے؟

اقبال بانو ✧......اب تو اسلامی احکامات نظر ہی نہیں آتے۔ جوں جوں تعلیم بڑھتی جارہی ہے ہم اسلام سے قریب ہونے کے بجائے دور ہوتے جارہے ہیں۔ زیادہ کردار میڈیا کا ہے۔ ڈراموں میں دوپٹا نظر نہیں آتا اور اب تو ہمارے چھوٹے شہروں میں بھی دوپٹا غائب ہوتا جارہا ہے۔ جینز کرتے کی وبا یہاں بھی پہنچ گئی ہے البتہ حجاب پہننے والی لڑکیاں بھی ہیں مگر کم کم۔

پاکیزہ ✧......آپ کے نزدیک آزادیٔ نسواں کا کیا مفہوم ہے؟

اقبال بانو ✧......مادر پدر آزادی کی میں کبھی قائل نہیں رہی اور آزادیٔ نسواں کے جو حقوق ہمارے اسلام نے دیے ہیں انہی پر عمل کرلیا جائے تو وہی بہت ہیں۔ وہی ہمارے لیے نجات کا رستہ ہیں۔

پاکیزہ ✧......آپ کس حد تک دوسروں کی توقعات پر پورا اترتی ہیں؟

اقبال بانو ✧......پتا نہیں کسی کی توقعات پر پورا اترتی ہوں یا نہیں یہ تو دوسرے ہی بتا سکتے ہیں۔ میری کوشش تو ہوتی ہے کہ جس کو مجھ سے کوئی بھی توقع ہو میں ضرور پوری کروں۔

پاکیزہ ✧......آپ کی ذات سے کسی کو خدانخواستہ تکلیف یا دکھ پہنچے اور آپ اس سے آگاہ بھی ہوجائیں تو کیا معافی مانگ لیتی ہیں؟

اقبال بانو ✧......ہاں، کسی کو میری بات سے دکھ پہنچا ہو۔ وعدہ پورا نہ کرپاؤں تو شرمندہ بھی ہوتی ہوں اور فوراً سوری بھی کرتی ہوں۔ (اقبال بانو کی شخصیت کی انکساری کے ہم خود بھی گواہ ہیں)

پاکیزہ ✧......معاف کرنا کیسا عمل ہے، اس میں کیا خرچ ہوتا ہے؟

اقبال بانو ✧......معاف کرنا خدائی صفت ہے اور کسی کو آپ معاف کردیں، خرچ واقعی کچھ نہیں ہوتا بلکہ دل کو اطمینان اور سکون مل جاتا ہے۔

پاکیزہ ✧......اردگرد بسنے والوں کی کیا باتیں بری لگتی ہیں؟

اقبال بانو ✧......منافقت، چاپلوسی، جھوٹ، یہ باتیں بری لگتی ہیں۔

پاکیزہ ✧......اپنے معاشرے کی کوئی ایسی برائی جس پر قابو پانے کا فوری دل چاہتا ہو؟

اقبال بانو ✧......ایک دوسرے کی برائی کرنا۔ دوسروں کی ٹوہ میں رہنا اور خود کو Superb سمجھنا۔ یہ برائیاں ختم ہوجائیں تو مزہ آجائے۔

پاکیزہ ✧......کس قسم کی دوست......سہیلیاں بنانا پسند کرتی ہیں؟ مطلب کہ شخصیت میں کیا پسند آتا ہے جو ایک دم دوستی ہوجائے؟

اقبال بانو ✧......دوست......بس ملنسار ہوں۔ ہنس مکھ ہوں۔ ہر بات ہنس کر سہہ لیں، خفا نہ ہوں کہ دوستوں کی ناراضی برداشت نہیں ہوتی۔ ایسی ہی دوست ہوں......جو میرے جیسی ہوں۔

پاکیزہ ✧......پاکیزہ سے ناتا تو آپ نے شروع میں بتا ہی دیا مگر اب بیالیس سالہ سفر میں آپ کو کیسا لگا؟

اقبال بانو ✧......خوشی ہے کہ پاکیزہ نے بیالیس سال کا سفر طے کرلیا ہے بہت مبارک ہو اور میں چاہوں گی کہ میں اگلے بیالیس سال اس کے ساتھ مزید چلوں۔ اللہ چاہے اور زندگی وفا کرے تو ایسا ہوسکتا ہے ناں؟ (بالکل جی! ہمارے قارئین اور ہم یہی تو چاہتے ہیں)

پاکیزہ ✧......اچھا گھومنے پھرنے کا کس حد تک شوق ہے۔ اپنے شوہر کے ساتھ کہاں جانا پسند کرتی ہیں؟ اپنی سہیلیوں کے ساتھ کہاں جانا پسند ہے؟

اقبال بانو ✧......گھومنا بہت پسند ہے۔ شوہر اور بیٹے کے ساتھ ناردرن ایریا سارا گھومی ہوں.... سنگاپور دبئی ہم گئے ہیں۔ اب بیٹے کی خواہش ہے کہ اسے دوبارہ ناردرن ایریاز لے جایا جائے کیونکہ چھ سال پہلے جب وہ گیا تھا تو چھوٹا تھا۔ میں کہتی ہوں کہ اب تم مزید بڑے ہوجاؤ پھر چلیں گے۔ اصل میں اب وہ ہمت نہیں رہی اتنا گھومنے اور چلنے کی اور پھر ملکی حالات بھی تو اجازت نہیں دیتے۔ میرے بیٹے کو ہوٹلنگ کا شوق ہے تو ہر ہفتے ویک اینڈ پر ڈنر باہر کرتے ہیں۔ کبھی ملتان جائیں تو وہاں ورنہ وہاڑی اور بورے والا کا کوئی ہوٹل اور ریسٹورنٹ نہیں چھوڑا۔ اب تو ویٹر ہمارا مینیو بھی جان گئے ہیں البتہ ٹیپو نئی نئی ڈشز کا شوقین ہے۔ سہیلیوں کے ساتھ تو آپ کو بتایا ناں کراچی کلفٹن کا بیچ اور پھر اکثر طارق روڈ یا زیب النسا اسٹریٹ پر کبھی شاپنگ اور کبھی ونڈو شاپنگ کرتے تھے۔ زینب مارکیٹ کا چکر ضرور لگتا تھا۔ یہ میں پچیس سال پہلے کی بات بتارہی ہوں اب تو کراچی کے مالز اور دبئی کے شاپنگ سینٹرز میں کوئی فرق نہیں۔ اب تو کراچی گئے بھی اٹھارہ سال ہوگئے ہیں۔ اُف! انشاءاللہ ایک بار ضرور اپنے کراچی اپنے روشنیوں کے شہر جاؤں گی۔ (ارے ہم دیدہ و دل فرش راہ کیے ہیں کب تشریف لارہی ہیں؟)

پاکیزہ ✧......آج کل جو تحریریں نئی لڑکیاں لکھ رہی ہیں ان کے بارے میں کیا کہیں گی؟ اگر اپنے تجربے کی روشنی میں انہیں کوئی صلاح یا پیغام دینا چاہیں؟

اقبال بانو ✧......آج کل جو نئی لڑکیاں لکھ رہی ہیں یوں بھی فضول کی نصیحت کرکے کسی کو روکنا نہیں چاہیے۔ میرا تجربہ ہے کہ جذبے کسی اصلاح کے محتاج نہیں ہوتے۔ نئی رائٹرز لکھیں بار بار لکھیں۔ اپنے سینئرز کو پڑھیں کہ اچھی تحریریں پڑھے بغیر اچھا نہیں لکھا جاسکتا اور نصیحتیں لوگ سنتے نہیں تو پڑھی کیسے جاسکتی ہیں۔ فوراً صفحہ پلٹ دیا جاتا ہے۔ افسانے میں دلچسپی برقرار رکھتے ہوئے نصیحت کردیں یعنی کونین کی گولی چینی میں ملاکر دے دیں۔ (واہ کیا ٹپ بتائی ہے)

پاکیزہ ✧......اساتذہ رائٹرز میں سے کون پسند ہیں؟

اقبال بانو ✧......میں نے کرشن چندر، جیلانی بانو، سعادت حسن منٹو کو بہت پڑھا ہے۔ کراچی میں تھی تو کالج سے آتے ہوئے ریگل چوک پر کتابوں کے اسٹالوں سے ان رائٹرز کی چھوٹی چھوٹی کتابیں لیتی تھی۔ ان کے افسانے پڑھا کرتی۔ امرتا پریتم اور قرۃ العین حیدر کی اکثر بکس مجھے نویدہ تارڑ اور ناہید

نذر، نیو ائیر اور میرے برتھ ڈے پر گفٹ کرتی تھیں۔ میری دوست تھی نجمہ اسلم، کوئٹہ سے مجھے بہت خوب صورت خطوط لکھا کرتی تھی اور میری تحریروں پر تبصرہ لکھتی مجھے کتابیں گفٹ کرتی کہ کلاسیکل ادب وہ بھی پڑھتی تھی تو میرے پاس بہت اچھا کلیکشن تھا بلکہ ہے۔ عبداللہ حسین، قدرت اللہ شہاب، ممتاز مفتی کو بہت پڑھا پھر اشفاق احمد اور بانو قدسیہ کی تحریروں کو دل سے پڑھا۔ کافی عرصہ بشریٰ رحمٰن کی دیوانی رہی اور اب بھی میں مندرجہ بالا تمام رائٹرز کو ضرور پڑھتی ہوں۔ رفعت ناہید سجاد اور شوکت رانا الطاف کو بھی بہت پڑھا ہے۔

پاکیزہ ✧......اپنے ہم عصر رائٹرز میں کن کن کو پڑھتی ہیں؟

اقبال بانو ✧......میری ہم عصر رائٹرز نے لکھا اور اب بھی بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ اپنی انجم انصار انہوں نے مزاح لکھا یا افسانہ، پرفیکٹ لکھا ہے۔ انجم کے ناول بھی مجھے بہت پسند ہیں اور انجم میں یہ خوبی ہے کہ وہ جتنا اچھا مزاح لکھتی ہیں اتنا ہی اچھا افسانہ لکھتی ہیں۔ نگہت سیما مجھ سے سینئر ہیں لیکن مجھے ان کی تحریریں بہت پسند ہیں۔ وہ میرے ساتھ ساتھ بھی چل رہی ہیں۔ نگہت کا ایک افسانہ تھا گولڈن چانس وہ میرے دل کی رگوں میں رچ بس گیا اور پتا نہیں میں کتنی مرتبہ پڑھ چکی ہوں۔ بار بار پڑھا اور بے تحاشا روئی۔ نگہت عبداللہ بھی اچھا لکھتی ہیں۔ عمیرہ احمد کی ہر تحریر پڑھی ہے۔ پاکیزہ میں چھپنے والے ان کے ناول عکس پر ہر ماہ تبصرہ کیا۔ عمیرہ سے بات ہوتی رہی اور مجھے خوشی ہے کہ عمیرہ احمد نے بھی میری تحریریں پڑھی ہیں حالانکہ وہ خود بہت اچھا لکھتی ہیں۔ ایک روز کہنے لگیں بانو ہم نے تو آپ کو پڑھ پڑھ کر لکھنا سیکھا ہے۔ انہیں میرے 88ء میں چھپنے والے ناول دروازہ کھلا رکھنا کے کردار تک یاد ہیں۔ عمیرہ بہت بڑی رائٹر تو ہیں مگر بہت بڑی انسان بھی ہیں (یہ تو ہے) ان کے لبوں سے یہ سن کر مجھے بہت خوشی ہوئی اور یہ میرے لیے اعزاز ہے۔ عمیرہ احمد اللہ کرے آپ کو ارسم آفتاب کا ساتھ مبارک ہو، آمین۔ (ہم سب کی پُرخلوص دعائیں عمیرہ احمد کے ساتھ ہیں) اعزاز تو یہ بھی ہے جب عنیزہ سید میری تحریر کو پسند کرتی ہیں۔ مجھے عنیزہ سید کی تصوف والی تحریریں بہت پسند ہیں۔ عنیزہ کی ہر تحریر میں نے پڑھی ہے اور تلاش کر کر کے پڑھی۔ ساجدہ حبیب کے کشمیر کے موضوع پر لکھے ناولٹ ڈائجسٹوں کے لیے سرمایہ ہیں۔ ساجدہ کو بھی میں ضرور پڑھتی ہوں۔ دلشاد نسیم اور نگہت نسیم یہ دونوں بہنیں بہت سنبھل کر اور مناسب الفاظ کے چناؤ سے لکھتی ہیں اور بہت اچھا لکھتی ہیں۔ خالدہ اسد، حمیرا راحت، عظمت عزمی، ذکیہ بلگرامی صاحبہ کی سادہ مگر سلجھی ہوئی کہانیاں مجھے بے حد اچھی لگتی ہیں۔ اب وہ بھی عرصے سے نہیں لکھ رہیں خیر کچھ تو ہمارے درمیان نہیں اللہ دیگران کو سلامت رکھے۔ ہماری غزالہ نگار اورکزئی' ان کی گزشتہ سیریز کے سارے افسانے زبردست رہے۔ آج کل کی رائٹرز میں عالیہ بخاری، راحت جبیں، صائمہ اکرم، سمیرا حمید، عنیقہ بیگ، سائرہ رضا، نایاب جیلانی، ثمینہ عظمت علی، زمر نعیم وغیرہ کو بھی ضرور پڑھتی ہوں۔ بے شک پرانی رائٹرز ہوں یا نئی......ڈائجسٹ میں ضرور پڑھتی ہوں۔ ہاں جس رائٹر کی تحریر پہلی بار پسند آجائے تو پھر آئندہ بھی پڑھتی ہوں ورنہ......!

پاکیزہ ✧......اچھا روایتی سوالات بھی کر ڈالوں۔ پسندیدہ رنگ، موسم، کھانا، پکنک اسپاٹ، شعر، شاعر؟

اقبال بانو ✧......بلیک اور پنک کلر پسند ہے۔ آج کل موسم بہار ہے کھیتوں میں سرسوں پھولی ہوئی ہے۔ آموں کے درختوں پر بور آگیا ہے۔ کچنار اور آرڑو کے خوب صورت پھول میرے لان کو مزید خوب صورت کیے ہوئے ہیں۔ مالٹوں اور لیموں کے

سفید پھولوں کی خوشبو مہکا دیتی ہے اور مٹی کی خوشبو پسند ہے۔ کھانے میں مجھے دال چاول اور فش پسند ہے۔ گھومنے کے لیے کراچی کا سمندر یا پھر بھوربن۔ پسندیدہ شعر ایک نہیں دو

سوچوں تو ساری عمر محبت میں کٹ گئی
دیکھوں تو ایک شخص بھی میرا نہ ہوسکا

☆

لو آج سے بدل لی ہم نے بھی اپنی زندگی
جو وفا کرے گا وہی دل میں رہے گا

پسندیدہ شاعروں میں غالب، علامہ اقبال، منیر نیازی، احمد فراز، محسن نقوی، پروین شاکر، نوشی گیلانی اور نئی شاعرات میں شگفتہ شفیق، نسیم نیازی، سعدیہ ہما شیخ، فصیحہ آصف خان بہت اچھا لکھتی ہیں۔

پاکیزہ ✧......آپ کے نزدیک حقیقی مسرت کیا ہوسکتی ہے؟

اقبال بانو ✧......حقیقی خوشی، آپ خوش رہیں خوشیاں بانٹیں، درگزر کریں، معاف کردیں تو دیکھیں کیسی خوشی ملتی ہے اور کیا پُرسکون نیند آتی ہے۔

پاکیزہ ✧......میاں جی آپ کو کیا کہہ کر بلاتے ہیں اور آپ انہیں کیا کہہ کر پکارتی ہیں؟

اقبال بانو ✧......ارے واہ......بھئی میاں جی مجھے موٹو کہتے ہیں جبکہ میں لاڈ سے جانو یا پھر سنجیدہ ہوں تو سب کے سامنے ملک صاحب۔

پاکیزہ ✧......کوئی شدید خواہش جو اب تک پوری نہ ہوئی ہو؟

اقبال بانو ✧......اللہ کا بہت شکر ہے کہ جو مانگا اس نے دیا۔ مجھے میری حیثیت سے بڑھ کر دیا ہے۔ جو نہیں مانگا وہ بھی عطا کیا اور جو نہیں دیا تو شاید وہ ہمارے لیے بہتر نہ تھا۔ تو میرے سوہنے رب کا لاکھ لاکھ احسان ہے کہ اس نے میری اوقات سے بڑھ کر مجھے نوازا ہے اور نواز رہا ہے۔

پاکیزہ ✧......ایک طویل گیپ کے بعد پاکیزہ قارئین سے گفتگو کیسی لگی؟

اقبال بانو ✧......مجھے پاکیزہ قارئین سے بات کر کے مزہ آیا اور نزہت آپ کا شکریہ کہ آپ نے اتنی اچھی محفل میرے لیے سجائی......بہت بہت شکریہ۔ ایک دفعہ پھر میں ادارۂ پاکیزہ کی مدیرہ کا شکریہ ادا کروں گی اور ہاں محترمہ عذرا رسول کے خلوص و ایثار کو لاکھوں سلام جنہوں نے تمام رائٹرز اور ریڈرز کو ایک لڑی میں خوب صورتی سے پرویا ہوا ہے۔

پاکیزہ ✧......آخر میں ہماری رائٹرز، قارئین اور دیگر دوستوں کے لیے کوئی بات، کوئی پیغام، کوئی سوچ؟

اقبال بانو ✧......قارئین کے لیے پیغام یہی ہے کہ خوشیاں دو خوشیاں ملیں گی۔ دوسروں کے دکھ بانٹو، کسی کے درد کو اپنا سمجھو تو محبت اور خلوص پاؤ گے۔ رائٹرز اور قارئین خوش رہو، آباد رہو۔ آمین۔

عزیز قارئین! ہمیں پوری امید ہے کہ اقبال بانو کی دلچسپ و پُرمزاح اور سچی کھری باتیں آپ کو یقیناً پسند آئی ہوں گی ہمیں امید ہے کہ قارئین کے لیے ہماری یہ متحرک مصنفہ انشاء اللہ جلد ہی نئی کہانی منظرِ عام پر لائیں گی۔ اقبال بانو کا ایک مرتبہ پھر ہم شکریہ ادا کرتے ہیں کہ اپنی مصروفیات اور کچھ کچھ طبیعت خرابی کے باوجود سالگرہ نمبر 2 کے لیے ایک بھرپور بات چیت کی اور ہمارے اس ایشو کو چار چاند لگائے۔ خدائے بزرگ و برتر کے حضور دعا گو ہیں کہ آپ کا قلم یونہی رواں رہے تاکہ ہمارے قارئین اور کئی مصنفات بھی فیض یاب ہوتی رہیں۔ چھوٹی سی اچھی سی بات کے ساتھ آپ سے اجازت کہ خوش رہنا اور خوش رکھنا سیکھیں۔ اللہ حافظ!

جنوں کے راستے یوں تو کٹھن سے لگتے ہیں
مگر یہ راستے منزل تلک نکلتے ہیں
زمانہ ہر قدم پہ راہ روکنے والا
عزائم پختہ ہوں جن کے وہ کب بھٹکتے ہیں

☆☆☆

آج ہماری سالگرہ ہے

شائستہ زریں

بلاشبہ محبت خوش گمانی میں مبتلا کر دیتی ہے لیکن یہ جتنی خوش گمان ہوتی ہے، کبھی کبھی مقابل کی ذرا سی عدم توجہی سے بدگمان بھی اتنی ہی جلدی ہو جاتی ہے شاید اس لیے کہ جن سے دلی قربت محسوس ہوتی ہے، دکھ سکھ کے موقع پر دل سب سے زیادہ ان ہی کی طلب کرتا ہے۔ بالخصوص وہ خاص الخاص دن جو ہر انسان کی زندگی میں بہت اہم ہوتا ہے یعنی جنم دن، اس دن لاشعوری طور پر بے حد عزیز ہستی کی مبارک باد اور آمد کا شدت سے انتظار رہتا ہے اور حالات کچھ ایسے ہوں کہ بالمشافہ ملاقات کا امکان بھی نہ ہو اور مواصلاتی رابطہ بھی ممکن نہ ہو تب دل آس و نراس کی کیفیت سے گزرتا ہے، کبھی مایوسی ڈیرے ڈال لیتی ہے تو کبھی آس کے دیپ روشن ہو جاتے ہیں ایسے میں تکمیلِ تمنا سے بڑھ کر سالگرہ کا تحفہ اور کوئی نہیں ہوتا لیکن یہ بھی سچ ہے کہ تحائف کا لین دین تعلق کو مضبوط کرتا ہے۔ یہ بجا کہ تحائف کے لین دین اور انتخاب میں ہر انسان کا مزاج دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ تحفے کی بڑی خوبی دینے والے کا اخلاص ہے اور جنم دن پر ملاقات اور مبارک باد کے ساتھ چاہت سے دیے جانے والے تحفے کی بات ہی کچھ اور ہے کہ اس میں جذبوں کے دھنک رنگ بھی تو ہوتے ہیں ناں۔

سوان ہی امور کے پیشِ نظر ہم نے سروے کے ذریعے معلوم کیا کہ

سوال ا: آپ کی سالگرہ پر موبائل فون سروس بند ہو، بجلی نہ ہونے کے سبب فیس بک پر رابطہ بھی نہ ہو، سی این جی بند، ہڑتال بھی ہو اور کسی عزیز ہستی کی مبارک باد اور آمد کا انتظار بھی، تب دلی جذبات و احساسات کیا ہوں گے؟

سوال ۲: سالگرہ پر کیسا تحفہ لینا اور دینا پسند ہے؟

عنبرین رزاق

(اسسٹنٹ رجسٹرار، انسٹی ٹیوٹ آف بزنس اینڈ ٹیکنالوجی ہیڈ آفس فیشن اسکول)

ا: اگر کوئی اپنی سالگرہ پر میری مبارک باد اور آمد کا منتظر ہوتا اور صورتِ حال آپ کے سوال کے مطابق ہوتی تو یقیناً یہ اشعار میرے جذبات و احساسات کی تفسیر ہوتے کہ



عنبرین رزاق

کاش خوشیوں کی کوئی دکان ہوتی
یا اس کی کوئی پہچان ہوتی
بھر دیتی تمہارے دل کو خوشیوں سے
قیمت اس کی چاہے میری جان ہوتی

اور سچ تو یہ ہے کہ کسی کی بے بسی محسوس کر کے میرے بھی یہی احساسات ہوں گے جس سے یقیناً کوئی اور بھی گزر رہا ہوگا۔

۲: صرف اور صرف پرفیوم کہ پرفیوم کی خوشبو سے انسان کی پہچان ہوتی ہے کہ وہ کس نیچر کا ہے۔

ارسلان کھوکھر

(ٹی وی ہوسٹ، youth activist)

ا: ایسا محسوس ہوگا جیسے اچانک چاند پر پہنچ گئے سوئے زمین پر اُٹھے تو چاند پر اور یہاں دھرتی کے



ارسلان کھوکھر

چاند کی آمد بھی غیر یقینی۔ ایسے میں نظامِ زندگی درہم برہم ہو جائے گا اور کیفیت کچھ یوں ہوگی کہ

جہاں بھونچال بنیادِ فصیل و در میں رہتے ہیں
ہمارا حوصلہ دیکھو ہم ایسے گھر میں رہتے ہیں
خوش امیدی کے سہارے یہ وقت

گزار دوں گا۔

۲: مجھے تحفے میں wrist wach اور کتاب لینا بہت پسند ہے اور دیتا بھی یہی دو چیزیں ہوں لیکن کتاب دیتے ہوئے شخصیت کے ذوق کو مدِنظر رکھتا ہوں۔

یاسر پیرزادہ (نیوز اینکر)

ا: بغیر کسی الیکٹرانک آئٹم کی مدد کے اس دل سے اپنے دل کی بات کرتا جو دل مجھے ہر پل یاد کرتا ہے، ایک شعر یاد آ رہا ہے۔

فاصلے دوری سے ہوا کرتے ہیں دل سے نہیں
ملنے والے تو خوابوں میں بھی مل لیتے ہیں

اور میں بھی خود میں موجود اس شخص سے قلبی ملاقات کر کے باطنی مسرت سے ہمکنار ہونے کا لطف اٹھاؤں گا۔ یہ ساعتیں رائگاں نہیں جانے دوں گا۔

۲: سالگرہ کے تحفے میں مجھے پرفیوم دینا پسند ہے اور زیادہ تر میں پرفیوم ہی دیتا ہوں اور اگر کوئی مجھے پرفیوم ہی دے تو خوشی ہوتی ہے کہ پرفیوم کی



یاسر پیرزادہ

مہک تحفہ دینے والے کی محبت کا احساس دلاتی ہے جو بہت دل خوش کن ہوتا ہے۔

نورالعین (آر جے ریڈیو پاکستان خیر پور اسٹیشن)

۱: بس دل کی ایک ہی پکار ہوئی کہ عینی آج سالگرہ نہ مناؤ، جب سب ٹھیک ہو جائے گا، معمول کے مطابق اور ہمارے سب اپنے جب ساتھ ہوں گے تب منالینا سالگرہ۔

۲: کوئی اچھی سی کتاب خاص کر معلوماتِ عامہ پر مبنی کتاب سالگرہ میں بطور تحفہ لینا اور دینا دونوں ہی



نورالعین

صورتوں میں پسند ہے۔

ثانیہ ملک (طالبہ، کہانی نویس)

۱: سخت کوفت ہوئی اور دل کرے گا کہ کہیں سے بھی کوئی معجزہ ہوجائے اور میرا انتظار ختم ہوجائے گا... کیونکہ مجھ سے انتظار نہیں ہوتا میں بہت بے صبری ہوں۔

۲: مجھے کتاب لینا اور دینا پسند ہے کہ کتاب



ثانیہ ملک

سے بڑھ کر بہترین تحفہ کوئی بھی نہیں ہے مگر کتاب پڑھنے والے کے ذوق کو دیکھ کر دی جائے تو کیا بات ہے۔

یاسر عباس (فزیو تھراپسٹ، آر جے ریڈیو پاکستان کراچی)

۱: کچھ بھی ہو بس وہ شخص پہنچ ضرور جائے۔ کیسے بھی کسی سے بھی لفٹ لے کر ہی آنا پڑے۔ بہ صورتِ دیگر میری کیفیت اس شعر کی غماز ہوگی۔

انتہا ہو گئی انتظار کی
آئی نہ کچھ خبر میرے یار کی

اور ظاہر ہے اس صورت میں صبر کے علاوہ چارہ بھی کیا ہے۔

۲: سالگرہ کا سب سے بہترین تحفہ پیار اور دعاؤں کا لین دین ہے۔ اس کے علاوہ پرفیوم اور گھڑی تاکہ ہم دونوں کی زندگی خوشبو سے مہکتی رہے اور وقت کے ساتھ ساتھ ہمارا پیار بھی بڑھتا رہے۔



یاسر عباس



شہلا نواز

مہوش فاطمہ (طالبہ، وائس اوور آرٹسٹ، مصورہ)

۱: بے چینی ہوگی اور تھوڑا غصہ آئے گا۔

۲: ڈریس اور ہینڈ بیگ تحفے میں لینا پسند ہے کیونکہ مجھے بہت نئے ڈریس اور ہینڈ بیگ کا کریز ہے، تحفہ دینے میں پرفیوم اور اپنے ہاتھ کی بنی ہوئی پینٹنگ اور شوپیس دینا اس لیے پسند ہے کہ جب بھی تحفہ لینے والے پرفیوم لگائیں تو میری محبت کی خوشبو بھی محسوس کریں اور میری بنائی ہوئی پینٹنگ اور شوپیس دیکھیں تو احساس ہو کہ میں نے کتنی محبت سے ان کے لیے اپنے ہاتھوں سے بنائی ہے۔



مہوش فاطمہ

شہلا نواز (طالبہ)

۱: جلیں گے، کڑھیں گے، اپنے بال نوچیں گے، ستر کی دہائی کی غمزدہ ہیروئنز پر فلمائے گئے غمگین گانے...... زندگی جا چھوڑ دے پیچھا میرا اور کہاں ہو تم کو ڈھونڈ رہی ہیں یہ بہاریں یہ سماں گا گا کر رو رو کر تکیے کے تکیے بھگو دیں گے اور چائے کا ایک بڑا پیالہ صبر کے پیالے کے مانند پی کر غم غلط کرنے کی کوشش کریں گے۔

۲: کسی کو دینے کے لیے ایک بڑا سا تربوز اور اپنے لیے ڈائمنڈ رِنگ پسند ہے۔ ارے یہ تو مذاق تھا، تحفہ دینے کے لیے اپنی جیب کو مدِنظر

رکھتے ہوئے کتاب، جیولری، میک اپ کی اشیا پسند ہیں، ہمراہ دعائیں اور پھول۔ ویسے ہم نے ایک دوست کو ایک مرتبہ فون کارڈ بھی دیا تھا تحفہ دینے لینے کے لیے صرف اور صرف سچی دعائیں پسند ہیں کیونکہ پُرخلوص اور سچی دعا کا کوئی مول نہیں اور ہمیں اپنے پیاروں کی جیب پر بار ڈالنا بھی پسند نہیں۔

قارئین ایک شعر کا مصرعِ اوّل ہے......

جو آنا چاہو ہزار رستے نہ آنا چاہو تو عذر لاکھوں

اور یہ شکوہ اس وقت کتنا گراں گزرتا ہے ناں جب انسان اپنے پیاروں کی خوشی میں شریک ہونے کی ہر ممکن کوشش کرے اس کے باوجود اس کی بے بسی کو اس کی کوتاہی قرار دیا جائے رابطے کے تمام وسائل بالخصوص مواصلاتی ذرائع بھی چپ کی چادر اوڑھ لیں تب علامہ اقبال کا خیال درست ہی معلوم ہوتا ہے کہ...... ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت اس صورتِ حال سے سمجھوتا ہی بہتر ہے کہ اس سے تعلق میں دراڑ بھی نہیں پڑتی اور آپ جن کے منتظر ہوں انہیں یہ احساس ہوتا ہے کہ آپ ان کی مبارک باد اور آمد کے بنا دلگرفتہ بھی ہیں ...اور ان کی بے بسی محسوس بھی کر رہے ہیں۔ سالگرہ کے تحفے میں کتابوں کا لین دین ہمیں بہت پسند ہے، دل خوش کن امر ہے کہ آج کے نوجوانوں میں بھی یہ شوق پروان چڑھ رہا ہے حسبِ سابق ہماری اور ادارۂ پاکیزہ کی جانب سے پاکیزہ کے قارئین کے لیے ان کی سالگرہ پر (جب بھی آئے) یہ دعائیہ سوغات۔

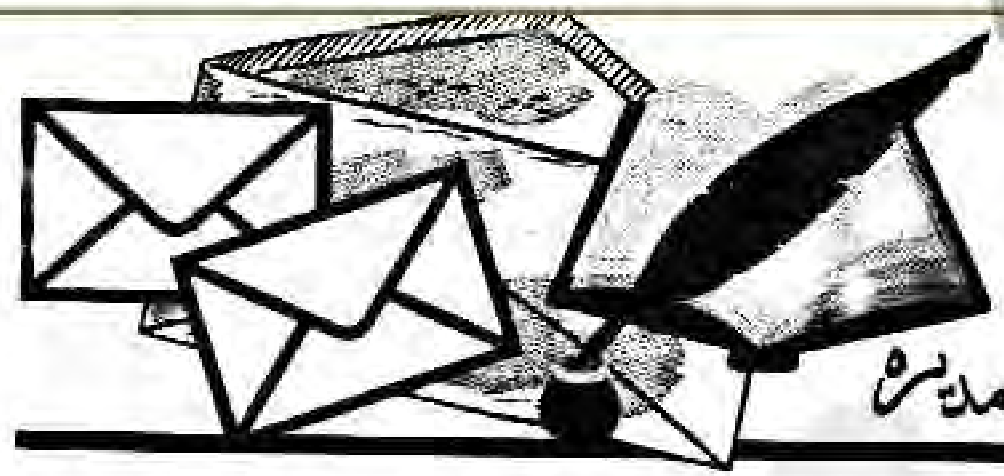
ہونٹوں پہ آئی تیرے جنم دن پر یہ دعا
سایہ فگن ہو سر پہ ترے سکھ کا آفتاب
کوئی بھی غم نہ آئے تری زیست کے قریب
روشن رہے یہ چہرہ ترا مثلِ ماہتاب

☆☆☆

مجھ سے ملیے

مجھے ایشل شادیان کہتے ہیں...... میرا تعلق ضلع بدین کے تعلقہ گولارچی سے ہے۔ جو گیس اور تیل کے ذخائر جیسی نعمت سے مالا مال ہے۔ پاکیزہ سے میرا تعلق بہت پرانا ہے۔ کتابوں سے دوستی ہے اور انہیں بہت سنبھال کے رکھتی ہوں اسی لیے پرانے پاکیزہ بھی نئی حالت میں ہیں جنہیں دیکھ کر کزنز حیران ہوتے ہیں۔ شاعری کرنا، ڈائجسٹ پڑھنا اور نت نئی ڈشز بنانا میری ہابیز ہیں، کوکنگ کا مجھے جنون کی حد تک شوق ہے، شاعری بھی کافی عرصے سے کر رہی ہوں جو صرف موبائل کے ذریعے فرینڈز تک محدود تھی پھر ہمت کر کے پاکیزہ میں لکھنا شروع کیا آنٹی نے کافی حوصلہ افزائی کی اسی لیے ایک لکھاری کے طور پر آپ کے سامنے ہوں۔ مجھے پھول، تارے، چاند، گگن، بارش، چہچہاتے پرندے، غروبِ آفتاب، سبزہ، تتلیاں غرض ہر وہ شے جو ایک شاعر کو اچھی لگتی ہے ہمیں بھی پسند ہے۔ خاص طور پر غروبِ آفتاب کا منظر آنکھوں کو بہت بھاتا ہے، ہر شام اک نیا منظر ہوتا ہے، ڈریس میں شلوار قمیص اور فراک اچھی لگتی ہے، میرے فیورٹ کلر میں وائٹ اور بلیک شامل ہیں۔ سادگی پسند ہوں، کھانے میں میٹھا پسند ہے، نمکین میں فش، کڑاہی اور اچار گوشت پسند ہے۔ میری خواہش طوافِ کعبہ ہے، سردیوں میں ڈھیر ساری آئس کریم اور یہ کہ پاکیزہ کے توسط سے میری کوئی فرینڈ بنے۔ میرے نزدیک دوستی کی بہت اہمیت ہے اور میں ہر ممکن حد تک نبھاتی ہوں۔ میں نے کبھی سالگرہ نہیں منائی۔ پردہ کرتی ہوں، قرآن پڑھ کر سکون ملتا ہے، جھوٹ اور غرور سے سخت نفرت ہے جو چیز اچھی لگے اس کی فوراً تعریف کرتی ہوں خواہ وہ کسی کی بھی ہو...... اپنی تعریف سننا اچھا نہیں لگتا، چوڑیوں کے بجائے بریسلیٹ پسند ہیں۔ میرا پیغام تمام بھائیوں کے نام۔ بہنیں آپ کی عزت ہیں تو آپ بھائی ہم بہنوں کا مان ہوتے ہیں اسے کبھی مت توڑیے گا میری التجا ہے مجھے دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

ایشل شادیان شاد، تعلقہ گولارچی



بہنوں کی محفل

مدیرہ

✖ عزیز از جان بہنو! السلام علیکم رحمتہ اللہ و برکاتہ!

✖ حمد و ستائش اس ذات کے لیے جس نے کارخانۂ عالم کو وجود بخشا اور درود و سلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جنہوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا۔

✖ ماؤں کا عالمی دن...... اس لحاظ سے تو اہم ہے کہ ہم سوچیں کہ ہم کس کیٹیگری میں کھڑے ہیں...... اپنی ماؤں کا خیال رکھتے ہیں یا نہیں...... ورنہ ماؤں کا دن تو ہر روز ہے...... کہ ان کا حق تو ہم ادا ہی نہیں کر سکتے...... اکثر بیٹیاں اپنی ماؤں سے اس وجہ سے ناراض ہوا کرتی ہیں کہ وہ ان پر روک ٹوک زیادہ کرتی ہیں مگر جب وہ خود ماں کے منصب پر فائز ہوتی ہیں تو یہی کہتی نظر آتی ہیں کہ ماؤں کی روک ٹوک کبھی غلط نہیں ہوا کرتی...... پیاری بہنو...... آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ خوب صورت پودے یا ہرے بھرے درخت جب ٹیڑھے میڑھے پھیلنا شروع ہو جاتے ہیں تو مالی انہیں کاٹ پیٹ کر ٹھیک کر دیتا ہے...... اسی لیے بچوں کو بھی اس روک ٹوک پر واویلا نہیں مچانا چاہیے...... کیونکہ یہ بھی پودے ہیں اور ان کے بھلے کے لیے ہی ہوا کرتا ہے اسی لیے ان کو غلط راہوں سے بچانا آپ کا فرض ہے...... ماں کا یہ فرض...... باپ سے بھی زیادہ ہے۔

اپنی بہنوں سے آج ایک چھوٹی سی بات مزید کرنی تھی...... سہیلیوں کی مہندیوں، شادیوں پر یا خاندان میں کزنز کے ہاں تقریبات پر آپ اپنی بیٹیوں کے ساتھ خود جائیں اور انہیں واپس اپنے ساتھ لے کر آئیں ایسا نہ کریں کہ رات کو وہاں ہلا گلا کرنے کے لیے آپ انہیں چھوڑ کر آ جائیں...... اور کسی بچی کا کوئی نقصان ہو جائے...... یہ چھوٹی، چھوٹی باتیں...... بھائی اور باپ نہیں سوچ سکتے...... یہ صرف مائیں ہی خیال کر سکتی ہیں...... تو پلیز کسی کی خوشی میں آپ اتنی پاگل بھی نہ ہوں...... کہ اپنے فرائض سے بھی لاتعلق ہو جائیں...... گزشتہ دنوں آنے والے ایک فون نے مجھے ہلا کر رکھ دیا ہے...... پلیز آپ اپنی آنکھیں کھلی رکھیں پلیز......

اور آئیں اب سرگرمیوں پر نظر ڈالنے سے پہلے صرف ایک بار درودِ ابراہیمیؑ پڑھتے ہیں جو ہر نماز میں پڑھا جاتا ہے اور اس کے بعد صرف تین بار آیتِ کریمہ پڑھ کر اپنے لیے، اپنے ملک کے لیے اور عالمِ اسلام کی پریشانیوں کو رفع کرنے کے لیے ضرور دعا مانگیں۔ آیتِ کریمہ یہ ہے۔

لا اله الا انت سبحانك انی كنت من الظالمین

ترجمہ: تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور تو ہر عیب اور کمزوری سے پاک ہے، میں قصورواروں میں سے ہوں (نوٹ) یہ حضرت یونسؑ کی مشہور دعا ہے کہ جو انہوں نے مچھلی کے پیٹ میں اللہ سے کی تھی۔ یہ آیتِ کریمہ کہلاتی ہے۔ اس کے پڑھنے کے فوائد کثرت سے ہیں اور اب آپ اپنی مصنفات، شاعرات اور قارئینِ پاکیزہ بہنوں کی سرگرمیوں پر ایک نظر ڈالیں کہ کیا کچھ ہو رہا ہے مگر اس سے قبل ایک اہم بات اور ہے کہ آپ کی تجاویز کو مدِنظر رکھتے ہوئے آئندہ ماہ سے دین کے صفحات میں تھوڑی تبدیلی کی جا رہی ہے...... معروف مصنفہ اختر شجاعت کی دینی تحریریں پڑھ کر یقیناً آپ کو بے حد خوشی ہوگی۔ ہاں...... پڑھ کر اپنی آرا سے آگاہ کرنا ہرگز مت بھولیے گا۔

مصنفات، شاعرات اور قارئین پاکیزہ بہنوں کی تازہ بہ تازہ سرگرمیاں

☆ محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر اپنے نام سے شروع ہونے والے اسکول کی افتتاحی تقریب میں کراچی تشریف لائے اور اچھی تعلیم کے موضوع پر باتیں کیں...... اسکول کی انتظامیہ کی جانب سے خوب صورت شیلڈ ڈاکٹر عبدالقدیر نے تقریب میں موجود ممتاز شخصیات کو دیں جس میں آپ کی باجی انجم انصار کو بھی شیلڈ ملی اس موقع پر انہوں نے اپریل کا سالگرہ نمبر اور اپنی ایک کتاب کھری کھری ان کو پیش کی۔ واضح رہے کہ اس کتاب کا انتساب ڈاکٹر عبدالقدیر کے ہی نام ہے۔

☆ دو مئی کو آرٹس کونسل، کراچی میں آپ سب کی ایک پسندیدہ مصنفہ کے اعزاز میں ایک تقریب ہو رہی ہے۔ جو بہنیں اس میں

شرکت کی خواہش مند ہیں......وہ مجھ سے فون نمبر 021.36981952 پر مزید معلومات حاصل کرسکتی ہیں۔

☆ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار اور شاعرہ شمائلہ سہیل جاوید کے حوالے سے دو نیوز ہیں پہلی یہ کہ ان کی بیٹی کا میڈیکل کالج میں داخلہ ہوگیا ہے اور دوسری یہ کہ اپنے بچوں کے کہنے پر انہوں نے بی اے کا امتحان دیا اور ماشاء اللہ بہت اچھے نمبروں سے وہ پاس بھی ہوگئیں۔(مبارک باد)

☆ پاکیزہ کی مصنفہ تسنیم منیر علوی دبئی عمرے کی سعادت حاصل کرکے واپس دبئی پہنچ گئی ہیں۔(مبارک باد)

☆ ہماری پیاری شاعرہ اور افسانہ نگار عطیہ زاہرہ، لاہور نے اپنے ایم ایڈ کے فائنل امتحان میں فرسٹ گریڈ حاصل کرلیا ہے۔(مبارک باد)

☆ ہماری پیاری مصنفہ سلمیٰ غزل کی لائق فائق بیٹی کہکشاں حمید نے امریکا سے ڈاکٹری کا ایک امتحان USMLE کے دونوں اسٹیپ کلیئر کرلیے ہیں۔(مبارک باد)

☆ ہماری مستقل تبصرہ نگار اور شاعرہ بہن نجمہ اصغر، کراچی کے جواں سال بیٹے عمیر رومی ایک ٹریفک حادثے میں زخمی ہوگئے ہیں۔ان کی کلی صحت اور زندگی کے لیے دعا کریں۔

☆ پاکیزہ کی معروف شاعرہ سعدیہ ہما شیخ، سرگودھا کے حوالے سے دو نیوز ہیں، پہلی یہ کہ ان دنوں ان کے ابو، امی عمرے کی سعادت حاصل کرنے سعودی عرب گئے ہوئے ہیں اور دوسری یہ کہ ان کی بیٹی حور عین اور دوسری بیٹی ماوا نے اپنے اپنے اسکولوں میں کلاس میں فرسٹ پوزیشن لی ہے۔ ان کے حوالے سے ایک اور خبر یہ ہے کہ سعدیہ ہما کی چھوٹی صاحبزادی اپنی ہی گاڑی کے نیچے آکر زخمی ہوگئی تھی مگر اب وہ بفضلِ تعالیٰ خیر وعافیت سے ہے۔(مبارک باد)

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری فریدہ سجاد کے بیٹے حسن سجاد، ٹورنٹو کے ہاں بیٹا ہوا ہے......جس کا نام محمد مصطفیٰ حسن رکھا گیا ہے۔(مبارک باد)

☆ پاکیزہ کی شاعرہ، افسانہ نگار افتخار شوق، نے میاں چنوں سے اطلاع دی ہے کہ خانیوال میں جشنِ بہاراں 21 مارچ سے 25 مارچ تک ہوا جس میں ایجوکیشن کا اسٹال فرسٹ آیا۔(مبارک باد)

☆ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار سعدیہ سلیم، سڈنی اپنی بھتیجی کی شادی میں شرکت کے لیے اپنی فیملی کے ساتھ اسلام آباد پہنچ گئی ہیں۔(خوش آمدید)

☆ گزشتہ دنوں ادارہ پاکیزہ سے وابستہ عبدالحمید صاحب کی بیٹی بشریٰ حمید کی شادی محمد علی کے ساتھ بخیر وخوبی انجام پائی۔(دلی مبارک باد)

☆ اینہ عندلیب کی پیاری سہیلی اور مصنفہ نوشین ساجد کی اس ماہ سالگرہ ہے۔

☆ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار صفیہ بیگم، لالہ موسیٰ کے بھتیجا ہوا ہے۔جس کا نام ارتضیٰ بیگ رکھا گیا ہے۔(مبارک باد)

انتقال پُرملال

☆ پاکیزہ کی تبصرہ نگار پروین افضل شاہین، بہاول نگر کے والد محترم اللہ کو پیارے ہوگئے۔

☆ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار ارم کمال، فیصل آباد کی بھابی فوزیہ بشارت انتقال کرگئیں۔

☆ گزشتہ دنوں سینئر اناؤنسر، براڈ کاسٹر اور ڈراما فنکارہ عبیدہ انصاری کا انتقال ہوگیا ہے۔گزشتہ ماہ پاکیزہ کے سروے میں بھی وہ شامل تھیں۔

☆ پاکیزہ کی تبصرہ وافسانہ نگار شمیم ناز صدیقی، کراچی کے بہنوئی شیر افگن انتقال کرگئے۔

☆ اس ماہ پاکیزہ کی مستقل قاری عذرا خالد کے شوہر جناب سید خالد حسین جیلانی کی برسی ہے۔

نوٹ: تمام مرحومین کے لیے دعائے مغفرت کے ساتھ تین بار سورۂ اخلاص پڑھ کر دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔

☆☆☆

☆ گزشتہ ماہ پاکیزہ کے سالگرہ نمبر ایک میں دوسو سے زائد باا ثر مصنفات، شاعرات اور تبصرہ نگار بہنوں سے متعارف کرایا گیا

تھا جسے نہ صرف ہماری مصنفات نے بلکہ ہمارے قارئین کی ایک بڑی تعداد نے بے حد پسند کیا......ملک اور بیرونِ ممالک سے...... بے شمار ٹیلی فون کالز آئیں......جس سے میرے حوصلوں کو مزید توانائی ملی......مگر اس کے ساتھ ساتھ شکایتیں بھی......موجود ہیں...... جنہیں جان کر دلی کے ساتھ تاسف بھی ہوا کہ آپ لوگ کس، کس انداز میں سوچا کرتی ہیں۔جیسے ظل شاہین نے کہا۔ہاں واقعی یہ میری کوتاہی ہے مجھے تو تمہارے بارے میں بھی لکھنا چاہیے تھا......ابھی میں ظل شاہین سے بات کرکے فارغ ہوئی تھی کہ ثمینہ وحید کا پنجاب سے فون آگیا......کہ اتنے عرصے سے پاکیزہ سے جڑی ہوئی ہوں تو کیا آپ میرا صرف نام بھی نہیں دے سکتی تھیں۔ایک نئی تبصرہ نگار بہن جن کا نام میں ظاہر نہیں کرنا چاہتی انہوں نے انتہائی غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ آپ نے فریدہ خانم کے بارے میں اتنا اچھا اور اتنا سارا لکھ دیا......وہ اتنی بڑی شاعرہ کہاں سے آگئیں......اس پر میں نے انہیں سمجھایا کہ بیٹا......ہر ایک کو خوش رکھنا ناممکنات میں سے ہے مگر وہ بدستور ناراض ہیں کہ آپ کے اس رویے نے تو مجھے بہت ہرٹ کیا ہے کہ فریدہ خانم کو مجھ پر فوقیت دی گئی......اور وہ یہ بھول گئیں کہ فریدہ خانم کا پاکیزہ سے برسوں کا ساتھ ہے، میں اعتراف کرتی ہوں کہ بے شمار نام لکھنا بھول گئی...... جو مجھے لکھنے چاہیے تھے مگر اکثر نے اس بات پر کوئی واویلا بھی نہیں مچایا......اور یہ ان کی بڑائی ہے کہ میری اس کوتاہی کو نظر انداز کیا...... بہرحال یہ سب شکایتیں اپنوں سے ہی ہوا کرتی ہیں، اللہ تعالیٰ صحت وتندرستی کے ساتھ ہم سب کو سلامت رکھے۔زندگی رہی تو آئندہ بھی کسی نئے سلسلے کے ساتھ پھر آئیں گے......اور کوشش کریں گے کہ کسی کو نہ بھول پائیں۔

☚ عنیزہ سید، سیالکوٹ سے۔"پاکیزہ کی کہانیوں کا معیار بہت اچھا ہے۔ میں چاہتی ہوں پاکیزہ سے اچھے مصنفین جڑے رہیں۔نئی لڑکیوں میں بھی پوٹینشل ہے آپ ضرور پروموٹ کریں۔اُمِ طیفور کی کہانیاں اچھی لگیں۔شہناز وسیم کی تحریر میں کلاسیکی رنگ نمایاں ہے، روشانے عبدالقیوم غالباً نئی لڑکی ہے مگر بہت اچھا لکھا۔فرحت احمد اور شمشاد اختر کی تحریریں بھی اچھی تھیں۔پاکیزہ کے تمام اراکین بہت محنت کررہے ہیں خاص طور سالگرہ نمبر بہت اچھا تھا آپ نئے ٹیلنٹ کو ضرور فروغ دیں اس طرح نت نئے موضوعات سامنے آتے ہیں......میں ان قاری بہنوں کی دلی مشکور ہوں جو شامِ شہر یاراں کو پسند کررہی ہیں اور اپنی قیمتی رائے بھی مسلسل دے رہی ہیں جو کسی بھی رائٹر کے لیے بے حد اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔آپ کے ادارے نے میرے ناول کو جو پزیرائی بخشی ہے وہ قابلِ قدر ہے اب انشاء اللہ یہ اختتامی مراحل میں ہے اس کے اینڈ پر میں تبصروں کی منتظر رہوں گی۔میری دعا ہے کہ آپ کا پرچہ بے اندازہ ترقی کرے اور آپ نئی نسل کو صاف ستھری، اصلاحی اور کردار ساز تفریح مہیا کرنے کا باعث بنی رہیں۔الٰہی آمین!"(پیاری عنیزہ......تم نے تو ماشاء اللہ اس ناول کے توسط سے مقبولیت کے جھنڈے گاڑ دیے ہیں......ہمارے قارئین اس ناول کو بہت پسند کررہے ہیں)

☚ مسز نزہت اشفاق، کراچی سے"انجم آپ نے تو بہت زیادہ تعریف کردی ہے۔بہنوں کی اس دفعہ سب بہنیں بہت بہت خوش ہوئی ہوں گی۔عنیزہ سید اور رضوانہ پرنس کے ناول پڑھ کر مزہ آرہا ہے، عذرا رسول نے بہت خوب صورت باتیں کی ہیں۔پاکیزہ کی کہانیاں واقعی خیر کی نمائندہ ہیں......مصنفات کے انٹرویوز ہر ماہ ہونے چاہئیں۔پہلے عنیزہ سید کو لے کر آئیں۔اس ماہ ٹاپ کی تحریر بہنوں کی محفل رہی۔"(یہ تو ہے ہی آپ بہنوں کی......اس لیے پسند تو آنی تھی)

☚ نزہت اصغر، کراچی سے۔"سب سے پہلے تو شاندار سالگرہ نمبر نکالنے پر دلی مبارک باد، آپ نے بہت محنت سے پاکیزہ سے وابستہ دوسو سے زیادہ مصنفات کے متعلق لکھا انہیں یاد رکھا اور تبصرہ نگاران کو بھی برابر سے اہمیت دی۔یوں تو بیشتر رائٹرز خطوط میں اپنے، اپنے افسانوں سے متعلق پڑھنے کے لیے بے تاب رہتی ہوں گی مگر پاکیزہ کا پلیٹ فارم تمام قارئین کو حالِ دل کہنے کا موقع بھی فراہم کرتا ہے گویا روزمرہ زندگی میں ہم جس طرح دوسروں کے لیے متجسس رہتے ہیں اسی طرح تمام قارئین تبصرہ نگار بھی ایک دوسرے کے حال احوال سے واقف رہنے کی تمنا دلوں میں یقیناً رکھتی ہیں تبھی تو کسی بھی ایک بات پر مہینوں بحثیں چھڑی رہتی ہیں اور نت نئے جوہر کھلتے رہتے ہیں کبھی کسی کی بحث میں لقمے دیے جارہے ہیں تو کبھی کسی کو بے اندازہ سراہا ہی چلا جاتا ہے جو کبھی کبھی غیر حقیقی بھی لگتا ہے، ہر چیز اعتدال میں اور اپنے آپے میں ہی اچھی لگتی ہے۔تمام مصنفات نئی و پرانی بے حد اچھا لکھ رہی ہیں، دل جمعی سے اور کافی حد تک ہوم ورک کرکے لکھ رہی ہیں مگر انسان ہونے کے ناتے غلطی کی تو گنجائش بہرحال رہ ہی جاتی ہے کون پرفیکٹ ہونے کا دعویٰ کرسکتا ہے ہاں مگر بہتر سے بہترین کی سعی وکوشش ضرور کرسکتا ہے اگر وہ دل سے چاہتا ہے تو......میں بھی پاکیزہ کا بڑی مستقل مزاجی اور عرق ریزی سے مطالعہ کرتی ہوں، جہاں کہانیوں میں محنت کی جارہی ہے وہاں کارنرز، شاعری ودیگر امور پر بھی مکمل دھیان دیا جارہا ہے تبھی تو

بیشتر بہنیں کہتی ہیں کہ پاکیزہ میں شامل تراشے اور کوششز وغیرہ بھی قابلِ ذکر ہوتی ہیں۔ اب میں وہ آئے بزم میں کی بات کرنا چاہوں گی ان تمام قارئین کرام کا بے حد شکریہ جنہوں نے اس سلسلے کو سراہا اور اس کے متعلق گراں قدر آرا سے نوازا...... ہماری نظر میں ایک پوری فہرست ہے کہ جن سے آپ کا مکمل تعارف اور بھرپور ملاقات کروائی جائے گی، ساتھ ساتھ ہمیں افسانوں کی زیادہ سے زیادہ شمولیت کا بھی خیال رہتا ہے اسی باعث وہ آئے بزم میں ایک مہینے کا وقفہ آجاتا ہے پوری کوشش ہوتی ہے کہ مقررہ صفحات میں بھی آپ کے ادبی ذوق کی مکمل تسکین ہوسکے۔ آپ کا تعاون، محبت، پُرمغز تبصرے اور تنقید برائے اصلاح شاملِ حال ہو تو یہ سلسلہ مزید دلچسپ اور پُرروح ہوگا۔ میں تمام مصنفات بہنوں، تبصرہ نگار اور دیگر خاموش قارئینِ کرام کا پاکیزہ سے از حد تعاون پر شکریہ ادا کرتی ہوں۔" (پیاری نزہت، مکمل ذات تو صرف اللہ تعالیٰ کی ہے اور صرف وہی تعریف کے لائق ہے مگر تنقید کے ساتھ تعریف بھی لکھنے والوں کے لیے آکسیجن کی حیثیت رکھتی ہے، وہ آئے بزم میں پاکیزہ کا مقبول ترین سلسلہ ہے جس کا سارا کریڈٹ آپ کو جاتا ہے)

✉ صالحہ کوثر، پنجاب۔ آپ سمیت وہ تمام بہنیں جو قرآن پاک کی کتابت کرنے کی خواہش مند ہیں اس ضمن میں، میری ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی سے تفصیلی بات ہوئی ہے۔ انہوں نے تمام بہنوں کے لیے یہ کہا ہے کہ پہلے وہ قرآن پاک خوب پڑھیں اتنا پڑھیں کہ اس میں پوری طرح انوالو ہوجائیں کہ آپ جب لکھنا شروع کریں تو اس کو درمیان میں نہ چھوڑیں کیونکہ بہت سی بہنوں نے لکھنا شروع کیا تھا...... اور ایک آدھ پارے کے بعد وہ مکمل نہیں لکھ سکی تھیں اور جب پورا ارادہ باندھ لیں تو وہ قرآن پاک لیں جس کے ہر صفحے پر پندرہ سطریں ہوں...... پندرہ سطروں والے قران پاک کی آیت مکمل ہوجاتی ہے اور پھر اس قرآن پاک کے حساب سے کاغذ پر سطریں لگوائیں (لائنیں) کاغذ اچھی قسم کا لیں جہاں سے آپ کاغذ اور قرآن پاک لیں گی وہی لوگ لائنیں بھی ڈال کردے دیں گے۔ لکھنے کے لیے کالے رنگ کا پوائنٹر لے لیں جو پچاس یا ساٹھ روپے میں اچھا سا مل جاتا ہے۔ کاغذ ایک مرتبہ ہی پورے حساب کتاب سے لے لیں اور جب لکھنا شروع کریں تو ہمیشہ باوضو لکھیں...... اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ سعادت عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

✍ امینہ عندلیب، سلانوالی سے۔ "ان دنوں میری طبیعت بہت خراب ہے پتا نہیں کیا ہو رہا ہے، طبیعت کچھ سنبھلتی ہے اور پھر خراب ہوجاتی ہے آپ سب بہنیں اپنی دعاؤں میں مجھے ہمیشہ یاد رکھنا...... مجھے پاکیزہ، انجم باجی اور اس میں سب لکھنے والیوں اور پڑھنے والوں تک سے محبت ہے۔ اس مرتبہ تو سالگرہ کا شمارہ لیٹے لیٹے پڑھا ہے اور منہ سے بے اختیار واہ نکلا ہے، سب نے ہی بہت محنت کی ہے اور میری باجی نے تو بہت ہی کی ہے اور اللہ محنت کا صلہ جلد ہی دیا کرتا ہے۔" (اللہ میری گڑیا کو صحت و زندگی عطا فرمائے، تم اپنی جانب سے ہرگز مایوس نہیں ہونا، انشاء اللہ جلد ٹھیک ہوجاؤ گی)

✉ سلمیٰ تاج، کراچی۔ اس محفل میں خوش آمدید بفضلِ اللہ تعالیٰ میں بالکل ٹھیک ہوں، آپ کے سمیت مجھے پیٹ کے انفیکشن کے 101 ایک نسخے موصول ہوچکے ہیں جو میں خصوصی سپلیمنٹ کے طور پر نکالوں گی مگر ایک بات جو ہر دوسری بہن نے مجھے بتائی ہے کہ پیٹ سے متعلق کوئی بھی بیماری ہو اس میں پانی زیادہ پینا چاہیے اور اسپغول کی بھوسی کا استعمال کرنا چاہیے...... اور میری جانب سے اتنا اضافہ اور کرلیں کہ ہمیشہ پانی پر جاہے ایک بار ہی بسم اللہ سمیت پوری سورۂ فاتحہ پڑھ لیا کریں۔

✍ سعدیہ ہما شیخ، سرگودھا سے۔ "سالگرہ نمبر زبردست تھا، پاکیزہ کی ہر طرف دھوم مچی ہوئی ہے، گزشتہ دنوں ڈگری کالج میانوالی میں، میں چیف گیسٹ بن کر گئی تھی...... وہاں میری بہت سی بہنوں سے ملاقات ہوئی...... باا ثر شخصیات سے مل کر بہت ہی اچھا لگا...... مگر سالگرہ کے حوالے سے کوئی تقریب ضرور ہونی چاہیے...... عذرا باجی کا خصوصی پیغام محبت سے بھرا ہوا تھا...... ان کی سوچ کتنی پیاری اور مثبت ہے پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ پاکیزہ میری پہچان ہے اس لیے مجھے پاکیزہ سے بہت محبت ہے۔" (سعدیہ ہمیں بھی آپ سے بہت محبت ہے)

✍ فرزانہ قادر، میانوالی سے۔ "انجم باجی میں پاکیزہ کی خاموش قاری ہوں مگر سالگرہ نمبر پڑھ کر...... چپ نہیں رہ سکی...... آپ نے کتنی محبت اور عزت کے ساتھ اپنی رائٹرز اور بہنوں کا تذکرہ کیا ہے اور عذرا رسول باجی نے کتنی اچھی باتیں کی ہیں...... آپ یقین کریں بہنوں کی محفل میں نے بار بار پڑھی ہے، تینوں ناول اچھے جارہے ہیں اور جلترنگ تو ہمیشہ ہی ہمارے ہونٹوں پر مسکراہٹ لے آتا ہے، ہمیں عظمیٰ آفاق کے افسانے اور سفرنامے پڑھنے ہیں، ان سے لکھوائیں ناں آپ۔" (جی ضرور)

✍ فیروزہ بیگم، کراچی سے۔ "سالگرہ نمبر بہترین تھا، اس سال تو آپ نے سالِ گزشتہ سے بھی اچھا میگزین نکالا ہے،

اداریہ تو ادبی شہ پارہ نظر آرہا ہے، ادب کے حوالے سے سنجیدہ گفتگو اچھی لگی۔ محترمہ عذرا رسول نے آپ کو بالکل صحیح خراجِ تحسین پیش کیا ہے مگر آپ کیپٹن نہیں بلکہ جنرل ہیں...... ہر تحریر بہترین رہی مگر بہنوں کی محفل میں پتا نہیں ایسا کیا تھا کہ جب بھی میگزین کھولا اسی کو پڑھنے لگی تھی۔" (فیروزہ بہن میں نہ کیپٹن ہوں، نہ جنرل...... بلکہ آپ کی خادم ہوں...... اور میری یہ ہمہ وقت خواہش اور کوشش رہتی ہے کہ ہر شمارہ پہلے سے بڑھ کر ہو...... اور اس کو پڑھ کر بہنوں کو آگاہی ہو...... اور ہم سب کو اللہ کی خوشنودی بھی حاصل ہو...... اور ہم سب بدعت سے بچیں...... اور معبودِ برحق کے سوا کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلائیں...... ہاں آپ کی بھیجی ہوئی دعائیں میں وقتاً فوقتاً روحانی مشوروں میں شامل کرلوں گی، اس کے لیے جزاک اللہ)

✍ رخسانہ رضوی، لندن سے۔ "مارچ کا پاکیزہ پڑھا، پورا رسالہ واقعی بہت اچھا تھا مگر سب سے بہترین آپ کا اداریہ تھا جسے میں نے یہاں لوگوں کو پڑھ پڑھ کر سنایا...... انجم آپ بہت ہی اچھا اداریہ لکھتی ہیں۔" (اس محفل میں خوش آمدید اور پسندیدگی کا شکریہ)

✍ ڈاکٹر ممتاز ضیا، ضیاالدین اسپتال کراچی سے۔ "تم نے بیمار پڑ کر سب کو ہلا دیا تھا اللہ کا شکر ہے کہ اب تم صحت مند ہو...... بے ادبی کے اس دور میں تم نے ادب کی اہمیت کو اجاگر کیا...... تم نے بہت اچھا لکھا...... امانت میں ستارہ کا کردار دلچسپی کا باعث تھا...... مگر وہ بے چاری تو جان سے ہی گئی اور اب پھر بی جان ہی رہ گئی ہیں...... یہ قسط گوارا تھی، ترکِ وفا میں جرمن زبان کے الفاظ تحریر کی دلچسپی کم کررہے ہیں، ناہید فاطمہ کی سوئی ناک اچھی تحریر ہے...... شام شہریاراں کی یہ قسط پھیکی رہی...... شہناز وسیم کی کم سن ہیروئن کی محبت عجیب لگی۔ اب کہانیوں جیسی محبت بھی کہانیوں جیسی لگ رہی ہے۔ رضوانہ کے ہیرو تو بہت ہی دل پھینک ہیں اب چہرہ منظرِ عام پر آیا ہے، حالات بگاڑنے میں فاران نے تو حد ہی کردی۔ فرحت احمد نے اچھا لکھا، نگہت سیما کی بولڈ ہیروئن نے اتنی آسانی سے جان کیوں دے دی اس کو اپنی ماں سے اپنا حق مانگنا چاہیے تھا۔ پل صراط اچھی تحریر لگی...... مگر اولڈ انداز حیران کن لگا، سکینہ فرخ کی تحریر پر مکمل ہونے پر تبصرہ کریں گے۔ بہنوں کی محفل میں محترمہ عذرا رسول کا پیغام پڑھا...... کبھی کبھی تو یاد کرتی ہو اچھا لگا...... اور ایسے پیغامات آتے رہنے چاہئیں کہ مجھے اچھے لگتے ہیں، یہ حقیقت سو فی صد ہے کہ پاکیزہ کی اس محفل میں محبت عنقا نہیں ہے...... اور اس میں انجم کا کردار بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے، سالگرہ نمبر کا سرپرائز...... باا ثر شخصیات واؤ بہت اچھا لگا...... تعارف مختصر ہی سہی...... مگر بہت بہت اچھے لگے...... اتنے بڑے، بڑے ناموں میں مجھ ناچیز کو جگہ دینا...... میرے لیے واقعی حیران کن اور مسرت آمیز بھی تھا...... ویسے اپنی بیماری میں تمہیں یہ اچھوتا آئیڈیا خوب آیا۔ شکر ہے کہ تم نے اس مرتبہ عظمیٰ کو اپنی احتیاطی تدابیر کی نذر نہیں کیا...... عظمیٰ کا مزاحیہ قطعہ پسند آیا۔ پاکیزہ ڈائری اچھی رہی جلترنگ کے تو رنگ ہی نرالے ہیں مزہ آگیا......" (بھرپور تبصرے کا شکریہ)

✍ ذکیہ ایوب، کراچی سے۔ "سالگرہ نمبر بہت شاندار رہا...... ہر تحریر بہترین لگی۔ تینوں ناول بڑی مستانی چال سے آگے بڑھ رہے ہیں، رضوانہ پرنس کے ناول کا اختتام ہونے کو ہے۔ امانت میں چونکا دینے والے انکشافات شروع ہوگئے ہیں...... اس مرتبہ تمام افسانے بہت اچھے تھے...... روشانے عبدالقیوم کا مختصر سا افسانہ بہترین رہا۔ نگہت اعظمی نے بہت ہی اچھا لکھا کہ واقعی تلافی ہی نہیں ہوسکتی۔ شہناز وسیم نے انڈیا، پاکستان کے تناظر پر لکھا اور خوب لکھا۔ اسلوبِ بیان بہت اچھا تھا...... نوشین ناز اختر تو بہت ہی خوب صورت لکھتی ہیں۔ اللہ پر بھروسا سب راستے کھول دیتا ہے۔ (بے شک) نایاب کا ترکِ وفا بھی برا نہیں ہے، نگہت سیما کا موضوع پرانا تھا مگر اسلوب نیا تھا...... سکینہ فرخ کی کہانیاں مجھے اچھی لگتی ہیں۔ اگلی قسط کا انتظار ہے...... جلترنگ کی معمولی بات بالکل بھی معمولی نہیں ہے۔ بیس ہزار کی سائیکل پر تولیے کا سوکھنا...... واقعی پڑھ کر مزہ آگیا۔ اب ذکرِ خیر ہے ہماری اپنی محفل کا...... عذرا رسول کا پیغام اے ون لگا...... پھر پاکیزہ کی باا ثر شخصیات کا تعارف پاکیزہ کی سالگرہ کا سب سے بڑا اور سب سے خوب صورت تحفہ تھا...... آج پہلی مرتبہ پتا چلا کہ ہماری بہنوں کا تعلق کہاں، کہاں سے ہے، مجھے بتاؤ اتنی ریسرچ تم آخر کس وقت کرتی ہو...... شکر ہے کہ اس مرتبہ تم نے عظمیٰ کو شامل کرلیا ورنہ سال گزشتہ ہم سب کو بہت غصہ تھا کہ تم نے اسے کیوں نہیں شامل کیا تھا...... عظیم اور آرزو سے گزارش ہے کہ مدیحے والوں کو ہمارا اسلام پہنچادیں اور اپنی دعاؤں میں ہم سب کو یاد رکھیں...... امینہ عندلیب کو اللہ صحت اور زندگی دے...... آمین۔" (تبصرے کا شکریہ، آپ کو دو سو سے زیادہ باا ثر شخصیات سے مل کر اچھا لگا...... نوازش...... جی ہاں...... یہ چند صفحات لکھنے میں مجھے اتنا ٹائم لگا تھا...... کہ اگر میں چاہتی تو اتنے وقت میں ایک مکمل ناول لکھ سکتی تھی۔ جبکہ آمنہ حماد نے پورے سال کے شماروں کا ایک، ایک حساب کتاب مجھے بنا کر بھیجا تھا...... اور اس لڑکی نے بھی یہ کام پورے دس دن میں کیا ہوگا۔ بہرحال یہ ایک

ٹیم ورک ہوتا ہے......اور بفضلِ اللہ تعالیٰ ہم سب لوگوں میں اتنی لچک ہے کہ ہم بہ آسانی ایک ساتھ یہ کام کر لیتے ہیں جو بظاہر خاصے مشکل بھی نظر آیا کرتے ہیں، اس لیے یہ صرف اور صرف اللہ کا کرم ہے۔)

✍ اختر شجاعت، کراچی سے۔ ”سب سے پہلے آپ کو عذرا رسول صاحبہ کو اور پاکیزہ کی تمام ٹیم کو پاکیزہ کی سالگرہ کی بہت مبارک باد......اللہ تعالیٰ اسے بے حد ترقی عطا فرمائے......آمین۔ بہنوں کی محفل میں محترمہ عذرا رسول کا پیغام بہنوں کے لیے بہت بھرپور میسج تھا۔ ان کی اس بات کی میں سو فیصد تائید کرتی ہوں کہ انجم نے پاکیزہ کی مصنفات کو قارئین بہنوں کو ایسی ڈور سے باندھا ہے جس کا تعلق ہر روز مضبوط سے مضبوط تر ہوتا جا رہا ہے۔ ماشاء اللہ......واقعی انجم آپ محبتوں کا سمندر ہیں۔ آپ نے اس بار بہنوں کی محفل بے حد خوب صورت سجائی......اور اپنی مصنفات کے لیے جتنے خوب صورت الفاظ کے ساتھ لکھا ہے......بس جی کیا بات ہے آپ کی۔ بہرحال آپ نے مجھے جن الفاظ میں یاد کیا جزاک اللہ......اللہ تعالیٰ مجھے اتنے اچھے گمان رکھنے پر ایسا بنا دے......آمین۔ بہرحال آپ کی محبت آپ کا خلوص کسی شکریے کا اہل نہیں۔ ایک طویل عرصے کے بعد افسر سلطانہ نے یاد کیا......بے حد شکریہ افسر......خوش رہو......ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی صاحبہ کا انٹرویو بے حد اچھا تھا......ان کے لیے دل سے ڈھیروں دعائیں اللہ تعالیٰ انہیں صحتِ کاملہ عطا فرمائے۔ آمین۔ شائستہ زریں کا سروے اچھا رہا......پاکیزہ ڈائری ہمیشہ ہی بے حد اچھی ہوتی ہے، کافی اچھی چیزیں پڑھنے کو ملتی ہیں۔ محترمہ شیریں حیدر اور محترمہ غزالہ نگار کے والد کے انتقال پر بہت افسوس ہے۔ کبھی، کبھی الفاظ کہیں گم ہو جاتے ہیں۔ بس کیا کہوں......اس دکھ کو میں خود سمجھ سکتی ہوں کہ اس دکھ سے میں گزر چکی ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو صبرِ جمیل عطا فرمائے......اور مرحومین کی مغفرت فرمائے، آمین اور انجم آپ کے لیے اللہ سے دعا ہے وہ آپ کو صحتِ کاملہ عطا فرمائے اور آپ کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔“ (جزاک اللہ)

✍ عصمت بخاری، لاہور سے۔ ”سب سے پہلے اداریہ پڑھا بہت اچھا لکھا......عنیزہ سید کا ناول تو سانس روک کر پڑھا ہے۔ بہت اچھا لکھ رہی ہیں، رفعت سراج کا امانت بھی بہت پسند آ رہا ہے۔ پاکیزہ کی باأثر شخصیات کے بارے میں پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ اب میں فاطمہ خان سے ایک بات کہنا چاہوں گی کہ میں مسلمان ہوں ان کا افسانہ بہت اچھا تھا......مگر کرسچن اپنی فرسٹ کزنز سے شادی نہیں کیا کرتے ہیں کہ وہ انہیں اپنی بہن اور بھائی سمجھا کرتے ہیں......باقی آپ کا رسالہ بہترین ہے، بہنوں کی محفل پڑھ کر ہمیشہ خوشی سی ہوتی ہے۔ باأثر شخصیات میں میری ایک ہم نام نظر آئیں مگر وہ اوکاڑہ سے ہیں اور میں ہوں لاہور کی......“ (انشاء اللہ اب آپ بھی ہمارے اس کارواں میں شامل تو ہوں گی، ہیں ناں......تو باأثر شخصیت بننے میں دیر کیا لگے گی)

✍ شیریں سلیم، لاہور سے۔ ”سالگرہ نمبر......واقعی خصوصی نمبر لگ رہا ہے، سرورق اچھا نہیں لگا......مگر تحریریں بہترین رہیں......اور ہمیشہ کی طرح ٹاپ کرنے والی تحریر بہنوں کی محفل رہی......عذرا رسول کی تصویر دیکھ کر جیسا میں نے اندازہ لگایا ہے کہ بے حد دھیمے انداز میں بولتی ہوں گی......ان کا پیغام بھی دھیمے مگر بے حد مؤثر انداز میں تھا جس کے ہر لفظ نے دل پر اثر کیا......عذرا جی آپ واقعی محبت کرنے والی اور ٹیلنٹ کو عزت دینے والی ہیں......تینوں ناول شاندار ہیں، مجھے تو سب پڑھ کر ہی مزہ آ رہا ہے، جلترنگ نے تو میلا لوٹ لیا......واہ جی......کسی چیز کے طفیل تو ہم مسکرائیں......اللہ آپ کو خوش رکھے، افسانے آہستہ آہستہ پڑھ رہی ہوں......اور ذکیہ بلگرامی کو میرا اسلام پہنچا دیں کہ بہترین انٹرویو تھا......مگر مختصر لگا......ہم آپ کی مزید باتیں سننا چاہتے ہیں، ایک بہن کی تجویز سے میں اتفاق کرتی ہوں کہ ذکیہ بلگرامی کی یادوں کی مالا کو دوبارہ شائع کیا جائے......“ (آپ کی رائے پہنچائی جا رہی ہے)

✍ لالہ رخ، کراچی سے۔ ”میں پاکیزہ کی بیس سال سے خاموش قاری ہوں اور آج اتنا شاندار سالگرہ نمبر پڑھ کر......اپنی خاموشی توڑ بیٹھی ہوں......بہت اچھا لگا سطر، سطر پڑھ کر انجم آپ بہت اچھا لکھتی ہیں اور عظمیٰ آفاق کا انداز بھی بے ساختگی لیے ہوئے ہے۔ ناولوں میں مجھے امانت سب سے زیادہ پسند آیا ہے، جلترنگ تو ہر گھر کی کہانی ہے، ذکیہ بلگرامی کا انٹرویو سب سے زیادہ پسند آیا۔ دیگر تحریریں بھی بہت اچھی لگیں مگر باأثر شخصیات کے بارے میں تو بار بار پڑھ رہی ہوں اور ہر دفعہ نیا مزہ آ رہا ہے۔“ (اس محفل میں خوش آمدید......پسندیدگی کا شکریہ......اب اس محفل میں آپ کا انتظار کیا کروں گی)

✍ تحسیم فضلِ خالق، پشاور سے۔ ”فی الحال بہنوں کی محفل، جلترنگ اور امانت پڑھی ہے، تفصیلی تبصرہ تو ممکن نہیں......جلترنگ میں معمولی بات، زبردست تھا......واقعی ہم بہت سی قیمتی چیزوں کا استعمال غلط کرتے ہیں، مینا باجی کی سائیکل تو پھر بھی تو لیا

سکھانے کے کام آتی تھی......بعض سائیکلیں تو صافیاں سکھانے کے کام آتی ہیں......یقین کریں میں نے بعض جگہ خود دیکھا ہے اس بار بہنوں کی محفل بھی بہت زبردست تھی، ہر بہن کو آپ نے اس قدر عزت دی ہے کہ جس کی حد نہیں......اس بار کا سالگرہ نمبر پڑھ کر ہر بہن اترائے گی اور ہر کسی کی عزت خود اپنی ہی نظروں میں دوچند ہوگی......امانت بس سو سو تھی......زیادہ مزہ نہیں آیا......معلوم نہیں کیوں......حالانکہ رفعت سراج بلند پائے کی رائٹر ہیں۔“ (تبصرے کا شکریہ)

✍ شائستہ زریں، کراچی سے۔ ”سالگرہ کا بھرپور تاثر دیتا سرورق خوب تھا، غباروں اور موم بتیوں کی کمی یوں بھی محسوس نہیں ہوئی کہ سرورق پر موجود بچی بڑی ہو گئی اور صنفِ نازک اپنی سالگرہ پر موم بتیوں سے افشائے راز کے ڈر سے جلد ہی ترکِ وفا کر جاتی ہیں۔ اداریہ جو کسی بھی رسالے کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے، بلاشبہ نہ صرف پُرمغز بلکہ ادبی شہ پارہ تھا ادب کی تخلیق کا بنیادی مقصد اور تخلیقی ادب کا اصل جوہر کیا ہے یہ مدیرہ نے مختصر مگر جامع انداز سے واضح کر دیا......اس کے ساتھ ساتھ ادب کی آبیاری میں پاکیزہ ڈائجسٹ کے کردار کی بھی وضاحت کر دی......اگر پاکیزہ کی مصنفات کو سراہا تو قارئین پاکیزہ اور تبصرہ نگار بہنوں کی اہمیت کو بھی تسلیم کیا، بہت خوب......اداریہ لکھنا ایک فن ہے اور بلاشبہ انجم باجی اس ہنر میں طاق ہیں۔ دین کی باتیں سبحان اللہ......امانت، رفعت سراج کی ذہانت سے بھرپور تحریر جس کی ہر قسط کا اختتامی جملہ بے چینی سے اگلی قسط کا انتظار شروع کرا دیتا ہے۔ نایاب جیلانی نے ہمیشہ کی طرح سے میدان مار لیا تحقیق اور تخلیق کو ساتھ لے کر چلنا ان کی امتیازی صفت ہے۔ نزہت اصغر کہاں ہیں آپ......؟ جلدی سے اپنے مخصوص انداز میں نایاب جیلانی کا انٹرویو تو کریں......موتی ناک، ناہید فاطمہ کی مختصر مگر سبق آموز تحریر تھی۔ روشانے عبدالقیوم کا آگہی کا لمحہ عمدہ تحریر......واقعی اللہ کے حضور توبہ اور اللہ کی طرف سے معافی ہی ہے جو ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ثابت ہوتی ہے، بہت آرزو تھی گلی کی تیری کی مصنفہ کی شخصیت کی طرح ان کی تحریر بھی بہت پیاری تھی۔ نوشین ناز اختر نے ہمیشہ کی طرح لڑکیوں کو اثر انگیز پیغام دیا۔ بے شک اپنی آن کو عزیز رکھنے اور اپنے لیے اللہ کو کافی سمجھنے ہی میں عافیت ہے۔ رضوانہ پرنس ہر ماہ اپنے ناول کو ایک نئے موڑ پر چھوڑ کر قارئین کے تجسس کو خوب بڑھاتی ہیں، نگہت سیما کا ناولٹ کمال کا تھا۔ نگہت اعظمی نے پل صراط کے ذریعے نہایت عمدہ پیغام دیا ہے لڑکیوں کی حریص ماؤں کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔ رشتوں اور تعلق کی بنیاد سچ پر رکھنی چاہیے کسی بھی غلط کام میں صرف ایک مرتبہ اور کی خواہش کا انجام بہت بھیانک ہوتا ہے، سکینہ فرخ کی اس صدی کی محبت کی داستان ابھی جاری ہے آغاز تو بہت عمدہ ہے، آگے، آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا......سروے کے بارے میں کیا کہوں یہی کہ قارئین کی آرا کی منتظر ہوں جس کی روشنی میں اسے خوب سے خوب تر بنایا جا سکتا ہے، اب ذکر ہے اس بزم کا جہاں ہجوم مہ رُخاں ہوتا ہے اور تل دھرنے کو جگہ نہیں ہوتی۔ یعنی بہنوں کی محفل کا جہاں ہر سالگرہ نمبر میں کوئی نہ کوئی ندرت ہوتی ہے جیسے اس مرتبہ پاکیزہ ڈائجسٹ بلکہ ڈائجسٹوں کی دنیا کی باأثر شخصیات کو پاکیزہ کی سالگرہ کی سوغات مدیرہ انجم انصار نے دی اور خوب دی......یقیناً یہ انجم باجی کے لیے بڑے کٹھن لمحات ہوتے ہیں کہ کسے یاد رکھیں، کسے بھول جائیں......؟ اور انجم باجی کبھی نہیں بھولتیں ان مصنفات کو جو آج ہمارے درمیان نہیں جزاک اللہ......پاکیزہ ڈائری عظمیٰ محنت سے سجاتی ہیں، عظمیٰ اپنے قلم کو رواں کر دو بہت ہو گئی اب......جلترنگ جس کے لیے میری روزِ اوّل سے ایک ہی رائے ہے۔ معمولی بات میں کیسے سادہ انداز میں انڈین ڈراموں کی بیشتر خواتین کے کردار کی نشاندہی کی ہے ان کے ڈراموں میں ہمیشہ کرمنل سی خواتین دکھائی جاتی ہیں۔ اسی خاکے میں انڈین خواتین آرٹسٹوں کے بلاؤز کے انداز کو ڈیکوریشن کی کرسیوں کے غلاف سے تشبیہ دیتے ہوئے لکھتی ہیں۔ مجھے تو اب وہاں کی خواتین کرسیاں لگتی ہیں۔ کبھی کبھی کا یہ فقرہ بھی خوب ہے کہ وہ اتنی مکارانہ شناخت کی حامل ہیں کہ کسی کی بھی شاپنگ دیکھ کر بتا دیتی ہیں کہ وہ کہاں سے کیسے اور کیوں خریدے گئے؟ اس فقرے میں مکارانہ شناخت کی حامل کی اصلاح کا جواب نہیں......مہر کے حوالے سے کیا خوب لکھا ہے کہ مہر کا وعدہ پانچ لاکھ سے ہوتا ہوا......پچاس ہزار تک آ گیا اور پھر صرف پانچ ہزار لکھوایا جیسے کہ آپ کے شیئرز، ڈوب کر کاغذ کے شیئرز بن گئے ہیں۔ صغریٰ زیدی کے بعض منتخب اشعار قاری بہنیں بھی گنگنا رہی ہوتی ہیں کیا ہی اچھا ہو کہ اس سلسلے میں تھوڑی سی تبدیلی لے آئیں۔“ (تفصیلی تبصرے کا شکریہ، آپ کی تجاویز نوٹ کر لی گئی ہیں)

✍ عطیہ زاہرہ، لاہور سے۔ ”سرورق بہت خوب صورت ہے، جس میں بہار کے رنگ بھی واضح نظر آ رہے ہیں اور بدلتی رُت ماڈل کے چہرے پر بھی نمایاں ہے اور اگر اب بات کہانیوں کی کروں تو سکینہ فرخ کا مکمل ناول بہت ہی زبردست ہے سلسلے وار ناول

بھی اچھے جا رہے ہیں، افسانے اس بار سب ایک سے بڑھ کر ایک ہیں، بہنوں کی محفل مجھے ہمیشہ سے ہی بہت پسند ہے۔ سب کے بارے میں پتا چلتا رہتا ہے۔ اس دفعہ پاکیزہ کی باا‌ثر شخصیات کے بارے میں پڑھ کر بہت اچھا لگا، آپ نے جس طرح ان سب کے بارے میں لکھا ہے یہ بہت عزت کی بات ہے۔ نئے لکھنے والوں کے نام بھی شامل ہیں، مجموعی طور پر دیکھا جائے تو پرچا اچھا ہے اور آپ لوگوں کی محنت کو ظاہر کر رہا ہے۔" (شکریہ)

☜ شاہرونہ علی، پنجاب سے۔ "بہت پرانی قاریہ ہوں یہ مجھے آپ کی وجہ سے پسند ہے کیونکہ میں آپ کی فین ہوں۔ اس میں تمام لکھاری بہنیں موتیوں کی لڑی کی طرح ہیں ایک سے بڑھ کر ایک...... نہ جانے آپ نے یہ موتی کہاں سے اکٹھے کیے ہیں، آج میں کچھ مسائل لے کر حاضر ہوئی ہوں۔ بالوں میں جو بھی ڈائی لگاتی ہوں مجھے الرجی کر دیتا ہے حالانکہ میں لگانے سے پہلے الرجی کی گولیاں بھی کھاتی ہوں، سرخ مہندی لگاتی ہوں جو مجھے سخت ناپسند ہے اگر کسی بہن کو کوئی بالوں کو کالا کرنے کا طریقہ آتا ہو پلیز بتائیں۔ تاعمر شکر گزار رہوں گی۔ (پھر بھی لگایا بلکہ کافی ڈائی لگائے ہیں) اگر کسی بچی کو ماہواری کم آتی ہو تو کوئی دیسی ٹوٹکا ہو تو بتائیں، باجی انجم اس رسالے میں اگر ہر ماہ کسی نہ کسی رائٹر جو پاکیزہ کی ہوں کا انٹرویو بھی شائع کریں تو اچھا لگے گا۔ اس ماہ مارچ میں سب افسانے اچھے تھے مگر مجھے بندمٹھی بہت پسند آیا ہے اس کے لیے عقیلہ حق مبارک باد کی مستحق ہیں۔ باجی انجم صاحبہ کبھی آپ بھی اپنا انٹرویو دیں، انتظار رہے گا۔" (آپ کے مسائل ہماری قاری بہن حل کریں گی۔ پاکیزہ کی پسندیدگی کا شکریہ)

☜ ارم کمال، فیصل آباد سے۔ "اپریل کا سالگرہ نمبر بڑی ہی شان و شوکت کے ساتھ جلوہ افروز ہوا...... پاکیزہ کو 42 سالگرہ بہت بہت مبارک ہو، خدا کرے ہمارا پاکیزہ روز بروز ترقی کے جس اونچے مینار پر ہے اس پر ہمیشہ قائم رہے۔ آمین۔ بہنوں کی محفل میں اس دفعہ اتنے رنگ تھے کہ ہم رنگوں میں نہا سے گئے۔ ساری مشہور رائٹرز سے ملاقات دل کو اک نئی ترنگ دے گئی۔ باجی آپ کا ایک عظیم وصف یہ ہے کہ آپ سب کو ساتھ لے کر چلتی ہیں کبھی کسی کو بھولتی نہیں ہیں جو رائٹرز آج ہم میں نہیں آپ انہیں بھی نہیں بھولیں۔ قسط وار ناول بڑی آن بان اور شان سے آگے بڑھ رہے ہیں، اس کے علاوہ کہانیوں میں آگہی کا لمحہ، کہانیوں جیسی محبت اور پل صراط بہت ہی خوب صورت موتیوں کا گلدستہ تھیں۔ شائستہ زریں کا سروے بہت ہی اچھوتا اور سالگرہ کی مناسبت سے تھا۔" (شکریہ)

☜ طاہرہ کنول، اورنگی ٹاؤن سے۔ "اپیا......! میں آپ کے ماہنامہ پاکیزہ کی عرصہ دراز سے قاری ہوں بلکہ یوں کہنا زیادہ موزوں ہوگا کہ جب سے ہوش سنبھالا ہے اور کتابوں کے مطالعے کا احساس ہوا تب سے ہی پاکیزہ سے تعارف رہا ہے اور اس کے ذریعے ہی اتنے بڑے اور عظیم لوگوں سے شرفِ تعارف حاصل ہوا، عرصے سے میرے دل میں یہ خواہش تھی کہ آپ کو خط لکھوں اور بہنوں کی محفل میں شامل ہوں اور آپ میرے بھی خط کا جواب دیں لیکن میں کبھی قلم اٹھانے کی جرأت نہیں کر سکی لیکن اپیا آج میں نے آپ کو خط لکھ دیا ہے اس امید پر کہ آپ اسے ردی کی ٹوکری کی غذا نہیں بنائیں گی۔ اپیا یہ میرا کسی بھی ماہنامے بلکہ کسی بھی ادارے یا شخص کو پہلا خط ہے جسے لکھنے میں میرے احساسات کے ساتھ ساتھ ایک مجبوری بھی شامل ہے۔" (اس محفل میں خوش آمدید...... دیگر باتوں کے لیے آپ مجھے فون کرلیں۔ میرا نمبر ہے 021.36981952)

☜ اسماصدیقہ، کراچی سے۔ "آپ کا مجھے کچھ کہنا ہے سے بہنوں کی محفل اور پھر دعا میں بڑی اپنائیت ہے سارے سلسلے اور افسانے دل کو چھو لیتے ہیں، ہاں ذرا سا انداز کہیں کسی کہانی میں مصنوعی قسم کے ماحول میں ڈوبا نظر آتا ہے متاثر کرنے کے لیے انگلش (بے وجہ) پڑھتے ہوئے عجیب سی لگتی ہے۔" (ہاں یہ تو ہے)

☜ نگینہ ضیا بخش، کراچی سے۔ "مجھے معلوم ہے مئی کا شمارہ سالگرہ نمبر دو ہے، اس لیے میری جانب سے اور جہبود ایجوکیشن سے وابستہ میڈم شاہینہ اور میڈم تنویر کی جانب سے بھی پاکیزہ کی سالگرہ کی مبارک باد قبول کریں۔ پاکیزہ ہر جگہ اور ہر اسکول میں پڑھا جاتا ہے کیا میں ٹیچرز سے متعلقہ نیوز بھی پاکیزہ میں لگوا سکتی ہوں؟" (جی ہاں، پاکیزہ سب کے لیے ہے۔ ہر بہن کی نیوز لگ سکتی ہے ہمارے لیے ہمارے قارئین بے حد اہم ہیں)

☜ تسنیم منیر علوی، دبئی سے۔ "مارچ کا شمارہ اپنی گوناگوں دلچسپیوں کے ساتھ سامنے ہے، ذکیہ بلگرامی سے پُرکیف ملاقات بڑی پُراثر رہی...... شائستہ زریں نے میری کامیابی میں تیرا بھی حصہ اچھا ترتیب دیا، حصہ لینے والی شخصیات نے بھی متاثر کیا۔ واقعی ماں دنیا کے کسی حصے میں بھی ہو عظیم ہے اگر اسی طرح کے پروگرام آئندہ بھی ہوتے رہیں تو دلچسپ رہے گا اور اس سلسلے

میں کراچی رابطہ نمبر پر بات کر کے آپ بتا سکتی ہیں ناں کہ ہم بھی شریکِ بزم ہو جائیں؟ افسانوں میں عاطفہ مسعود سب پر سبقت لے گئیں بے شک عورت کو ہر مقام پر دوسرے کے لیے ہی سوچنا اور جینا ہوتا ہے، خوب لکھا ویلنٹائن ڈے کے حوالے سے سعدیہ کی تحریر کوئی خاص تاثر نہ چھوڑ سکی۔ ہالا احمد کا حسب نسب بھی بس گوارا تھا کہانی اگر شروع میں کھل جائے تو اپنا تاثر کھو دیتی ہے۔ مکافاتِ عمل کا بھی یہی حال ہوا نام سے انجام کی خبر ہو گئی...... عروسہ نے عورت کی انا پر اچھا لکھا...... بندمٹھی میں شوہر اپنی پرانی چاہت کا دیوانہ رہا...... مگر انجام بہت سبق آموز رہا...... لوہے کی ننگی ذراہٹ کر لکھا گیا...... اور خوب لکھا...... میں مسلمان ہوں ایک عام سی کہانی تھی مگر طرزِ تحریر نے اس کو خاص بنا دیا۔" (تبصرے کا شکریہ)

☜ صائمہ سجاد بخش، کوہاٹ سے۔ "ذکیہ بلگرامی کا انٹرویو دیکھ کر خوشی ہوئی اللہ کرے ہوزورِ قلم اور زیادہ اچھا لکھتی رہیں۔ نئی رائٹرز بھی اچھا لکھ رہی ہیں۔ دردانہ نوشین کا چشمِ غم آشنا اچھی تحریر بھی ایک سیلف میڈ انسان کی کہانی بس اینڈ بھی کچھ خوشگوار کرتے تو اچھا تھا۔ فاطمہ خان کا میں مسلمان ہوں بہت اچھا لگا، آج نیو جنریشن کی دوستی عیسائی مذہب رکھنے والوں سے بہت ہے اور عیسائی ہر طرح سے عیسائیت کا پرچار کر رہے ہیں اور ہمارے مسلمان ان کے لیے مرتد ہونے کو بھی تیار ہیں، بجائے اس کے کہ ان کو ہم اسلام کا میسج دیں ہم نے اسلام کو اپنی جڑوں میں بٹھایا ہی نہیں اگر ہم بچوں میں اسلام کی بنیادیں مضبوط کرتے تو شاید ریٹرن بھی اچھا ملتا۔ بہر حال اس کا اینڈ پڑھ کر دل دکھی ہوا کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ عقیلہ حق نے بھی اچھے موضوع پر لکھا شادی شدہ زندگی واقعی مسلسل امتحان ہے، ہر روز نیا پرچہ اور استاد بھی نئے روز زندگی ایک نیا سبق دیتی ہے، بس ہمیں اپنے آپ کو مضبوط رکھنا ہوتا ہے، ثابت قدم اور ہر نئے چیلنج کے لیے تیار...... رضوانہ پرنس کا اک نئے موڑ پر اچھا جا رہا ہے فاران کا رویہ ہضم نہیں ہو رہا آخر یہی کہیں کے مرد ہوتے ہی طوطا چشم ہیں، کیا کہا جائے۔" (خواتین بھی تو ہوتی ہیں اس بارے میں کیا خیال ہے)

☜ اُمِ ثمامہ، سندھ سے۔ "انجم آپا آپ سے جب، جب بات کی سر تا پا اک ماں سے بات کرنے کا احساس ہوا۔ آپ اپنے لہجے اور محبت سے انسان کو اپنے ساتھ جوڑ لیتی ہیں تقریباً ہر رسالے کی ایڈیٹر سے میری بات چیت ہے مگر آپ سے بات ہو تو...... صرف اک چیز حاوی رہتی ہے اور وہ ہے آپ کی حد درجہ شفقت...... میری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو جلد از جلد شفائے کاملہ عطا کرے اور آپ کا سایہ اپنے بچوں اور ہم سب پر تادیر قائم و دائم رکھے۔ (آمین) چند باتیں اور سلسلے ایسے ہیں جو پاکیزہ کو سب رسائل سے ایک الگ مقام دیتے ہیں جن کی وجہ سے وہ واقعی پاکیزہ لگنے لگتا ہے۔ ایک تو اداریہ اس قدر جامع اور خوب صورت ہوتا ہے کہ کیا کہنے پھر دین کی باتیں اور سب سے بڑی بات، بہنوں کی محفل جس طرح خدا اور رسول پاک کے ذکر سے شروع ہوتی ہے اور پھر ہر چھوٹی بڑی رائٹر، ریڈر سب کے خوشی، غم میں شریک ہوا جاتا ہے یہ باتیں دل کو چھو جاتی ہیں۔ آپا دو سال پہلے میرے اکلوتے جوان بھائی آفتاب لودھی کا روڈ ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو گیا تھا تب سے رسالے پڑھنے چھوڑ دیے ہیں مارچ کا رسالہ اپنے افسانے کی وجہ سے منگوایا تھا تو یونہی آگے پیچھے سے دیکھا اور چند ایک افسانے بھی پڑھ لیے بس اب جو فارغ وقت ملتا ہے تو اس میں تلاوتِ قرآن پاک کرتی ہوں اور نوافل پڑھ کر بھائی کو ایصالِ ثواب کرتی ہوں...... آپ سے اور پاکیزہ سے اور پاکیزہ سے جڑے ہر انسان سے میری دلی درخواست ہے کہ ان کے ایصالِ ثواب کے لیے دعا کر دے اور یہ کہ ان اللہ تعالیٰ ان کے دونوں بیٹوں ایان لودھی اور ارسلان لودھی کو نیک زندگی، صحت اور خوشیاں دے اور انہیں اپنے باپ، دادا کے لیے صدقۂ جاریہ بنائے۔ (آمین) سب سے پہلے ایک اہم شے کی طرف توجہ دلانا چاہوں گی پاکیزہ میں اِک سلسلہ ہے شوابے ہومیو کلینک، یہ ٹھیک ہے کہ یہ اک طرح کا کارِ خیر ہے کافی لوگ گھر بیٹھے اپنے مسائل بتاتے ہیں اور انہیں دوا کا پتا چل جاتا ہے وہ استعمال کرتے ہوں گے تو انہیں شفا بھی ملتی ہوگی مگر یہ رسائل پندرہ سے بیس سال تک کی لڑکیاں بھی پڑھتی ہیں اور پھر حال بتانے کے لیے اس قدر تفصیل بتانا بلاضرورت ہے کم سے کم طریقے سے بھی بتایا جا سکتا ہے کیونکہ یہ تو آپ کسی سے بھی معلوم کروالیں تو اتنی تفصیلات کسی کے بھی ذوق پر گراں گزرتی ہوگی۔ مجھے امید ہے کہ جلد از جلد اس مسئلے کی طرف توجہ دی جائے گی۔ افسانوں میں اُمِ طیفور کے گھر نے رُلا دیا بہت خوب لکھا واقعی یہ ایک اچھا افسانہ تھا۔ شیریں حیدر نے والد صاحب کی وفات پر جو مضمون لکھا تھا وہ پڑھ کر بہت دیر تک روتی رہی بھائی جان یاد آتے رہے پھر ان کے والد کے لیے دعائے مغفرت کی باپ بھائی کے دم سے میکا قائم ہوتا ہے یہ ہر لڑکی کا مان ہوتے ہیں اللہ پاک سب کا یہ مان قائم رکھے۔ اِک اور چیز جو اس ماہ کے پاکیزہ کی پاکیزگی میں چار چاند لگا رہی تھی جو صحیح معنوں میں ماہِ مارچ کے پاکیزہ کی جان تھا وہ تھا ڈاکٹر

ذکیہ بلگرامی کا انٹرویو...... ان کی زندگی کا اک، اک اور ہر عمل قابلِ تحسین ہے انہوں نے بالکل ٹھیک لکھا ہے کہ قرآن پاک کو ترجمے کے ساتھ پڑھیے آپ پر حیرتوں اور مسرتوں کا اک انوکھا در وا ہو جائے گا۔ میں گزشتہ دو سال سے قرآن پاک ترجمے کے ساتھ پڑھ رہی ہوں اور آپ یقین کریں ہر دن ہر بار کی پڑھی ہوئی بات بالکل نئی لگتی ہے اور میرے ساتھ ایک اور بات بھی ہے رات یا سارا دن جو مسئلہ یا جو مشکل میرے ساتھ چلتی ہے صبح جب میں قرآن پاک پڑھتی ہوں تو اس کے ترجمے میں اس کا ذکر ضرور ہوتا ہے اور میری مشکل آسان ہو جاتی ہے حیرت انگیز بات ہے مگر آپ لوگ آزما کر دیکھ لیں، یہ سچ ہے اس عظیم کتاب کی طرح جو دنیا اور دین کے ہر مسئلے کا حل ہے۔ مجھے ذکیہ جی سے یہ پوچھنا ہے کہ انہوں نے قرآن پاک کیسے لکھنا شروع کیا میرا مطلب ہے کاغذوں پر یا کسی بڑے جرنل میں مجھے یہ بات سمجھ نہیں آئی۔" (اس بارے میں ذکیہ بلگرامی تفصیل سے بتا دیں گی جسے ہم جلد از جلد شائع کر دیں گے کچھ میں نے ایک بہن کے خط کے جواب میں بھی لکھا ہے)

✉ عبدالعزیز جی آنہ، چکوال۔ برادرم ماہنامہ پاکیزہ گھر کے ہر فرد کے لیے ہے، آپ اس کی سطر سطر پڑھیں مگر اس میں صرف بہنوں کی تحریریں شائع ہوتی ہیں...... پاکیزہ کی پسندیدگی کے لیے مشکور ہوں...... جی میری اب تک ٹوٹل 20 کتب شائع ہو چکی ہیں جو ہر شہر کے اردو بازار سے مل سکتی ہیں۔

✉ شبنم کنول، گاؤں پاپا نگری۔ آپ کو اپنی بہن اور اپنے کزن کی شادی مبارک ہو، اپنی تحریریں اور مراسلات ہمیں ضرور بھجوائیں ہم آپ کی حوصلہ افزائی کرنے کی پوری کوشش کریں گے...... مگر آپ نے جو نظم ہمیں بھیجی ہے وہ شائع کرنے کی ہماری سکت نہیں ہے آپ کی خوشی کے لیے اس کا ایک شعر شائع کر رہی ہوں۔ جب دیکھا تجھے تو دل بس میں نہ رہا۔ میں جس بس میں بیٹھی تھی اس کا پہیا ہی نہ رہا...... اب تو خوش ہو ناں!

✉ سارہ ملک، راول پنڈی، خوش آمدید، تم افسانہ نگار بھی اچھی ہو اور شاعرہ بھی...... تمہارا افسانہ قابلِ اشاعت ہے، حوصلہ افزائی ضرور ہو گی...... اب تو خوش ہو ناں......

✍ تسنیم رضا، ذوالفقار، فیصل آباد سے۔ "بہنوں کی محفل کی رونق دوبالا کرنے پہنچ گئی۔ یہ محفل ایک مکمل محفل ہے کیونکہ اس میں بہنیں اپنے دکھ سکھ شیئر کرتی ہیں۔ مرحومین کے لیے دعائے مغفرت ہوتی ہے اور بیماروں کے لیے صحت یابی کی دعا مانگی جاتی ہے سب سے پہلے آپی انجم کوئی اچھی بات بتاتی ہیں درودِ ابراہیمی اور آیت کریمہ پڑھواتی ہیں اور اینڈ میں مکمل دعا کرواتی ہیں۔ اس بار ذکیہ بلگرامی صاحبہ جیسی نیک شخصیت سے ملاقات کی بہت کچھ سیکھا۔ عاشفہ مسعود کو سب سے آخر میں پڑھا مگر تبصرہ سب سے پہلے لکھ رہی ہوں۔ عاشفہ صاحبہ کے کریلوں کا جو حال ہوا وہی میرے محنت سے بنائے شامی کبابوں کا ہوتا ہے۔ امانت میں ابھی ڈاکٹر صاحبہ کی وہی حرکتیں ہیں ذہنی مرض کے باعث گل جان سے رابی کے سامنے راز فاش ہونے لگا تھا کہ جلدی میں بات سنبھال لی۔ آخری قسط تک تمام قصہ رابی کو معلوم تو ہونا ہی ہے جو ہمیں ابھی سمجھ میں آنے لگا ہے۔ دردانہ نوشین کی چشمِ غم آشنا میں رجب بیگ کا کہانی سنانے کا انداز بالکل ایسے لگا جیسے ہم بچپن میں کہانی سنا کرتے تھے یہ انداز اچھا لگا۔ رشاج نے نہایت سچائی سے اپنی ذات کا محاسبہ کیا خود کو اغراض کا غلام قرار دیا اور بے غرض ہو کر یماں کی سوچ بدل کر رجب کی زندگی میں خوشیاں لانے کا بیڑا اٹھایا۔ یہ بات اس کی عمدہ سوچ کی عکاسی کرتی ہے جبکہ اس کی آنکھ سے گرنے والے موتی کچھ اور ہی کہانی سنا رہے تھے۔ میں مسلمان ہوں فاطمہ خان نے اپنے مذہب اسلام سے متعلق کہانی لکھی۔ ثمیری یعنی سکینہ نے تو ایک پیدائشی مسلمان کو بھی مات دے دی۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد نبھانے میں بیٹے کی تربیت بھی اسلامی اصولوں پر کی۔ لوہے کی نیکی واقعی انتہائی مضبوط تھی سب سے مشکل کام چودہ سالہ ثمرہ نے کیا۔ جو ہم چاہنے کے باوجود نہیں کرتے اور غیبت کرتے وقت بالکل خیال نہیں کرتے کہ ہماری کتنی نیکیاں لوہے کی نہیں ہیں۔ بشریٰ گوندل نے تو ہیر رانجھے کا وہ تصور دیا کہ اگر کیدو درمیان میں نہ آتا تو انجام ایسا ہوتا...... جہاں پانڈے کھڑکنے اور ہیر، رانجھا کی حریدار لڑائی نے لطف دیا وہاں سرد مار شہزادی کے سُوتوں، ڈنڈوں نے بھی مسکراہٹ بکھیر دی آخر کار ایک شہزادہ آیا اور ایک نہ سُدھرنے والی لڑکی کو محبت کی زبان میں سدھار گیا یعنی سچی محبت میں اس قدر طاقت ہوتی ہے۔ عقیلہ حق نے تو شادی شدہ عورت کی زندگی کو کھول کر بیان کیا ہے کہ کامیاب عورت کہلانے کے لیے ہمیں کس، کس امتحان سے گزرنا پڑتا ہے۔ مکافاتِ عمل ام ثمامہ کی میں خالہ بی بی سی جیسی عورتیں ہر گلی اور محلے میں ملتی ہیں جن پر ہر آئے گئے پر تبصرہ کرنا فرض ہوتا ہے ان کے اپنے گھر خواہ کھیاں بھنکیں یا

اولاد بگڑے پروا نہیں ہوتی آنکھ اس وقت کھلتی ہے جب پانی سر سے اونچا ہو جاتا ہے۔ حسب نسب میں ہالا احمد کو ایسا ابا کہاں سے لبا...... جس کے ساتھ وا وا ای چنگی ہوئی......" (بہت اچھی ہوئی)

✍ رضوانہ آفتاب، کراچی سے۔ "پاکیزہ میں دو بہنوں نے آپ سے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے متعلق استفسار کیا تھا...... مجھے اس یونیورسٹی کے متعلق کچھ معلومات ہے جو میں تحریر کر رہی ہوں۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی نے ملک کے مختلف حصوں میں 32 علاقائی دفاتر قائم کر رکھے ہیں تاکہ جامعہ کے غیر مرکزی نظام تعلیم کو آپس میں مربوط کر دیا جائے۔ ان کے تمام تر مسائل کے لیے جز وقتی اساتذہ کا تقرر کیا جاتا ہے، ان کے پاس اپنا ٹائم ٹیبل ہوتا ہے، طالب علم جب اپنا اسائنمنٹ مکمل کر لیتے ہیں تو وہ اپنے ٹیوٹر کو روانہ کر دیتے ہیں، ٹیوٹر ان کا مشاہدہ کرنے کے بعد اسائنمنٹ لوٹا دیتے ہیں۔ یونیورسٹی سیمینار کے انعقاد کا انتظام کرتی ہے اور اپنے علاقوں میں امتحانات کا بندوبست کرتے ہیں تاکہ پاکستان کے کونے، کونے میں موجود طالب علموں سے رابطے میں رہیں، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی میٹرک، انٹرمیڈیٹ، بی اے، آرٹس، سائنس، بی ایڈ، ایم ایڈ پوسٹ گریجویٹ، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے پروگرام پیش کرتی ہے اس کے علاوہ سرٹیفکیٹ ڈپلوما اور ڈگری پر محیط پروگرام پیش کرتی ہے شارٹ کورسز پر مشتمل پروگرام، کمپیوٹر، literay اور بہبود آبادی کے پروگرام خاص طور پر شامل ہیں۔ جو لوگ خواہش مند ہیں وہ درج ذیل نمبر اور ایڈریس پر رابطہ کر سکتے ہیں۔ syed tariq hussain uni,s deputy regional director karachi; phone 02199246098.101 email address aiou,edu.pk

✍ سروری ارشد، گوجرانوالہ سے۔ "میں آپ کے رسالے کی چھٹی جماعت سے قاری ہوں، اب تو عرصہ ہو گیا پڑھتے ہوئے، مجھے اس میں چھپنے والی تمام چیزیں یاد نہیں...... آپ کی تحریر آیا ہے بلاوا میری سرکار کا جسے آپ نے بہت اچھے لفظوں میں بیان کیا ہے۔ سیما سراج، شازیہ چوہدری (مرحومہ) صائمہ اکرم، سیما یاسمین مجتبیٰ، سیما غزل، نزہت جبیں، عظمیٰ آفاق سعید، عالیہ حرا، شیریں حیدر ان سب کو بہت سلام، سدرہ کلثوم مروت دوستی کی خواہش رکھتی ہیں آپ ان کو کہیں کہ مجھ سے دوستی کریں سچا دوست کیا ہوتا ہے میں بن کے دکھاؤں گی وہ مجھے خط لکھ سکتی ہیں ان کا خط آنے پر ان کو گفٹ کے طور پر اپنی تصویر بھیجوں گی۔" (آپ کی تصویر ان کے لیے واقعی گفٹ ہو گی یہ تو ان سے پوچھنا پڑے گا)

✍ شازیہ رباب، ہنڈ پور کا موٹی سے۔ "ایک سال کے عرصے بعد پھر حاضر ہوں، یوں تو پاکیزہ سے رابطہ کبھی نہیں ٹوٹا، ہر ماہ ہر خبر سے آگاہی ہو ہی جاتی ہے مگر اس بار دو باتوں نے ساری سستی اور مصروفیت بہت پیچھے دھکیل دی۔ ایک تو آپ کی علالت اور دوسری عمیرہ احمد کی شادی...... ان دونوں خبروں نے قلم اٹھانے پر مجبور کر دیا...... آپی...... یقین کریں آپ کی بیماری کی خبر نے پریشان کر دیا۔ خدا آپ کو ہر مصیبت اور پریشانی سے دور رکھے، آمین۔ اور دوسری بات...... عمیرہ احمد کو شادی بے حد بے حساب مبارک ہو، خدا کرے عمیرہ کا نیا سفر تا حیات خوشگوار رہے، عمیرہ کی شادی کی تصاویر پاکیزہ کے سالگرہ نمبر میں ضرور دیجیے گا اور شادی کا احوال بھی۔ امینہ عندلیب کے بارے میں ہر ماہ پڑھ کر پریشان ہو جاتے ہیں، خدا اسے تندرستی اور صحت دے۔ میں امینہ کو ایک لمبے عرصے سے جانتی ہوں جب اسٹوڈنٹ دور میں ریڈیو سننے کے انتہائی شوقین تھے تب سے امینہ عندلیب سے شناسائی ہے۔ سب سے پہلے بہنوں کی محفل پڑھتی ہوں، جس میں اب نئی، نئی بہنیں آ رہی ہیں اور چھا رہی ہیں، ہمارے دور کی بہنیں اب پتا نہیں میری طرح کہاں اور کس حال میں مصروف ہیں۔ مجھے فصیحہ آصف کے تبصرے بہت اچھے لگتے ہیں اور اس کے علاوہ اس بار سلمٰی اعوان کا خط بہت دیر بعد پڑھنے کو ملا اور یقین کریں بہت زبردست خط تھا۔ سب دل کی باتیں تھیں اور بھرپور تبصرہ تھا، اس کے علاوہ وہ اکثر ممتاز ضیا کے تبصرے بہت اچھے لگتے ہیں۔ کہانیوں میں مسلسل ناول شام شہر یاراں بہت پسند آ رہا ہے، امانت، رفعت سراج کا الجھتا ہی جا رہا ہے۔ چلیں دیکھتے ہیں آگے، آگے ہوتا ہے کیا رضوانہ پرنس کے ناول اک نئے موڑ پر نے نیا موڑ لے لیا ہے، اب شہزادی کی قسمت کہاں تک اڑان بھرتی ہے دیکھتے ہیں، زنیرا سے دلی لگاؤ ہے۔ ویسے آپی، پاکیزہ میں شہزادیاں زیادہ ہی ہو گئی ہیں۔ ہر کہانی میں شہزادی نام ہی چل رہا ہے۔ ویسے بشریٰ گوندل کا طرزِ تحریر اچھا لگا۔ ام طیفور، عروسہ عالم، اور دردانہ نوشین نے متاثر کیا۔ ترکِ وفا، نایاب جیلانی کا ناولٹ کسی اور ہی زبان کا اردو ترجمہ لگ رہا ہے خیر کہانی، اچھی ہے سسپنس سے بھرپور...... مستقل سلسلے سارے اچھے ہیں، سندیسے ذرا مزاحیہ ٹائپ ہونے چاہئیں جیسے آج کل بہت مزے کے ایس ایم ایس موصول ہوتے ہیں۔" (اب تم مزے،

حرے کے سندیسے بھیجوناں......)

زینت عبدالصمد، میرپور ساکرو سے۔ ”مارچ کا شمارہ جب ہاتھ میں آیا تو اس کی سب سے خاص بات محترمہ ذکیہ بلگرامی صاحبہ کا انٹرویو رہا...... بے شک وہ ایسی ہستیوں میں سے ہیں جن کا نام سنہرے حرفوں سے لکھے جانے کے قابل ہے، اللہ سبحان تعالیٰ نے انہیں بہت بڑے اعزاز سے نوازا ہے۔ قرآن پاک کی کتابت اللہ پاک کی بہت بڑی نوازش ہے پھر ان کی گفتگو میں کوئی فخر کوئی غرور نہیں اللہ پاک انہیں صحت، طاقت اور لمبی عمر عطا فرمائے تاکہ وہ اس عظیم کام کو اسی طرح جاری رکھیں۔ بہت سی دعائیں ان کے لیے، شیریں حیدر نے اپنے والد صاحب کی یاد میں لکھا بے شک والدین ایسی ہستیاں ہیں جن کے لیے جتنا کہا جائے کم ہے اللہ انہیں غریق رحمت کرے......(آمین) اک نئے موڑ پر آہستہ، آہستہ دلچسپ ہوتی چلی جارہی ہے جبکہ شام شہر یاراں کسی شطرنج کی بساط کی صورت سامنے آئی ہے۔ ترکِ وفا میں نایاب جیلانی جرمن کلچر سے متعارف کروارہی ہیں۔ ماضی اور حال کو ایک ساتھ لے کر چلنا اچھا لگ رہا ہے، لوہے کی نیکی کے لیے صرف یہ کہوں گی مختصر مگر پُراثر چشم غم آشنا میں دردانہ نوشین نے ندیم رجب بیگ صاحب کی صورت ایک آئیڈیل سے متعارف کروایا جبکہ حسب نسب میں بڑے بول اور تکبر کی جھلک نظر آئی۔ نہ جانے کیوں ہمارے معاشرے میں حسب نسب، ذات پات کو انسانیت پر فوقیت دی جاتی ہے دیکھتے ہیں سالگرہ نمبر میں اس بار کیا سرپرائز ہے۔“ (تبصرے کا شکریہ......ہاں دوسو سے زائد باا ثر شخصیات سے مل کر کیسا لگا۔)

لاریب ماہ زیب، چونیاں سے۔ ”ٹائٹل اچھا تھا۔ عمیرہ احمد کو شادی کی بہت، بہت مبارک ہو......اللہ ان پر ہمیشہ اپنی رحمت کا سایہ رکھے۔ (آمین) رفعت سراج نے بے قصور ستارہ کو ناحق ماردیا۔ اب امانت میں وہ جان نہیں رہی جو ستارہ کی ذہانت آمیز گفتگو کاٹ دار جملوں کے ذریعے کہانی میں پڑتی تھی۔ شام شہر یاراں ہمیشہ کی طرح زبردست تھا لیکن میرال کا مہر زاد سے بدگمان ہونا ہمیں اچھا نہیں لگے گا یہ نہیں ہونا چاہیے، زوئی اور نادر کو خوش باش دیکھ کر ہمیں بھی خوشی ہوتی ہے، عروسہ عالم کا افسانہ اس لحاظ سے بہت اچھا لگا کہ ایک لڑکی کو اپنے حق کے لیے کمزور واقعی نہیں پڑنا چاہیے۔ اک معصوم خواہش نے بہت رلایا۔ مکافاتِ عمل کی خالہ بی بی سی جیسی عورتیں ہر جگہ پائی جاتی ہیں جو بنا پر کے ہی پرندہ بنالیتی ہیں۔ اللہ اس طرح کی عورتوں کے شر سے بچائے۔ بند مٹھی میں عائشہ کا کردار بہت بھایا۔ مشرقی معاشرے کی تقریباً ہر تیسری یا چوتھی عورت کو ان ہی حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے پر بھی عائشہ جیسی اعلیٰ ظرف نہیں ہوتیں۔ اس دفعہ اسٹوری آف دی منتھ دردانہ نوشین خان کی چشم غم آشنا ٹھہری۔ ندیم رجب بیگ جیسے ہمدرد اور ایثار پسند لوگ بہت نایاب ہوتے جارہے ہیں۔ جو انفرادی نہیں اجتماعی مفاد کی سوچ رکھتے ہوں۔ یہ کہانی مدتوں یاد رہے گی۔ جلترنگ اس دفعہ بہت اچھا تھا۔ میں اکثر گنگناتی ہوں میں ارم کمال اور فاطمہ کے شعر بہت پسند آئے۔ وہ آئے بزم میں ذکیہ بلگرامی سے ملنا بے حد اچھا لگا۔ اللہ ان جیسا حوصلہ اور قرآن پاک سے محبت ہمیں بھی عطا فرمائے، آمین۔ پلیز یہ درخواست ہے کہ شوبز کے لوگوں کو بزم سے دور ہی رکھیے گا۔ وہ تو ہر طرف چھائے رہتے ہیں لیکن ادبی لوگوں سے ملنے کا کبھی، کبھی ہی موقع ملتا ہے سو اس سلسلے کو مصنفین اور ادیبوں کے لیے مختص رہنے دیجیے اور بزم کے آئندہ مہمانوں کو عنیزہ سید، عمیرہ احمد، نگہت سیما، سائرہ رضا یا شیریں حیدر میں سے کسی کو ہونا چاہیے۔“ (جی ضرور)

نسیم سکینہ صدف، پنجاب سے۔ ”پاکیزہ کا تازہ شمارہ موصول ہوا تو ایک مبہوت کن اور بے حد خوش آئند سرشاری کی کیفیت طاری ہوگئی۔ سبحان اللہ کیسی بجلی اور ساونت اور ولولہ (بلکہ تہلکہ) آفرین دستاویز آپ نے مرتب کردی۔“ (پاکیزہ کی خوب صورتی، کامیابی اور کامرانی کی اصل وجہ......عمدہ ٹیم ورک ہے)

ثنا اجالا، بھلوال سے۔ ”مارچ کے پاکیزہ کی ٹائٹل گرل بس ٹھیک تھی۔ مجھے کچھ کہنا ہے زبردست آپ نے منزل کے بارے میں بات کی ہماری منزل ابھی بہت دور ہے......اس کے بعد ترکِ وفا پڑھی واؤ امیزنگ جیسا میں نے سوچا تھا ویسا ہی ہوا مطلب اس قسط میں ہیرو سامنے آہی گیا۔ ام طیفور کے قلم سے معصوم سی خواہش پڑھی۔ حیرت کا زبردست جھٹکا لگا کہانی پڑھ کر ثانیہ بے چاری مر گئی بہت دکھی اسٹوری تھی۔ بشریٰ گوندل کے کیا کہنے کہانی کے دوران ہنس، ہنس کے پاگل ہوگئی ایسی کہانی لکھ کر آپ نے چند لمحے دنیا کے دکھ درد ہمیں بھلادیے۔ مکافاتِ عمل بی بی سی اینڈ پھوٹ، پھوٹ کے روئی کہ ہمسایوں کے گھر کی خیر خبر رکھتی تھی اپنے بچوں کی بھی دیکھ بھال کرتی تو نوبت ایسی نہ آتی، ڈاکٹر ذکیہ سے ملاقات بہترین رہی ڈاکٹر صاحبہ کتنی نیک فطرت ہیں ان کے خیالات بہت اعلیٰ

ہیں۔ شیریں حیدر کے والد کا پڑھ کر دکھ ہوا خدا انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے (آمین) میرے ہو کے رہو......سعدیہ نے ٹھیک لکھا۔ کہاں ہیرو لڑکی کو گفٹ بھیجتا ہے اور کہاں شادی بھی ہو جاتی ہے۔“ (ہاں بھئی اب الٹا پلٹا ہی چل رہا ہے)

زینیا حسن، کراچی سے۔ ”عام طور پر خواتین کے جرائد کے سرورق مجھے متاثر نہیں کرتے مگر پاکیزہ کے سرورق منفرد ہوتے ہیں کچھ ہاتھ کمپیوٹر گرافکس کا بھی ہوتا ہے۔ اپریل کے سالگرہ نمبر کا سرورق بے حد پسند آیا۔ میری عادت ہے میں ہر رسالہ آخری صفحے سے دیکھنا شروع کرتی ہوں لہٰذا تبصرہ بھی اسی لحاظ سے ہے، مستقل سلسلے تمام ہی مفید اور دلچسپ ہیں۔ جلترنگ کے کیا کہنے......پڑھتے ہوئے اردگرد جلترنگ سے بجتے ہیں اسی لیے بہنوں کی محفل کے تقریباً ہر تبصرے میں آپ کے قلم کے جادو اور مزاح کی تعریف میں بھی جلترنگ بجتے ہیں۔ سندیسے میں سارہ یہ چوہدری، گجرات، ماہ زیب، لاریب، چونیاں اور عظمیٰ محمود راولپنڈی کے سندیسے بے حد پسند آئے۔ پاکیزہ ڈائری میں عظمیٰ کے انتخاب کی داد دینی پڑتی ہے۔ یہ لڑکی اتنی مصروفیت میں بھی اتنی محنت اور مستقل مزاجی سے پاکیزہ ڈائری کو سجاتی، سنوارتی ہے۔ آخر بیٹی کس کی ہے۔ بہنوں کی محفل تو ایک، ایک لفظ بغور پڑھتی ہوں، اب تو تبصرہ نگار بہنیں بہت اپنی، اپنی سی لگتی ہیں۔ میں آپ کے خلوص اور محبت کا کیا کہوں......ایسے ہی تو لاکھوں دلوں کو آپ نے محبت سے نہیں جیتا۔ خلوص اور محبت وہ بھی الفاظ کے ذریعے جیتنا قابلِ رشک اور قابلِ فخر ہے۔ میری طویل غیر حاضری کے باوجود پچھلے سال بھی سالگرہ نمبر میں اپنا نام دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی اور اس سال بھی......فون پر بات کرکے آپ کی آواز اور محبت بھرے الفاظ میرے لیے آکسیجن کا کام دیتے ہیں۔ عذرا باجی نے بھی جس طرح میری بیٹی کے انتقال پر میری ہمت بندھائی وہ میں بھول نہیں سکتی۔ یہاں کچھ لوگوں کا ذکر کرنا چاہوں گی سب سے پہلے میری پیاری ہما کوکب بخاری آواز دے کہاں ہے لڑکی تم کہاں ہو؟ تمہارے خطوط آج بھی میرے پاس محفوظ ہیں صبیحہ شاہ اور ساجدہ حبیب میرے دل کے بے حد قریب ہیں۔ جنہوں نے پاکیزہ میں شائع ہونے والے میرے پہلے افسانے کو بے حد سراہا تھا اور لکھا تھا کہ میرا اندازِ تحریر عصمت چغتائی سے ملتا ہے۔ اتنی بڑی مصنفات کی تعریف میرے لیے بے حد اعزاز کی بات ہے۔ سیما یاسمین مجتبیٰ، رضوانہ پرنس اور بہت سے نام ہیں جن کی بے حد یاد آتی ہے۔ رضوانہ پرنس میری پسندیدہ افسانہ نگار ہیں، تحریر میں روانی ہے، لفظوں کا انتخاب عمدہ اور مشاہدہ زبردست ہے۔ زندگی کی چھوٹی، چھوٹی باتوں کو بنیاد بنا کر خوب صورت کہانی بنتی ہیں۔ انجم انصار کے افسانے بے حد اچھے موضوع پر، منفرد اندازِ تحریر کے ساتھ بہت پسند آتے ہیں مگر شاید مدیرہ پاکیزہ کو اس بات کا اندازہ نہیں ہے کہ قارئین ہر ماہ ان کے افسانے کا بے چینی سے انتظار کرتے ہیں۔ وہ کیوں اپنے افسانوں کی اشاعت میں کنجوسی کرتی ہیں۔ سالگرہ نمبر میں سالگرہ کے حوالے سے کیا گیا سروے مختلف نوعیت کا تھا جو بے حد پسند آیا۔ ویل ڈن شائستہ زریں......نگہت اعظمی، نگہت سیما، فرحت احمد، روشانے عبدالقیوم سب نے اچھا لکھا مگر شہناز وسیم سب پر بازی لے گئیں۔“ (بے حد پُرمحبت تبصرے کا شکریہ)

قارئین بہنو! پاکیزہ کا آئندہ شمارہ ناولٹ نمبر ہوگا ہم پہلے بھی آپ سے یہ کہہ چکے ہیں کہ پاکیزہ پڑھنے والی ہر بہن ہمارے لیے خاص الخاص کا درجہ رکھتی ہے اگر آپ پاکیزہ کے صفحات میں اپنا انٹرویو شائع کروانا چاہتی ہیں تو تصویر کے ساتھ یا بغیر تصویر کے......آپ اپنے بارے میں ایک صفحے پر لکھ بھیجیں......اسے ہم ضرور شائع کریں گے۔ اب آئیں ہم سب مل کر دعا مانگتے ہیں مگر اول آخر درود ابراہیمی پڑھنا مت بھولیے گا۔ یا اللہ یا رحمٰن یا رحیم میرے جسم کو شفا دل کو اپنی ذات کا یقینِ کامل اور آنکھوں کو نورِ بصیرت عطا فرما اور جب تک زندہ رہوں اپنے ذکر کو صبح شام میری زبان پر جاری فرمادے اور ایسی جگہ سے مجھے رزق دے جو بلا رکاوٹ ملتا ہی رہے۔ یا رب العالمین تو مجھ سے، میری آل اولاد سے ہمیشہ، ہمیشہ راضی رہنا......ہر گناہ ہر غلطی اور ہر کوتاہی کو معاف کرنا اور دونوں جہانوں میں مجھے خیر عطا فرمانا کہ تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے......بے شک میرا رب ہر چیز پر قادر ہے اور میرا رب برکت اور بلندی والا ہے۔

یا مجیبُ یا مجیبُ یا مجیبُ

دعا گو

آپ کی باجی

انجم انصار

پاکیزہ ڈائری

عظمیٰ آفاق سعید



حمدِ باری تعالیٰ

سب رشتے کٹ جائیں مولا، تیرا رشتہ باقی
میرے مولا! تو ہے سب کا سچا سوہنا ساتھی
تو ہے ایسا راز جو اَب تک جان سکا نہ کوئی
جس نے تجھ کو جانا پرکھا، بس اِک بشر نوری
جتنے بھی تو فیض دلائے، جتنے کرم دکھائے
تیرے سامنے تھر تھر کانپے، ہر اِک بشرِ خاکی
شر ہو یا کہ خیر ہو سارے، تیرے ہی جلوے ہیں
شر مسلط کر ڈالا جب دل کی حالت بدلی
جس کو دے توفیق تو ربّا، کرے محاسبہ اپنا
ایسے لوگوں نے ہی مولا، جنگِ اکبر جیتی
مجھ کو بھی تو شامل کرلے، ایسے ہی لوگوں میں
ہدایت کی تو شمع تھما دے، اپنی ازلی، ابدی
تا حال تو نے کرم نوازا یونہی کرم دکھانا
تیرا کرم تلاشتے گزری، اپنی سلور جوبلی
حمدوں اور نعتوں سے بھردوں دنیا کا چپّا چپّا
ہُو، ہُو کرتے عمر گزاروں بقیہ رہ گئی جتنی
ہو نہ پائے پھر بھی تیری اور تیرے محبوب کی مدح
چاہے بازی ہم لگادیں، اپنے سر اور دھڑ کی
ہم سے دور ہو کر بھی تو شہ رگ سے نزدیک
جب بھی تجھ کو جس نے پکارا تو نے سن لی اس کی

از: کوثر خالد، جڑانوالہ

نعتِ رسول مقبول ﷺ

آؤ فرشتو مجھ کو سناؤ پیارے نبی کی نوری بتیاں
پل، پل سوؤں، پل، پل جاگوں کیسے کٹیں جیون کی رتیاں
پھول کھلاؤ خوشبو پھیلے مہک اٹھے سنسار
بوٹا، بوٹا نعت سنائے کِھل جائیں سب کلیاں
دردِ جدائی سہہ نہ پاؤں دل کی باتیں کہہ نہ پاؤں
کس سے کہوں اور کس کو بتاؤں روتی ہیں کیوں انکھیاں
آپ کی جالی پکڑے، پکڑے صبح سے کردوں شام
خوش ہو جاؤں چین سے بیٹھوں تھک جائیں جب ہتھیاں
بارہ ربیع الاول آئی سب نے مل کر عید منائی
ہم بھی ان کی شان میں گائیں مل بیٹھیں سب سکھیاں

کلام: ڈاکٹر زکیہ بلگرامی
مرسلہ: بنین عباس، کراچی

ماں

☆ کسی نے پوچھا...... ماں کیا ہے؟
☆ قدرت نے کہا...... میری طرف سے قیمتی اور نایاب تحفہ......!
☆ استاد نے کہا...... ایک ایسی ہستی جو اولین و بہترین درس گاہ ہے۔
☆ جنت نے کہا...... اتنی عظیم ہستی کہ میں اس کے قدموں تلے ہوں۔
☆ زندگی بولی...... وہ انمول نعمت جو فقط زندگی دینا جانتی ہے۔
☆ شاعر بولا...... ماں ایک ایسی غزل جو سننے والے کو رُلا دیتی ہے۔
☆ دل نے کہا...... ایک ایسی رازدار ہستی جس کا دل محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہے۔
☆ اولاد نے کہا...... ایسی پناہ گاہ، چھپر چھاؤں جو آغوش میں لے، لے تو مصیبتیں ڈر کر دور بھاگ جائیں۔

مرسلہ: جبیں نیاز، ملتان

ماں کا مقام

حضرت موسیٰ علیہ السلام وہ جلیل القدر پیغمبر

تھے جن کو خدائے بزرگ و برتر نے پیغمبری اور کلام کے لیے منتخب فرمایا اور معجزات عطا کیے۔ جب آپؑ کوہِ طور پر اللہ تعالیٰ سے کلام کے لیے جاتے تو ان کی سلامتی کی دعا ان کی ماں کے مقدس لبوں پر ہوتی۔ والدہ محترمہ کے انتقال کے بعد جب آپ ایک مرتبہ کوہِ طور پر اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے جا رہے تھے تو غیب سے آواز آئی۔ ”اے موسیٰ! سنبھل کے اب تمہارے لیے دعا کرنے والی تمہاری ماں نہیں۔“

مرسلہ: تسنیم قریشی، کوہاٹ

ماں

ایک رات حضرت بایزید بسطامیؒ کی والدہ نے پانی طلب کیا۔ آپ نہر سے جا کر پانی لائے تو والدہ سو چکی تھیں۔ موسمِ سرما تھا آپ پانی لیے والدہ کے پاس کھڑے رہے۔ یہاں تک کہ ہاتھ سن ہوگیا۔ جب وہ جاگیں تو پانی پیا اور دعا کی۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ جو مقصد میں ریاضت و عبادات، جہاد اور دیگر امور میں ڈھونڈتا تھا وہ اس رات پالیا۔

مرسلہ: صدف نورین، لاہور

دل سے نکلے لفظ

☆ اللہ کی رحمت سے گمراہوں کے علاوہ کوئی مایوس نہیں ہوتا۔
(حضرت ابراہیمؑ)
☆ خوب صورتی کپڑوں سے نہیں علم و ادب سے ہوتی ہے۔
☆ کسی کے منہ پر تعریف کرنا اسے قتل کرنے کے مترادف ہے۔
☆ دنیا کی سب سے بڑی غریبی بے عقلی ہے۔
(حضرت علیؓ)
☆ ظالموں کے ساتھ خاموشی سے زندہ رہنا خود ایک جرم ہے۔
(حضرت امام حسینؓ)
☆ کسی نیکی کو معمولی خیال نہ کرو۔ وہی اللہ کی خوشنودی کا باعث ہوسکتی ہے۔
(حضرت امام جعفر صادقؒ)

مرسلہ: عنبر وسیم، گوجرانوالہ

ارشاداتِ نبوی ﷺ

☆ ثابت مسور کی دال کھاؤ یہ دل کو نرم کرتی ہے اور آنسوؤں میں اضافہ کرتی ہے۔
☆ شہد بہترین غذا ہے جو دل کی حفاظت کرتا ہے۔ شہد میں ہر بیماری کی شفا ہے۔
☆ زرد گاجر کھانے سے گردوں میں گرمی آتی ہے۔
☆ انجیر چاہے تازہ ہو یا خشک اسے کھایا کرو یہ اعصاب کو مضبوط کرتی ہے۔ بواسیر کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتی ہے۔

مرسلہ: جبیں ہاشمی، بھیرہ

آج

آج تیرے جنم دن پر
ٹوٹے ہوئے کواڑ پر
ایک ننھا سا دیا
ہم نے قصداً
جلتا رہنے دیا

شاعرہ: صائمہ سجاد بنگش، کوہاٹ

ماں

تو میری سانسوں کی دھڑکن، تو میری خوشبو کا نام
تجھ سے ہے عزت میری، تجھ سے ملا ہے احترام
تیرے لب سے جو نکلتی ہے، دعا مقبول ہے
مانگتا ہوں تجھ سے میں تیری خوشی کا التزام
جس کو ملی تیری دعا، جنت کا وہ حق دار ہے
جس کو ملی ہے بد دعا، دوزخ اسی کا ہے مقام
بیت جائے عمر میری، تیری خدمت میں تمام
مانگتا ہوں تجھ سے ممتا کا جلو میں صبح شام
میری ہر تکلیف میں بے چین ہو جانا تیرا
میں ادا کیسے کروں کلمات میں تیرا مقام
دیکھ لے جو میری آنکھوں میں جھلک تکلیف کی

نیند اُڑ جائے تیری اور ختم ہو جائے آرام
کاش میں پورا کروں تو مجھ سے جو خواہش کرے
تجھ تلک آنے نہ دوں میں تھام لوں تیرے آلام
یاالٰہی! مجھ کو رہے حاصل میری ماں کی دعا
میرے سر پر اس کی شفقت کا رہے سایہ دوام

مرسلہ: انیقہ انا، چکوال

میری پیاری ماں

ایک چھ سال کے بچے کی ماں انتقال کر گئی تو کچھ عرصے کے بعد اس کے باپ نے دوسری شادی کر لی۔ ایک دن باپ نے بچے سے پوچھا۔ ”تمھیں پہلی ماں اور نئی ماں میں کیا فرق لگا؟“ بچہ نے معصومیت سے کہا۔ ”پہلی ماں جھوٹی تھی جبکہ نئی والی ماں سچی ہیں۔“ باپ نے حیرت سے پوچھا۔ ”وہ کیسے بیٹا؟“ بچے نے کہا۔ ”جب میں شرارت کرتا تھا تو پہلے والی ماں کہتی تھی اب شرارت کی تو کھانا نہیں دوں گی مگر جب کھانے کا وقت ہوتا تھا تو وہ مجھے ہر طرف ڈھونڈ کر پکڑ کر پیار سے کھانا کھلاتی تھیں لیکن جب نئی ماں کہتی ہے کہ شرارت کی تو کھانا نہیں دوں گی تو وہ اپنا کہا پورا کرتی ہیں۔ آج دو دن ہو گئے انہوں نے مجھے کھانا نہیں دیا۔“

مرسلہ: نجمہ اصغر، کراچی

غزل

ہر گُل ہو اشک بار گوارا نہیں ہمیں
یوں آئے اب بہار گوارا نہیں ہمیں
ایک اور انقلاب کے ہم منتظر ہیں آج
اے دوست یہ بہار گوارا نہیں ہمیں
مل جائے گا سکون تیرے قرب سے مگر
حالات سے فرار گوارا نہیں ہمیں
کس موڑ پر حیات کا غم لے کے آ گیا
تیرا بھی انتظار گوارا نہیں ہمیں

شاعرہ: فریدہ فری یوسف زئی، لاہور

یاد رکھیں

☆لوگ اپنی ضروریات پر غور کرتے ہیں، قابلیت پر نہیں۔

☆طنز وہ تیر ہے جو شہد میں بھی بھگو کر مارا جائے تو اس کی چبھن کم نہ ہوگی۔

☆زیادہ امیدوں والا دراز زندگی کا مالک ہوتا ہے۔

☆سخاوت یہ ہے کہ اپنی استطاعت سے زیادہ دو۔

☆جو شخص خود میں چھوٹا کام کرنے کی صلاحیت اور حوصلہ نہیں پاتا وہ کبھی بڑا کام بھی انجام نہیں دے سکتا۔

مرسلہ: زریں زبیر کوٹھاری، کراچی

ہار جیت

یونہی ہمیشہ الجھتی رہی ہے ظلم سے خلق
نہ ان کی رسم نئی ہے نہ اپنی ریت نئی
یونہی ہمیشہ کھلائے ہیں ہم نے آگ میں پھول
نہ ان کی ہار نئی ہے نہ اپنی جیت نئی

مرسلہ: یاسمین کنول، پسرور

بیرون ملک رہائش کا آسان طریقہ

آج کل بیرون ملک جا کر رہنے کی خواہش کسی بیماری کی طرح بڑھتی جارہی ہے۔ اس کا ایک آسان طریقہ ہم آپ کو بتاتے ہیں تاکہ آپ کا خواب پورا ہو جائے۔ لڑکوں کے لیے سب سے پہلے سخت پڑھائی، اچھے نمبرز، اچھے گریڈز حاصل کریں اور اس کے بعد کچھ IELTS میں پیش قدمی کریں اور پھر TOEFL بھی کر ڈالیں پھر اسٹوڈنٹ ویزا کے لیے درخواست دیں۔ اس درخواست کے ساتھ باپ کے بینک کی ایک بھاری اکاؤنٹ کی سلپ جمع کروائیں تب جا کر کسی یونیورسٹی میں داخلہ ملتا ہے پھر امتحان میں شاندار نمبر حاصل کریں اور قابلیت اتنی بڑھائیں کہ آپ کو جاب آسانی سے مل جائے پھر کئی سال تک سخت محنت سے اپنا مقام بنائیں پھر کہیں جا کر آپ رہائش اختیار کرنے کے قابل بنیں گے اور

لڑکیوں کے لیے بس یہ ہے کہ اُس شخص سے شادی کر لیں آپ کا خواب پورا ہو جائے گا۔

مرسلہ: ظلِ شاہین، ڈی آئی جی خان

شہر قائد

امن درہم ہے شہرِ قائد میں
لوگ برہم ہیں شہرِ قائد میں
سکون، امن اور اطمینان
خواب و خیال ہیں شہرِ قائد میں
اے الٰہی رحم فرما حالات پر ہمارے
ہو امن کا بول بالا پھر سے شہرِ قائد میں

مرسلہ: خولہ بنت حوا، کراچی

دوستی ایسا ناتا

ایک لڑکے نے مرنے سے چند منٹ پہلے دو میسج کیے ایک گرل فرینڈ کو دوسرا ایک دوست کو کہ میں جارہا ہوں جلدی جواب دینا۔ پہلا جواب گرل فرینڈ کا آیا۔ ”میں مصروف ہوں تم جاؤ ہم بعد میں ملیں گے۔“ یہ جان کر اسے بہت دکھ ہوا۔ دوسرا میسج دوست کا آیا۔ ”کہاں جارہا ہے؟ رک جا میں ابھی آتا ہوں ساتھ چلتے ہیں۔“ یہ پڑھ کر لڑکا مسکرایا اور بولا۔ ”آج پھر پیار، دوستی سے ہار گیا۔“

مرسلہ: انیلا ناہید، لیہ

دیکھو

ذرا تم نگاہیں اٹھا کر تو دیکھو
ان آنکھوں سے آنکھیں ملا کر تو دیکھو
لٹا دیں گے سارے زمانے کی خوشیاں
ہمیں اپنا غم تم بتا کر تو دیکھو
نہ ہو گے تنہا کسی محفل میں کبھی تم
گلے سے ہمیں تم لگا کر تو دیکھو
لٹا دیں گے تم پر جانِ جاں اپنا سب کچھ
کبھی تم ہمیں آزما کر تو دیکھو

مرسلہ: پروین افضل شاہین، بہاول نگر

ماں

ماں ایک صدی ہوتی ہے۔ ایک نسل ہوتی ہے۔ ایک خاندان ہوتی ہے۔ بچے اپنی استعداد کے مطابق اس درس گاہ سے کچھ نہ کچھ سیکھتے رہتے ہیں۔

مرسلہ: پروین عذرا تشنہ، کراچی

غزل

آپ سے مل کے تو عام بات بھی اچھی لگی
دھوپ بھی اچھی لگی برسات بھی اچھی لگی
بھا گیا آنکھوں کو دلکش سا سراپا آپ کا
گفتگو کی دلنشیں سوغات بھی اچھی لگی
کیا بتاؤں آپ میں کیا بات ہے جس کے سبب
مجھ کو اپنی بے بضاعت ذات بھی اچھی لگی
خوبرو، شیریں سخن اور تم ہی جانِ انجمن
آپ کے صدقے میں تو کائنات بھی اچھی لگی
دن تو خیر تھا ہی اجلا چاند چہرے کی طرح
طرفہ تماشا یہ ہوا کہ رات بھی اچھی لگی
میں کیا، میرے حرف کیا، ناز کیا، انداز کیا
ایسے ہم کو عشق کی شروعات بھی اچھی لگی

شاعرہ: عالیہ بشیر، اسلام آباد

کیسے کیسے لوگ

شاہد نے اپنی کلاس فیلو نگین سے موبائل پر پوچھا۔ ”کہاں جارہی ہو؟“

”میں اپنے ڈیڈی کی بی ایم ڈبلیو کار میں کلب جارہی ہوں۔ ابھی ڈرائیور مجھے کلب چھوڑ دے گا۔ اس کے بعد شاپنگ کرتے جاؤں گی پھر تمہیں کال کروں گی، تم کہاں پر ہو شاہد؟“ نگین نے کہا۔

”ویگن میں تمہاری سیٹ کے پیچھے بیٹھا ہوں۔ تم کرایہ مت دینا، میں نے دے دیا ہے۔“ شاہد نے چڑ کر جواب دیا۔

مرسلہ: منور شہزادی، گوجرانوالہ

☆☆☆



بڑے لوگ

گھر میں افراتفری سی مچی ہوئی تھی...... اور بات بھی معمولی نہیں تھی...... ثنا انٹر پرائزر کی سربراہ مسز ثنا احمد...... ثاقب کے گھر میں خود آنا چاہ رہی تھیں۔

کتنی دفعہ تو ثاقب کی بیوی عمرانہ یہ بات ثاقب سے خود پوچھ چکی تھی۔

''کیا میڈم نے خود کہا تھا...... وہ ہمارے گھر آئیں گی؟''

''ہاں، خود کہا تھا...... جب میں نے بیٹا ہونے کی مٹھائی ان کے کمرے میں بھجوائی...... تو وہ باہر آ کر بولیں۔ ''ثاقب! مبارک ہو...... تمہارے بیٹے کو دیکھنے ہم تمہارے گھر آئیں گے۔''

''ارے...... وہ بے چاری کہاں زحمت کریں گی...... تم کہہ دیتے کہ میں بیٹا لے کر آفس آجاؤں گا آپ دیکھ لیجیے گا...... اللہ اللہ خیر صلا...... '' اماں نے اپنی پریشانی کا حل خود ہی ڈھونڈ لیا۔

''اماں...... ابھی بچہ صرف دس دن کا ہے...... اتنے سے بچے کو لے کر میں کیسے آفس جا سکتا ہوں؟''

''ارے، عمرانہ کو ساتھ لے جاؤ...... اچھا ہے وہ میڈم کو سلام کر آئے گی۔''

''اماں کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ...... ابھی اس کا سوا مہینہ بھی پورا نہیں ہوا...... میں زچہ کو لے کر آفس چلا جاؤں۔'' ثاقب نے الجھے ہوئے لہجے میں ماں سے کہا۔

''اچھا...... ابھی پرسوں اپنے بھائی، بھاوج کی شادی کی سالگرہ میں تو ٹھمکتی ہوئی اپنے میکے چلی گئی تھی...... اس وقت کیا زچگی ختم ہو چکی تھی؟''

''کہاں کی بات کہاں لے جاتی ہیں آپ...... وہ تو اس کے اپنے گھر کی تقریب تھی۔'' ثاقب کھسیا کر بولا...... کہ اماں کو پرانے حساب بے باق کرنے کی عادت بھی تو تھی۔

''ٹھیک ہے میڈم کو اس اتوار کو بلا لو......'' اماں نے تمبا کو پھانکتے ہوئے کہا۔

''ان سے پہلے پوچھیں گے کہ وہ اتوار کو فارغ ہیں یا نہیں...... اپنا پروگرام ان پر تو نہیں تھوپ سکتے۔''

''چلو ان سے ہی پوچھ لو...... کہ وہ کب ہمارے گھر آئیں گی؟'' اماں نے خوش ہو کر کہا۔

ثاقب نے آفس جا کر ڈرے، ڈرے سے لہجے میں پوچھا تو انہوں نے کہا۔ ''جمعہ کے دن شام کو آئیں گی۔'' ثاقب نے گھر آ کر بتایا تو اماں دور کی کوڑی لائیں۔

اماں نے کہلوایا...... ''میڈم جی سے کہہ دو کہ دوپہر کو کھانا ہمارے گھر کھالیں۔'' ثاقب اگلے دن پھر میڈم کے کمرے میں ہاتھ باندھے سر جھکائے کھڑے تھے۔

میڈم نے ہنس کر کہا۔ وہ دوپہر کا کھانا کھاتی ہی نہیں ہیں۔ وہ شام کو آ کر صرف چائے پئیں گی...... وہ بھی ہلکی پھلکی سی...... بھاری بھر کم لوازمات ہرگز نہ کیے جائیں۔

''جب ہی یہ میڈم اتنی دبلی پتلی سی ہیں...... اپنا خیال جو رکھتی ہوں گی......'' اماں نے رائے دی۔

''آپ نے کب آفس آ کر ہماری میڈم کو دیکھ لیا؟'' ثاقب نے حیرت سے ماں کو دیکھا۔

''ارے بیٹا...... تمہارے آفس تو نہیں آئی...... ایک مرتبہ ٹی وی پر ان کا انٹرویو تو دیکھا تھا...... کیا منہ سے پھول جھڑ رہے تھے...... ماشاء اللہ...... اور دبلی پتلی تو اتنی دکھائی دے رہی تھیں کہ تولا جائے تو پانچ کے بعد چھٹا پھول نہ چڑھے۔''

''ارے واہ اماں...... تعریف کرنے کا سلیقہ تو

کوئی آپ سے سیکھے۔''

جمعہ آنے میں ابھی چار دن تھے گھر میں ایسی صفائیاں ہو رہی تھیں...... جیسے اس دفعہ 29 تاریخ کو چاند ضرور نکل آئے گا چھوٹی بہو کی جہیز کی اچھی، اچھی چادریں تمام بستروں پر بچھادی گئیں...... اور ہر بہو کے پورشن سے سجاوٹ کی اشیا بھی لے کر ڈرائنگ روم میں سجادی گئیں۔

اب اپنے آپ کو سجانے سنوارنے کے مسائل تھے...... اس زمانے میں اونچی قمیص اور خوب گھیر دار شلواریں فیشن میں تھیں۔ بڑی آپا نے اپنی گھیر دار شلواروں کے ساتھ اماں کے غراروں کا جمپر پہن لیا...... چھوٹی بھابی نے پڑوسن سے اپنا میک اپ کروایا...... اس کے ساتھ بڑا سا بالوں کا مصنوعی جوڑا بھی تھا جو اس نے بھابی کی کھوپڑی پر دو درجن بال پنوں کی مدد سے فٹ کر دیا جس سے ان کی خوب صورتی میں اضافہ کتنے فیصد ہوا تھا...... وہ تو پتا نہیں چل رہا تھا...... ہاں ان کی مسکراہٹ کچھ تکلیف دہ سی ضرور دکھائی دے رہی تھی۔

چھوٹی باجی جو کسی شو سے میک اپ کی بڑی کٹ جیت کر لائی تھیں...... انہوں نے گھر میں سب خواتین کا میک اپ بڑی فراخدلی سے کیا تھا...... حد تو یہ تھی کہ اماں تک کے چہرے پر روج تک لگا دیا تھا...... جس سے صاف لگ رہا تھا کہ بائیں گال پر چوٹ کا نشان ہے۔

میڈم ثنا احمد نے پانچ بجے آنے کو کہا تھا...... مگر گھر کی سب خواتین دو بجے سے تیار تھیں۔ دروازے پر کسی کی پوں، پوں بھی سنائی دیتی تو گھر کے بچے لپک کر دروازہ کھول دیتے۔

بالآخر شام کے پانچ بجے...... اور سوا پانچ بجے میڈم ثنا احمد ان کے گھر آ گئیں...... دو بھاوجوں، چار نندوں...... اماں اور دادی جان نے ان کا استقبال کیا...... مگر یہ کیا...... وہ تو لائٹ پنک پرنٹڈ لان کے سوٹ میں تھیں...... جس میں لائٹ پرپل کلیاں سی بنی ہوئی تھیں...... نہ میک اپ نہ سنگار......

میڈم ثنا نے سب خواتین کو یوں میک اپ میں لت پت دیکھا تو حیران سے لہجے میں بولیں۔

''آپ کے ہاں آج کوئی تقریب ہے کیا......؟''

''نہیں...... نہیں کچھ بھی تو نہیں...... بس آپ کے آنے کا انتظار تھا اور آپ سے ملنے کا......''

''ارے بیٹا...... کیا تم اتنی سادگی سے رہتی ہو...... میرا مطلب ہے کہ میک اپ وغیرہ سے کوئی شوق نہیں......؟'' آخر اماں نے پوچھ ہی لیا تھا۔

''کہیں شادی وادی میں جانا ہو تو...... میک اپ بھی کر لیتی ہوں مگر لائٹ سا...... زیورات بھی شوق سے پہن لیتی ہوں...... مگر کپڑے میں آرام کے حساب سے پہنتی ہوں کہ کن کپڑوں میں مجھے آرام ملے گا۔'' وہ مسکرا کر بولیں۔

اب بھاوجیں اپنی ہیئت پر کھسیاسی رہی تھیں۔

عمرانہ ذہین تھی...... جھٹ منہ دھو کر آ گئی اور آرٹی فشل جیولری بھی اتار آئی۔

بہنوں نے دوپٹے سے منہ پونچھ لیا تھا مگر سارا مسکارا...... ان کے چہروں پر آ گیا تھا دیگر بھابیاں بھی گولا گنڈا سی بنی ہوئی بیٹھی تھیں۔

اور اماں...... حیران ہو کر سوچ رہی تھیں کہ یہ میڈم جی اتنی سیدھی سادی بھی ہو سکتی ہیں جو بچے کو گود میں لیے یوں پیار کر رہی تھیں جیسے وہ ان کا اپنا بھانجا یا بھتیجا ہو...... یہ بڑے لوگ بھی کس، کس رنگ کے ہوتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔

خوشی کی تصویر

رضیہ کا پھوہڑ پن دیکھ کر مجھے ہمیشہ طمانیت کا احساس ہوتا ہے کہ میں اس دنیا میں اکیلی نہیں ہوں جو اپنے آپ کو کسی غم میں ہلکان نہیں کرتے۔

مجھے ہمیشہ ایسے افسانے اور ناول اچھے لگتے ہیں جس میں کسی پھوہڑ عورت کو ایک اچھی عورت سمجھا جائے۔ اس کے پھوہڑ پنے میں بھی اس کے ہنر ڈھونڈے جائیں بلکہ اس کے طفیل اسے معصوم، الھڑ، نیک، شریف اور سب سے محبت کرنے والی کے خطابات دیے جائیں۔

سلیقہ مند، ماہر کام کاج اور چلتر قسم کی خواتین سے مجھے ازلی بیر ہے...... وہ عورتیں جو اپنے سلیقے کی

کہانیاں سناتی ہیں...... وہ انتہائی بری لگا کرتی ہیں...... یہی وجہ ہے کہ میرے حلقۂ احباب میں اس قسم کی کوئی عورت آپ کو نظر نہیں آئے گی۔

نجمہ میری خاص سہیلی ہے اور جب بھی وہ میرے گھر آتی ہے، عموماً دورنگی چپل پہن کر آتی ہے وہ کبھی چپل دیکھ کر نہیں پہنتی اس لیے اس کے ایک پاؤں میں اپنی بھاوج کی چپل اور دوسرے پیر میں اپنی بہن کی چپل ہوتی ہے اور جب ہمارے گھر سے جاتی ہے تو اس کے ایک پیر میں میری چپل اور دوسرے میں اس کی اپنی چپل ہوتی ہے۔ اس لیے اس کے جانے کے بعد میری ساس خاصا واویلا مچاتی ہیں مگر میں ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دیتی ہوں...... کہ بھلا اپنے مہمانوں پر بھی کسی قسم کی کوئی روک ٹوک کی جاسکتی ہے؟ نسرین کے پیر اتنے پھٹے ہوئے ہوتے ہیں کہ میرا دل چاہتا ہے کہ جب وہ آئے تو اس کی کٹی پھٹی ایڑیوں پر مرہم لگاؤں، جس طرح میں اپنی ایڑیوں پر لگاتی ہوں، میرے اس انداز پر اس کی آنکھیں بھر آتی ہیں مگر ہم دونوں سہیلیاں اپنے پیروں پر مرہم لگائے، صوفوں پر چڑھ کر اپنی پسند کی مووی دیکھتے رہتے ہیں اور اس پر ریمارکس پاس کرتے رہتے ہیں۔

مجھے فلموں کا شوق کچھ اتنا زیادہ ہے کہ فلم دیکھنے کے دوران اسے یہاں تک بتا دیتی ہوں کہ اب وہ دوسرا ڈائیلاگ کیا بولے گی اور اس پر سامنے والا کیا ایکشن لے گا، میری سہیلی میری ذہانت سے بہت متاثر ہوتی ہے کہ یوں بھی میں ذہین تو خیر ہوں ہی مگر مذکورہ فلمیں میری کم از کم دس بار کی دیکھی ہوتی ہیں۔

میری دوست ثریا تو اتنی سادہ لوح ہے کہ کپڑے بھی دیکھ کر نہیں پہنتی...... اس کی شمیز ہمیشہ قمیص سے نیچی ہوتی ہے اور قمیص کے اوپر شمیز کا گلا قمیص سے باہر نظر آتا ہے، یوں تو ہائی کلاس کی خواتین میں یہ فیشن بھی ہے مگر میری یہ دوست تو تن آسان سی ہے کہ جو جیسا اور جہاں ہاتھ آیا...... پہن لیتی ہے اگر اسے شمیز نہ ملے تو مردانہ بنیان پہن لیتی ہے جبکہ اپنی جلد بازی میں اکثر الٹے بنیان پہن کر بھی آجاتی ہے۔

اسے رنگوں کا بھی اتنا خیال نہیں رہتا...... اس لیے کہیں تعزیت پر جاتے وقت اگر وہ شوخ رنگ کے جھلمل کپڑے پہن جائے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مرنے والے سے اس کی دشمنی تھی...... جو وہ یوں خوشی کا اظہار کر رہی ہے...... اس کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ اس کو ان کپڑوں کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آیا۔

اپنی دوست عنبرین کے گھر میں جب بھی جاؤں وہ الٹا پڑا ہوتا ہے...... مگر وہ مزے سے رضائی میں دبکی ٹی وی دیکھ رہی ہوتی ہے...... مجھے دیکھ کر وہ ڈرائنگ روم میں نہیں بھاگتی ...... بلکہ وہیں اپنی رضائی میں مجھے جگہ دیتی ہے۔ چائے، کھانا، کافی سب وہیں پر بیٹھے، بیٹھے مل جاتا ہے۔

رضیہ، نسرین، عنبرین میں کسی کے گھر بھی چلی جاؤں ہمیشہ دلی طمانیت حاصل ہوتی ہے مگر کچھ عرصے سے ہمارے میاں جی کے ایک نئے دوست اپنی بیگم کے ساتھ ہمارے گھر آنے لگے تھے جنہیں دیکھ کر ہی مجھے وحشت سی ہوا کرتی۔

ان کی بیگم کا نام ہی مجھے پسند نہیں آیا تھا۔ شمائلہ...... یعنی خوبیوں والی، صفات کا مجموعہ...... اس پر ان کا تیکھا ناک نقشہ، متوازن، جسم اور بلا کی دیدہ زیب...... جو پہنتیں کپڑا اچھل اٹھتا۔

وہ ساڑی تو نفاست سے باندھا کرتی تھیں مگر جب وہ اس کی فال چٹکی میں پکڑ کر چلتیں تو میاں صاحب کے ساتھ ساس بھی اترایا کرتیں...... واقعی قیامت کی چال تھی۔

ہماری ساس ان کو دیکھ کر ہمیشہ آپے سے باہر ہو جاتیں۔ ان کی بلائیں اتارتیں اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنی کنپٹی پر چٹخاتیں۔

"اماں جان آپ ایسا کیوں کرتی ہیں؟" میں بوکھلا کر پوچھا کرتی۔

"بلائیں لیتی ہوں شمائلہ کی......"

"آپ کی اپنی بلائیں کم ہیں جو دوسروں کی بلائیں بھی سمیٹا کرتی ہیں۔" میرے دل کی آواز لبوں تک آنے کی سکت ہی نہیں رکھتی تھی۔

ہر ساس کی یہی تو کمزوری ہوتی ہے کہ اسے ہمیشہ دوسرے کی بہو اچھی لگتی ہے۔ ٹھیک ہے، میں ان کی طرح حسین نہ تھی مگر سال چھ مہینے میں کبھی تو کوئی کپڑا مجھ پر کھلا ہوگا...... مگر بڑھیا نے ہماری تو کبھی نظر نہیں اتاری تھی بلکہ میری شکل دیکھ کر اُن کے لبوں سے ٹھنڈی آہیں آزاد ہو جایا کرتی تھیں۔ اور وہ اکثر آسمان کی طرف شکوہ بار نگاہیں ڈال کر قسمت اپنی کا گیت گنگنایا کرتی تھیں۔

"سنیے......! آپ اپنے نئے دوست تاج صاحب سے میل ملاپ کم کرلیجیے، مجھے ان کی چھمک چھلو نما بیوی کا آنا پسند نہیں ہے۔" ایک دن میں نے میاں جی سے کہا۔

"کیوں بھئی، اتنے پیارے سے لوگ ہیں۔"

لفظ "پیارے سے" کو انہوں نے کچھ زیادہ ہی پیار سے ادا کیا اور چند لمحوں کے لیے جھوم گئے۔ شاید تصورات کی اڑان کے ناتے ایسا ہوا ہو۔

"ہوں گے پیارے...... مگر مجھے ایسے نہیں لگتے...... مگر مجھے اس گھر کی بہتری ہمیشہ عزیز تھی اور رہے گی۔"

"بات کیا ہے آخر......؟" وہ چونک کر بولے...... کہ کہیں ان کی چوری تو نہیں پکڑی گئی...... حالانکہ شادی شدہ مرد کو چور قرار دینا بے حد مشکل کام ہوتا ہے...... وہ چور ہوتے ہوئے بھی چور بننے کو تیار نہیں ہوتے۔ (حد ہے بے غیرتی کی)

"مجھے مسز تاج کی ایک عزیزہ ملی تھیں، انہوں نے بتایا کہ تاج صاحب کی بیگم شمائلہ نفسیاتی مریضہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک سیریس مرض میں بھی گرفتار ہیں جس میں اگر انہیں غصہ آجائے تو سامنے والے کا سر بھی توڑ سکتی ہیں۔ ابھی پچھلے ماہ انہوں نے تاج صاحب کے دو دوستوں پر خواہ مخواہ چھری سے وار کردیا...... جبکہ کوئی بات بھی نہیں تھی۔"

"اچھا وہ تو نفسیاتی مریضہ کے بجائے پاگل سی ہوئیں۔" میاں جی صدمے سے پیلے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"کل آپ نے دیکھا نہیں کہ اچانک چلتے وقت اپنے پیر دھو کر گئیں...... بلکہ مجھ پر اچانک ہی گرم ہو کر بولیں...... میرے پیر تم فوراً دُھلواؤ...... میں نے مہمان سمجھ کر لوٹے سے ان کے پیر دھلوا دیے۔" (میں اصل معما گول کر گئی کہ ان کے پیر میرے چھوٹے ببلو کے پیشاب میں اچانک سن گئے تھے۔ دراصل ببلو...... تین سال کا تو ہوگیا ہے مگر شوشو بتاتا ہی نہیں)

"ہاں دیکھا تو تھا میں نے...... مگر مجھے معلوم نہیں ہوا کہ ان کے پاگل پن کا کوئی چکر ہوگا......"

میاں جی حیران سے ہو کر بول رہے تھے۔

"ان کے سسرال والے تو ان کے پاگل پن کی وجہ سے بھاگ گئے۔" (جبکہ وہ لوگ باہر شفٹ ہوگئے تھے...... اپنے دوسرے بیٹے کے پاس)

"اچھا ہوا، یہ سب پہلے سے ہی پتا چل گیا...... ورنہ مجھے یہ لوگ اچھے لگنے لگے تھے......" میاں جی کا چہرہ ہنوز صدمے سے پیلا تھا۔

اب وہ تاج صاحب کو فون کر کے کہہ رہے تھے کہ وہ کچھ دنوں کے لیے شہر سے باہر جارہے ہیں...... واپس آکر خود رابطہ کریں گے اور میں نہال، نہال سی اپنے کمرے میں ناچ رہی تھی۔

"شمو ہوگئی بدنام آج میرے لیے۔"

"حقیقت تو یہ تھی کہ مسز تاج کی عزیزہ نے مجھے یہ بتایا تھا کہ وہ بے حد صفائی پسند، سلیقہ مند ہیں اور نفاست تو اُن پر ختم ہے۔ کسی وقت بھی ان کے گھر چلے جاؤ، گھر شیشے کی طرح چمکتا نظر آتا ہے۔" اب ایسے لوگوں سے مل کر مجھے احساسِ کمتری کا شکار تھوڑی ناں ہونا تھا اور جب ایسے لوگوں سے مل کر مجھے وحشت ہوتی ہے تو میں کیوں ملوں۔

"اللہ میری نسرین، رضیہ، اور عنبرین کو سلامت رکھے۔ جو خوشی مجھے ان سے مل کر ہوتی ہے اس کی تصویر نہیں کھینچی جاسکتی...... جی ہاں...... اور آپ کی بھی یقیناً ایسی کوئی نہ کوئی سہیلی تو ضرور ہوگی...... جس کے ساتھ بیٹھ کر ایسا قہقہہ لگایا جائے کہ یوں لگے کہ اس نے چھت پھاڑ دی ہو...... ہے ناں......!"



میں اکثر گنگناتی ہوں

صغریٰ زیدی

☆ماہ زیب......چونیاں
بھیگتے رہے بارشوں میں اکثر
کبھی مانگی کسی سے پناہ نہیں
حسرتیں پوری نہ ہوں تو نہ سہی
خواب دیکھنا تو کوئی گناہ نہیں

☆لاریب......چونیاں
جو ہوسکے تو بھلا دینا رنجشیں دل کی
کہ محبت کا تقاضا ہے درگزر کرنا
تیرے طرزِ تغافل سے کیا گلہ ہمیں
شاید ہمیں ہی آتا نہیں دلوں میں گھر کرنا

☆صائمہ سجاد بنگش......کوہاٹ
یہ پھول مجھے کوئی وراثت میں ملے ہیں
تم نے میرا کانٹوں بھرا بستر نہیں دیکھا

☆ماریہ فراز......لاہور
ابر کی طرح ہے وہ، یوں نہ چھوسکوں لیکن
ہاتھ جب بھی پھیلائے آگیا دعاؤں میں

☆ارم ناز......کراچی
دو چار دن کی بات نہیں یہ منصبِ جنوں
برسوں میں جا کے رابطۂ سنگ و سر ہوا

☆عنبر وسیم......گوجرانوالہ
منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
ایک ہی سب کا نبیؐ، دین بھی ایمان بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

☆ عالیہ بشیر......اسلام آباد
ہیں رنگ کئی ان کے پر پختہ نہیں ہوتے
یہ لوگ بھی کیا شے ہیں شرمندہ نہیں ہوتے
گل کے رخِ رنگیں پہ بھی آنسو ہیں صبحِ دم
یہ کس نے کہا ہنستے ہوئے چہرے نہیں روتے

☆ارم کمال......فیصل آباد
اس عرصۂ مقتل میں میرے عہد کی مائیں
کیوں دیتی ہیں بچوں کو جوانی کی دعائیں

☆مسز تسنیم......جہلم
ساحل قریب دیکھ کر یوں مطمئن نہ ہو
اکثر سفینے ڈوبتے ہیں ساحل کے پاس ہی

☆ نگینہ ضیا بنگش......کیماڑی
کسی کے ظرف سے بڑھ کر نہ کر مہر و وفا ہرگز
کہ اس بے جا شرافت سے بڑا نقصان ہوتا ہے

☆فصیحہ آصف خان......ملتان
پاتے ہیں کچھ گلاب چٹانوں میں پرورش
آتی ہے پتھروں سے بھی خوشبو کبھی کبھی

☆عرشیہ جنید......کراچی
ہم اوس کے قطرے ہیں کہ بکھرے ہوئے موتی
دھوکا نظر آئے تو ہمیں رول کے دیکھو

☆نزہت جبیں ضیا......کراچی
فقط ایک پل کے فراق میں کئی خواب کرچیاں ہوگئے
جو پلٹ کے آئے تو یوں لگا یہاں سلسلہ کوئی اور ہے
کئی عمر اک اسی چاہ میں اسے دیکھتے کسی راہ میں
مگر اک زمانے کے بعد جو ہوا آشنا کوئی اور ہے

☆راحیلہ صابر......کراچی
ایسی خالی نسل کے خواب ہی کیا ہوں گے
جن کی نیند کا سرچشمہ تک چرس میں ہے

☆جبین نیاز......ملتان
معترف ہے مگر اظہار سے گھبراتا ہے
کیا غضب ہے، وہ مرے پیار سے گھبراتا ہے

☆عصمت فاطمہ......شجاع آباد
یہ بھی دنیا ہے وہی آؤ کہیں اور چلیں
آئے تھے ہم تو اسی درد سے ڈرتے بچتے
سسکیاں گیت کی لے سے ہیں گلوگیر یہاں
گرم اشکوں میں شرابور ہیں رعنا چہرے

☆رضوانہ سمیع......کراچی
لوٹ آیا ہے جو آواز نہ اس کی پائی
جانے کس در پہ کسے جا کے پکارا ہوگا
یاں تو ہر روز کی باتیں ہیں یہ جیتیں ماتیں
یہ بھی چاہت کے کسی کھیل میں ہارا ہوگا

☆دُرِ شہوار......گوجر خان
بہت عزیز سہی اس کو میری دلداری
مگر یہ ہے کہ کبھی دل میرا دکھا بھی گیا
اب ان دریچوں پہ گہرے دبیز پردے ہیں
وہ تاک جھانک کا معصوم سلسلہ بھی گیا

عشرت حسین......رحیم یار خان
آپ کا اب بھی ہر اک ظلم گوارا ہے مگر
بے وفائی کا نہ الزام لگایا جائے

☆فریدہ جعفر......لاہور
کل راستے میں جس سے ملاقات ہوگئی
رہتا تھا دل کے پاس مگر اجنبی لگا
برسوں ہمارا عکس رہا جس کے روبرو
وہ آئینہ بھی پیشِ نظر اجنبی لگا

☆زریں زبیر......کراچی
ستم کے دور میں ہم اہلِ دل ہی کام آئے
زباں پہ ناز تھا جن کو وہ بے زباں نکلے

☆ڈاکٹر نفیسہ نہال......لاہور
مجھ کو ترے فراق نے بخشی ہے زندگی
موتی مثال کر گیا غم کا صدف مجھے

☆عنبرین خالد......حیدرآباد
یہ کون لوگ اندھیروں کی بات کرتے ہیں
ابھی تو چاند تری یاد کے ڈھلے بھی نہیں
ابھی سے میرے رفوگر کے ہاتھ تھکنے لگے
ابھی تو چاک مرے زخم کے سلے بھی نہیں

☆بختاور بلوچ......لوہی بلوچستان
بادل کو کیا خبر ہے کہ بارش کی چاہ میں
کیسے بلند و بالا شجر خاک ہوگئے
جگنو کو دن کے وقت پرکھنے کی ضد کریں
بچے ہمارے عہد کے چالاک ہوگئے

☆سعیدہ بانو......مری
کہیں تم اپنی قسمت کا لکھا تبدیل کر لیتے
تو شاید ہم بھی اپنا راستہ تبدیل کر لیتے
اگر ہم واقعی کم حوصلہ ہوتے محبت میں
مرض بڑھنے سے پہلے ہی دوا تبدیل کر لیتے

☆نگہت آصف......اسلام آباد
ہم تو دشمن کو بھی پاکیزہ سزا دیتے ہیں
ہاتھ اٹھاتے نہیں نظروں سے گرا دیتے ہیں

☆غزالہ طارق......سرگودھا
ہمیں خبر ہے ہوا کا مزاج رکھتے ہو
مگر یہ کیا کہ ذرا دیر کو رکے بھی نہیں

☆بشریٰ رضا......کوہاٹ
اِک شبِ غم کے اندھیرے پہ نہیں ہے موقوف
تو نے جو زخم لگایا ہے وہ گہرا اترا

☆شہلا محمود......واہ کینٹ
چھو کر ہی آئیں منزلِ امید ہاتھ سے
کیا راستے سے لوٹنا جب پاؤں پھسل چکا

☆ کائنات عبدالحلیم......میرپور خاص
دل اسے چاہے جسے عقل نہیں چاہتی ہے
خانہ جنگی ہے عجب ذہن و بدن میں اب کے
جی یہ چاہے، کوئی پھر توڑ کے رکھ دے مجھ کو
لذتیں ایسی کہاں ہوں گی تھکن میں اب کے



زعفرانی قورمہ

اشیا: بکرے یا گائے کا گوشت، آدھا کلو۔ پیاز، درمیانی تین عدد (گولڈن کرلیں)۔ دہی، آدھی پیالی۔ لہسن، آدھی پوتھی۔ ادرک، ایک انچ کا ٹکڑا۔ دھنیا پسا ہوا، ایک چائے کا چمچ۔ چھوٹی الائچی، چار عدد۔ پسا ہوا گرم مسالا، 1/2 چائے کا چمچ۔ زعفران، 1/2 چائے کا چمچ۔ نمک، حسبِ ذائقہ۔ مرچ، حسبِ ضرورت۔ تیل، حسبِ ضرورت۔

ترکیب: ادرک، لہسن اور تلی پیاز پیس کر دھنیا اس میں ملا دیجیے اور ایک دیگچی میں تیل کڑکڑانے کے بعد پہلے اس میں گوشت بھونیں پھر باقی مسالا مع دہی ڈال کر بھونیں اور دہی کا پانی خشک کرنے کے بعد مرچ اور نمک ڈال کر بھوننا جاری رکھیے پھر تھوڑا پانی ڈال کر گوشت گلائیں۔ گوشت گل جانے پر آخر میں پسی ہوئی الائچی اور زعفران ڈال دیجیے۔ چند منٹ تک دم پر رکھنے کے بعد اتار لیجیے...... لذیذ اور خوش ذائقہ زعفرانی قورمہ تیار ہے۔ تندوری روٹی کے ساتھ تناول فرمائیں۔

حنا کاشف...... حیدرآباد

فرائڈ چانپیں

اشیا: چانپیں، 1/2 کلو۔ میدہ، 3 یا 4 کھانے کے چمچ۔ انڈے، 2 عدد۔ نمک، مرچ، حسبِ ذائقہ۔ لونگ، 6 عدد۔ پسا ہوا گرم مسالا، 1 چائے کا چمچ۔ لہسن، 6 جوئے۔ تیل، تلنے کے لیے۔

ترکیب: چانپوں کو نمک، لونگ اور لہسن ڈال کر ابال لیں۔ جب پانی بالکل خشک ہو جائے تو چانپیں ٹھنڈی کرلیں۔ انڈوں کو پھینٹ کر نمک، سرخ مرچ، میدہ اور گرم مسالا ملا کر خوب اچھی طرح پھینٹ کر مناسب گاڑھا آمیزہ بنائیں۔ ایک، ایک چانپ لے کر اس آمیزے میں ڈبو، ڈبو کر گرم تیل میں تل کر سنہری کرلیں۔ ڈش میں سلاد کے پتے دھو کر سجائیں، ٹماٹر یا گاجر کے پھول بنا کر سجائیں، پیاز کے گول، گول لچھے پھر درمیان میں تلی ہوئی گرما گرم چانپیں رکھیں اور لطف اندوز ہوں۔

عرشیہ جنید...... کراچی

تکا کباب

اشیا: بیف، پسندے، دو کلو۔ دہی، ایک پاؤ۔ پسا ہوا سفید زیرہ، ایک چائے کا چمچ۔ نمک، حسبِ ذائقہ۔ گرم مسالا (پسا ہوا)، دو چائے کے چمچ۔ پپیتا (پسا ہوا)...... دو کھانے کے چمچ۔

ترکیب: دہی میں...... تمام اشیا مکس کرلیں پھر پسندے دھو کر دہی میں اچھی طرح ملا دیں اور چار گھنٹے کے لیے فریج میں رکھ دیں۔ اب کوئلوں کو گرم کرلیں اور پسندے سیخوں میں پرو کر کوئلے کی آنچ پر سرخ کرلیں سیخ کو گھماتی جائیں تاکہ تمام اطراف سے سرخ ہوں۔ تھوڑا گھی یا تیل صاف کپڑے کی دھجی میں لگا کر کبابوں پر لگاتی جائیں تاکہ چمک پیدا ہو جائے۔ پودینے کی چٹنی کے ساتھ پیش کریں۔

جبیں نیاز...... ملتان

چٹ پٹے چکن تکے

اشیا: (گھر میں ہی بازاری سیخوں پر بنے تکے کا لطف اٹھائیں) مرغی کے بڑے پیس چار عدد۔ ایک مرغی میں چار ہی بڑے تکے بنتے ہیں۔

ادرک، لہسن پیسٹ ایک، ایک چائے کا چمچ۔ پسی سرخ مرچ، نمک، حسبِ ذائقہ۔ لیموں کا رس، چار کھانے کے چمچ۔ دہی 1/2 پیالی۔ زردے کا رنگ، ایک چائے کا چمچ۔ سرکہ 1/2 پیالی۔ پسا گرم مسالا، ایک چائے کا چمچ۔ کوئلہ دم کے لیے۔

ترکیب: مرغی کے ٹکڑوں پر چھری کی مدد سے ہلکے، ہلکے کٹ لگا لیں۔ ایک پیالے میں سرکہ اور زردے کا رنگ ملا کر مرغی ڈال کر رکھ دیں۔ ایک برتن میں دہی کے ساتھ دیگر مسالے (علاوہ سرکہ اور رنگ) مکس کردیں اور اب سرکہ لگی مرغی کو دہی کے آمیزے میں میرینیٹ کر کے رکھ دیں کم از کم دو سے تین گھنٹے کافی ہوں گے۔ اب ایک دیگچی میں یہ مسالا لگی چکن پھیلا کر رکھ دیں اور اتنا پانی ڈال دیں کہ یہ ہلکے، ہلکے ڈوب جائیں اب ہلکی آنچ پر چڑھا دیں ....

.... آدھے گھنٹے بعد ہلکے ہاتھ سے انہیں پلٹ دیں اور پانی سوکھنے تک ہلکی آنچ پر رکھیں جب گل جائیں تو کوئلہ دہکا کر پیاز یا روٹی کے ٹکڑے پر رکھ کر دیگچی میں رکھ دیں ذرا سا گھی کوئلے پر ڈال لیں اور ڈھکن بند کردیں...... مزیدار تکے تیار ہیں...... کچھ افراد کوئلے کی دھونی پسند نہیں کرتے تو تکے کو گرم توے پر الٹ پلٹ کر کے باربی کیو کا مزہ لے لیں۔ گوشت اتنا بھی نہ گلے کہ یہ سب کرنے میں ٹوٹ جائے...... پودینے کی چٹنی اور پیاز کے لچھوں کے ساتھ پیش کریں۔

رابعہ شاہد...... یو اے ای

کیلے اور انناس کی کریمی جیلی

اشیا: کیلے چار عدد۔ انناس، 425 گرام فریش یا ٹن کچھ بھی۔ کاٹج چیز (پنیر) 225 گرام یا ایک کپ۔ انناس کا رس صرف 1/2 پیالی۔ جیلاٹن پاؤڈر ایک چائے کا چمچ، انڈے کی سفیدی، دو عدد۔ آئسنگ شوگر، دو ٹیبل اسپون۔

ترکیب: گول کیک کے سانچے میں نان اسٹک بیکنگ پیپر یا بٹر پیپر چپکائیں اتنا بڑا ہو کہ سانچے سے دو انچ باہر اور اوپر کو نکل آئے۔ فوڈ پروسیسر یا مکسر میں کیلے، آئسنگ شوگر اور پنیر ڈال کر آمیزہ کریمی کرلیں۔ اب انناس بھی اسی آمیزے میں بلینڈ کرلیں۔ سارا آمیزہ ایک پیالے میں انڈیل دیں۔ جیلاٹن پاؤڈر کو چار ٹیبل اسپون انناس کے رس میں اچھی طرح حل کریں اور اس محلول کو پیالے میں انڈیلے گئے آمیزے پر پھیلا دیں۔ ایک الگ پیالے میں انڈے کی سفیدی خوب اچھی طرح پھینٹیں کہ سفید سخت جھاگ بن جائے اب اس جھاگ کو بھی اسی آمیزے پر ڈال دیں...... اب اس آمیزے کو کیک کے سانچے میں انڈیل لیں اور سانچے کو ہلا، ہلا کر آمیزے کی سطح ہموار کرلیں اور اسے آدھے گھنٹے کے لیے فریزر میں رکھ کر پھر فریج میں رکھ دیں جب خوب ٹھنڈا ہو جائے تو کسی سرونگ ڈش میں احتیاط سے سانچے سے نکال کر پیپر الگ کرلیں اور پر کیلے اور انناس کے چند ٹکڑوں سے سجا کر پیش کریں۔

کلثوم عباس، کراچی

کھانے کے بارے میں احادیثِ مبارکہ

آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے انبیا کا سالن سرکہ رہا ہے اور سرکہ کیسا اچھا سالن ہے۔ (شمائل ترمذی)

☆ ایک حدیث میں ہے کہ جس گھر میں سرکہ ہو وہ محتاج نہیں یعنی سالن کی احتیاج باقی نہیں۔ (ابنِ ماجہ)

☆ آپؐ نے فرمایا۔ "زیتون کا تیل کھانے میں استعمال کرو اور مالش میں بھی اس لیے کہ یہ ایک بابرکت درخت کا تیل ہے۔" (شمائل ترمذی)

☆ آپؐ رات کا کھانا کبھی تناول فرمایا کرتے تھے اگرچہ کھانے کے چند لقمے ہی کیوں نہ ہوں۔ فرمایا کرتے تھے۔ "عشا کا کھانا چھوڑ دینا بڑھاپا لاتا ہے۔" (ترمذی۔ ابن ماجہ)

☆ ایک حدیث میں ہے جو دسترخوان پر گری ہوئی چیز اٹھا کر کھا لیتا ہے اس کی اولاد حسین و جمیل پیدا ہوتی ہے اور اس کی محتاجی دور ہو جاتی ہے۔ (مدارج النبوہ)

مرسلہ: لاریب، ماہ زیب، چونیاں

سندیسے



پاکیزہ بہنیں



شکر کرو اور خوشی حاصل کرو

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔
پریشانی تذکرہ کرنے سے بڑھ جاتی ہے
خاموش ہونے سے کم
صبر کرنے سے ختم
اور شکر کرنے سے خوشی میں بدل جاتی ہے۔
صبا نور، لیہ

گُم صُم

چاندنی رات میں
گھنے درختوں کے نیچے بیٹھا ہے کوئی
سوچوں میں گم یا گونگا سا
جو اپنے دل کی بات مجھ سے کہتا ہی نہیں
خولہ بنت حوا، کراچی

تم

تم ایسے مجھ کو.... لگتے ہو
جیسے چاند، ستارے
چمکتے ہیں
آسمان میں جگمگ کرتے ہیں
آپس میں گھلتے ملتے ہیں
سنگ ہمیشہ رہتے ہیں
تم مجھے اتنے اچھے لگتے ہو
از...... افسانہ آفتاب کاوش، کراچی

اپنی پاکیزہ بہنوں کے نام

وہ جو دل میں تیرا مقام ہے
کسی اور کو وہ دیا نہیں
وہ جو رشتہ تجھ سے ہی بن گیا
کسی اور سے وہ بنا نہیں
وہ جو پیار تجھ سے ہو گیا
کسی اور سے وہ ہُوا نہیں
وہ جو راز تجھ سے کہہ دیا
کسی اور سے وہ کہا نہیں
وہ سکوں ملا تیری ذات سے
کسی اور سے وہ ملا نہیں
تو ہُوا ہے جتنا قریب تر
کوئی اور اتنا ہوا نہیں
تیرا نام دل میں ہے جس طرح
کوئی اور... ایسے بسا نہیں
مرسلہ: امینہ عندلیب، سلانوالی

ویکھی

کسے اکھ وچ میں درندگی ویکھی
کسے اکھ وچ بھجدی میں زندگی ویکھی
حیرت نال میں کیوں ناں مر گئی شاد
نفرت دے اگے جدوں میں محبت ہردی ویکھی
خوشیاں وی سڑ کے سُوا ہو گیاں
شک دی اگ جدوں ہر پاسے بلدی ویکھی
اِک امیر دے قدماں تھلے پیسہ رُلدا ویکھیا
اِک غریب دی اکھیاں وچ حسرت میں روندی ویکھی
پر اے سچ اے شاد کچھ رہنا نئیں اتھے سدا
اس حقیقت دی نشانی اج جوانی میں ڈھلدی ویکھی
شاعرہ: ایشل شادیان شاد...... گولارچی

روحانی مشورے

صلوٰۃ التسبیح کے فضائل و مسائل

سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر
یہ تسبیح جس کا اوپر ذکر کیا گیا نہایت ہی اہم اور دین و دنیا میں کارآمد اور مفید ہے جیسا کہ احادیث میں مذکور ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے ان کے اہتمام اور فضیلت کی وجہ سے ایک خاص نماز کی ترغیب بھی فرمائی ہے جو صلوٰۃ التسبیح (تسبیح کی نماز) کے نام سے مشہور ہے۔ اس کو صلوٰۃ التسبیح اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں تین سو مرتبہ یہ تسبیح پڑھی جاتی ہے۔ حضور ﷺ نے بہت ہی اہتمام اور ترغیب کے ساتھ اس نماز کو تعلیم فرمایا، چنانچہ حدیث میں وارد ہے۔
''حضورِ اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ اپنے چچا حضرت عباسؓ سے فرمایا، اے عباس میرے چچا کیا میں تمہیں ایک عطیہ کروں؟ ایک بخشش کروں؟ ایک چیز بتاؤں؟ تمہیں دس چیزوں کا مالک بناؤں......؟ جب تم اس کام کو کرو گے تو حق تعالیٰ شانہٗ تمہارے تمام گناہ پرانے اور نئے، دانستہ یا نادانستہ کیے ہوئے چھوٹے اور بڑے، چھپ کر کیے ہوئے یا کھلم کھلا کیے ہوئے سب ہی معاف فرمائے گا۔ وہ کام یہ ہے کہ چار رکعت نفل (صلوٰۃ التسبیح کی نیت باندھ کر) پڑھو اور ہر رکعت میں جب الحمد اور سورہ پڑھ چکو تو رکوع میں جانے سے پہلے سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر 15 مرتبہ پڑھو جب رکوع کرو تو 10 مرتبہ رکوع میں بھی تسبیح پڑھو۔ پھر جب رکوع سے کھڑے ہو تو 10 مرتبہ پڑھو پھر سجدہ کرو تو 10 مرتبہ اس میں پڑھو پھر جب سجدے سے اٹھ کر بیٹھو تو 10 مرتبہ یہی

ادارہ



تسبیح پڑھو پھر دوسرے سجدے میں سبحان ربی الاعلیٰ کہنے کے بعد 10 مرتبہ یہی تسبیح پڑھو پھر جب دوسرے سجدے سے اٹھو تو (دوسری رکعت میں) کھڑے ہونے سے پہلے بیٹھ کر 10 مرتبہ پڑھو۔ ان سب کی میزان پچھتر ہوئی۔ اسی طرح ہر رکعت میں 75 دفعہ ہوگا اور چوتھی رکعت میں التحیات سے پہلے 10 مرتبہ تسبیح پڑھیں پھر التحیات شروع کریں اگر ممکن ہو سکے تو روزانہ ایک مرتبہ یہ عمل کر لیا کرو...... یہ بھی نہ ہو سکے تو ہر مہینے میں ایک مرتبہ پڑھ لیا کرو...... یہ بھی نہ ہو سکے تو ہر سال میں ایک مرتبہ پڑھ لیا کرو، یہ بھی نہ ہو سکے تو عمر بھر میں ہی ایک مرتبہ پڑھ لو۔''
(ابوداؤد جلد صفحہ 191)

پہلی رکعت میں نقشہ تسبیحات کی تعداد

سورہ فاتحہ اور دیگر سورہ کے بعد رکوع سے پہلے......
15 مرتبہ
پھر رکوع میں سبحان ربی العظیم کے بعد......
10 مرتبہ
پھر قومہ میں...... 10 مرتبہ
پھر پہلے سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ کے بعد
10 مرتبہ
پھر جلسہ ...... 10 مرتبہ
پھر دوسرے سجدے میں سبحان ربی الاعلیٰ کے بعد 10 مرتبہ
پھر دوسرے سجدے سے واپس آکر.... 10 مرتبہ
پھر اسی ترتیب سے چاروں رکعات میں تسبیح پڑھیں اس طرح چار رکعات میں کل تسبیحات تین سو

مرتبہ ہوجائیں گی۔

دوسری اور چوتھی رکعت میں تسبیحات دس مرتبہ التحیات شروع کرنے سے پہلے پڑھیں گے پھر التحیات پڑھیں گے، باقی رکعات میں کوئی فرق نہیں ہے۔

فائدہ: صلوٰۃ التسبیح بڑی اہم نماز ہے جس کا کچھ اندازہ احادیث بالا سے ہوسکتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے کس قدر شفقت اور اہتمام سے اس کو تعلیم فرمایا ہے۔ علمائے امت، محدثین، فقہا، صوفیا ہر زمانے میں اس کا اہتمام فرماتے رہے ہیں۔

امام حدیث حاکمؒ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے صحیح ہونے پر یہ دلیل ہے کہ تبع تابعین کے زمانے سے ہمارے زمانے تک مقتدا حضرات اس پر مداومت کرتے اور لوگوں کو تعلیم دیتے رہے ہیں۔ جن میں عبداللہ بن مبارک رحمتہ اللہ علیہ بھی ہیں۔

☆عبدالعزیز بن ابی رواد ابن تجبہ کہتے ہیں کہ جو جنت کا ارادہ کرے اس کو ضروری ہے کہ صلوٰۃ التسبیح کو مضبوط پکڑے۔

☆ابوعثمان حیریؒ جو بڑے زاہد ہیں کہتے ہیں کہ میں نے مصیبتوں اور غموں کے ازالے کے لیے صلوٰۃ التسبیح جیسی کوئی چیز نہیں دیکھی۔

☆علامہ تقی سبکیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اس نماز کے ثواب کو سن کر بھی غفلت کرے وہ دین کے بارے میں سستی کرنے والا ہے، صلحا کے کاموں سے دور ہے، اس کو پکا آدمی نہ سمجھنا چاہیے۔

☆مرقاۃ میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہر جمعے کو صلوٰۃ التسبیح پڑھا کرتے تھے۔

(مرقاۃ جلد ۳ صفحہ ۱۲۷)

چونکہ یہ نماز عام طور پر رائج نہیں ہے اس لیے اس کے متعلق چند مسائل بھی لکھے جاتے ہیں تاکہ پڑھنے والوں کو سہولت ہو۔

مسئلہ (۱) اس نماز کے لیے کوئی سورہ قرآن کی متعین نہیں جو سورہ دل چاہے پڑھے۔

(بہشتی زیور مدلل صفحہ ۱۵۷)

مسئلہ (۲) ان تسبیحوں کو زبان سے ہرگز نہ گنیں کیونکہ زبان سے گننے سے نماز ٹوٹ جائے گی۔ انگلیوں کو بند کر کے گننا اور تسبیح ہاتھ میں لے کر اس پر گننا جائز... مگر مکروہ ہے، بہتر یہ ہے کہ انگلیاں جس طرح اپنی جگہ پر رکھی ہیں ویسی ہی رہیں اور ہر کلمہ پر ایک، ایک انگلی کو اسی جگہ دباتا رہے۔

(فضائل اعمال صفحہ ۵۹۱)

مسئلہ (۳) اگر کسی تسبیح کو پڑھنا بھول جائے تو دوسرے رکن میں اس کو پورا کرے، البتہ بھولے ہوئے کی قضا رکوع سے اٹھ کر اور دو سجدوں کے درمیان نہ کرے اسی طرح پہلی اور تیسری رکعت کے بعد اگر بیٹھے تو ان میں بھی بھولے ہوئے قضا نہ کرے بلکہ صرف ان کی ہی تسبیح پڑھے اور ان کے بعد جو رکن ہو اس میں بھولی ہوئی بھی پڑھ لے۔ مثلاً اگر رکوع میں پڑھنا بھول گیا تو ان کو پہلے سجدے میں پڑھ لے۔ اسی طرح پہلے سجدے کی دوسرے سجدے میں اور دوسرے سجدے کی دوسری رکعت میں کھڑا ہو کر پڑھ لے اور اگر رہ جائے تو آخری قعدے میں التحیات سے پہلے پڑھ لے۔

(بہشتی زیور مدلل صفحہ ۱۵۱ مع الزیادہ از فضائل اعمال)

مسئلہ (۴) اگر سجدہ سہو کسی وجہ سے پیش آجائے تو اس میں تسبیح نہیں پڑھنا چاہیے اس لیے کہ مقدار تین سو ہے وہ پوری ہو چکی، ہاں اگر کسی وجہ سے اس مقدار میں کمی رہی ہو تو سجدہ سہو میں پڑھ لے۔

(بہشتی زیور مدلل صفحہ ۱۵۱ مع الزیادہ از فضائل اعمال)

مسئلہ (۵) صلوٰۃ التسبیح کی نیت اس طرح ہے: یااللہ! میں تیری رضا کے لیے صلوٰۃ التسبیح کی چار رکعت نفل ادا کرتا ہوں/ کرتی ہوں۔

مسئلہ (۶) اس نماز کا اوقات مکروہ کے علاوہ باقی دن رات کے تمام اوقات میں پڑھنا جائز ہے۔ البتہ زوال کے بعد پڑھنا زیادہ بہتر ہے یا پھر دن

میں کسی بھی وقت یا پھر رات کو۔

(فضائل اعمال صفحہ ۵۹۲)

مسئلہ (۷) بعض احادیث میں اس تسبیح کے ساتھ لاحول کو بھی ذکر کیا گیا ہے، اس لیے اگر کبھی.... اس کو بڑھا لے تو اچھا ہے۔

(ماخوذ فضائل اعمال صفحہ ۵۹۲)

چھوٹی صلوٰۃ التسبیح

صلوٰۃ التسبیح مشہور تو یہی ہے کہ جس کی تفصیل لکھی گئی، بعض احادیث میں ایک اور صورت بھی مقبول ہے جو دینی اور دنیاوی مقاصد پورے ہونے کے لیے مجرب ہے اور مشائخ نے اس کا نام ”چھوٹی صلوٰۃ التسبیح“ رکھا ہے، اس کی صورت یہ ہے۔

حضرت ام سلیمؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو چند کلمات سکھائے جن کو وہ نماز کے اندر پڑھ لیں تو جو دعا مانگیں گی وہ قبول ہوگی، وہ کلمات یہ ہیں۔

”سبحان اللہ“ دس مرتبہ پڑھیں۔ ”الحمدللہ“ دس مرتبہ پڑھیں۔ ”اللہ اکبر“ دس مرتبہ پڑھیں۔

(ترمذی ۱/۶۳، مسند احمد واللفظ لہ)

فائدہ: علامہ مناویؒ نے اس حدیث کو نقل کر کے فرمایا کہ اس کے فوائد جب ملیں گے جبکہ نماز میں ان کلمات کے معانی کا بھی دھیان رکھا جائے محض زبان کی حرکت نہ ہو۔ اس مختصر صلوٰۃ التسبیح میں دس مرتبہ جن کلمات کو پڑھنے کا ذکر ہے، نماز کے اندر ان کی کوئی خاص جگہ حدیث شریف میں مقرر نہیں ہے اور علما و مشائخ سے منقول ہونا بھی نظر سے نہیں گزرا، اس لیے نمازی کو اختیار ہے کہ نماز کے جس رکن میں چاہے ان کو پڑھے یا التحیات کے آخر میں پڑھ لے۔

(خلاصہ از نجات المسلمین مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ) جو لوگ بڑی صلوٰۃ التسبیح پڑھنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں یا اس کے پڑھنے کی فرصت نہ ہو آسانی سے چھوٹی صلوٰۃ التسبیح پڑھ سکتے ہیں بلکہ روزانہ پڑھ سکتے ہیں اور پھر اپنی مغفرت و بخشش کی اور دیگر اچھے مقاصد میں کامیابی کی دعا مانگ سکتے ہیں لہٰذا اسی کو اپنے عمل میں لے لیں۔

(بشکریہ البلاغ)

نوٹ: چھوٹی صلوٰۃ التسبیح بیماروں اور بزرگوں کو بطور خاص بتائیں اور خود بھی روزانہ پڑھیں اور دیگر لوگوں کو بھی بتا کر ثواب میں شامل ہو جائیں۔

بچے کی ولادت پر ماں کی غذا

1۔ حضرت محمد ﷺ کا ارشاد ہے کہ بچے کی ولادت کے بعد ماں کے لیے کھجور سے بہتر کوئی غذا نہیں اور بیمار کے لیے شہد سے بہتر کوئی علاج نہیں ہے۔

2۔ بچے کی ولادت کے بعد ماں کی پہلی غذا کھجور ہونی چاہیے کیونکہ اللہ عزوجل نے حضرت مریمؑ سے فرمایا درخت کے تنے کو اپنی طرف ہلاؤ تم پر تازہ کھجوریں گریں گی۔

کسی نے سوال کیا۔ یا رسول اللہ اگر کھجوروں کا موسم نہ ہو تو کیا کریں؟

آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”مدینے کی کھجوروں میں سات کھجوریں اور اگر وہ بھی نہ ہوں تو تمہارے اپنے شہر کی سات کھجوریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مجھے اپنی عزت و جلال کی عظمت کی قسم اگر زچہ، بچے کی ولادت کے بعد پہلی غذا اسی روز کھائے تو اگر بیٹا پیدا ہوا ہے تو وہ بچہ بُردبار، حلیم الطبع ہوگا اور اگر بیٹی پیدا ہو تو وہ بیٹی بُردبار ہوگی۔“

مرسلہ: جبیں ہاشمی، بھیرہ



شوابے ہومیوکلینک





اس بات کی ضرورت کافی عرصے سے محسوس کرائی جارہی تھی کہ کسی مستند ادارے کے تحت ماہر تجربہ کار ہومیو پیتھک ڈاکٹروں کا بورڈ ہو جو لوگوں کی صحت کے مسائل کو اپنی ماہرانہ رائے اور تجربے کی روشنی میں نہ صرف حل کرے بلکہ ان کی رہنمائی بھی کرے۔ لہٰذا اس سلسلے کے تحت ہماری کوشش ہوگی کہ ہم آپ کو مختلف امراض کے متعلق آگاہی بھی فراہم کریں اور آپ کے جو صحت کے مسائل ہوں اس کو بورڈ کے ماہر و تجربہ کار ڈاکٹرز کے ذریعے حل کرائیں تاکہ آپ کا معیارِ صحت بلند ہو لہٰذا آپ کے جو بھی صحت کے مسائل ہیں انہیں ہمیں اس پتے پر لکھ بھیجیں' پوسٹ بکس نمبر 733 کراچی۔ ہم ماہنامہ پاکیزہ کے ذریعے آپ کی بیماری کے متعلق آپ کی رہنمائی کریں گے لیکن اس کے لیے اپنا مکمل نام، عمر، پتا اور جو کام کرتے ہیں اس کے متعلق، ازدواجی حیثیت، بیماری کے متعلق، کب سے ہوئی، کیا علاج کیا؟ کسی قسم کی کوئی رپورٹس ہوں تو اس کی فوٹو کاپی جو پڑھنے کے قابل ہوں ساتھ بھیجیں تاکہ صحیح تشخیص کی جاسکے اور دوا بھی صحیح تجویز ہو۔

جوڑوں کا درد، ایڑی، نشہ

جمیلہ بیگم۔ گلشن اقبال

جواب: بالکل استعمال کرتی رہیں اگر آرام کرلیں تو زیادہ اچھا ہے۔ پینے کے لیے Ruta 30 ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی 10 قطرے 1/2 کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں' ایک ماہ بعد حالت بتائیں۔ نشے چھڑانے کے لیے بھی یقیناً ادویات ہیں۔ مختلف قسم کے نشوں کی مختلف ادویات ہیں۔

حرا اکوگی۔ سیالکوٹ

جواب: ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Pulsatilla-30، Oleum Jec-30، Ova testa-30 کے 5-5 قطرے 1/2 گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں اور اسی کمپنی کی Fucus ves-Ø کے 10 قطرے 1/2 گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں۔

بچوں کی پیدائش کے بعد کمزوری

مسز ارم احسن

میری شادی کو 7 سال ہوئے ہیں۔ میرے تین بیٹے ہیں۔ 6، 5 اور 4 سال کے۔ تینوں سیزیرین سے ہوئے ہیں۔ میری عمر 30 سال ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ میری صحت بچوں کے بعد سے کمزور ہوگئی ہے۔ کمر اور ٹانگوں میں اکثر درد رہتا ہے۔ کام کروں تو جلد تھک جاتی ہوں۔ گال پچک گئے ہیں۔ حلقے پڑ گئے ہیں۔ بال کمزور ہو کر ختم ہی ہوگئے ہیں اور رنگ پیلا ہوگیا ہے۔

جواب: پہلی غلطی آپ نے یہ کی کہ بچے سیزیرین ہوئے۔ ہومیو پیتھک ادویات کے استعمال کے بعد بچے نارمل پیدا ہوجاتے ہیں۔ دوسری غلطی یہ کی کہ کوئی وقفہ نہ رکھا اس سے یقیناً ماں کی صحت بھی اچھی نہیں رہے گی اور نہ بچوں کی، وہ بھی کمزور ہی ہوں گے۔ تیسری غلطی یہ کی کہ پہلے بچے کے بعد ہی دوا اور غذا اور آرام کا خیال رکھنا چاہیے تھا جو آپ نے نہیں کیا۔ کام، آرام اور طعام میں توازن رکھیں ساتھ میں ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔

Alfalfa-Ø کے 11 قطرے دن میں 3 مرتبہ 1/2 گلاس پانی میں کھانے سے ایک گھنٹا پہلے لیں۔ Ferr.phos-30، Calc.phos-30 کے 5-5 قطرے 1/2 کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں اور 3 ماہ بعد حال بتائیں۔

بچوں کا قد

عاصمہ خالد۔ وزیر آباد

میرے دو بیٹے ہیں۔ بڑا بیٹا سات سال کا ہے، اس کا قد 3 فٹ 8 انچ ہے اور چھوٹا 6 سال کا ہے اس کا قد 3 فٹ 3 انچ ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ ان کا قد اچھا ہو' وقت کے ساتھ اچھی رفتار سے بڑھے۔ ہمارے خاندان میں سب کے قد اچھے ہیں' بچوں کی عمومی صحت اچھی ہے غذا بھی متوازن لیتے ہیں۔ مہربانی فرما کر آپ اچھی سی دوائی بتادیں۔



جواب: بچوں کو متوازن غذا کے ساتھ کھیل کود بھی کرائیں کیونکہ نشوونما کے لیے ورزش بھی اہم کردار ادا کرتی ہے۔ ابھی بچوں کے قد بڑھنے میں بہت وقت ہے۔ ماں، باپ، دادا اور نانا وغیرہ کے قد کے حساب سے ہی قد بڑھتا ہے۔ بچوں کو ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کرائیں۔ 6 ماہ بعد کیفیت سے آگاہ کریں۔ Calc.phos-30 کے 5-5 قطرے 1/2 کپ پانی میں جبکہ Alfalfa-Ø کے 7 قطرے 1/2 کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ دیں۔

کالا رنگ سفید ہوجائے

فضہ۔ ضلع اٹک

میرا رنگ کالا ہے میں چاہتی ہوں کہ سفید ہوجائے۔ میرے منہ پر دانے بھی نکلتے ہیں کبھی کم تو کبھی زیادہ جو بعد میں داغ بن جاتے ہیں۔

جواب: رنگ کا کالا ہونا اس کی کئی وجوہات ہوتی ہیں اور خاندانی طور پر بھی رنگ کالا ہوتا ہے۔ داد، ایگزیما اور کچھ جلدی بیماریوں میں بھی رنگ کالا پڑ جاتا ہے۔ مختلف قسم کی کریموں اور بلیچ سے بھی چہرے کی رنگت کالی پڑ جاتی ہے کیونکہ یہ جلد کو جلاتی ہیں۔ رنگ نکھارنے کے ساتھ اپنے اوصاف میں نکھار پیدا کریں۔ بلوچ، سری لنکن، نیگرو افریقن، ریڈ انڈین بھی کالے ہوتے ہیں۔ ان کی بھی ایک بیوٹی ہوتی ہے جس کو بلیک بیوٹی کہتے ہیں اس لیے اشتہاری دواؤں سے بچیں یہ سب فراڈ ہیں۔ آپ کی جلد کو دیکھنے کے بعد ہی صحیح فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ اس کو دوائی کی

ضرورت ہے یا نہیں۔

لیکوریا

خالد احسان۔ کراچی

مجھے عرصہ آٹھ سال سے لیکوریا ہے۔ جب ماہواری آنے کا وقت قریب آتا ہے تو لیکوریا کبھی دودھیا گاڑھا اور کبھی دودھیا پتلا آتا ہے اور ناپاکی کے نہانے کے بعد پھر شروع ہو جاتا ہے۔ عام دنوں میں لیکوریا آتا ہے تو جسم میں درد ہوتا ہے اور بستر سے اٹھنے کا دل نہیں چاہتا اور اٹھتے بیٹھتے گھٹنوں میں سے آواز آتی ہے۔ آپ میری کمزوری سے اس بات کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آنکھوں کے نیچے کی نسیں تک نظر آتی ہیں اور میں بہت خوش شکل ہوں لیکن رونق نظر نہیں آتی۔

جواب: وزن آپ کا یقیناً کم ہے۔ متوازن غذا پر توجہ دیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات ایک ماہ تک استعمال کریں اور اپنا حال بتائیں۔

Borax-30، Bovista-30، Calc.carb-30 کے 5-5 قطرے دن میں 3 مرتبہ 1/2 گلاس پانی ڈال کر استعمال کریں۔

جسمانی نشوونما کی کمی

ابرج بنت عباسی۔ ڈیرہ اسماعیل خان

میری بھانجی کا مسئلہ یہ ہے کہ ہاتھ سانولے ہو گئے ہیں لیکن چہرہ بہتر ہے۔ چہرہ اور ہاتھ ملائے جائیں تو یہ لگتا ہی نہیں کہ یہ ہاتھ اور چہرہ اس کا ہے۔ اب بھی اسے اکثر کھٹی چیزوں سے نزلہ وزکام اور گلا خراب ہو جاتا ہے۔ اس کا جسم موٹاپے کی طرف مائل ہے اور پیٹ بڑھا ہوا ہے۔ ایک اور اہم مسئلہ قد کا بھی ہے۔

جواب: وزن نہیں بتایا کہ کتنا ہے؟ متوازن غذا استعمال کرائیں۔ تازہ ہوا میں ورزش کرایا کریں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Calc. carb-30، Belladonna-30 اور Baryta carb-30 کے 5-5 قطرے 1/2 گلاس پانی میں ڈال کر دن میں 3 مرتبہ پلائیں۔ 2 ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

دانہ/مسا

صباح خواب۔ ہری پور ہزارہ

سوال شائع نہ کریں۔

جواب: آپ کا خط پڑھ کر غصہ بھی آیا اور افسوس بھی ہوا کہ ہم کتنے جاہل ہیں۔ جب تک تین گواہ شرعی نہ ہوں الزام ثابت نہیں ہوتا اور پھر زنا کا بہتان لگانا انتہائی گناہ ہے اور وہ بھی اپنی بیٹی پر۔ سوتیلی ہے تو کیا ہوا؟ انسان تو ہے! مسا دراصل ایک قسم کے وائرس سے ہوتا ہے۔ بعض اوقات کسی جوہڑ تالاب یا کسی کے کپڑے پہننے سے بھی ہو سکتا ہے۔ خاندان میں کسی کو ہو تو بچوں میں منتقل ہو سکتا ہے۔ فضول باتیں کرنے کے بجائے علاج پر توجہ دینی چاہیے۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Acid nitric-30 اور Thuja-30 کے 5-5 قطرے 1/2 کپ پانی میں ڈال کر دن میں 3 مرتبہ پئیں اور Thuja-Ø کو متاثرہ جگہ براہِ راست لگائیں۔ ایک ماہ بعد کیفیت بتائیں۔

پست ہمتی

مسز احمد۔ فیصل آباد

ڈاکٹر صاحب، میں کافی عرصے سے میڈیسن کھا رہی ہوں۔ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ ڈپریشن ہے اور ساتھ معدے کی تیزابیت اور گیس جلن وغیرہ کی

دوائیاں دی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب میرے سر کے ٹاپ میں بہت تیز درد ہوتا ہے جو پھیلتا جاتا ہے۔ چہرے اور گردن کے سامنے والی رگوں میں اتنا تیز ہوتا ہے کہ مجھے سانس بند ہوتی ہوئی لگتی ہے۔ پھر نقاہت، دل خراب اور سارے جسم میں تیز درد ہوتا ہے۔ کھانا نہیں کھاتی تو طبیعت خراب ہو جاتی ہے اور اگر کھالوں تو اس سے زیادہ خراب ہو جاتی ہے۔ سارے جسم میں تیز درد شروع ہو جاتا ہے، نظر دھندلی لگتی ہے، بازو اور ٹانگیں سن لگتی ہیں اور پھر بھوک بالکل ختم ہو جاتی ہے۔

جواب: اللہ پر واقعی یقین ہے تو پھر اٹھ جائیے۔ جو زندگی ہے اس میں اللہ کو راضی کرنے کی کوشش کیجیے شکر ادا کیجیے۔ رات کو جلد از جلد عشا کی نماز پڑھ کر سو جائیے اور صبح فجر میں اٹھیے۔ نماز پڑھ کر چہل قدمی کیجیے۔ سورۂ یٰسین کی تلاوت کر کے اور سورۂ فاتحہ پڑھ کر اپنے ہاتھ پر دم کر کے پورے جسم پر پھیریے۔ کھانے میں نمک کم استعمال کیجیے اور بلڈ پریشر چیک کرائیے۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کیجیے۔ Iris versciallar-30، Nux vomica-30، Calc.carb-30، Rhus. tox-30، Anacardium-30 کے 5-5-5 قطرے 1/2 گلاس پانی میں ڈال کر پئیں' ساتھ میں Cardus marianus-Ø کے 10 قطرے 1/2 کپ پانی میں ڈال کر دن میں 3 مرتبہ پئیں۔ 2 ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔ ہر کیس کو الگ الگ صفحے پر تحریر کیا کریں۔

ڈسمینوریا

ثمینہ۔ پاکپتن شریف

سلام کے بعد عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اور پاکیزہ کو جزائے خیر عطا فرمائے جس کے توسط سے



آپ اس کارِ خیر کا حصہ ہیں جس سے لوگوں کو آسانی ہے۔ خاص طور پر ان خواتین کو جو کچھ فطری شرم کے باعث اپنی بیماریوں کے بارے میں زیادہ تفصیل سے ڈسکس نہیں کر سکتیں۔

میرا مسئلہ یہ ہے کہ تقریباً ساڑھے چھ سال پہلے مجھے انٹرکورس کے دوران بلیڈنگ ہوئی تھی جس کے بہت علاج کروائے جس سے اب بلیڈنگ تو نہیں ہوتی لیکن پیریڈ ٹھیک نہیں ہوتے کیونکہ اس دوران مجھے بہت گھبراہٹ ہوتی ہے، چکر آتے ہیں اور ٹانگوں میں بہت درد ہوتا ہے، کمر میں شدید درد رہتا ہے، پیشاب کی بھی تکلیف ہو جاتی ہے، بار بار آتا ہے اور فوراً کرنا پڑتا ہے۔

جواب: اس عمر میں بچہ پیدا کرنے کا خیال بالکل دل سے نکال دیں۔ ہاں اپنے آپ کو فٹ ضرور رکھیں۔ قد اور وزن بھی لکھیں۔ خاندانی بیماریوں کے متعلق بھی لکھیں۔ شوہر کو کوئی بیماری ہے تو اس کا بھی ذکر کریں۔ لیکوریا ہوتا ہے؟ اگر ہاں! تو اس کی کیفیت لکھیں۔ متوازن غذا کھائیں۔ مرغن غذاؤں سے پرہیز کریں۔ ہلکی ورزش کیا کریں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔ Calc.carb-30، Pulsatilla-30 کے 7-7 قطرے 1/2 گلاس پانی میں ڈال کر دن میں 3 مرتبہ پئیں۔ ایک ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

بلغم کی شکایت

مہرلی۔ کوٹلی آزاد کشمیر

سانس لینے میں دشواری ہوتی ہے۔ خشک نزلہ رہتا ہے۔ گلا خراب رہتا ہے اور زبان میں کافی تکلیف رہتی ہے۔ مجھے الرجی بھی رہتی ہے

اور ٹھنڈی چیزیں استعمال کرنے سے بہت پرابلم ہوتی ہے۔ میں نے ٹھنڈی چیزیں کافی حد تک استعمال کرنا چھوڑ دی ہیں۔ چاول بھی بہت کم کھاتی ہوں۔ موسم ٹھنڈا ہو' بارش وغیرہ ہو تو زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔ یہاں سردیوں میں بہت ٹھنڈ ہوتی ہے جس میں بیماری بھی بڑھ جاتی ہے۔ رات بھر اس کی وجہ سے نیند نہیں آتی۔ سانس بند ہونے لگتی ہے اور دل کی ڈھڑکن تیز ہوجاتی ہے۔

جواب: یہ خاندانی جینیٹک مسئلہ ہے۔ باقاعدگی سے علاج کریں تو ٹھیک ہوجائیں گی۔ ٹھنڈ سے بچیں اور گرم ٹھنڈا یا ٹھنڈا گرم نہ کیا کریں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی ادویات Bacilinum -200 کے 5 قطرے 1/2 کپ پانی میں ڈال کر مہینے میں ایک دفعہ پئیں۔ اس کے لینے کے بعد ایک دن کا وقفہ دیں۔ پھر Calc.carb-30 کے 5 قطرے دن میں 3 مرتبہ 1/2 کپ پانی میں ڈال کر پئیں۔ رات کو سونے سے پہلے Nux vomica-30 کے 5 قطرے اسی طرح پئیں اور جب کھانسی یا نزلہ شدید ہو تو Ars.alb-30 کے 5 قطرے دن میں 3 مرتبہ پی لیا کریں۔

ڈسمینوریا

دوسرا مسئلہ میری دوست کا ہے۔ اسے ماہواری کا مسئلہ ہے۔ ماہواری سے کئی دن پہلے اسے پیٹ میں درد رہتا ہے۔ رک رک کر پیشاب آتا ہے۔ جلن بھی ہوتی ہے۔

جواب: سہیلی سے کہیں کہ اپنی غذا کا خاص خیال رکھا کرے۔ ایسی غذاؤں کا استعمال زیادہ کرے جس میں آئرن اور کیلشیم زیادہ ہو۔ سیب، ٹماٹر، اسٹرابیری، چیری، لال گوشت، دودھ، دہی، پنیر وغیرہ۔ 2 ماہ تک ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔ Pulsatilla-30، Calc.carb-30، Chamomilla-30 کے 5-5 قطرے 1/2 کپ پانی میں ڈال کر دن میں 3 مرتبہ پئیں اور Alfalfa-Ø کے 11 قطرے 1/2 کپ پانی میں ڈال کر استعمال کریں۔

اولاد کی نعمت/ہارمونز کی خرابی

مسز نعیم رضا۔ ڈیرہ غازی خان

میری شادی کو 3 سال 4 ماہ ہوگئے ہیں اور میں اولاد کی نعمت سے محروم ہوں۔

جواب: آپ کے ساتھ شروع سے مسئلہ ہارمونز کی خرابی ہے جو اَب بھی ہے اسی وجہ سے چھاتیوں میں دودھ بھی ہے، اور سر کے بال بھی اسی وجہ سے ہیں۔ بالوں کے گرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے۔ 3 ماہ تک ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں پھر کیفیت بتائیں۔ Calc carb-200 کے 5-5 قطرے ہر اتوار کو پئیں۔ ہفتہ اور پیر کوئی دوا نہ لیں۔ منگل سے جمعہ تک Pulsatilla-30 اور Threoidinum-30 کے 5-5 قطرے 1/2 کپ پانی میں ڈال کر دن میں 3 مرتبہ پئیں جبکہ Fucus.ves-Ø کے 13 قطرے 1/2 گلاس پانی میں ڈال کر دن میں 3 مرتبہ پئیں۔